ایک جن زادی کی پراسرار داستان
PDFBOOKSFREE.PK
دینار
شمیم نوید

ایک جن زادی کی پراسرار داستان

دینار

شمیم نوید

اسٹاکسٹ:-

مکتبہ القریش سرکلر روڈ

اردو بازار، لاہور۲۔فون:7668958

E.mail: al_quraish@hotmail.com

معیاری اور خوبصورت کتابیں

بااہتمام...... محمد علی قریشی

باراول ـــــــ 2004ء

مطبع ـــــــ نیر اسد پریس

سرورق ـــــــ ذاکر

کمپوزنگ ـــــــ وسیم احمد قریشی

قیمت ـــــــ 250/- روپے

انتساب

اپنی شریکِ حیات

سنجیدہ خاتون کے نام......!

بھارت کے دارالحکومت دہلی میں واقع حضرت بختیار کاکیؒ کی درگاہ کے احاطہ ہی میں کچھ اور برگزیدہ بندوں کے مزار بھی ہیں۔ انہی میں حافظ رحمت علی شہید کا مزار ہے۔ جب ہم 1992ء میں دہلی گئے تو وہاں قیام کے دوران ہمارے ایک سسرالی عزیز سلیمان صابر نے ایک دفعہ بتایا کہ حافظ رحمت علی شہید کے قبضے میں کئی جن تھے جنہیں انہوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں آزاد کر دیا تھا۔

انہی جنات میں سے ایک جن نے ان کی جان لے لی۔ دراصل وہ ایک کافر جن تھا جو بظاہر حافظ رحمت علی مرحوم کے ہاتھ پر بیعت ہو کر مسلمان ہو گیا تھا مگر اندر سے بدلا نہیں تھا۔ جن زادوں کے علاوہ حافظ صاحب کے قبضے میں جن زادیاں بھی تھیں۔ انہیں بھی حافظ صاحب نے آزادی عطا کر دی تھی۔ حافظ صاحب بڑے عالم اور بزرگ تھے۔ ان کے پاس بڑی نایاب کتب کا ذخیرہ تھا جو ان کے عزیزوں نے کوڑیوں کے مول بیچ دیا۔ پھر بھی کچھ کتابیں اور قلمی نسخے خراب و خستہ حالت میں موجود ہیں جنہیں ان کے عزیزوں نے گھر کی ایک کوٹھری میں ڈال رکھا ہے۔

ہم نے اپنی شریک حیات کی ڈیوٹی لگا دی کہ وہ محترم سلیمان صابر کے ساتھ بلی مارا جا کر ان کتابوں اور قلمی نسخوں کا جائزہ لے آئیں۔ شاید کہ کوئی نایاب کتاب مل جائے۔

ہماری شریک حیات بلی مارا سے لوٹیں تو بہت خوش تھیں۔ وہ دیمک زدہ دو قلمی نسخے تھے جو وہ لے کر آئی تھیں۔ ہمارے پوچھنے پر انہوں نے بتایا ”یہ دونوں قلمی نسخے ایک جن زادا اور ایک جن زادی کی سرگزشتیں ہیں جو انہوں نے مرحوم حافظ رحمت علی سے بیان کی تھیں۔ خود حافظ صاحب نے انہیں خط شکستہ میں لکھا ہے۔“

پاکستان آ کر وقت ملنے پر ہم نے ان قلمی نسخوں کا مطالعہ کیا تو حیران رہ گئے۔ وہ دونوں بے مثل سرگزشتیں تھیں البتہ زبان و بیان، اسلوب تحریر وغیرہ خاصا قدیم اور معرب و مرصع تھا۔ اس کے علاوہ جہاں جہاں مسودوں کو دیمک چاٹ گئی تھی، عبارت بھی بے ربط تھی۔

ان میں سے ایک سرگزشت ”جن زادی“ بغداد قدیم سے شروع ہوتی ہے۔ حافظ رحمت علی مرحوم ہی کے عزیزوں سے یہ معلوم ہوا تھا کہ حافظ صاحب کی زندگی کا کچھ حصہ بغداد میں بھی گزرا۔ وہاں ان کا قیام حضرت عبدالقادر جیلانیؒ (غوث پاک) کے مقبرے کی حدود ہی میں تھا۔ اس

پراسرار سرگزشت کے مرکزی کردار جن زادی سے حافظ صاحب کی ملاقات بغداد ہی میں ہوئی تھی۔ یہ نایاب سرگزشت ہم ازسرنو کہانی کی صورت میں ترتیب دے کر اپنے اسلوب اور زبان و بیان میں تحریر کر رہے ہیں' مگر اس سے پہلے ہم چند ضروری باتیں عرض کر دینا چاہتے ہیں۔ جنات سے متعلق مندرجہ ذیل مطالعہ اور تحقیق میں ہماری شریک حیات کی تلاش و کاوش کو بھی بڑا دخل ہے۔

ملائکہ اور جنات کا ذکر قرآن حکیم میں ایک سو اٹھارہ (118) جگہ موجود ہے۔ سورۂ جن اور قرآن کی دیگر سورتوں کے علاوہ سورۂ حجر' سورۂ صفات اور سورۂ ملک کی مختلف آیات میں بھی جنات کا ذکر یوں کیا گیا ہے کہ جن اگرچہ عالم بالا کی طرف پرواز کر سکتے ہیں مگر ایک حد سے آگے نہیں جا سکتے۔ اس سے اوپر جانے کی کوشش کریں تو انہیں روک دیا جاتا ہے۔

اصطلاح کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی اس مخلوق کا نام جن ہے' جسے آگ کے شعلوں سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اپنے مادے کی لطافت کے سبب ایسی قوت اختیار کرتے ہیں کہ حسب منشا ہر صورت میں متشکل ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے نار سموم کو پیدا کیا۔ یہ وہ آگ تھی جس میں دھواں نہ تھا۔ اسی آگ سے اللہ نے جنات کو پیدا کیا۔ جنات کا ظاہری جسم انسان کی روح ہوائی کی طرح لطیف ہے۔ روح کے ساتھ اختلاط سے اس کی لطافت اور بڑھ جاتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ جنات کا ظاہری جسم مختلف شکلیں یا قالب اختیار کر سکتا ہے۔ یہ مخلوق کبھی اصل صورت پر باقی رہ کر مسامات اور رگوں کے ذریعے جسم انسانی میں داخل ہو کر تغیرات کا باعث ہوتی ہے اور کبھی کوئی کثیف جسم اختیار کر کے اچھی بری یا ہولناک شکل و صورت میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔

انہی حقائق کی آڑ میں پیشہ ور پیروں اور فقیروں نے مختلف ذہنی عوارض میں مبتلا مریضوں کو اپنا ذریعہ معاش بنا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے' جنات سے انسان بہرحال افضل ہے' نہ تو جنات کے وجود سے انکار ممکن ہے' نہ انہیں انسان سے برتر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ ایسی مثالیں خال خال ہیں کہ کوئی انسان' جن کے زیر اثر آ گیا ہو ورنہ تو اکثر توہمات اور ذہنی بیماریوں ہی کو جنات کا اثر سمجھ لیا جاتا ہے جس کی وجہ ناخواندگی ہے۔

سائنس اور جدید علوم نہ تو جن کی تائید کرتے ہیں نہ تردید۔ سائنس کا یہ دائرہ عمل ہی نہیں۔ سائنسی تجربات سے جہاں اور بہت سے حقائق ثابت کرنا ممکن نہیں' جن کے وجود کو بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا' لیکن اگر خوردبین سے بھی کوئی شے نظر نہ آ سکے تو اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ سرے سے موجود ہی نہ ہو۔ جنات کا تعلق کرۂ ارض کے کسی خاص حصے ہی سے نہیں' یہ ہر جگہ اور ہر خطہ زمین پر پائے جاتے ہیں۔ مغرب میں بھی ویمپائر' ڈریکولا وغیرہ جنات ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ جنات کے بارے میں حافظ رحمت علی مرحوم کا تحریر کردہ مسودہ پڑھ کر متعدد باتیں منکشف ہوئیں جن کا علم ہمیں پہلے نہیں تھا۔ ہم اس پراسرار سرگزشت کے ذریعے آپ کو بھی ان انکشافات میں شریک کر رہے ہیں۔

شمیم نوید۔ کراچی

ان دنوں عراق کے صحراؤں میں یہ خبر گرم تھی کہ آدم زاد کسی نئے شہر کی بنیاد رکھنے والے ہیں۔ ابھی تک یہ تصدیق نہیں ہو سکی تھی کہ نیا شہر کہاں بسایا جائے گا۔ جب بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آتا جنات میں کھلبلی مچ جاتی۔ قبیلوں کے سردار سر جوڑ کر بیٹھ جاتے اور ایک دوسرے سے مشورے کرتے' سوچتے کہ کیا تدبیر ہو جو آدم زاد کوئی نئی بستی نہ بنا سکیں۔

اس وقت میرا لڑکپن تھا اور میری عمر زیادہ نہیں صرف سو سال تھی' مگر تمام واقعات مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔ ایک شام کا ذکر ہے جب میری ماں سہلوبہ گھبرائی ہوئی سی کھنڈرات میں داخل ہوئی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''اے دینار! کیا تو نے اپنے باپ اضم کو کہیں دیکھا ہے؟''

''نہیں اے میری ماں!'' میں نے جواب دیا' پھر دریافت کیا۔ ''تو مجھے کچھ پریشان سی لگتی ہے' کیا بات ہے؟''

''تو نے ٹھیک سمجھا اے دینار!'' میری ماں نے تصدیق کی اور کہنے لگی۔ ''ابھی تو بچہ ہے اس لئے شاید میری پریشانی کی وجہ نہ سمجھ سکے۔ اپنے باپ اضم اور بھائی یوسف کو آ جانے دے' پھر بتاؤں گی کہ میں نے انبار میں کیا دیکھا اور سنا ہے۔''

''تو وہاں انبار کیوں گئی تھی اے میری ماں؟...... میں نے تو سنا ہے کہ وہاں مسلمان آدم زادوں کا خلیفہ رہتا ہے۔'' میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

''ہاں انبار ہی خلیفہ ابوجعفر عبداللہ المنصور کا شہر ہے۔ تجھے یقیناً معلوم نہیں ہو گا اے دینار کہ اب سے بارہ برس پہلے ابوالعباس سفاح' حرہ سے انبار چلا گیا تھا اور پھر اس نے انبار ہی کو دارالخلافہ بنا لیا تھا۔ تبھی سے اسے خلیفہ کا شہر کہا جاتا ہے۔ میں وہاں یہ سن گن لینے گئی تھی کہ خلیفہ کے حکم پر نیا شہر کہاں بسایا جانے والا ہے۔'' ابھی میری ماں اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ مزید کچھ کہنے سے رک گئی۔

"کیا ہوا اے میری ماں! تو چپ کیوں ہوگئی؟" میں نے معلوم کیا۔

"مجھے تیرے باپ اضعم کی خوشبو آ رہی ہے۔" میری ماں نے بتایا۔" وہ اسی طرف آ رہا ہے۔ کیا تجھے اس کی خوشبو نہیں آئی؟"

اپنی ماں کے توجہ دلانے پر میں نے اس طرف دھیان دیا اور بولی۔" ہاں مجھے بھی اس کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔"

جس طرح آدم زادوں کے چہرے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں' اسی طرح ان کے جسموں کی بو بھی جدا جدا ہوتی ہے۔ ایسا ہی ہم جنات کے ساتھ بھی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ عام آدم زاد مختلف جسموں کی بو کو الگ الگ شناخت نہیں کر سکتے' لیکن جنات ایک دوسرے کے وجود کی بو بآسانی پہچان سکتے ہیں۔ میری ماں نے اسی لئے میرے باپ اضعم کی خوشبو کو پہچان لیا تھا۔ ایک جن زادی ہونے کے سبب یہ صفت میرے اندر بھی تھی۔

میرا باپ آ گیا تو اس نے میری ماں سے سوال کیا۔" اے دینار کی ماں! تجھے میں نے انبار بھیجا تھا' وہاں سے تو کیا خبر لائی؟"

"اے اضعم! میں جو خبر لے کر آئی ہوں' وہ ہمارے پورے قبیلے کیلئے دکھ دینے والی ہے۔" میری ماں نے پرتاسف آواز میں کہا۔

"تو نے مجھے یہ بتا کر فکر مند کر دیا۔"

"ہاں اے میرے بچوں کے باپ اضعم! بات فکر ہی کی ہے۔ شاید ہمارے قبیلے کو بابل کے ان قدیم کھنڈرات سے کہیں اور کوچ کر جانا پڑے۔"

"خدا نہ کرے۔" میرے باپ نے بہ عجلت کہا۔" ایسی بات زبان پر نہ لا اور مجھے یہ بتا کہ انبار میں تجھے کیا معلوم ہوا؟"

"میں تجھے وہی تو بتانے والی ہوں اے اضعم! تیری یہ اطلاع درست نکلی ہے۔ نئے شہر کی بنیاد رکھنے کیلئے خلیفہ کے ایک معتمد خالد بن برمک نے بڑا خطرناک مشورہ دیا ہے۔ خالد بن برمک دیوان الخراج یعنی محکمہ مال کا منتظم اعلیٰ ہے۔ خلیفہ اس کے مشوروں کو بڑے دھیان سے سنتا ہے۔ یہاں سے تقریباً پانچ فرسخ (پندرہ میل) پر دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر خالد نے نیا شہر بسانے کا مشورہ دیا ہے۔" میری ماں تفصیل بتانے لگی۔

اسی وقت میرا بھائی یوسف بھی وہاں آ گیا تو میرے باپ نے اسے مخاطب کیا۔

"آرام سے بیٹھ اور دھیان سے اپنی ماں کی باتیں سن! یہ انبار میں خلیفہ المنصور کے محل سے ہو

کر آئی ہے۔" یہ کہہ کر میرے باپ نے میری ماں سے کہا:" مجھے اس بات میں زیادہ وزن معلوم نہیں ہوتا۔ دریا کے دونوں کناروں پر شہر بسانے کا مطلب تو گویا یہ ہوا کہ دریا نئے شہر کے درمیان سے گزرے گا۔"

"ہاں اضعم! خلیفہ نے جب خالد سے وضاحت طلب کی تھی تو اس نے بھی یہی کہا تھا۔" میری ماں بولی۔" دریا نئے شہر کے درمیان ہی سے گزرے گا۔ خدانخواستہ اگر کل کے اجلاس میں خلیفہ نے خالد کی تجویز کو قبول کر لیا تو ظاہر ہے ہمارا قبیلہ ان کھنڈرات میں آباد نہیں رہ سکے گا۔ ہم آدم زادوں کی کسی بستی کے اتنے قریب رہے تو ہر وقت خطرے کی زد میں رہیں گے۔"

میں تو خیر ابھی چھوٹی تھی اور نو جوانی کی حدود میں قدم رکھ رہی تھی مگر میرا بھائی یوسف جوان اور باشعور تھا۔ اس کی عمر مجھ سے ڈیڑھ سو سال زیادہ تھی۔ اسے بھی کسی نئے شہر کے بسنے کا علم تھا۔ میری ماں کی بات ختم ہوتے ہی وہ بول اٹھا۔

"اے میری ماں! اب تک ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔ وہ یہ کہ آخر خلیفہ المنصور کس لئے کوئی نیا شہر بسانا چاہتا ہے؟"

"اے میرے بچے یوسف! تیرے سوال کا جواب میں دوں گا۔" میرے باپ نے کہا۔" انبار پر راوندیہ آئے دن یورش کرتے رہتے ہیں۔ یہ خراسان کے رہنے والے بدعقیدہ لوگ ہیں۔ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ ذات برحق' فرشتوں اور پیغمبروں کی ارواح کسی بھی آدم زاد کے اندر حلول کر سکتی ہیں۔ یہ بھٹکے ہوئے لوگ تناسخ اور حلول کے قائل ہیں۔ نیا شہر بسا کر اور وہاں منتقل ہو کر ایک تو راوندیوں کے فتنے سے خلیفہ بچنا چاہتا ہے' دوسرا یہ کہ انبار میں اسے ہر وقت اپنی جان کا خطرہ رہتا ہے۔ حفاظتی نقطہ نظر سے انبار مناسب جگہ نہیں۔"

"مگر خلیفہ کیلئے کوفہ کیا برا ہے؟" یوسف بول اٹھا۔" جغرافیائی اور حفاظتی اعتبار سے اس شہر کو دارالخلافہ بنایا جا سکتا ہے۔ اے میرے باپ!

"یقیناً تو نے درست کہا اے میرے بیٹے یوسف! لیکن تجھے شاید یہ معلوم نہیں کہ اہل کوفہ کو وہاں خلیفہ کی سکونت ناگوار ہے۔" میرا باپ بولا۔ پھر وہ میری ماں سے مخاطب ہوا۔

"اے سہلوبہ! کل خلیفہ نے جو اجلاس طلب کیا ہے' اس میں حتمی فیصلہ ہونا ہے اس لئے تجھے کل بھی انبار جانا ہے۔ تو نے جن خدشات کا اظہار کیا ہے' اللہ ان سے ہمیں بچانے والا ہے' لیکن جو تقدیر کر دیا گیا اسے بدلنا ممکن نہیں۔"

یہ بھی اسی رات کا ذکر ہے کہ میں نے اپنی ماں سے اس کے ساتھ انبار چلنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

''کیا......؟ تو ہوش میں تو ہے اے دینار! میں تجھے اپنے ساتھ آدم زادوں کی بستی میں لے جاؤں...... ناممکن۔''

''لیکن کیوں اے میری ماں!'' میں ضد کرنے لگی۔ ''میں نے آج تک کوئی محل نہیں دیکھا۔''

''کچھ چیزوں کو نہ دیکھنا ہی بہتر ہوتا ہے۔'' میری ماں نے کہا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید بولی۔ ''اے دینار! کیا تو وہ ساری باتیں بھول گئی جو میں نے تجھے آدم زادوں کے بارے میں اب تک بتائی ہیں؟ یہ آدم زاد بہت خطرناک ہوتے ہیں اور موقع ملنے پر ہم جنات کو اپنے قبضے میں بھی کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد یہ ہمارے ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں جو غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ آدم زادوں کی بستیوں میں داخل ہونے کے بعد ہم جنات کیلئے ہر طرف خطرہ ہوتا ہے۔ تو پھر میں تجھے خطرے میں کیوں ڈالوں۔''

''مگر اے میری ماں! جو خطرہ وہاں میرے لیے ہے تو بھی تو اس سے بچی نہ رہ سکے گی۔'' میں نے جواب دیا۔

''میری بات اور ہے میری بچی! تیری اور میری عمروں میں صدیوں کا فرق ہے۔ ابھی تجھے وہ تجربات نہیں ہوئے جن سے میں گزر چکی ہوں۔ انہی تجربوں کی بنا پر میں آدم زادوں سے نمٹنا اچھی طرح جانتی ہوں۔ میں ان کے چنگل میں نہیں پھنس سکتی' لیکن تیری بات اور ہے' تجھے فریب دیا جا سکتا ہے۔ سوائے دینار! ضد نہ کر...... میں تجھے اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گی۔''

میں سمجھ گئی کہ میرا اصرار بیکار ہے' میری ماں مجھے اپنے ساتھ انبار نہیں لے جائے گی۔ پھر میں نے مزید ضد نہیں کی۔

یہ بات غالباً آدم زادوں اور جنات دونوں کی سرشت میں شامل ہے کہ انہیں جس کام سے روکا جائے اس کی طرف ضرور مائل ہوتے ہیں۔ میرے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ بچپن سے میری ماں یہ تاکید کرتی رہی تھی کہ آدم زادوں کی بستیوں میں نہ جاؤ' ان سے کوئی تعلق نہ رکھو' مجھ پر اس تاکید کا الٹا اثر ہوا تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی میں نے آدم زادوں کی بستیوں میں آنا جانا شروع کر دیا تھا' مگر چوری چھپے اس کا علم نہ میرے والدین کو تھا' نہ بھائی

یوسف کو۔ آدم زادوں کو حیران کر دینے میں مجھے بڑا مزہ آتا تھا۔ اس کا تفصیلی ذکر میری سرگزشت میں آگے آئے گا۔ فی الحال تو میں نے انبار جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں نے اپنی ماں سے یہ غلط نہیں کہا تھا کہ میں نے کوئی محل نہیں دیکھا تھا۔ چوری چھپے خلیفہ کے محل میں داخل ہونے پر مجھے یہ اطمینان بھی تھا کہ میری ماں بھی وہاں ہو گی اور کسی بھی ممکنہ خطرے سے میں اس کی موجودگی میں بچی رہوں گی۔ آدم خطرناک ہرگز نہیں ہیں جتنا انہیں جنات نے بدنام کر رکھا ہے۔ یہ تاثر میرے لڑکپن کا ہے' بعد میں مجھ پر کیا گزری' یہ بعد ہی میں بتاؤں گی۔

دوسرے دن شام ہونے سے پہلے ہی میں فضا میں پرواز کر گئی۔ اس وقت تک میری ماں انبار جانے کیلئے کھنڈرات سے روانہ نہیں ہوئی تھی۔ مجھے ابھی فضا میں منڈلاتے رہنا تھا تاکہ ماں کا تعاقب کر سکوں۔ اس کیلئے مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اپنی ماں سے کتنے فاصلے پر رہ کر اس کا تعاقب کرنا ہے۔ اس احتیاط کی وجہ میرے وجود کی مخصوص خوشبو تھی جسے محسوس کر کے وہ میری موجودگی سے باخبر ہو سکتی تھی۔ اپنی ماں کے تعاقب کا ایک سبب یہ تھا کہ میں پہلے کبھی انبار نہیں گئی تھی۔

اپنی ماں کے پیچھے کچھ فاصلے سے میں فضا میں تیرتی ہوئی انبار پہنچ گئی۔ دور ہی سے مجھے خلیفہ کے محل کے گنبد و مینار نظر آ گئے۔ میری ماں اسی طرف بڑھ رہی تھی۔ چند لمحے بعد ہی میں محل کے اندر تھی۔ پرتعیش زندگی گزارنے والے خلیفہ المنصور کا محل دیکھ کر میں دنگ رہ گئی۔ غریب آدم زادوں کی بستیوں اور اس محل میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ محل میں ہر طرف جیسے رنگ ہی رنگ بھرے ہوئے تھے۔ اس کا سبب مختلف رنگوں کے ریشمی پردے تھے جنہوں نے در و دیوار کو ڈھانپ رکھا تھا۔ میں محل کے سحر میں ایسی گم ہوئی کہ احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

اس وقت میں چونک اٹھی جب ایک آشنا آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ ''مجھے معلوم تھا اے دینار کہ تو باز نہیں آئے گی۔'' یہ میری ماں سہلوبہ کی آواز تھی۔

''مم..... ماں!'' میں ہکلا کے رہ گئی۔

''میرے ساتھ ساتھ رہ!'' میری ماں نے کہا۔ ''تو جو کچھ دیکھے اور سنے' اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔''

''میں ایسا ہی کروں گی۔'' میں نے یقین دہانی کرائی۔

''کاش تو مجھے ادھر آتے ہوئے راستے میں نظر آ جاتی تو میں تجھے وہیں سے واپس

کر دیتی، مگر اب..... اب کچھ نہیں ہو سکتا۔" میری ماں کے لہجے میں تاسف تھا..... میں کچھ نہیں بولی اور خاموشی سے اس کے ساتھ محل کے دیوان خاص میں پہنچ گئی۔

خلیفہ المنصور آ چکا تھا اور اجلاس شروع ہونے والا تھا۔ میں نے پہلی بار مسلمانوں کے خلیفہ کو دیکھا تھا۔ اس کا رنگ گندم گوں تھا اور قد لمبا، دونوں رخسار قدرے نحیف تھے۔ مجموعی طور پر اس کی شخصیت متاثر کن نہیں تھی، لیکن جب وہ کچھ دیر بعد بولا تو میری رائے بدل گئی۔ اس کی بھاری گونجدار سی آواز میں بڑا رعب و دبدبہ تھا، یوں جیسے اسے خلیفہ ہونے کا پوری طرح احساس ہو۔

اسی اجلاس میں مجھے معلوم ہوا کہ خالد بن برمک ہی کی تجویز پر خلیفہ نے اس کے بتائے ہوئے مقام کا جائزہ لینے کچھ لوگوں کو بھیجا تھا۔ وہ بھی اس اہم اجلاس میں موجود تھے۔ جو وفد بھیجا گیا تھا اس کے نگران موسیٰ بن کعب نے خلیفہ المنصور کے پوچھنے پر بتایا۔ "وہ ایک ایسا مقام ہے جہاں پر کشتیوں کے ذریعے شام، رقہ، مصر اور مغرب کے مختلف شہروں سے رسد آ سکتی ہے نیز چین، ہند، بصرہ، واسط، دیار بکر، روم اور موصل سے دریا کے رستے ارمینہ اور اس کے ملحقات سے غلہ بخوبی پہنچ سکتا ہے۔"

"ہمیں یہ بتا اے موسیٰ کہ اگر اس جگہ شہر بسایا جائے تو کیا وہ دشمن کے حملے سے محفوظ رہ سکے گا؟" خلیفہ المنصور نے سوال کیا۔

"اے امیر المومنین! یقیناً!" موسیٰ بن کعب نے جواب میں کہا۔

"اپنے یقین کی وضاحت کر۔" خلیفہ المنصور نے حکم دیا۔

"جسور (پل) اور قناطیر (جو چیز پانی پر اترنے کی غرض سے بنائی جائے مثلاً پل باندھنا وغیرہ) کے سوا اس مقام کو کسی ذریعے سے عبور نہیں کر سکتے اے امیر المومنین!" موسیٰ بتانے لگا۔ "جب آپ ان کو منقطع کر دیں گے تو دشمن بے بس ہو جائے گا۔ آپ بصرہ و کوفہ اور واسط و موصل کے درمیان میں دریا و خشکی اور پہاڑ کے قریب مقیم رہیں گے۔"

"ہمیں یوں لگتا ہے کہ اس جگہ ایک ایسا شہر تعمیر ہونے والا ہے جو صدیوں قائم رہے گا۔ دنیا جب بھی اس شہر کا ذکر کرے گی تو اسے تعمیر کرانے والے کا نام بھی ساتھ میں لے گی۔" خلیفہ منصور کی رعب دار آواز دیوان خاص میں گونجی۔ "کل ہم بہ نفس نفیس اس مقام کا معائنہ کر کے اپنا فیصلہ سنائیں گے۔ اگر ہمارا فیصلہ وہاں شہر بسانے کے حق میں ہوا تو کل ہی موقع پر سب کو آگاہ کر دیا جائے گا۔"

پھر خلیفہ المنصور نے اجلاس برخاست کر دیا۔

میری ماں نے مجھے چلنے کا اشارہ کیا اور میں اس کے ساتھ محل سے باہر آ گئی۔

"فیصلہ تو آج بھی نہیں ہوا اے میری ماں!" میں نے اپنی ماں کے ساتھ ساتھ انبار سے بابل کی طرف پرواز کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں اے دینار!..... لیکن مجھے خلیفہ کی باتوں سے ایسا لگتا ہے کہ اسے تجویز کردہ مقام پر نیا شہر بسانے میں دلچسپی ہے۔" میری ماں بولی۔ "تو نے دیکھا نہیں کہ وہ کس طرح شہر بسانے پر خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ خلیفہ اس جگہ نیا شہر بسانے کا حکم صادر کر دے، ہمیں اپنے تحفظ اور مستقبل کے بارے میں کچھ نہ کچھ سوچنا پڑے گا۔ ہمارے قبیلے کی نئی نسل کو آدم زادوں کی کسی بستی سے اس قدر قریب نہیں رہنا چاہئے۔"

مجھے معلوم ہے کہ میری عمر کے جن زادوں اور جن زادیوں کو جنات کی نئی نسل میں شمار کیا جاتا تھا۔ اپنی ماں کے خیالات اور آدم زادوں کے متعلق خدشات سے ہر چند مجھے اتفاق نہیں تھا، اس کے باوجود میں نے اپنے اختلاف کے اظہار سے گریز کیا۔ اس کا سبب اپنی ماں کی خوشنودی حاصل کرنا بھی تھا تا کہ وہ میرے باپ اضخم سے میری حالیہ نافرمانی کا تذکرہ نہ کرے۔ پھر یہی بات میں نے اپنی ماں سے کہہ بھی دی۔

"اے دینار! اگر تجھے اپنے باپ کی عزت کا اتنا ہی خیال ہے اور تو اس سے ڈرتی ہے کہ اسے تیری نافرمانی کا پتہ نہ چل جائے تو پھر آئندہ ایسا کبھی نہ کیجیو! تجھے میں جو نصیحت کرتی ہوں تو وہ تیری بھلائی کیلئے ہے۔ کیا تجھے اس بات پر فخر محسوس نہیں ہوتا کہ تیرا باپ اضخم ان سات جنات میں سے ایک ہے جو سب سے پہلے ایمان لائے۔"

"کیوں نہیں اے میری ماں!..... میں اپنے نیک باپ پر فخر کرتی ہوں اور جانتی ہوں کہ ہمارے قبیلے والوں نے اسی وجہ سے اسے اپنا سردار بنایا ہے۔" میرا جواب سن کر میری ماں خوش ہو گئی اور کہنے لگی۔ "یہ بات تیرے میرے درمیان ہی رہے گی کہ تو بھی انبار گئی تھی۔"

"تو کتنی اچھی ہے اے میری ماں!" میں یہ کہہ کر غیر ارادی طور پر اس سے لپٹ گئی اور پھر فوراً ہی مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور اسے چھوڑ دیا۔ چند ہی لمحوں میں ہم نصی بلندی سے بہت نیچے آ گئے تھے..... میں یہ بھول گئی تھی کہ فضا میں پرواز کرتے ہوئے ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

اسی رات میرے باپ نے بعد نماز عشاء قبیلے کے سرکردہ جنات پر مشتمل اجلاس بلا

لیا۔

مقررہ وقت پر میرے باپ کی صدارت میں وہ اجلاس شروع ہوا۔ اس اجلاس میں جنات کی نئی نسل کو مدعو نہیں کیا گیا تھا' پھر بھی میں نے اپنے تجسس کے تحت اس کی پوری کارروائی دیکھی اور سنی' میں ایک شکستہ دیوار کے پیچھے چھپ گئی تھی۔

آدم زاد صحرا میں کوئی نیا شہر بسانے والے ہیں' اس کا علم اجلاس میں شریک تمام ہی جنات کو تھا۔ میرے باپ نے اجلاس بلانے کی غرض و غایت بیان کی اور خلیفہ المنصور کے عزائم سے جنات کو آگاہ کیا۔

''بہت ہو گیا اے سردار اخضم!'' ایک جن زاد کہنے لگا۔

''ہم نے آدم زادوں کو بہت ڈھیل دے دی' اب سختی کرنی پڑے گی۔''

''آدم زادوں کو شاید یاد نہیں رہا کہ زمین پر پہلا حق ہمارا ہے۔'' دوسرا جن زاد بولا۔

''یقیناً آدم زاد ہم سے ہمارا یہ شرف نہیں چھین سکتے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہمیں خلق کیا' پھر انہیں۔ وہ اشرف المخلوقات ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جبکہ ان سے اشرف ہم ہیں۔''

تیسرا جن زاد کہنے لگا۔ ''ان آدم زادوں نے رفتہ رفتہ ساری ہی زمین پر قبضہ کر لیا ہے اور ہمیں بے دخل کرتے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ آدم زادوں کو یہاں سے بھگا دیں' اگر وہ بابل کے قریب کوئی شہر بسانا چاہیں!''

''لیکن کیا یہ اپنی حدود سے تجاوز کرنا نہیں ہوتا؟'' میرے باپ اخضم نے وہاں موجود جنات سے سوال کیا۔

''نہیں اے سردار اخضم!'' ایک ساتھ کئی جن زادوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔

''میرا خیال یہ ہے کہ آدم زادوں کو نئے شہر اور بستیاں آباد کرنے سے روکنے کے بجائے ہمیں اپنے تحفظ کی فکر کرنی چاہئے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں جن پر ہم غور کر سکتے ہیں۔ اگر وہ دریا کے دونوں کناروں پر کوئی شہر بسا بھی لیتے ہیں تو کیا ضروری ہے کہ ہم بابل چھوڑ کر چلے جائیں! پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے کہ ہم اپنی حفاظت کی خاطر آدم زادوں کی بستیوں میں نہیں گئے۔''

میرا باپ اخضم بولتا رہا اور جنات خاموشی سے اس کی باتیں سنتے رہے۔ آخر میں اس نے کہا۔ ''ہم اپنے بزرگوں کے تعلیم کردہ عملیات کا سہارا بھی لے سکتے ہیں۔ ان عملیات کا

توڑ آدم زاد نہیں کر پائیں گے۔ بابل کے ان کھنڈرات کے گرد اگرد ایسا حصار کھینچا جا سکتا ہے جسے کوئی آدم زاد عبور نہ کر سکے۔ ہمیں اپنی حفاظت ہی تو کرنی ہے۔''

''ہم جان گئے اے سردار اخضم کہ تو آدم زادوں سے جھگڑا مول لینا نہیں چاہتا...... اور اگر تو ایسا چاہتا ہے تو لازماً اس میں بھی ہماری کوئی بھلائی ہوگی۔'' ایک عمر رسیدہ جن نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

''یوں بھی ابھی یہ ایک مفروضہ ہے کہ تجویز کردہ جگہ ہی کوئی نیا شہر تعمیر ہوگا۔ پہلے خلیفہ المنصور خود تو کسی نتیجے پر پہنچ جائے' پھر سوچیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے!'' ایک اور بزرگ جن نے کہا۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' تجویز کردہ جگہ کا نام باغ داد ہے۔'' ایک بوڑھا جن کہنے لگا۔ ''اور اس سلسلے میں ایک روایت بھی مشہور ہے۔''

''ہاں وہ روایت مجھ تک بھی پہنچی ہے۔'' میرے باپ نے تصدیق کی۔ ''دریا کے کنارے کبھی اس جگہ ایک باغ تھا۔ اس جگہ ہر ہفتے ایک خوش خو اور عادل بادشاہ کہ نام جس کا نوشیرواں سنا گیا ہے' مظلوموں کی دادرسی کرنے آتا تھا۔ سو اس بنا پر یہ جگہ باغ داد کہلانے لگی اور پھر کثرت استعمال سے الف ساقط ہو گیا۔ اب اس مقام کا نام باغ داد نہیں' بغداد ہے۔ کیا خبر خلیفہ المنصور تک بھی یہ روایت پہنچی ہو۔''

جنات کا وہ اجلاس جو تند و تیز تقریروں سے شروع ہوا تھا' نرم خوئی اور مصالحت پر ختم ہوا۔ طے پایا کہ آئندہ روز خلیفہ المنصور جو فیصلہ کرے گا اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے جنات اپنے لئے لائحہ عمل مرتب کریں گے۔

ہر چند کہ ہمارے قبیلے میں زیادہ تعداد اہل ایمان جنات کی تھی' مگر دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے کافر جن بھی تھے۔ جنات کے اجلاس میں سخت تقریریں کرنے والے یہی کافر جن تھے' اس کا سبب مسلمان آدم زاد خلیفہ تھا۔ اہل ایمان کے خلاف اپنے اندر چھپی ہوئی نفرت کو وہ دبا نہیں سکے تھے۔ انہیں نفرت کے اظہار کا موقع مل گیا تھا۔ دراصل انہیں آدم زادوں سے نہیں' مسلمانوں سے نفرت تھی۔ اس کے باوجود کافر جن میرے باپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ رواداری' اخوت و مساوات کے اصولوں پر عمل نے سارے قبیلے میں میرے باپ کو مقبول بنایا ہوا تھا۔

پھر اگلے روز وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ خلیفہ المنصور نے مجوزہ مقام کا جائزہ لیا اور

وہاں اپنا دارالخلافہ بنانے کے عزم کا اظہار کر دیا۔ سو نئے بسائے جانے والے شہر کا نام خلیفہ نے بغداد ہی رکھا۔

بغداد شہر کے سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب میں کسی جن کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ حکم میرے باپ اور سردار قبیلہ اخضم ہی کی طرف سے جاری کیا گیا تھا۔ اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ آدم زادوں اور جنات کے درمیان معرکہ آرائی کی نوبت نہ آئے۔ کوئی بھی شر پسند و کافر جن اس تقریب میں ہنگامہ کر سکتا تھا۔ میرے قبیلے کے اکثر جنات بغداد کی تعمیر سے خوش نہیں تھے' مگر میرے ساتھ ایسا نہیں تھا۔ اپنی مستقل سکونت بابل سے کچھ ہی فاصلے پر آدم زادوں کی ایک نئی بستی بسنے سے میں ذاتی طور پر بہت خوش تھی۔ مجھے آدم زادوں کو دوست بنانا پسند تھا۔ کوفہ' موصل' نجف' بصرہ وغیرہ میں کئی آدم زادوں سے میری دوستی تھی۔ انہیں دانستہ میں نے اپنی حقیقت سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ وہ مجھے کوئی پراسرار وجود سمجھتے تھے۔ میرے والدین میری نقل و حرکت پر حتیٰ الامکان نظر رکھتے تھے' پھر بھی میں انہیں جل دے جاتی تھی۔

نئے شہر کا سنگ بنیاد رکھے جانے کی تقریب میں بھی میں ممانعت کے باوجود شریک ہوئی۔ ابھی آدم زادوں کا وہ شہر نہیں بسا تھا مگر نہ جانے کیوں مجھے اس سے ایک قرب کا سا احساس ہو رہا تھا۔ اس وقت میں خلیفہ منصور کے قریب ہی تھی جب وہ سنگ بنیاد رکھ رہا تھا۔ عمال حکومت کے علاوہ خلیفہ کے ساتھ اس کے کچھ اہل خاندان بھی تھے۔ عباسی شہزادے اپنے حلیوں' لباسوں اور رکھ رکھاؤ سے الگ ہی نظر آ رہے تھے۔ ان میں المہدی' محمد' صالح' سلیمان وغیرہ سبھی شامل تھے۔ خلیفہ المنصور کے دس بیٹے تھے۔ وہ سب اس وقت اپنے باپ کے ساتھ تھے۔ بیٹوں کے علاوہ خلیفہ کی ایک بیٹی عالیہ بھی ہے' اس کا علم مجھے بعد میں ہوا۔ کیوں کہ اس تقریب سے قبل ہی جنات کو خلیفہ کے فیصلے کا پتا چل گیا تھا اس لئے انہوں نے مستقبل کا لائحہ عمل طے کر لیا تھا۔ بابل کے کھنڈرات میں آباد جنات نے فی الحال وہیں سکونت پذیر رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وقتی طور پر حفاظت کی خاطر کھنڈرات کے گرد ایک حصار کھینچ دیا گیا تھا۔ اس حصار کی موجودگی میں کوئی آدم زادہ ان کھنڈرات میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ حصار کی معیاد چالیس دن تھی۔ چالیس دن گزرنے کے بعد حصار دوبارہ قائم کرنا پڑتا۔ میرے باپ اخضم کے اس فیصلے سے سارے ہی قبیلے والے خوش تھے کہ بابل میں سکونت برقرار رکھی جائے گی۔

☆......☆......☆

وہ لمحات مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہیں کہ شہر کا سنگ بنیاد رکھتے ہی خوفزدہ کر

دینے والی ایک دہشت ناک آواز سنائی دی تھی۔ اسی کے ساتھ وہ تقریب افراتفری کا شکار ہو گئی تھی۔ پھر خلیفہ المنصور اپنے عمال اور اہل خاندان کے ساتھ وہاں رکا نہیں تھا۔ اس نے موسیٰ بن کعب کو اس واقعے کی تحقیقات کا حکم دیا تھا۔ ممکن ہے آدم زادوں کے لئے وہ دہشت ناک آواز کوئی راز ہی ہو' لیکن میرے لئے راز نہیں تھی۔ کوئی بھی جن زاد ایسی دہشت ناک آواز نکال کر آدم زادوں کو خوفزدہ کر سکتا تھا۔ مجھے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دشواری نہیں ہوئی کہ یہ کارستانی کسی جن کی تھی۔ جس طرح میں نے اپنے باپ کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی اسی طرح وہ کافر جن بھی اس تقریب میں شرکت کر سکتا تھا۔

پھر میرا خیال درست ہی نکلا۔ میں نے ایک کافر جن صحرہ کو بابل کی طرف فرار ہوتے دیکھ لیا تھا۔

''صحرہ!'' میں اسے آواز دیتے ہوئے اس کی طرف لپکی۔

''کیا ہے اے سردار زادی! تو نے مجھے کیوں پکارا ہے؟'' صحرہ نے بدستور پرواز کرتے ہوئے مڑ کر مجھ سے پوچھا۔

''تو نے تقریب میں شرکت کر کے پہلا قصور کیا اے صحرہ......اور......''

''تقریب میں شریک ہونا قصور ہے اے دینار تو یہ قصور تم نے بھی کیا ہے۔'' صحرہ نے میری بات کاٹ دی۔

''مگر تو تو صحرہ' حد سے گزر گیا۔ تو نے وہ دہشت ناک آواز کیوں نکالی؟'' میری آواز میں تلخی آ گئی۔

''اے دینار! تجھے مجھ سے جواب طلبی کا حق کس نے دیا؟ پھر اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ وہ دہشت ناک آواز میری ہی تھی؟'' صحرہ بلا جھجک بولا۔

''دیکھ اے صحرہ! تو یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ میرا باپ سردار اخضم' آدم زادوں سے معرکہ آرائی نہیں چاہتا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تو اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے آدم زادوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہا ہے۔ تجھے خبر ہے اس کا نتیجہ کیا ہو گا! اگر آدم زاد ہمارے درپے ہو گئے تو ہمیں بابل سے نکلنا پڑے گا۔ پھر دوسرے ہی نہیں خود تو بھی گھر سے بے گھر ہو جائے گا۔'' میرا انداز سمجھانے والا تھا۔

''مجھے تیری نصیحتوں کی ضرورت نہیں اے دینار!'' صحرہ نے ڈھٹائی سے کہا۔ ''اگر تو نے سردار سے میری شکایت کی تو میں بھی اسے تقریب میں تیری شرکت سے آگاہ کر دوں

بھاگا۔ تجھے شاید خبر نہ ہو کہ میں آدم زادوں سے نفرت کرتا ہوں۔"

"جانتی ہوں میں کہ تو' اے صحرہ! صرف ان آدم زادوں سے نفرت کرتا ہے جن کا شمار اہلِ ایمان میں ہے۔" میں نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔

صحرہ بے حیائی سے ہنستا ہوا کھنڈرات کے اس حصے میں چلا گیا جہاں اس کے اہل خاندان کی سکونت تھی۔

ادھر تو صحرہ رخصت ہوا ادھر کھنڈرات میں داخل ہوتے ہی اپنی ماں سہلوبہ سے میری مڈبھیڑ ہو گئی۔

"کہاں سے آ رہی ہے اے دینار!" میری ماں نے مجھ سے دریافت کیا۔

اسی وقت میں نے سوچا کہ اپنی ماں کو اعتماد میں لے کر صحرہ کی حرکت سے آگاہ کر دوں تو بہتر ہے۔ وہ میرے باپ کو اس سے مطلع کر دے گی۔ یوں آئندہ جنات اور آدم زادوں کے درمیان ممکنہ کسی تصادم کو روکا جا سکے گا۔

"اے میری ماں! میں نئے شہر بغداد کا سنگِ بنیاد رکھنے کی تقریب میں شرکت کرنے گئی تھی۔" میں نے سچ بیان کر دیا۔

"اس کے باوجود کہ تیرے باپ کی طرف سے تقریب میں کسی جن زاد کی شرکت پر پابندی تھی؟" میری ماں حیرت سے بولی۔

"میرا وہاں جانا اچھا ہوا اے ماں!" میں نے کہا۔ "اگر میں نہ جاتی تو صحرہ کی ناشائستہ حرکت کے بارے میں نہ جان پاتی۔"

"صحرہ؟ کیا وہ بھی تقریب میں موجود تھا؟" میری ماں نے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا' پھر ساری بات بتا دی۔

"پھر تو یہ بات تیرے باپ کو بتانی پڑے گی اے دینار!......شہر کی تعمیر کے دوران میں اس طرح تو آدم زادوں سے تصادم کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔"

"میں یہی تو چاہتی ہوں اے میری ماں کہ میرے باپ کو اس واقعے کا علم ہو جائے اور وہ آئندہ کیلئے ایسے واقعات کو روکنے کی غرض سے ضروری اقدامات کر سکے۔ اگر میری یہ مرضی نہ ہوتی تو تقریب میں اپنی شرکت کا راز فاش نہ کرتی۔" میں بولی۔

پھر مجھے اپنے باپ کی ڈانٹ تو سننی پڑی لیکن میرا مقصد پورا ہو گیا۔ بغداد شہر کی تعمیر میں کوئی شرپسند جن زاد رکاوٹ نہ ڈال سکے' اس کی خاطر پہریدار جنات مقرر کر دیے

گئے۔ ان پہریداروں کو باری باری شب و روز اپنے فرائض ادا کرنے تھے۔ میں کیوں کہ ایک خطرے کے تدارک کا ذریعہ بنی تھی اس لئے مجھے بھی بغداد جانے کی اجازت دے دی گئی' مگر اس تاکید کے ساتھ کہ میں کسی آدم زاد کے قریب نہیں جاؤں گی۔

خلیفہ المنصور نے شام' کوفہ' واسط' بصرہ وغیرہ سے صناع و معمار بلوائے کہ وہ بغداد شہر تعمیر کر سکیں۔ اس کے علاوہ جن لوگوں کو فضل' عدالت' عفت' امانت اور علوم ہندسہ سے واقفیت تھی' خلیفہ نے انہیں بھی طلب کر لیا۔ امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ اور حجاج بن ارطاۃ انہی اہم شخصیات میں سے تھے۔ تعمیر شہر سے قبل حسب الحکم خلیفہ المنصور' شہر بغداد کی حدود متعین کی گئیں۔ طاقیں اور صحنچیاں قائم کی گئیں۔ شہر کی حدود کا تعین کوئلوں سے کیا گیا تھا۔ کوئلوں سے کھینچے گئے خط پر تیل ڈال کر آگ روشن کی گئی۔ تب خلیفہ المنصور نے شہر کی ان حدود کا جائزہ لیا۔ پھر خلیفہ نے اس خط پر بنیاد کھودنے کا حکم دیا۔ چار سرداران لشکر ہر چہار طرف شہر کی تعمیر پر مقرر کیے گئے۔

وہ آدم زاد جو بغداد شہر کی تعمیر میں مصروف تھے' ان سے کوئی سوال کئے بغیر مجھے بہت سی باتیں معلوم ہو گئیں۔ ایک مرتبہ میں نے دو آدم زادوں کو باتیں کرتے سنا۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔ "اے ہاشم!" وہ اپنے ساتھی سے مخاطب تھا۔ "تجھے معلوم ہے کہ امام اعظمؒ کو چونا نیز اینٹوں کے شمار و انتظام کے کام پر کیوں مامور کیا گیا ہے؟ ان جیسے عالم و فاضل اور فقیہہ سے یہ معمولی کام کیوں لیا جا رہا ہے؟"

"مجھے اس پر حیرت تو ضرور ہے' مگر میں جانتا نہیں کہ ایسا کیوں ہے!" دوسرا آدم زاد جواب میں بولا۔

"میں تجھے بتاتا ہوں۔ اس کی وجہ خلیفہ کی منتقم المزاجی ہے۔" چہرہ پر خوف کے آثار تھے۔ اسے غالباً اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ خلیفہ وقت کے بارے میں اس کی راست گوئی اسے قیدِ زندگی سے رہائی بھی دلا سکتی تھی۔

"خلیفہ کی منتقم المزاجی؟ یہ تو کیا کہہ رہا ہے اے میرے دوست؟" میں تو خیر تیرا دوست ہوں' کسی اور نے تیری یہ بات سن لی تو خبر ہے تجھے کہ تجھ پر کیا گزرے گی...... خیر اب تو نے بات چھیڑ ہی دی ہے تو پوری کر!" ہاشم نامی آدم زاد کہنے لگا۔

"بات یہ تھی کہ خلیفہ نے امام اعظم ابو حنیفہؒ کو عہدۂ قضا کی پیشکش کی تھی۔" پہلے آدم زاد نے پست آواز میں بتایا۔ "امام اعظمؒ نے خلیفہ کی اس پیشکش کو قبول نہیں کیا۔ اس کا

سبب یہ تھا کہ انہیں خلیفہ سے بعض معاملات میں اختلاف تھا۔ حکومت وقت کے ایک اہم عہدے کو قبول نہ کرنا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا جسے نظر انداز کر دیا جاتا۔ سو خلیفہ نے قسم کھائی کہ امام اعظمؒ سے کبھی نہ کبھی کوئی ایسا غیر اہم اور معمولی کام لے گا جو ان کے شایان شان نہ ہو۔ اب تیری سمجھ میں بات آ گئی...... میں جب حضرت کو اینٹیں اٹھواتے دیکھتا ہوں تو بڑا ملال ہوتا ہے۔''

اس پر دوسرے آدم زاد نے ٹھنڈا سانس بھرا اور پھر وہ دونوں اپنے کام میں لگ گئے۔ انہوں نے ایک چابک بدست شرطے (سپاہی) کو اس طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ ہاتھوں میں چمڑے کا چابک تھامے یہ شرطے کسی کو خالی نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ کسی کو بیکار بیٹھے دیکھتے تو اسے چابک سے مارنے لگتے۔ صناع' معمار اور مزدور سبھی شرطوں سے ڈرتے تھے۔

شہر بغداد کی بنیاد رکھنے کے کچھ ہی روز بعد خلیفہ منصور نے اپنے قصر کی بنیاد رکھی۔ اس نے قصر کی بنیاد نیچے پچاس گز اور اوپر بیس گز رکھوائی۔ جب خلیفہ بنیاد کی پہلی اینٹ رکھ رہا تھا تو میں نے اسے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ پڑھتے دیکھا۔ شاید وہ کوئی قرآنی آیت یا دعا ہو گی جسے میں سن نہیں سکتی تھی۔ چند ہی روز میں دیکھتے ہی دیکھتے دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر چھوٹی بڑی عمارتیں تعمیر ہونے لگیں۔

خلیفہ نے خالد بن برمک سے مداین اور ایوان کسریٰ کو توڑ کر بغداد میں ان کا اسباب لانے کے متعلق مشورہ طلب کیا۔

خالد بن برمک نے عرض کیا۔ ''اے امیر المومنین! میرے نزدیک یہ امر غیر مناسب ہے کیوں کہ یہ آثار اسلام اور فتوحات عرب کی نشانی ہیں۔''

المنصور نے اسے محبت عجم پر محمول کر کے قصر ابیض کے توڑے جانے کا حکم دے دیا۔ لیکن چونکہ اسے توڑ کر لانے میں بہ نسبت جدید اسباب کے خرچہ زیادہ پڑتا تھا' اس وجہ سے خلیفہ اس کو تڑوانے اور اسباب لانے سے رک گیا۔

یہ صورتحال دیکھ کر خالد نے خلیفہ سے کہا۔ ''اب قصر ابیض کا توڑنا موقوف کرنا خلاف مصلحت ہے اے امیر المومنین!''

''وہ کیوں؟'' خلیفہ نے تیوریوں پر بل ڈال کر سوال کیا۔

''اے امیر المومنین! اس سے عجمیوں کو خیال ہو گا کہ مسلمان ایسے کمزور ہیں کہ جن عمارات کو عجمیوں نے بنایا تھا' انہیں توڑ بھی نہ سکے۔'' خالد نے جواب دیا۔ المنصور نے خالد

کی بات ان سنی کر دی۔ اس نے قصر ابیض کو منہدم کرانا موقوف کر دیا مگر واسط' شام اور کوفہ سے دروازے اکھڑوا کر بغداد میں لایا اور شہر کو ان سے مزین کیا۔ وسط میں محل سرائے شاہی کی تعمیر عمل میں آئی تاکہ ہر طرف سے لوگوں کا بعد و قرب ایک حد معین پر رہے۔ جامع مسجد' قصر کی جانب بنوائی گئی۔ شہر پناہ دو بنوائیں۔

اندر والی پناہ' باہر کی شہر پناہ سے بلند تھی۔ مسجد کی سمت حاج بن ارطاۃ نے درست کی تھی۔ اینٹیں جن سے شہر پناہ بنائی گئی تھی ہر ایک وزن میں ایک سو رطل تھی۔

پہلے منشیوں اور سپہ سالاروں کے مکانات رحبہ سے جامع مسجد تک بنائے گئے تھے۔ بازار شہر کے اندر تھا لیکن جب خلیفہ کا قصر اور جامع مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی تو بازار کا رخ کرخ کی جانب کر دیا گیا۔ رحبہ اور کرخ بغداد کے دو محلوں کے نام رکھے گئے تھے۔ بازار کا رخ محلہ کرخ کی طرف اس لئے کیا گیا کہ مسافر بازار میں وقت بے وقت چلا کرتے تھے اور راتوں کو وہیں رہا کرتے تھے۔ مرکزی بازار میں مسافروں کے قیام کی خاطر سرائیں بنوائی گئی تھیں۔ شہر کی سڑکیں چالیس گز چوڑی تھیں۔ آدم زادوں کے کسی شہر کو تعمیر ہوتے دیکھنا میرے لئے نیا اور انوکھا دلچسپ تجربہ تھا۔

شہر' بازار' مسجد' قصر خلافت' فصیلوں' خندقوں اور دروازوں کی تعمیر میں چار کروڑ آٹھ لاکھ 33 ہزار درہم صرف ہوئے تھے۔ معماروں کو ایک قیراط یومیہ اور مزدوروں کو دو حبہ دیا جاتا تھا۔

اختتام تعمیر کے بعد سپہ سالاروں سے حساب لیا گیا جو کچھ جس کے پاس باقی نکلا خلیفہ نے واپس لے لیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ایک نیا شہر عدم سے وجود میں آ گیا۔ اب مجھے آدم زادوں سے دوستی کرنے کیلئے بصرہ و نجف یا آدم زادوں کے کسی اور شہر جانے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ میرے لئے بغداد ہی کافی تھا۔ اس کے باوجود میں' بصرہ کے ناصر کو نہ بھول سکی۔ وہ میرے عشق میں دیوانہ تھا۔ بغداد کی تعمیر کے دوران مجھے کسی اور شہر جانے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ یہ خاصا طویل عرصہ تھا۔

ایک شب جب مجھے ناصر بہت یاد آیا تو میں نے بصرہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ پہلی بار ناصر سے میری ملاقات ایک صحرا میں ہوئی تھی۔ وہ ایک کارواں کے ساتھ بصرہ جا رہا تھا کہ اس سے بچھڑ گیا۔ میں نے ایک شام اسے تنہا صحرا میں سفر کرتے دیکھا تو اس

کے قریب پہنچ کر سرگوشی کی۔ ''اے مسافر! کدھر کا قصد ہے؟''

میری آواز سن کر وہ تقریباً اچھل پڑا' پھر خوفزدہ سی آواز میں کہنے لگا۔ ''کون ہو تم......؟ اور نظر کیوں نہیں آتیں؟''

''مجھے تم اس صحرا کی روح کہہ سکتے ہو اور روحیں نظر نہیں آتیں۔'' میں بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والے اس نوجوان سے بولی۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے میں نے مزید کہا۔ ''میں بھٹک جانے والوں کو راستہ دکھاتی ہوں۔''

''تمہیں میں کس نام سے پکاروں اے صحرا کی روح؟'' اس نے سوال کیا۔

''میرا نام دینار ہے اور تمہارا؟''

''اے دینار! میں ناصر ہوں اور بصرہ میں میرے کھجور کے باغ ہیں۔'' اس نوجوان نے اپنے بارے میں بتایا۔ ''میں بھٹک گیا ہوں کیا تم مجھے راستہ دکھاؤ گی۔؟''

''میرا تو کام ہی یہ ہے' مگر اس کے عوض اے ناصر' کیا تم مجھے اپنے باغ کی کھجور کھلاؤ گے؟''

''کیوں نہیں!'' اس نے فوراً جواب دیا۔ ''میں اسے اپنے لئے باعث عزت سمجھوں گا۔''

بصرہ شہر میرے لئے نیا نہیں تھا۔ میں پہلے بھی وہاں کے پھیرے لگا چکی تھی۔ صحرا میں جس جگہ ناصر مجھے ملا تھا وہاں سے بصرہ زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ میں اسے ساتھ لے کر چل دی۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ کچھ ہی دیر میں سورج غروب ہو گیا اور پھر چاند نکل آیا۔

''اے ناصر! اگر میں تمہیں نظر بھی آنے لگوں تو؟'' میں نے اس سے رسم و راہ بڑھانے کی خاطر کہا۔

''مگر اے دینار تمہی نے تو کہا تھا کہ تم ایک روح ہو اور روحیں......''

''یہ ضروری نہیں۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''اگر ایسا ہے تو پھر میں تمہیں ضرور دیکھنا چاہوں گا اے دینار!'' وہ پرشوق آواز میں بولا۔ ''مجھے یقین ہے کہ تم اپنی آواز کی طرح حسین ہو گی۔''

''اور بدشکل ہوئی تو؟'' میں نے پوچھا۔

''ایسا ممکن ہی نہیں۔'' اس نے پریقین آواز میں کہا۔

ہم جن زادوں اور جن زادیوں کیلئے کوئی بھی انسانی پیکر اپنا لینا یا کسی آدم زاد کے جسم میں داخل ہو جانا مشکل نہیں ہوتا۔ سو میں نے انسانی پیکر میں ناصر کے سامنے آنے کا فیصلہ کر لیا اور اسے مخاطب کر کے کہا۔ ''اچھا تو پھر اپنی آنکھیں بند کر لو اے ناصر! جب میں کہوں تو آنکھیں کھولنا۔''

چلتے چلتے ناصر رک گیا۔ میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ آنکھیں بند کر چکا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں نے ایک حسین ترین انسانی پیکر اختیار کر لیا اور ناصر سے آنکھیں کھولنے کو کہا۔

اس نے آنکھیں کھولیں تو میرا حسن دیکھ کر مبہوت ہو گیا۔ وہ جیسے پلکیں جھپکانا بھول گیا تھا' پھر میں نے اس کا ہاتھ تھاما تو وہ چونک اٹھا۔

''تت......تم دی......دینار......دینار ہو؟'' وہ ہکلانے لگا۔

''ہاں اے ناصر! میں تمہاری دینار ہوں۔'' میں اس سے مزید بے تکلف ہو گئی۔

اس روز کے بعد ناصر سے میری ملاقاتیں جاری رہیں۔ وہ میرے عشق میں اس حد تک آگے بڑھ گیا کہ ایک رات کہنے لگا۔ ''اے دینار! میں اب تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''تم مجھ سے شادی کرو گے!'' مجھے ہنسی آ گئی۔

''کیوں' اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟'' وہ میرا ہاتھ تھام کر بولا۔ اس وقت بھی میں اسی انسانی پیکر میں تھی جسے پہلی ملاقات کے دوران اختیار کیا تھا۔

''میں اس لئے ہنس رہی ہوں کہ تمہیں میری حقیقت کا علم ہے' پھر بھی مجھے پا لینے کی آرزو کر رہے ہو...... میرے خیال میں یہ نادانی ہے۔''

پھر میں نے اسے کہا۔ ''اے ناصر! تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ میری عمر کیا ہو گی؟''

''تمہاری عمر......؟ یہی کوئی سولہ سترہ سال ہو گی اور کیا!'' اس نے خمار آلود سی آواز میں کہا۔

''میں نہیں چاہتی اے ناصر کہ میری عمر کے بارے میں تم کسی غلط فہمی کا شکار رہو۔'' میں بولی۔ ''یہ میں تمہیں اس لئے بھی بتا رہی ہوں کہ تم مجھ سے شادی کرنے کو بھی کہہ چکے ہو۔'' پھر میں نے اسے اپنی اصل عمر بتا دی۔ اس وقت میں اٹھانوے برس کی تھی' مگر مجھے یہ معلوم تھا کہ اس عمر تک پہنچتے پہنچتے اکثر آدم زادوں کی زندگی کے چراغ گل ہو جاتے ہیں۔

ناصر بے یقینی سے میری طرف دیکھنے لگا اور پھر اس نے انکار میں سر ہلایا۔
''نن...... نہیں' میں ...... میں نہیں مان سکتا!''

عین اسی لمحے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی' اس کے ساتھ ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ ''ناصر! دروازہ کھولو۔ تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟ کون ہے تمہارے کمرے میں؟'' میں اس آواز کو پہچانتی تھی۔

''اچھا ناصر! میں چلی۔'' میں نے سرگوشی کی۔

''تمہاری والدہ کو آج رات پھر شک ہو گیا ہے۔'' دوسرے ہی لمحے میں انسانی قالب سے نکل آئی۔

گھر میں ناصر کے علاوہ صرف اس کی بوڑھی ماں تھی جو پہلے بھی دو ایک بار اپنے شک کا اظہار کر چکی تھی کہ ناصر کے کمرے سے کسی لڑکی کی آوازیں آتی ہیں۔ ناصر کے پاس جھوٹ بولنے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ اس کا باپ سال بھر پہلے مر چکا تھا اور صرف ماں زندہ تھی۔ آمدنی کا ذریعہ کھجور کے باغات تھے۔ یوں ناصر ایک خوشحال گھرانے کا فرد تھا۔ ناصر نے بتایا تھا کہ اس کی ماں چاہتی تھی کہ وہ شادی کر لے۔ اس کا لالچی چچا غفار بھی اس فکر میں تھا کہ بھتیجے کے ساتھ ساتھ اسے اپنا داماد بھی بنا لے۔ غفار اس طرح اپنے بڑے بھائی کے باغات پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ ناصر ہی نے مجھے یہ ساری باتیں بتائی تھیں۔ وہ اپنے چچا کی بیٹی لیلیٰ کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ اگر میں اس کی زندگی میں نہ بھی آتی تو وہ لیلیٰ سے شادی پر آمادہ نہ ہوتا۔ لیلیٰ کے ظاہر و باطن دونوں ہی ناصر کی نظر میں قابلِ اعتراض تھے۔ نہ اس کی صورت اچھی تھی' نہ سیرت! آخری بار ناصر سے میں اس وقت ملی جب صحراؤں میں ایک نئے شہر کی بنیاد رکھے جانے کی خبر گرم تھی۔ یہ ملاقات ایک دوپہر کو کھجور کے باغ میں ہوئی تھی۔ ناصر نے مجھ سے گلہ کیا کہ اب میں خاصے دنوں کے بعد اس سے ملنے آئی ہوں۔

''اے دینار! مجھ سے اب زیادہ عرصے تک تمہاری جدائی برداشت نہیں ہوتی۔'' ناصر کہنے لگا۔

اس روز ناصر کے چہرے سے غیر معمولی فکر مندی کا اظہار ہوا تھا۔ سو میں نے اس کی وجہ پوچھی۔

''وہی چچا غفار پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ ہر قیمت پر اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کر

کے رہیں گے۔'' ناصر نے بتایا۔ ''اب تو امی بھی چچا کی ہاں میں ہاں ملانے لگی ہیں۔ اس پر تم ہو کہ غائب ہونے کے بعد پلٹ کر خبر نہیں لیتیں۔ ذرا سوچو اے دینار کہ لیلیٰ سے اگر میری شادی ہو گئی تو کیا ہو گا!''

''ہونا کیا ہے تمہارا گھر بس جائے گا۔'' میں مسکرا کر بولی۔

''تمہیں شاید اندازہ نہیں اے دینار! کہ تم اس طرح دانستہ یا نادانستگی میں میرے زخموں پر نمک چھڑک رہی ہو۔'' ناصر دکھی سی آواز میں کہنے لگا۔ اس کے چہرے سے دلی جذبات کا اظہار ہو رہا تھا۔ مجھے اس پر رحم آنے لگا۔

''تم یہی تو چاہتے ہو اے ناصر کہ لیلیٰ سے تمہاری شادی نہ ہو!'' میں نے اس کی دل جوئی کیلئے کہا۔

''صرف یہی نہیں بلکہ لیلیٰ کے بجائے تمہیں......''

''بس اے ناصر!'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''آگے کچھ اور نہ کہنا...... میں تمہاری صرف یہی خواہش پوری کر سکتی ہوں کہ لیلیٰ سے تمہاری شادی نہ ہو۔''

''لیکن تم ...... میری کیوں نہیں بن سکتیں اے دینار...... اگر اس کی وجہ میری اور تمہاری عمروں کا فرق ہے تو میں اسے نہیں مانتا۔ تمہاری عمر اگر سو برس بھی ہے تو تم مجھے قبول ہو۔ اب اس معاملے میں مزید نہ الجھاؤ ورنہ چچا غفار کا داؤ چل جائے گا۔'' ناصر نے کہا۔

''کیسا داؤ؟'' میں نے وضاحت چاہی۔

''میں نے سنا ہے کہ چچا غفار ان دنوں ایک عامل سے ربط بڑھا رہے ہیں کہ میں' ان کی بدصورت اور پھوہڑ بیٹی لیلیٰ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو جاؤں۔ امی کو تو وہ شیشے میں اتار ہی چکے ہیں!''

''اے ناصر! فکر نہ کرو' کچھ بھی نہیں ہو گا۔ تمہارا لالچی چچا غفار اپنے ارادوں کی تکمیل نہ کر سکے گا۔'' میں نے اسے دلاسا دیا۔

''مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے اے دینار!'' ناصر جذباتی ہو گیا تو میں غائب ہو گئی۔

''دینار! اے دینار!'' وہ مجھے پکارتا رہا' مگر میں نے اس کی طرف پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اس شب عرصہ دراز کے بعد جب میں بصرہ کیلئے روانہ ہوئی تو ہرگز مجھے غیر معمولی حالات کا اندازہ نہیں تھا۔ ابھی رات کا نصف پہر ہی گزرا تھا کہ میں بصرہ میں ناصر کے گھر پہنچ گئی۔

یہ دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا کہ ناصر اپنے کمرے میں تنہا نہیں تھا۔ اس کے کمرے میں

مجھے دوسرے بستر پر موٹی اور بھدے نقوش والی ایک آدم زادی بھی دکھائی دی۔ اس کے چچا کی بیٹی لیلیٰ کو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مجھے اسی لئے خیال آیا کہ وہ موٹی آدم زادی کہیں لیلیٰ ہی نہ ہو! اس امکان کو بہر حال نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ناصر کے لالچی چچا کو اپنے مقصد میں کامیابی مل گئی ہو۔ اگر میرا یہ سوچنا درست تھا تو غفار کو اسی گھر میں ہونا چاہئے تھا۔ اسے تلاش کرنے سے پہلے میں نے ناصر کو جگانا ضروری سمجھا۔ وہی بتا سکتا تھا کہ اس عرصے میں اس پر کیا گزری تھی۔

ناصر کے قریب پہنچ کر میں نے اسے دھیمی آواز میں پکارا۔ ہم جنات کیلئے اندھیرا بھی بے معنی ہے۔ اندھیرے میں بھی ہمیں سب کچھ واضح طور پر نظر آتا ہے۔ کئی آوازیں دینے کے باوجود جب ناصر بیدار نہ ہوا تو میں نے اسے جھنجھوڑ ڈالا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار تھے۔

''کک......کون ہے؟'' ناصر کی ڈری ڈری سی آواز آئی۔

''میں تمہاری دینار ہوں۔'' میں نے سرگوشی کی۔

''دینار؟'' ناصر کے لہجے میں اجنبیت تھی۔ ''میں تو کسی دینار کو نہیں جانتا۔''

ناصر سے یہ سن کر مجھے دھچکا سا لگا۔ پھر نتائج سے بے پروا ہو کر اور یہ جاننے کے باوجود کہ ناصر وہاں اکیلا نہیں' میں نے کمرے کے ایک کونے میں رکھے ہوئے چراغ کی لو تیز کر دی۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ انسانی پیکر اختیار کر چکی تھی جس میں ناصر مجھے دیکھنے کا عادی تھا۔

''میں دینار ہوں' کیا اب بھی تم نہیں پہچانے ناصر؟'' میں نے اسے مخاطب کیا۔

ناصر مجھے حیران نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ اس کے انداز و اطوار سے قطعی یہ نہیں پتا چل رہا تھا کہ وہ مجھے جانتا پہچانتا ہے۔ اب تک میں نے یہ اندازہ تو لگا لیا تھا کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے' لیکن اس کی نوعیت میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

میں ابھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچی تھی کہ اپنے عقب میں ایک بھاری آواز سنائی دی۔ کہنے والا کہہ رہا تھا۔ ''ناصر تو اب کبھی تجھے پہچان نہیں سکے گا' ہاں میں تجھ کو پہچان گیا ہوں اے جن زادی! مجھے یقین تھا کہ تو ایک نہ ایک روز یہاں آئے گی۔''

میرے سارے وجود میں ان الفاظ کے ساتھ سنسنی سی دوڑ گئی۔ مجھے شدید خطرہ محسوس ہوا اور میں نے تیزی کے ساتھ پلٹ کر اپنی حقیقت منکشف کرنے والے کو دیکھا۔ وہ

ایک پستہ قد آدم زاد تھا۔ اس کا جسم فربہی مائل اور آنکھیں گول اور چھوٹی چمکیلی تھیں۔ یوں جیسے اندھیرے میں دو چراغ جل رہے ہوں۔ میں نے ہمت کر کے اس سے سوال کیا۔ ''کون ہے تو؟''

''تیری موت اے دینا!'' اس پستہ قد آدم زاد نے جواب دیا۔ اس کے ساتھ اس کے بھدے موٹے ہونٹ تیزی سے حرکت کرنے لگے۔

اب میں یہ تو پوری طرح سمجھ چکی تھی کہ وہ پراسرار آدم زاد میرے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ اسے نہ صرف یہ معلوم تھا کہ میں جن زادی ہوں بلکہ وہ میرے نام تک سے واقف تھا۔ مجھے موت کی دھمکی دے کر یقیناً وہ کوئی عمل پڑھنے میں مصروف تھا۔ ظاہر ہے کہ اس عمل کی تکمیل میرے لئے خطرناک ہی ثابت ہوتی۔ وہ مجھے کیسے جانتا تھا اور میرا دشمن کیوں بن گیا تھا' یہ بعد کی باتیں تھیں' فوری طور پر تو میں نے اپنی جان بچانے کے بارے میں سوچا۔

یہ بات میرے علم میں تھی کہ خطرے کے وقت جنات کو انسانی پیکر ترک کر دینا چاہئے۔ سو میں نے اسی پر عمل کیا اور اس آدم زاد کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اب اس کے سامنے کوئی ہدف نہیں رہا تھا اس لئے حملہ کرنا بھی دشوار تھا۔ انسانی پیکر سے باہر نکل آنے کے بعد میری تمام جناتی صفات بیدار ہو گئی تھیں۔ مجھے ایک جانی پہچانی بدبو محسوس ہوئی اور میں چیخ اٹھی۔ ''اے صحرہ تو!''

اس آدم زاد کے تیزی سے حرکت کرتے ہوئے ہونٹ ساکت ہو گئے دوسرے ہی لمحے وہ لہرا کر زمین پر آ رہا۔

☆......☆......☆

کافر جن زاد صحرہ اس آدم زاد کے قالب سے نکل کر فرار ہو رہا تھا۔ میں تذبذب کا شکار ہو گئی کہ صحرہ کا تعاقب کروں یا حقیقت حال کا پتا چلانے کیلئے وہیں رکی رہوں! گومگو کی میری اس کیفیت سے فائدہ اٹھا کر صحرہ فرار ہو گیا۔ ناصر کے گھر سے نکل کر میں نے کچھ دور تک صحرہ کا پیچھا کیا اور پھر لوٹ آئی۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ صحرہ کی شکایت کرنے پر وہ دشمنی پر اتر آئے گا۔ آج رات جو کچھ ہوا تھا' اس سے تو یہی ظاہر تھا اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ صحرہ کی نظر میری نقل و حرکت پر ہو اور وہ میرا تعاقب کرتا بصرہ تک پہنچا لیکن بات صرف اتنی ہی نہیں تھی۔

جس آدم زاد کے جسم میں صحرہ داخل ہوا تھا' ناصر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی دوران میں اس نے خوابیدہ آدم زادی کو پکارا۔ ''لیلیٰ...... لیلیٰ...... ذرا پانی لاؤ۔''

میں چونک اٹھی میرا اندیشہ درست ثابت ہوا تھا۔ موٹی اور بھدے نقوش والی وہ آدم زادی لیلیٰ ہی تھی۔ میں نے کچھ دیر کسی قسم کی مداخلت نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ خاموش تماشائی بنے رہنے سے بھی بہت سی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ کئی بار مزید آوازیں دینے پر لیلیٰ بیدار ہوئی۔ پھر اس کی نگاہ بے ہوش آدم زاد پر پڑی تو بستر سے اٹھی اور اپنا بھاری جسم سنبھالے آگے بڑھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''بابا...... یہ بابا کو کیا ہو گیا ناصر......؟ یہ یہاں کیسے آ گئے؟''

''بے ہوش معلوم ہوتے ہیں۔'' ناصر نے بتایا۔ ''اپنے کمرے سے یہ یہاں کس طرح آ گئے' میں نہیں جانتا۔''

پھر ناصر کے کہنے پر لیلیٰ کمرے میں موجود ایک صراحی سے کٹورے میں پانی لے آئی۔

ناصر نے بے ہوش آدم زاد کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ جلد ہی وہ ہوش میں

آ گیا اور حیران حیران سی نظروں سے ناصر اور لیلیٰ کو دیکھنے لگا جو اس پر جھکے ہوئے تھے۔ ''مجھے کیا...... کیا ہوا؟ اور...... اور میں اپنے کمرے...... میں تو وہاں...... وہاں سویا تھا۔'' وہ بڑبڑانے لگا۔

''کچھ مجھے بھی تو بتاؤ ناصر کہ یہ سب کیا ہے؟'' لیلیٰ چیخائی۔ اس کی آواز بھی اسی کی طرح بھدی اور بے سری تھی۔

بے ہوش آدم زاد اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی سوالیہ نظریں بھی ناصر کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

''میں گہری نیند سو رہا تھا کہ مجھے یوں لگا جیسے کوئی مجھے آواز دے رہا ہو۔'' ناصر بتانے لگا۔ ''وہ کسی عورت کی آواز تھی جو مجھے میرا نام لے کر پکار رہی تھی۔

میں اسے کوئی خواب سمجھا اور سوتا رہا۔ کچھ ہی دیر میں کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ میں نے دیکھا کہ کمرے میں کوئی نہیں تو ڈر گیا۔ میرے پوچھنے پر کہ کون ہے؟ وہی نسوانی آواز دوبارہ سنائی دی۔ اس نے مجھے اپنا کوئی نام بتایا تھا جو اس وقت یاد نہیں آ رہا۔ بہرحال وہ نام میرے لئے قطعی اجنبی تھا۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ اسے نہیں جانتا۔ چند لمحے بعد ہی چراغ کی لو خود بخود تیز ہو گئی۔ اسی کے ساتھ میں نے ایک بہت حسین عورت کو اچانک کمرے میں دیکھا۔ کمرے کا دروازہ تو کھلا ہوا تھا' مگر میں نے اسے دروازے سے اندر آتے ہوئے نہیں دیکھا۔''

''ناصر!'' لیلیٰ بول اٹھی۔ ''یہ تم حقیقت بیان کر رہے ہو یا اپنے کسی خواب کی روداد سنا رہے ہو!'' لیلیٰ نے برا سا منہ بنایا۔

''یقین کرو لیلیٰ! میں نے جو کچھ دیکھا اور سنا ہے وہی بیان کر رہا ہوں۔ تم کہو تو میں قسم کھانے کو تیار ہوں۔'' ناصر کی آواز میں بے بسی تھی۔

''قسمیں جھوٹے لوگ کھاتے ہیں۔'' لیلیٰ ناگواری سے بولی۔

''اسے پوری بات تو بتانے دو لیلیٰ بیٹی!'' ہوش میں آنے والے آدم زاد نے کہا۔

مجھے اب تک اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ پستہ قد آدم زاد ناصر کا لالچی چچا اور لیلیٰ کا باپ غفار ہی ہو سکتا ہے۔ بعد میں میرا اندازہ درست نکلا۔

''ہاں تو ناصر بیٹے! تم کسی عورت کے بارے میں بتا رہے تھے جو اچانک کہیں سے کمرے کے اندر آ گئی تھی۔'' غفار نے لیلیٰ کو چپ کرا کر ناصر کو مخاطب کیا۔

"جی...... جی ہاں!...... نہ جانے اسے میرا نام کیسے معلوم تھا...... اس نے میرا نام لے کر خود کو پہچاننے کیلئے کہا تھا' مگر......" ناصر پھر شروع ہو گیا۔ "مگر میں اسے جانتا تو پہچانتا ناں!...... میں نے تو اس عورت کو زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ میں ابھی اسی عورت کی طرف حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ...... کہ چچا...... میں آپ کی بھاری آواز سن کر اچھل پڑا۔ آپ اس حسین عورت سے کہہ رہے تھے کہ اسے پہچان گئے ہیں اور......"

"کیا؟" غفار کے چہرے سے شدید حیرت کا اظہار ہونے لگا۔ "میں...... میں نے تو اس کمرے میں تم دونوں کے سوا کسی کو دیکھا تک نہیں۔"

"پہلے آپ میری پوری بات سن لیجئے چچا!" ناصر عاجزی سے بولا۔

"اچھا' کہو! پھر تم نے کیا دیکھا اور کیا سنا' لیکن میں تمہیں ایک بات بتا دوں ناصر بیٹے! میں اپنے کمرے میں سو رہا تھا اور جب میری آنکھ کھلی تو خود کو یہاں دیکھا۔ تم اور لیلیٰ مجھ پر جھکے ہوئے تھے۔" غفار نے گویا اپنی صفائی پیش کی۔

لیلیٰ شک بھری نظروں سے ناصر کو دیکھنے لگی پھر بولی۔ "بابا! مجھے یہ سب ناصر کے دماغ کا فتور لگتا ہے۔"

"اگر یہ سب میرے ہی دماغ کا فتور ہے تو یہ بتاؤ چچا یہاں کہاں سے آ گئے؟" ناصر نے دلیل دی۔

"ہاں لیلیٰ بیٹی! یہ بات تو سوچنے والی ہے۔" غفار نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا' پھر ناصر سے مخاطب ہوا۔ "تو تم نے مجھے اس پراسرار عورت سے بات کرتے ہوئے دیکھا......! تمہارا کہنا ہے کہ میں اسے پہچان گیا تھا؟"

"جی ہاں چچا...... اور ہاں یاد آیا' آپ نے اسے جن زادی کہا تھا اور کوئی نام بھی لیا تھا اس کا!" ناصر اپنی پیشانی پر اس طرح ہاتھ پھیرنے لگا جیسے کچھ یاد کر رہا ہو۔ "کیا نام لیا تھا آپ نے......؟"

"جن زادی!" غفار کی آواز سے خوف جھلکنے لگا۔ "میں...... میں نے اسے جن زادی کہا تھا؟"

"کہا تو یہی تھا آپ نے چچا...... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" ناصر نے جواب دیا۔

"ناصر بیٹے! تم بڑی حیران کن باتیں کر رہے ہو۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔" غفار نے بدستور خوفزدہ آواز میں کہا۔

"آپ تو اسے پہچان گئے تھے چچا' مگر وہ...... اس نے آپ سے پوچھا تھا' کون ہے تو......؟ جواب میں آپ نے کہا تھا تیری موت...... اس کے بعد خدا جانے کیا ہوا کہ وہ خوبصورت عورت دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گئی۔ آپ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ پڑھ رہے تھے۔ اسی حسین عورت کی تیز و بلند آواز پھر سنائی دی۔ اس نے چیخ کر کچھ کہا تھا۔ اسی کے بعد آپ لہرا کر زمین پر گر گئے تھے۔ آپ کو بے ہوش دیکھ کر میں گھبرا گیا۔ لیلیٰ اب تک سو رہی تھی۔ میں نے اسے آوازیں دے کر جگایا اور آپ کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ ہے پورا واقعہ جو پیش آیا۔"

غفار کے چہرے پر فکر و پریشانی کا اظہار ہونے لگا۔ لیلیٰ بیزار سی اور جھنجلائی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

"بابا!" لیلیٰ نے غفار کو مخاطب کیا۔ "آپ ناصر کی بے تکی باتیں سنتے رہیں مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"لیلیٰ بیٹی! تمہیں ان حالات میں نیند آ جائے گی؟" غفار تعجب سے بولا۔

"اگر آپ بھی ناصر کی باتوں کو خواب یا کوئی کہانی سمجھ کر ذہن سے جھٹک دیں تو آپ بھی آرام سے سو جائیں گے بابا!" لیلیٰ نے کہا اور اپنے بستر کی طرف بڑھ گئی۔ چلتے چلتے وہ رکی اور پلٹ کر اپنے باپ سے کہنے لگی۔ "بابا! اگر آپ میری بات مانیں تو ناصر کو حضرت جی کے پاس لے جائیں' دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

"نہیں!" ناصر کسی سہمے ہوئے بچے کی طرح ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا۔ "میں...... میں حضرت جی کے پاس نہیں جاؤں گا وہ...... وہ کانٹوں بھری شاخوں سے مارتے ہیں۔"

"اگر تم حضرت جی کے پاس نہیں جانا چاہتے تو سچ سچ بتا دو' جھوٹ بول رہے تھے نا؟" لیلیٰ واپس ناصر کے پاس آ گئی۔

"ہاں...... ہاں' میں جھوٹ بول رہا تھا...... وہ خواب تھا جو میں نے بیان کیا...... اس میں کوئی حقیقت نہیں تھی...... یہاں...... اس...... اس کمرے میں کوئی بھی حسین عورت نہیں آئی...... نہ چچا نے اس سے بات کی۔ اب...... اب تو تم...... تم مجھے حضرت جی کے پاس نہیں بھجواؤ گی؟" ناصر گڑگڑانے لگا۔

"دیکھ لیا بابا۔" لیلیٰ نے اپنے باپ غفار سے کہا۔ "کھل گیا نا سارا جھوٹ!" پھر وہ بڑے کریہہ انداز میں ہنسی۔

"مگر اب بھی ایک بات میرے ذہن کو الجھا رہی ہے' مجھے میرے کمرے سے یہاں کون لے کر آیا!" غفار خود کلامی میں مبتلا تھا۔ اس کی آواز لیلیٰ کی ہنسی میں دب گئی۔

"آپ جا کر سوئیں بابا!...... اور ناصر! تم چراغ کی لو دھیمی کر دو۔" لیلیٰ مطمئن آواز میں بولی۔

پھر غفار تو اس کمرے سے چلا گیا اور ناصر نے چراغ کی لو دھیمی کر دی۔

آج رات جو واقعہ رونما ہوا' اس میں کئی باتیں میرے لئے حیران کن تھیں۔ ان میں سرفہرست یہ سوال تھا کہ ناصر نے میری آواز سن کر' پھر انسانی پیکر میں دیکھنے کے باوجود اور میرا نام جان کر بھی مجھے کیوں نہیں پہچانا؟ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ مجھے بھول جاتا۔

غفار کیلئے جو بات معمہ بنی ہوئی تھی' میں اس کا سبب سمجھ گئی تھی۔ اس کے جسم میں صخرہ داخل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ بھی غفار نے کیا' وہ دراصل اس کا نہیں کافر جن زاد صخرہ کا فعل تھا۔ صخرہ مجھ سے ماضی کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اسی غرض سے وہ اپنے کمرے میں سوتے ہوئے غفار کے جسم میں داخل ہوا اور ناصر کے کمرے میں عین اس وقت آ گیا جب میں انسانی پیکر اختیار کر کے ناصر سے مخاطب تھی۔ صخرہ نے مجھے اور میں نے صخرہ کو پہچان لیا تو وہ غفار کے جسم سے نکل کر فرار ہو گیا۔ اسی کے نتیجے میں غفار ہوش کھو بیٹھا۔

یہ سب کچھ حقیقت تھا کوئی خواب نہیں' تو پھر ناصر نے اسے جھوٹ کیوں مان لیا؟

میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ لیلیٰ نے ناصر کے بارے میں اپنے باپ کو مشورہ دیا تھا کہ اسے کسی "حضرت جی" کے پاس لے جائے۔ اسی کے بعد ناصر خوفزدہ نظر آنے لگا تھا اور اس نے اپنا بیان بدل دیا تھا۔ ناصر کی باتوں سے میں "حضرت جی" کے بارے میں یہی اندازہ لگا سکی کہ وہ کوئی ایسا آدم زاد ہے جس سے ناصر بے انتہا ڈرتا ہے۔

اس معاملے کی تہ تک پہنچنے کیلئے میرے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ غفار یا لیلیٰ دونوں میں سے کسی ایک کو اپنی جناتی صفات کے اثر میں لے لوں۔ اس کے بعد میرے لئے کچھ بھی معلوم کرنا مشکل نہ ہوتا۔ اس سلسلے میں ناصر کو چھیڑنا مجھے مناسب معلوم نہ ہوا۔

بستر پر دراز ہو کر لیلیٰ کچھ ہی دیر میں خراٹے لینے لگی تھی البتہ ناصر ابھی تک کروٹیں بدل رہا تھا۔

میں اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے لیلیٰ کی طرف بڑھی ہی تھی کہ چونک اٹھی۔

اس گھر کے در و دیوار اس طرح ہلنے اور لرزنے لگے تھے جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ چند لمحوں کو میں بھی دھوکا کھا گئی' مگر حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ کافر جن زاد صخرہ پھر لوٹ آئے گا۔ یہ صخرہ کی ہی کارستانی تھی۔ اس نے میرے حواس کو فریب دیا تھا وہ اندھیرے کی چادر اوڑھے ہوئے تھا تاکہ میں اسے نہ دیکھ سکوں' لیکن اس کے وجود کی بدبو نے سارا بھید کھول دیا۔

"تو پھر آ گیا صخرہ!" میں چیخی۔ "میں تجھے آگ کے کوڑوں سے ماروں گی۔"

"یہ نہ بھول اے دینار کہ تیری طرح میں بھی آگ سے بنا ہوں۔" صخرہ نے مجھے چڑایا۔

میں نے جھپٹ کر اس پر وار کرنا چاہا مگر اسی لمحے وہ کمرے کے دروازے سے نکل گیا۔ باہر صحن تھا صخرہ کو میں نے فضا میں تیرتے دیکھا۔ میں اس کے پیچھے لپکی وہ مجھے اپنے پیچھے لگائے ہوئے بصرہ سے بغداد تک لے آیا۔ اس کا مقصد غالباً یہی تھا کہ میں بصرہ میں مزید نہ ٹھہر سکوں۔ میں تو اس رات بغداد سے کچھ فاصلے پر واقع بابل کے کھنڈرات میں داخل ہو گئی' مگر صخرہ آگے نکل گیا۔ یقیناً وہ مجھ سے بھڑنا نہیں چاہتا تھا۔

فوری طور پر بصرہ جانا مجھے لاحاصل معلوم ہوا۔ صخرہ میری ٹوہ میں تھا۔ وہ مجھے وہاں نکلنے نہ دیتا۔ میں نے سوچا کہ کسی اور شب بصرے کا رخ کروں گی۔ میرے قیاس کے مطابق ناصر کسی مشکل میں گرفتار تھا۔ میں نے نہ سہی مگر اس نے میرے عشق کا دعویٰ ضرور کیا تھا۔ آدم زادوں سے میری دوستی اور خلوص و محبت کا یہ تقاضا تھا کہ میں ناصر کی مدد کرتی۔

دانستہ میں نے کئی دن تک صبر کیا۔ بصرہ جانے سے پہلے مجھے صخرہ کی تلاش تھی۔ کھنڈرات میں وہ مجھے نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ پھر بھی میں نے ہمت نہیں ہاری اور آخرکار ایک شام اسے ڈھونڈ ہی لیا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی رفوچکر ہونے والا تھا کہ میں نے بلند آواز میں کہا۔

"اے صخرہ! تجھے تیرے دیوتاؤں کی قسم رک جا! میں تجھ سے وعدہ کرتی ہوں کہ تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔"

قسم دینے پر صخرہ کو رکنا ہی پڑا۔ ہم دونوں بابل و بغداد کے درمیان دریائے دجلہ کے کنارے اتر گئے۔

"ہاں بول دینار' تو نے مجھے کیوں روکا ہے؟" صخرہ نے مجھ سے سوال کیا۔

"صخرہ! کیا تو اتنا ہی بھولا ہے کہ تجھے اپنے اور میرے درمیان کشاکش کا علم

نہیں!'' میں بولی تو کوشش کے باوجود اپنا لہجہ نرم نہ رکھ سکی۔

''مجھ پر طنز نہ کر دینار! مطلب کی بات کر کہ تو کیا چاہتی ہے!'' صحرہ نے کہا۔

''تو اچھی طرح جانتا ہے صحرہ کہ میں اپنے بڑے بھائی یوسف سے تیری شکایت کر دوں تو وہ تجھے زندہ نہ چھوڑے گا' یہ خبر تجھے بھی ہوگی کہ میرا بھائی غصہ ور ہونے کے ساتھ بہت قوی ہے' اس کے مقابلے پر تو ٹھہر نہ پائے گا......''

''دینار! کیا تو نے مجھے یہی دھمکی دینے کیلئے روکا ہے؟'' صحرہ نے میری بات کاٹ دی۔

''نہیں۔'' میں نے جواب دیا'' میں بات بڑھانا نہیں چاہتی صحرہ! تیرے لئے بہتر یہ ہوگا کہ میری ٹوہ میں رہنا چھوڑ دے۔''

''میں تیری ٹوہ میں کیوں رہنے لگا!'' صحرہ بولا۔

''اگر تو میری ٹوہ میں نہ رہتا تو بصرہ نہ پہنچ جاتا...... میں جانتی ہوں کہ تو کیوں اور کب سے میرے خلاف ہو گیا ہے...... ہم دونوں ہی کیلئے مناسب یہ ہے کہ ماضی کی تلخیوں کو بھلا دیں اور مصالحت کر لیں۔'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے مصلحتاً پیشکش کی۔

''دیکھ دینار! تلخی کی ابتداء تو نے کی تھی۔'' صحرہ نے شکوہ کیا۔ ''بغداد شہر کا سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب میں تیری ہی وجہ سے مجھ پر افراتفری پھیلانے کا الزام لگا۔ تیرے باپ سردار قبیلہ اخضم نے مجھے چھ ماہ جلاوطنی کی سزا دی۔ اس وجہ سے میں چھ مہینے تک اپنے اہل خاندان سے دور رہا اور بابل کے کھنڈرات کا رخ نہیں کیا۔ میں اس عرصے میں در در بھٹکتا پھرا۔''

''مجھے یہ سب کچھ معلوم ہے صحرہ!'' میں نے دانستہ نرمی اختیار کی۔ ''چھ ماہ تک تجھ پر جو گزری مجھے اس پر افسوس ہے۔ اپنے زخموں کو نہ کرید کہ اس سے کچھ حاصل نہیں۔ مجھے تجھ سے اپنی پیشکش کا جواب مطلوب ہے۔''

''تو اگر مجھ سے مصالحت چاہتی ہے تو اے دینار! مجھے تیری پیشکش منظور ہے۔'' صحرہ آخر مان ہی گیا۔

''صحرہ! میں امید رکھوں گی کہ تو اب میرے راستے میں نہیں آئے گا۔'' میں نے مزید تصدیق چاہی۔

''اور دینار! مجھے بھی تجھ سے یہ توقع ہے کہ آئندہ کبھی میری غیبت نہ کرے گی۔''

ہم دونوں نے ایک دوسرے سے وعدے وعید کر لئے۔ یہ سودا مجھے مہنگا نہ لگا۔ میں نے بہر حال ایک دشمن کو اپنے خلاف قدم اٹھانے سے روک دیا تھا۔

اب مجھے بصرہ جانے میں کوئی مسئلہ درپیش نہیں تھا۔ سو میں وقت ضائع کیے بغیر اسی شام بصرہ پہنچ گئی۔ خلاف توقع ناصر گھر پر نہیں ملا۔ غفار بھی نہ تھا۔ گھر میں صرف لیلیٰ تھی۔ مجھے یاد آیا کہ ناصر کی ایک بوڑھی ماں بھی تھی' وہ کہاں گئی؟

لیلیٰ کو بہت جلد میں اپنی جناتی صفات کے زیر اثر لے آئی۔ اب وہ میرے ہر سوال کا جواب دینے کی پابند تھی۔ پہلا سوال میں نے ناصر کی بوڑھی ماں کے بارے ہی میں کیا۔ لیلیٰ نے جواب دیا۔ ''ان کے انتقال کو تو سال بھر سے زیادہ ہو گیا۔''

''تمہاری شادی ناصر سے کب ہوئی؟'' میں نے پوچھا۔

''تقریباً دو سال ہونے والے ہیں۔'' لیلیٰ نے بتایا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ جب ناصر سے میری آخری ملاقات ہوئی تھی اور میں نے اس کی مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا تو چند ہی روز بعد غفار اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس سے قبل ناصر نے مجھے بتایا تھا کہ اس کا لالچی چچا غفار ان دنوں ایک عامل سے ربط ضبط بڑھا رہا تھا۔ اس عامل کے ذریعے غفار' ناصر پر کوئی ایسا عمل کرا سکتا تھا کہ وہ لیلیٰ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ ایک ایک کر کے مجھے ساری باتیں یاد آ گئیں۔

''ناصر کو تم سے شادی کرنے پر کس نے مجبور کیا تھا؟'' میں نے اپنی معلومات کی روشنی میں ایک اہم بات دریافت کی۔

''میرے بابا نے حضرت جی سے ناصر پر ایک عمل کرایا تھا۔ اس کے بعد ہی ناصر نے مجھ سے شادی نہ کرنے کی ضد چھوڑ دی تھی۔'' لیلیٰ نے جواب دیا۔ ''اس کے بدلے میں میرے بابا نے حضرت جی کو کھجور کا ایک باغ دیا تھا۔''

''اور وہ باغ ناصر کے باغوں میں سے ایک ہو گا۔'' میں نے تصدیق چاہی۔

لیلیٰ نے میرے انداز سے کی تصدیق کر دی۔ میں سمجھ گئی کہ ''حضرت جی'' وہی عامل ہو گا جس کا ذکر ناصر نے مجھ سے کیا تھا۔ مجھے لیلیٰ سے یہ پوچھنا غیر ضروری معلوم ہوا کہ کیا ناصر کے سارے باغوں پر اس کے باپ غفار نے قبضہ کر لیا ہے۔ یہ بات تو مجھے خود ناصر بھی بتا چکا تھا کہ اس کا لالچی چچا' اپنی بیٹی کے ساتھ اس کی شادی کیوں کرنا چاہتا ہے۔ غفار کا اصل مقصد کھجور کے باغوں پر قبضہ کرنا تھا۔

"اس وقت ناصر کہاں گیا ہے؟" میں نے لیلیٰ سے معلوم کیا۔

"اسے بابا حضرت جی کے پاس لے گئے ہیں۔" لیلیٰ نے جواب دیا۔

"کس لئے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔ "کانٹوں بھری شاخوں سے پٹوانے (ا غرض سے؟" میری آواز میں چبھن تھی۔

"حضرت جی، ناصر کو اسی وقت مارتے ہیں جب وہ ان کی کوئی بات نہ مانے ورنہ نہیں۔" لیلیٰ میرے سوالوں کے جواب میں بتانے لگی۔ "دراصل ہر چالیس روز کے بعد ناصر کو حضرت جی کے پاس لے جانا پڑتا ہے تاکہ عمل کا تسلسل برقرار رہے۔ حضرت جی کا کہنا ہے کہ ناصر کو قابو میں رکھنے کیلئے عمل ضروری ہے ورنہ تو خدانہ کرے وہ مجھے چھوڑ بھی سکتا ہے۔"

اب میرے لئے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ ناصر مجھے کیوں نہیں پہچان سکا تھا۔ اس پر "حضرت جی" کے عمل کا اثر تھا۔ اس عمل کے زیر اثر رہ کر ناصر شاید اپنے ماضی کو بھولا ہوا تھا۔ ان دونوں باپ بیٹی غفار اور لیلیٰ نے ایک خود غرض عامل کے ذریعے ناصر کو گویا اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ میرے نزدیک یہ سراسر ظلم تھا۔ میں نے سوچا مجھے ناصر کو اس ظلم سے بچانا چاہئے خواہ اس کے لئے "حضرت جی" ہی سے کیوں نہ ٹکرانا پڑے۔ مجھے اعتراف ہے کہ یہ سوچتے ہوئے میں وہ ساری باتیں بھول گئی تھی جو بچپن سے خطرناک آدم زادوں کے بارے میں بتائی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ مجھے "حضرت جی" کے متعلق یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ حیرت انگیز پراسرار قوتوں کا مالک ہوگا۔

اسے میں اپنی عجلت ہی کا نام دوں گی کہ مزید غور و فکر کے بجائے فوری طور پر اس عامل سے نمٹنے کا فیصلہ کرلیا۔ میں اسے ناصر کے ذریعے بہ آسانی تلاش کرسکتی تھی۔ ناصر کے جسم کی مخصوص بو مجھے یاد تھی۔ وہ بو مجھے ناصر تک فوراً پہنچا دیتی۔

میں ابھی ناصر کے گھر سے چلنے کا قصد کر ہی رہی تھی کہ دور سے دستک کی آواز آئی۔ میں یہ دیکھنے کیلئے رک گئی کہ آنے والا کون ہے۔

لیلیٰ گھر کا دروازہ کھولنے جا رہی تھی تو میں نے لیلیٰ کے اور اپنے درمیان ہونے والی ساری گفتگو اس کے ذہن سے محو کردی اب اس بارے میں کوئی لیلیٰ سے پوچھتا بھی تو وہ کچھ نہ بتا پاتی۔ میں نے بطور احتیاط ہی ایسا کیا تھا ورنہ مجھے لیلیٰ کی طرف سے کوئی خطرہ نہ تھا۔

کچھ ہی دیر میں جب میں نے غفار اور لیلیٰ کے ساتھ ناصر کو گھر کے اندر آتے دیکھا تو چونک اٹھی۔ ناصر کا چہرہ زرد پڑا ہوا تھا اور جسم کے کھلے حصوں پر خراشیں نظر آ رہی تھیں۔

غفار اسے سہارا دیئے اس طرح آگے بڑھا رہا تھا جیسے اس سے چلا نہ جا رہا ہو۔ ناصر کی یہ حالت دیکھ کر میرے وجود میں کھولن ہی ہونے لگی۔ اسے یقیناً تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا ورنہ وہ یوں نڈھال نظر نہ آتا۔

غفار اور لیلیٰ نے ناصر کو کمرے میں لا کر اس کے بستر پر لٹا دیا۔

"وہ تمہاری بات غلط نکلی لیلیٰ!" غفار نے اپنی بیٹی کو مخاطب کیا۔

"کون سی بات بابا؟" لیلیٰ نے پوچھا۔

"یہی کہ اس رات ناصر نے کوئی خواب دیکھا تھا اور ایک حسین عورت کے قالب میں کوئی جن زادی اس سے ملنے نہیں آئی تھی۔" غفار بتانے لگا۔ "دراصل اس رات کو جس طرح میں پراسرار طور پر اپنے کمرے کے بجائے اس کمرے میں بے حالت بیہوشی پایا گیا، وہ بات مجھے کھٹک رہی تھی۔ میں نے اس کا ذکر آج حضرت جی سے کیا تو انہوں نے تفصیل معلوم کی۔ اس سلسلے میں حضرت جی نے ناصر سے استفسار کیا۔ ناصر کبھی کچھ کہتا اور کبھی کچھ، اسی وجہ سے حضرت جی کو اس پر غصہ آ گیا۔ انہوں نے کانٹوں بھری شاخ اٹھائی، پھر اس پر کچھ پڑھ کر پھونکا اور ناصر کو پیٹنا شروع کر دیا۔ ناصر سے انہوں نے جو کچھ معلوم کیا، اس کی تصدیق مجھ سے بھی کی۔ اس رات ناصر نے مجھے جو کچھ بتایا تھا، میں نے بیان کر دیا۔ پورا واقعہ سن کر حضرت جی فکرمند ہو گئے وہ بار بار ناصر سے اس جن زادی کا نام پوچھنے لگے جو اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔ آخر حضرت جی نے کوئی عمل پڑھ کر ناصر پر دم کیا اور پھر اس کے سر کو اپنے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لے لیا۔ ناصر اس طرح چیخنے لگا جیسے اس کا سر کسی آہنی شکنجے میں کس دیا گیا ہو۔ حضرت جی بس ایک ہی سوال کئے جا رہے تھے کہ بتا جن زادی کا نام کیا ہے؟ آخرکار حضرت جی کو کامیابی ہوئی۔ ناصر نے اس جن زادی کا نام بتا دیا۔"

"واقعی بابا؟" لیلیٰ بول اٹھی۔ "اس جن زادی کا کیا نام تھا؟"

"دینار۔" غفار نے جواب دیا۔

"حضرت جی اس جن زادی کا نام کیوں معلوم کرنا چاہتے تھے؟" لیلیٰ نے دریافت کیا۔

"مجھے کیا خبر! ہوگی کوئی وجہ۔" غفار بولا پھر بتانے لگا۔ "حضرت جی نے مجھے فکر نہ کرنے کو کہا ہے۔ وہ اب یہ معاملہ سنبھال لیں گے۔"

"اصل بات تو رہ ہی گئی بابا!" لیلیٰ بولی۔

''کیا؟'' غفار نے استفسار کیا۔

''یہ کہ آپ سوئے تو اپنے کمرے میں تھے' پھر یہاں کس طرح پہنچ گئے؟'' لیلیٰ نے یاددہانی کرائی۔

''اس بارے میں ابھی حضرت جی نے کچھ نہیں بتایا۔ البتہ انہوں نے اسے پراسرار واقعہ قرار دیا۔ ابھی انہوں نے محض اس قیاس کا اظہار کیا ہے کہ شاید اس معاملے کا تعلق جن زادی سے ہو۔ حتمی طور پر انہوں نے فی الحال کچھ کہنے سے گریز کیا ہے۔'' غفار نے تفصیل بتائی۔

''حضرت جی'' تک پہنچنے کیلئے میں غفار کو بھی اپنا آلہ کار بنا سکتی تھی۔ لیلیٰ اور غفار کے درمیان ہونے والی گفتگو سنتے ہوئے میں نے اور بہت کچھ سوچا تھا جس کا تعلق میرے مستقبل کے لائحہ عمل سے تھا۔ میں ہر قیمت پر ناصر کو ظلم سے نجات دلانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اس خودغرض و ظالم عامل کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اسے ایک نظر دیکھ لینا چاہتی تھی کہ آخر وہ چیز کیا ہے! اس کے باوجود میری ترجیح ناصر تھا۔ ناصر جس عمل کے زیراثر تھا اس کا توڑ ضروری تھا۔ میں نے اس کے لئے ایک راہ نکال لی تھی' مگر اس کا انحصار میرے قبیلے کے ایک عالم جن زاد سومار پر تھا۔

غفار اپنی بیٹی کی کسی بات کا جواب دینے والا تھا کہ اسے میں نے اپنی جناتی صفات کے زیراثر لے لیا۔ اسی کے تحت اس نے لیلیٰ سے کہا۔ ''میں یہ تو بھول ہی گیا لیلیٰ بیٹی کہ حضرت جی نے مجھ سے کہا تھا' ناصر کو گھر چھوڑ کر واپس آ جاؤں۔''

''کس لئے بابا؟'' لیلیٰ نے پوچھا۔

''انہیں خلوت میں مجھ سے کچھ بات کرنی تھی۔'' غفار یہ کہہ کر کمرے کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے مزید بولا۔ ''فکر نہ کرنا بیٹی' مجھے دیر بھی ہو سکتی ہے۔'' غفار کا تعاقب کرتے ہوئے جب میں ''حضرت جی'' کے ''آستانے'' تک پہنچ گئی تو اسے واپسی کا حکم دے دیا۔

اس وقت تک سورج غروب ہو چکا تھا اور اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ میں جس عمارت کے سامنے کھڑی تھی' اس میں مجھے روشنی نظر آ رہی تھی۔

اس پرشکوہ عمارت کا بڑا محرابی دروازہ کھلا ہوا تھا اور مختلف لوگ وہاں آ جا رہے تھے۔ ان میں عورتیں اور مرد بھی شامل تھے۔

اچانک مجھے اپنے عقب میں شور سنائی دیا تو میں چونک اٹھی اور پلٹ کر دیکھا۔ وہ منظر میرے لئے حیران کن ہونے کے ساتھ ساتھ تکلیف دہ بھی تھا۔ کئی آدم زاد ایک آدم زادی کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے عمارت کی طرف لا رہے تھے۔ وہ آدم زادی نوجوان اور خوبصورت تھی۔ اس کا رنگ سرخ و سفید تھا اور وہ دراز قد تھی۔ سر کے بڑے بڑے بال چہرے کے گرد یوں بکھرے ہوئے تھے جیسے کالی گھٹاؤں نے چاند کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہو۔ آدم زادی کے چہرے سے وحشت کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں غیر معمولی سرخی تھی۔ اس آدم زادی سے میری ہمدردی کا سبب غالباً یہ تھا کہ وہ میری ہی صنف سے تعلق رکھتی تھی۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ اس آدم زادی کو اس کے لواحقین عامل ''حضرت جی'' کو دکھانے لائے ہیں۔ کچھ سوچ کر میں بھی ان کے ساتھ ہو لی۔

محرابی دروازے سے گزر کر سامنے ہی کچھ سیڑھیاں دکھائی دیں۔ سیڑھیوں کو عبور کر کے وہ آدم زاد ایک چوڑی راہداری میں پہنچ گئے۔ وہاں دائیں جانب ایک اور کھلا ہوا دروازہ نظر آیا۔ دروازے کے دائیں بائیں جانب دو مسلح پہریدار کھڑے تھے۔ انہوں نے نوجوان آدم زادی اور اس کے لواحقین کو اندر جانے سے نہیں روکا۔ وہ ایک وسیع و عریض کمرہ تھا جس میں خاصے لوگ فرش پر بیٹھے تھے۔ سامنے دیوار سے لگا ہوا ایک بڑا تخت بچھا تھا۔ اس تخت پر قالین بچھے تھے۔ ایک قالین پر دیوار کے سہارے رکھے گاؤ تکئے سے ٹیک لگائے ایک باریش آدم زاد بیٹھا تھا۔

اس کمرے کا منظر بالکل ایسا تھا جیسے کسی بڑے حاکم کا دربار لگا ہو۔ تخت کے سامنے دائیں بائیں جو لوگ بیٹھے تھے انہوں نے درمیان میں خالی جگہ چھوڑ رکھی تھی۔ اسی خالی جگہ سے گزر کر لوگ لکڑی کی بنی ان سیڑھیوں تک جاتے تھے جن پر چڑھ کر تخت پہ پہنچنا ممکن تھا۔ ان سیڑھیوں کے دونوں طرف بھی مسلح پہریدار مستعد کھڑے تھے۔ پہریداروں سے اجازت ملنے پر ہی کسی کو اس تخت نشین آدم زاد تک رسائی حاصل ہو سکتی تھی۔

کسی خاموش تماشائی کی طرح میں یہ سب کچھ دیکھتی رہی۔ تخت کے اوپر سیڑھیوں کی دائیں جانب ایک صندوق رکھا تھا۔ جسے بھی تخت نشین سے ملنے کی اجازت ہوتی' وہ اس صندوق میں کچھ درہم ضرور ڈالتا۔

وہاں موجود پہریدار فوری نوعیت کے ''مریضوں'' کو پہلے تخت نشین سے ملنے دیتے اور بقیہ کو اپنی باری کا انتظار کرنے کیلئے دائیں یا بائیں بٹھا دیتے۔ وحشت زدہ آدم زادی کا

معاملہ کیونکہ فوری توجہ کا طالب تھا اس لئے پہریداروں نے دوسروں کو روک کر اسے تخت نشین کے روبرو پیش ہونے کی اجازت دے دی۔

پا بہ زنجیر آدم زادی کو سنبھالے ہوئے اس کے لواحقین بمشکل تخت پر چڑھے۔

"نذرانہ!" ایک پہریدار نے لواحقین کو یاددہانی کرائی۔ لواحقین میں سے ایک نے صندوق میں کچھ درہم ڈال دیئے۔ وحشت زدہ آدم زادی کو جب اس کے لواحقین کشاں کشاں عامل "حضرت جی" کی طرف لے جا رہے تھے تو میں نے بغور اس کے چہرے اور حلیئے کا جائزہ لیا۔ "حضرت جی" کہلائے جانے والے کا چہرہ لمبوترا اور رخسار قدرے اندر کو دھنسے ہوئے تھے۔ سر پر اس نے ریشمی سرخ پگڑی باندھ رکھی تھی اور جسم پر عبا تھی۔

نوجوان آدمی زادی کو عامل کے سامنے بٹھا دیا گیا۔ اسی لمحے آدم زادی پوری قوت سے چیخ اٹھی اور پھر سر کو دائیں اور بائیں تیزی سے حرکت دے کر جھومنے لگی۔ لواحقین میں سے ایک نے عامل کو مخاطب کیا۔ "یا حضرت جی! ایک مدت سے اس کا یہی حال ہے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد یہ اسی طرح زور سے چیختی ہے اور پھر جھومنے لگتی ہے۔ آپ کی شہرت سن کر ہم بہت دور سے یہاں آئے ہیں۔"

"اسے اسی طرح کھیلنے دو اور روکو مت!" عامل نے لواحقین کو تاکید کی۔ "اس کے جسم میں ایک جن داخل ہو گیا ہے جب تک اس جن کو اس کے جسم سے نہیں نکالا جائے گا' اس کی حالت یہی رہے گی۔ اگر تم لوگ کسی اور شہر سے اسے لے کر یہاں آئے ہو تو تمہیں یہاں چالیس دن رکنا پڑے گا۔"

"ہم رک جائیں گے حضرت جی!" لواحقین میں سے ایک بولا۔

اس وحشت زدہ آدم زادی کے جسم میں کوئی جن داخل ہو گیا ہے میں یہ سن کر چونکی۔ اگر واقعی ایسا ہی تھا تو میرے لئے اس کا سراغ لگانا بہت آسان تھا۔ اب عامل اس آدمی زادی کے لواحقین سے کہہ رہا تھا۔ "چالیس روز تک تم اسے لے کر آؤ گے۔ ہم دم کیا ہوا پانی اس کے اوپر چھڑکیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ چالیس دن تک مسلسل اس عمل کے بعد جن اس کا جسم چھوڑ کر چلا جائے گا۔"

اس عرصے میں اپنی جناتی صفات کو بروئے کار لا کر مجھے پتا چلا کہ اس عامل نے جو "تشخیص" کی ہے قطعی غلط ہے۔ اس آدم زادی کے جسم پر کوئی جن قابض نہیں تھا۔ اسے کسی عامل کی نہیں' ایک اچھے طبیب کی ضرورت تھی۔ وہ کسی دماغی عارضے میں مبتلا تھی۔ عامل کے

پاس آدم زادی کا علاج نہیں تھا۔

میں جس مقصد سے وہاں آئی تھی' وہ پورا ہو چکا تھا اب وہاں مزید رکنا لاحاصل ہوتا۔ مجھے وہ آدم زاد عامل ایک بیوپاری معلوم ہوا جو مال و زر کے حصول کی خاطر کم علم لوگوں کو بے وقوف بنا رہا تھا۔ دکھی آدم زادوں کے استحصال سے اس عامل کو روکنا خلق خدا کی خدمت ہوتی' مگر ابھی تو میں' ناصری کو ظلم سے نہیں بچا سکی تھی۔ وحشت زدہ آدم زادی کے ساتھ میں بھی اس پرشکوہ عمارت سے باہر نکل آئی۔ عامل نے اس آدم زادی پر پانی کا بس ایک چھینٹا مارا تھا اور یوں گویا اس کے "علاج" کا آغاز ہو گیا تھا۔ پانی کا وہ ایک چھینٹا وحشت زدہ آدم زادی کے لواحقین کو کئی درہم کا پڑا تھا۔

میرے بس میں اس آدم زادی کا علاج کرنا تو نہیں تھا البتہ میں اس کے لواحقین کو صحیح مشورہ ضرور دے سکتی تھی۔ میں نے انہیں اپنے زیر اثر لا کر ان کے دماغوں میں یہ بات بٹھا دی کہ آدم زادی کو کوئی دماغی [illegible] ہے اس کے جسم پر کسی جن کا قبضہ نہیں۔ اسے کسی عامل کے بجائے طبیب کو دکھایا جائے۔ میں نے ان آدم [illegible] کو جو مشورہ دیا میرے نزدیک وہی بہتر تھا۔

بصرہ سے بابل کے کھنڈرات میں پہنچ کر میں اسی رات اپنے قبیلے کے عالم سے ملی۔ وہ بزرگ' مہربان اور بہت شفقت والا تھا جیسے کہ عالم ہوتے ہیں۔ سوما اس وقت عشاء کی نماز پڑھ کے اٹھا تھا۔

"اے دینار! اے سردار زادی! تو خوش تو ہے؟" سوما نے مجھے بڑی محبت سے مخاطب کیا۔

"ہاں عالم سوما! میں ٹھیک ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پہلے کبھی کبھار جمعے کی نماز کے بعد میرا وعظ سننے اپنی ماں سہلوبہ کے ساتھ آ جایا کرتی تھی' مگر اب نہیں آتی' کیا بات ہے؟"

"آؤں گی سوما!" میں بولی۔ اپنے وعظ کا ذکر کر کے سوما نے مجھے خود ہی مطلب کی بات کہنے کا موقع دے دیا تھا۔ سو میں نے بلاتاخیر کہا۔ "اے سوما! تو نے اپنے ایک وعظ میں کہا تھا خلق خدا کی خدمت سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔"

"ہاں میں نے کہا تھا!" سوما نے تصدیق کی۔ "میں اب بھی اکثر اس حقیقت کو دہراتا رہتا ہوں' مگر تجھے اس وقت یہ بات کیوں یاد آئی؟"

"بتاتی ہوں...... سوما...... تو تو مجھ سے بہتر طور پر یہ بات جانتا ہے کہ ہم جنات کی طرح آدم زاد بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ سو اس اعتبار سے دکھ درد میں آدم زادوں کی مدد اور خدمت کرنا بھی عبادت ٹھہرا نا؟" میں نے اصل بات کہنے کیلئے تمہید باندھی۔

قدرے توقف کے بعد سوما نے کہا۔ "تو ٹھیک کہتی ہے دینار! مگر ہمارے بزرگوں نے ہمیں آدم زادوں کے معاملات میں بے جا مداخلت سے منع کیا ہے۔"

"اے سوما! میں بے جا مداخلت کو ہرگز نہیں کہتی۔ مجھے تو یہ بتا کہ اگر کوئی مصیبت میں گرفتار ہے تو کیا اس کی مدد کرنی چاہیے؟"

"بالکل مدد کرنی چاہیے۔!" سوما نے اس بار جواب دینے میں دیر نہیں کی۔

"خواہ وہ کوئی آدم زاد ہی کیوں نہ ہو؟" میں نے مزید وضاحت چاہی۔

"مصیبت میں گرفتار آدم زاد ہو یا کوئی جن زادہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' مدد کے حقدار دونوں ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آدم زادوں کی مدد کرنا ہم جنات کو کبھی کبھی بہت مہنگا پڑ جاتا ہے۔ اسی بنا پر ہم اپنے تحفظ کی خاطر آدم زادوں سے دور رہتے ہیں۔" سوما نے کہا۔

پھر اس سے پہلے کہ سوما استفسار کرتا کہ میں کس آدم زاد کی مدد کرنا چاہتی ہوں' میں نے اسے ناصر کی دکھ بھری کہانی انتہائی پراثر آواز میں سنا دی۔ میں نے ناصر سے اپنے ذاتی تعلق کو ظاہر نہیں کیا تھا' نہ یہ بتایا تھا کہ وہ میرا دیوانہ ہو گیا تھا۔ ناصر سے اپنی ملاقات کے بارے میں سوما کو میں نے صرف یہ بتایا تھا کہ وہ اپنے قافلے سے بچھڑ کر صحراؤں میں بھٹک رہا تھا تو اسے بصرہ پہنچا دیا تھا جس سے اس کے ساتھ میرے روابط ہو گئے۔

مجھ سے ناصر کی پوری روداد سن کر سوما بولا۔ "یقیناً وہ نوجوان آدم زاد ہماری ہمدردی اور مدد کا مستحق ہے' اے دینار! تو نے مجھ سے اس کا جو احوال بیان کیا ہے' وہ ایک ہی بات کی نشاندہی کرتا ہے اس پر سحر کیا گیا ہے۔"

"سحر" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں دینار! تو نے مجھ سے جس عامل کا ذکر کیا ہے' اس نے سحر ہی کیا ہو گا۔"

"اس پر یقین کی کیا صورت ہے اے سوما؟" میں نے دریافت کیا۔

"اس کی ایک ہی صورت ہے کہ میں اس نوجوان آدم زاد کی کیفیت کو قریب سے دیکھوں تبھی حتمی طور پر کچھ کہنا ممکن ہو گا۔" سوما بولا۔

"تو اے سوما! کیا تو اسے کار خیر جان کر اس نوجوان آدم زاد کو میرے ساتھ چل کر

نہیں دیکھ سکتا؟"

"ٹھیک ہے' میں کل عصر کی نماز کے بعد تیرے ساتھ چلوں گا۔" سوما نے وعدہ کر لیا۔

"تجھ سے ایک بات اور پوچھنی ہے سوما!" میں نے کہا۔

"وہ بھی پوچھ لے۔"

"مجھے بتا! اگر ناصر نامی اس آدم زاد پر سحر کیا گیا ہے تو کیا اس کا توڑ ممکن ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بالکل ممکن ہے۔ اس عامل نے گنڈے پڑھ کر نوجوان آدم زاد کے چچا کو دیئے ہوں گے کہ انہیں کہیں دبا آئے۔ گرہیں ڈال کر ان گنڈوں کو جہاں بھی چھپایا گیا ہو گا' پتا چل جائے گا تو تو گنڈے چھپانے والے کو اپنے اثر میں لے کر آسانی سب کچھ معلوم کر سکے گی۔" سوما نے بتایا۔ "پھر جب تجھے چھپائے جانے والے گنڈے مل جائیں تو سورۃ فلق پڑھتے ہوئے ایک ایک کر کے گنڈے کی ساری گرہیں کھولنی ہوں گی ان گرہوں کے کھلتے ہی آدم زاد نوجوان سحر سے آزاد ہو جائے گا۔"

سوما کا شکریہ ادا کر کے میں چلی آئی اور بے چینی سے اگلے روز کا انتظار کرنے لگی۔ مجھے اس پر خوشی تھی کہ میں نے سوما کو اپنے ساتھ بصرے چلنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ میرے نزدیک یہ ایک بڑی کامیابی تھی۔ اس رات میں دیر تک ناصر ہی کے بارے میں سوچتی رہی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ سحر سے آزاد ہونے کے بعد ناصر مجھے پہچان جائے گا۔ اس بات سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ اپنے لالچی چچا اور خود غرض بیوی سے بعد میں ناصر کیا سلوک کرتا ہے۔

☆......☆......☆

دوسرے دن عصر کی نماز کے فوراً بعد میں عالم سوما کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے دعا مانگ کر مجھ پر دم کیا اور پھر وعدے کے مطابق میرے ساتھ چلنے کو راضی ہو گیا۔

بابل کے کھنڈرات سے بصرہ سینکڑوں فرسخ (ایک فرسخ تقریباً تین میل) کے فاصلے پر ہے' مگر ہم جنات کیلئے فاصلے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ میں اور سوما اسی لئے جلد ہی وہاں پہنچ گئے۔ گھر میں اس وقت لیلیٰ اور ناصر ہی تھے۔ غفار غالباً کھجور کے باغوں سے ابھی لوٹ کر نہیں آیا تھا۔ لیلیٰ گھر کے کام کاج میں لگی ہوئی تھی اور ناصر اپنے کمرے میں اکیلا تھا۔ اس کی حالت مریضوں جیسی تھی اور وہ بستر پر دراز تھا۔

ہم جنات اگر خود چاہیں تو آدم زاد ہماری آواز سن سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ میں نے اسی لئے بلا تامل عالم سوما کو مخاطب کیا۔ "یہ ہے وہ مطلوب نوجوان آدم زاد ناصر جسے اس کے چچا اور بیوی نے اپنا غلام بنا رکھا ہے۔" میں نے ناصر کی طرف اشارہ کیا اور اس کے بستر کی طرف بڑھی۔

"میں نے یہاں آتے ہی اندازہ لگا لیا تھا اے دینار کہ تو نے مجھ سے جس نوجوان آدم زاد کا ذکر کیا تھا' وہ یہی ہے۔" سوما یہ کہتے ہوئے میرے قریب آ گیا۔

سوما نے ناصر کا تفصیلی جائزہ لیا۔ وہ کچھ دیر تک ناصر کی آنکھوں میں جانے کیا دیکھتا رہا' پھر ہاتھوں اور پیروں کے ناخن دیکھے۔ "میرا کہا درست نکلا دینار!" سوما مجھ سے مخاطب ہوا۔ "اس آدم زاد پر یقیناً سحر ہی کیا گیا ہے۔"

سوما سے مجھے اسی تصدیق کی ضرورت تھی۔ اگلے مراحل کے بارے میں وہ مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا۔

"اے دینار! اگر تو میری ضرورت محسوس کرے تو یہاں رکوں ورنہ چلا جاؤں!" سوما بولا۔

"تو میرے کہنے پر یہاں تک آیا اے سوما! میں تیری شکر گزار ہوں۔ اب جو اقدامات کرنے ہیں میں تنہا بھی کر سکتی ہوں۔ تو ان کے بارے میں پہلے ہی میری رہنمائی کر چکا ہے کہیں کسی مرحلے پر مجھے دشواری پیش آئی تو تجھ سے مشورہ ضرور کروں گی۔" میں نے کہا۔

سوما رخصت ہو گیا تو میں نے ناصر کے باغات کا رخ کیا جہاں پہلے بھی کئی بار جا چکی تھی۔ ناصر کے چچا غفار کو وہاں پہنچ کے تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دیر نہ لگی۔ ایک باغ میں وہ اپنے ملازم باغباں کو کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ باغباں چلا گیا تو میں نے غفار کو اپنے قابو میں کر لیا۔

"غفار! جو گنڈے پڑھ کر حضرت جی نے تجھے دیئے تھے وہ تو نے کہاں دبائے ہیں؟" میں نے معلوم کیا۔

"وہ برابر والے باغ کی کوٹھری کا فرش کھود کر نصف نیزے کے برابر گہرائی میں دبائے ہیں۔" غفار نے جواب دینے میں لمحہ بھر تاخیر بھی نہ کی۔

"تو پھر میرے ساتھ برابر والے باغ کی اس کوٹھری میں چل!" میں نے غفار کو حکم

دیا۔

تعمیل حکم کی خاطر غفار برابر والے باغ کی طرف چل دیا۔ جب وہ اس باغ کی کوٹھری میں داخل ہوا تو وہاں بھی ایک باغباں موجود تھا۔

"باغباں سے کہو کہ یہ اس باغ کی دیکھ بھال کے بجائے قریبی باغ میں چلا جائے اور تا حکم ثانی وہیں رہے۔" میں نے غفار سے سرگوشی کی۔

غفار نے میرے اس حکم کی بھی تعمیل کر دی تو میں نے اس کوٹھری کا جائزہ لیا۔ وہاں ایک کونے میں کدال' پھاوڑا اور لوہے کی پرات موجود تھی۔ کوٹھری کا فرش پختہ نہیں تھا۔ میرے حکم پر غفار فرش کھودنے لگا مگر جلد ہی ہانپ گیا۔ اگر وہ میرے زیر اثر نہ ہوتا تو شاید نصف نیزے کے برابر گڑھا نہ کھود پاتا۔

ابھی غفار گڑھا کھود ہی رہا تھا کہ پھاوڑا کسی سخت شے سے ٹکرایا۔

"کیا ہے؟" میں نے غفار سے پوچھا۔

"پتھر ہے۔" غفار جواب میں کہنے لگا۔ "اسی پتھر کے نیچے وہ گنڈا دبا ہوا ہے جس میں گرہیں پڑی ہوئی ہیں۔"

"تم پیچھے ہٹ جاؤ!" میں یہ کہہ کر آگے بڑھی اور گڑھے میں موجود پتھر اکھاڑ کر ایک طرف پھینک دیا۔

اسی لمحے مجھے گنڈا نظر آ گیا۔ اس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے واقعی گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ میں نے اس گنڈے کو گڑھے سے نکال لیا اور سوما کی ہدایت کے مطابق سورۂ فلق پڑھتے ہوئے ایک ایک کر کے گرہیں کھولنے لگی۔ گرہیں کھول کر اس گنڈے کا کیا کرنا ہے' سوما سے میں یہ پوچھنا بھول گئی تھی۔ اسی وجہ سے میں نے گرہیں کھولنے کے بعد اس گنڈے کو اپنے پاس ہی رکھا۔

"اس گڑھے کو مٹی سے بھر دو۔" میں نے غفار کو مخاطب کیا۔ پھر تاکید کی کہ "تم یہ سب کچھ بھول جاؤ گے کہ گڑھا کھودا تھا یا گنڈے کے بارے میں کسی کو کچھ بتایا تھا۔"

"میں سب..... سب کچھ بھول جاؤں گا۔" غفار بڑبڑانے لگا' پھر گڑھے میں مٹی ڈالنے لگا۔

اب میرا وہاں رکنا فضول تھا' سو میں باغ سے نکل آئی۔ مجھے یقین تھا کہ ناصر کو سحر سے آزادی مل گئی ہوگی' مگر میں اس کے گھر بوجوہ نہ گئی۔ پہلے مجھے اس گنڈے کی فکر تھی کہ

اسے کس طرح ٹھکانے لگانا ہے۔ اسی سبب میں نے بابل کے کھنڈرات کا رخ کیا۔

سوما نے مجھے دیکھا تو فکرمند سا ہو کر بولا۔ ''خیریت تو ہے دینار؟''

''ہاں سوما! میں فوری طور پر اس لئے تیرے پاس آئی ہوں کہ تجھ سے ایک اہم بات پوچھنا بھول گئی تھی۔'' میں نے کہا۔

''ہاں بول!''

''اس گنڈے کا کیا کرنا ہے؟'' میں نے وہ گنڈا اسے دکھایا جس کی گرہیں کھولی جا چکی تھیں۔

''اب یہ بالکل بیکار ہے' اسے کہیں بھی پھینک دو یا جلا دو' کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' سوما نے بتایا۔

میں مطمئن ہو کر سوما کے پاس سے چلی آئی۔ بصرہ واپس جاتے ہوئے میں نے اس گنڈے کو صحرا میں پھینک دیا۔ میری بصرہ واپسی کی وجہ ناصر تھا۔ میں یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ سحر کا اثر ختم ہونے کے بعد وہ کس حال میں ہے۔ مجھے یہ توقع تھی کہ ناصر کے گھر میں غیر معمولی صورت حال ہو گی' مگر وہاں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ لیلیٰ بدستور گھر کے کاموں میں لگی تھی اور ناصر اپنے کمرے میں تھا۔ میں وہاں پہنچی تو ناصر کو گہری نیند سوتے دیکھا۔ میرے لئے یہ سمجھنا دشوار نہ ہوا کہ طویل عرصے تک سحر کے زیر اثر رہ کر ناصر کے کشیدہ اعصاب پرسکون ہوئے ہیں وہ اسی لئے گہری نیند سو رہا ہے۔ اس وقت ناصر کو جگانا مجھے خودغرضی معلوم ہوئی' میں صرف یہی تو دیکھنا چاہتی تھی کہ دینار کی حیثیت سے اب وہ مجھے پہچانتا ہے یا نہیں! یہ پھر کسی روز بصرہ آ کر بھی معلوم کیا جا سکتا تھا۔ اپنے لالچی چچا اور خودغرض بیوی سے ناصر جو سلوک بھی کرتا' اس میں حق بجانب ہوتا۔ بہرحال مجھے ان دونوں کے بارے میں تجسس ضرور تھا کہ دیکھوں ان ظالموں پر کیا گزرتی ہے۔ میرے نزدیک وہ دونوں کسی رعایت کے مستحق نہیں تھے۔

بصرہ سے میں دوبارہ بابل کے کھنڈرات میں پہنچ گئی۔ سونے سے پہلے مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ وہ رات میرے لئے کتنی بلاخیز ثابت ہو گی۔

معلوم نہیں وہ رات کا کونسا پہر تھا جب اچانک ہی سوتے سوتے جاگ اٹھی اپنے وجود پر مجھے شدید دباؤ محسوس ہوا تھا۔ غالباً اسی سبب مجھے نیند نہ آ سکی تھی۔ آج رات سے پہلے کبھی مجھے اس طرح کا کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ چند ہی لمحے گزرے تھے کہ میرے وجود میں

چنگاریاں سی بھڑکنے لگیں۔ اذیت اتنی شدید تھی کہ میری چیخیں نکل گئیں۔ میرے ماں باپ اور بھائی بھی بیدار ہو گئے' میری ماں نے میرا حال دیکھا اور کیفیت معلوم کی تو خوفزدہ سی آواز میں میرے باپ سے کہنے لگی۔ ''اے اخضم! مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ کسی آدم زاد نے میری بیٹی دینار کو اپنے قبضے میں کرنے کیلئے عمل شروع کر دیا ہے۔''

ان لمحات کی اذیت لفظوں میں بیان کرنا میرے لئے ممکن نہیں۔ اپنی ماں سہلوبہ کو بھی میں نے بڑی مشکل سے رک رک کر اپنی کیفیت بتائی تھی۔ اس نے مجھ سے متعلق جس خدشے کا اظہار کیا تھا' میرے لئے نیا نہ تھا۔ جنات سے میں نے متعدد بار یہ بات سنی تھی کہ بعض خطرناک آدم زاد ہم جن زادوں اور جن زادیوں کو اپنے قبضے میں کر لیتے ہیں۔ اس کے لئے وہ عملیات کا سہارا لیتے ہیں۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں تو پھر ہم جنات ان کا ہر حکم ماننے پر مجبور ہوتے ہیں۔ آدم زادوں کے نزدیک ہماری حیثیت غلاموں اور کنیزوں جیسی ہو جاتی ہے۔ میرے لئے یہ تصور ہی بہت ہولناک تھا کہ کوئی آدم زاد مجھے اپنے قبضے میں کر لے۔ میری تکلیف میں اس خیال نے مزید اضافہ کر دیا۔

میری ماں کی بات سن کر میرے باپ اخضم نے بھی کہا۔ ''اس کی حالت تو یہی بتاتی ہے لیکن بہتر یہ ہو گا کہ ہم عالم سوما کو بلا کر اسے دکھا دیں۔ وہ یقیناً بتا سکے گا کہ ہمارے اندیشے درست ہیں یا نہیں؟ اس کے علاوہ سوما کوئی ایسی راہ بھی نکال لے گا کہ دینار کو اذیت سے نجات مل جائے۔'' یہ کہہ کر وہ میرے بھائی یوسف سے مخاطب ہوا۔ ''جا اور سوما کو بلا کے لے آ!''

''وہ سو نہ رہا ہو۔'' یوسف بولا۔

''نہیں' وہ تہجد گزار ہے' جاگ رہا ہو گا۔'' میرے باپ نے کہا۔

میرا بھائی سوما کو بلانے چلا گیا تو میری ماں مجھ سے پوچھنے لگی۔ ''دینار! کہیں تو آدم زادوں کی کسی بستی میں تو نہیں گئی تھی؟''

تکلیف و اذیت کی وجہ سے میرے لئے بولنا مشکل ہو رہا تھا' یہ تو خیر حقیقت تھی مگر اپنی ماں کے سوال کا جواب دینا بھی آسان نہ تھا۔ اس ایک سوال کا صحیح جواب متعدد نئے سوالوں کی بنیاد بن جاتا' سو میں خاموش رہی۔

اس پر میرا باپ کہنے لگا۔ ''سہلوبہ! یہ تو دیکھ کہ دینار سخت تکلیف میں ہے اور اس کیلئے بولنا محال ہے۔ تو اس سے پوچھ گچھ نہ کر! جو بھی معلوم کرنا ہو گا عالم سوما معلوم کر لے گا۔

ممکن ہے ہمارے سامنے کچھ بتاتے اور کہتے ہوئے دینار کو جھجک محسوس ہو اس لئے جب عالم سوما آ جائے گا تو ہم یہاں سے ہٹ جائیں گے۔ تو بھی جانتی ہے کہ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو اولاد اپنے ماں باپ کے سامنے نہیں کر پاتی۔''

میرے باپ اضم نے مجھے بہت بڑی آزمائش سے بچا لیا تھا ورنہ میں عالم سوما کی آمد سے پریشان ہو گئی تھی۔ یہ میرے لئے ایک طرح سے دہرا عذاب ہوتا اگر میرے ماں باپ کو پتا چل جاتا کہ ان کی نصیحتوں اور تاکید کا مجھ پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ انہوں نے آدم زادوں سے روابط و مراسم رکھنا تو الگ ان کی بستیوں تک میں جانے سے مجھے منع کر رکھا تھا۔ انہیں حقیقت جان کر لازماً دکھ ہوتا۔

کچھ دیر میں میرے بھائی یوسف کے ساتھ عالم سوما آ گیا اور میرے باپ سے مخاطب ہوا۔ ''سردار اضم! مجھے فوراً آنے میں اس لئے تاخیر ہوئی کہ جب تیرا بیٹا یوسف میرے پاس پہنچا تو میں نفل پڑھنے کی غرض سے نیت باندھ چکا تھا اسی سبب اسے میرے سلام پھیرنے کا انتظار کرنا پڑا۔''

''کوئی بات نہیں سوما...! تو دینار کو دیکھ کر بتا کہ اسے کیا ہوا ہے؟'' میرے باپ نے کہا۔

عالم سوما میری طرف متوجہ ہو گیا۔ میں اپنی سی پوری کوشش کر رہی تھی کہ میری چیخیں اور کراہیں نہ نکلیں۔ سوما نے دھیمی اور پرسکون آواز میں مجھ سے معلوم کیا۔ ''اے دینار! کیا تجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تیرے اندر آگ سی بھڑک رہی ہے..... تجھے کوئی اندر سے جلائے ڈال رہا ہے؟''

میں نے ضبط سے کام لیتے ہوئے تصدیق کر دی۔ ''عالم سوما!...... تو نے میری صحیح کیفیت بیان کی۔''

پھر سوما نے مجھ سے چند سوالات اور کئے ان سوالوں کا تعلق بھی میرے محسوسات سے تھا۔

اس موقع پر میرے باپ نے عالم سوما کو خاموش اور فکر مند دیکھ کر بتایا۔ ''میرا اور دینار کی ماں کا خیال یہ ہے کہ دینار کسی آدم زاد کے ظلم کا نشانہ بن رہی ہے جو اسے اپنے قابو میں کرنا چاہتا ہے۔ دینار پہلی مرتبہ اس صورتحال سے دوچار ہوئی ہے میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ظالم آدم زاد نے آج ہی رات سے اپنے مقصد کے حصول کی خاطر عمل

شروع کیا ہے۔''

''میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں اے سردار اضم!'' عالم سوما بولا۔ ''میں معاملے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں' مگر پہلے یہ ضروری ہے کہ دینار کیلئے تکلیف و اذیت قابل برداشت ہو جائے۔ دینار کی طبیعت کچھ سنبھل جائے گی تو پھر میں خلوت میں اس سے کچھ باتیں معلوم کروں گا۔ اس کے بعد اس آدم زاد کا پتا چلایا جا سکتا ہے جو ہمارے اندازے کے مطابق کوئی عمل شروع کر چکا ہے۔''

''پھر تو ہمیں ہر قیمت پر اس آدم زاد کو عمل کرنے سے روکنا ہو گا سوما!'' میری ماں کے لہجے میں تشویش تھی۔

''پہلے اس کا سراغ تو مل جائے اے سہلوبہ!'' عالم سوما بولا۔ پھر کہنے لگا۔ ''اس آدم زاد کو روکنے کا کام بھی ہم میں سے کسی کو نہیں' دینار ہی کو کرنا پڑے گا۔ کسی آدم زاد کو عمل کرنے سے وہی جن یا جنیہ روک سکتی ہے جس پر قبضے کیلئے عمل کیا جا رہا ہو۔''

اسی لمحے میں تکلیف سے چیخ اٹھی۔

''سہلوبہ! اب خاموش رہ۔'' میرے باپ نے تاکید کی۔ ''عالم سوما کو اپنا کام کرنے دے تاکہ تیری بیٹی کو قرار آ سکے۔''

ان الفاظ کی ادائیگی سے پہلے ہی میں نے سوما کو کچھ پڑھتے دیکھ لیا تھا۔ چند لمحے بعد ہی اس نے مجھ پر دم کیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے اندر بھڑکتے ہوئے شعلوں کی تپش کم پڑنے لگی ہے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے سوما نے اسی طرح تین بار دم کیا تو میرے لئے وہ اذیت برداشت کے قابل ہو گئی۔

''تجھے کچھ سکون ملا دینار؟'' عالم سوما نے سوال کیا۔

''ہاں عالم سوما' اب وہ پہلی سی جلن نہیں رہی۔'' میں نے جواب دیا۔

''اللہ کا شکر ہے۔'' سوما نے کہا۔ ''دینار! اب یقیناً تو میرے مزید سوالوں کے جواب دے سکے گی تاکہ میں اس عامل آدم زاد کا پتا چلا سکوں۔''

عامل آدم زاد! یہ الفاظ سن کر میرے وجود میں چھناکا سا ہوا۔ ایک باریش آدم زاد کا لمبوترا چہرہ میری چشم تصور میں گھوم گیا تھا۔

سوما پہلے ہی میری والدین سے خلوت میں پوچھ گچھ کے لئے کہہ چکا تھا۔ سو وہ میرے بھائی یوسف کو ساتھ لے کر وہاں سے چلے گئے۔

تنہائی ملتے ہی سوما نے مجھے مخاطب کیا۔ ''اے دینار! میں کچھ پوچھنے سے پہلے تجھے یہ بتا دوں کہ تیرا کوئی بھی غلط جواب خود تیرے ہی لئے نقصان کا باعث ہوگا۔ سو بہتر ہے کہ تو سچ بول!..... میرا پہلا سوال یہ ہے کہ کیا کبھی تو نے کسی آدم زاد کو اپنا نام بتایا ہے؟''

''سوما! میں تیرے اس سوال کا مطلب نہیں سمجھی۔ نام بتانے سے میری تکلیف و اذیت کا کیا تعلق ہے؟'' میں نے دریافت کیا۔

''تعلق ہے دینار!'' سوما نے بتایا۔ ''میں نے اسی لئے تو یہ سوال کیا ہے۔''

''پھر تو اے سوما! تجھے سب کچھ بتانا ہی پڑے گا۔'' میں بولی۔

''ہاں دینار!'' سوما نے میری حوصلہ افزائی کی۔ ''یاد رکھ کر تو مجھے جو کچھ بتائے گی' وہ تیرے اور میرے درمیان ہی رہے گا۔''

''تو سن سوما! نجف' کربلا' بصرہ' موصل' سلیمانیہ وغیرہ میں ایسے متعدد آدم زاد ہیں جو مجھے میرے نام سے جانتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

میری بات سن کر عالم سوما چند لمحے چپ رہا۔ پھر پوچھا۔ ''تجھے ان آدم زادوں کو اپنا نام بتانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟''

''تاکہ وہ مجھے میرا نام لے کر پکار سکیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تو ان کیلئے نادیدہ نہ ہوگی!'' سوما نے مجھ سے اپنے خیال کی تصدیق چاہی۔

''ہاں میں ان سے ملنے کی خاطر انسانی پیکر اختیار کر لیتی تھی۔''

''تیرے بارے میں انہیں نام کے علاوہ اور کیا کیا معلوم تھا؟'' سوما نے سوال کیا۔

''صرف یہ کہ میں ایک روح ہوں..... ایک پراسرار وجود ہوں۔''

''کسی کو تو نے اپنے بارے میں یہ تو نہیں بتایا کہ تو ایک جن زادی ہے؟'' سوما نے دریافت کیا۔

''نہیں..... میں نے تو نہیں بتایا مگر.....'' میں کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ مجھے چند روز قبل بصرہ میں پیش آنے والا واقعہ یاد آ گیا تھا جب کافر جن زاد صحرہ نے مجھے جن زادی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ اس وقت وہ غفار کے جسم پر قابض تھا۔ کمرے میں ناصر بھی موجود تھا۔ صحرہ نے یہی ظاہر کیا تھا کہ میں ایک جن زادی ہوں۔ ناصر یہ بتانے کے باوجود مجھے نہیں پہچان سکا تھا کہ میں دینار ہوں۔ پھر مجھ کو صحرہ نے جن زادی کہنے کے علاوہ میرے نام سے بھی پکارا

تھا۔ یوں ناصر کو پہلی بار اس حقیقت کا علم ہوا تھا کہ میں ایک جن زادی ہوں۔ ناصر نے عامل ''حضرت جی'' کے اصرار پر یہی پورا واقعہ اس سے بیان کر دیا تھا۔

''تو کیا سوچنے لگی دینار! کہاں گم ہو گئی؟ مجھے بھی تو کچھ بتا!'' عالم سوما نے مجھے ٹوکا۔

''صرف وہ..... ہاں صرف اسی کو خبر ہے دینار ایک جن زادی ہے۔'' میرا انداز خود کلامی کا سا تھا۔

''کون ہے وہ اے دینار؟'' عالم سوما پوچھنے لگا۔

''ایک آدم زاد عامل۔'' میں نے بتایا۔ ''اسے لوگ حضرت جی کہتے ہیں۔''

''عامل حضرت جی ہی وہ آدم زاد ہے' تجھے اس بات کا یقین کیوں ہے؟''

''ناصر کے متعلق تو تجھے میں بتا ہی چکی ہوں سوما!'' میں نے بات شروع کی۔ ''عرصہ دراز کے بعد ایک شب جب میں اس سے ملنے گئی تو وہ سحر کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے مجھے انسانی پیکر اختیار کرنے کے باوجود نہ پہچان سکا۔'' میں نے یہ کہہ کر سوما کو صحرہ سے اپنی دشمنی' اس کے سبب اور پھر بصرہ تک اپنے تعاقب و مداخلت کی روداد سنا دی۔ اس کے ساتھ میں نے سوما سے یہ بھی بیان کر دیا کہ ناصر پر سحر کرنے والا عامل ''حضرت جی'' ہی تھا۔

تمام واقعات سننے کے بعد کڑی سے کڑی ملانا عالم سوما کیلئے کون سا مشکل تھا۔ اس نے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا کہ مجھے اپنے قبضے میں کرنے کیلئے عامل ''حضرت جی'' ہی نے عمل شروع کیا ہے۔ سوما نے اپنے اس خیال کا اظہار بھی کر دیا' پھر کہنے لگا۔ ''اس کے باوجود دینار! تصدیق بہرحال ضروری ہے۔ یہ زیادہ مشکل کام نہیں۔ تو اگر ہمت کرے تو آج ہی رات یہ تصدیق ہو سکتی ہے۔''

''وہ کس طرح سوما؟'' میں نے پوچھا۔

''دیکھ دینار' ہم جنات کو قبضے میں کرنا کوئی ہنسی کھیل نہیں۔'' سوما بتانے لگا۔ ''اس حسرت میں اب تک نہ جانے کتنے آدم زاد اپنی جانیں گنوا چکے ہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ حضرت جی نامی عامل بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ سن! کسی جن زاد یا جن زادی کو قابو میں کرنے کیلئے عامل کو پورے چالیس دن تک پابند رہنا پڑتا ہے۔ عمل کی پہلی شرط مقام ہے یعنی وہ جس جگہ پہلے روز عمل شروع کرے' وہیں چالیس روز تک عمل کی خاطر بیٹھے۔ دوسری شرط وقت کی پابندی ہے۔ عموماً نصف شب کے بعد یہ عمل کیا

جاتا ہے جو فجر کے وقت تک جاری رہتا ہے۔ اس عرصے میں عامل اپنی جگہ نہیں چھوڑ سکتا' نہ عمل پڑھتے وقت اس کیلئے وقفہ ممکن ہے۔ اگر کسی بھی سبب عامل' عمل کی جگہ چھوڑ دے یا کسی صورت اسے عمل پڑھنے سے روک دیا جائے تو عمل ساقط ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے اس صورت میں اسے ازسرنو عمل شروع کرنا پڑتا ہے لیکن اس وقت جب وہ زندہ بچ جائے۔ میں تجھے تو ایسا کرنے کو نہیں کہوں گا اے دینار' لیکن ہوتا یہی ہے کہ عامل جس جن زاد یا جن زادی کو اپنا مطیع بنانے کیلئے عمل کرتا ہے' وہی عامل کی جان لے لیتا ہے۔ کبھی کبھار تصادم کی صورت میں بھی حادثاتی طور پر عامل مارا جاتا ہے۔''

''اے سوما! مجھے صاف صاف بتا کہ کسی ایسے آدم زاد عامل کا قتل جنات کیلئے جائز ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''کچھ علمائے جنات اسے جائز اور کچھ ناجائز قرار دیتے ہیں۔'' سوما بتانے لگا۔

''جنات کے جو عالم ایسے آدم زاد عاملوں کو واجب قتل قرار دیتے ہیں' ان کا استدلال یہ ہے کہ اللہ نے جسے آزاد پیدا کیا' کسی کو حق نہیں اسے اپنا غلام بنا لے۔ غلامی کو وہ کسی کی زندگی چھین لینے کے مترادف سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر کوئی کسی کی زندگی ختم کرنا چاہے تو اس سے اپنی جان بچانے کیلئے جواباً قتل جائز ہے۔ ایسے آدم زاد عاملوں کے قتل کو ناجائز بتانے والے عالموں کا کہنا یہ ہے کہ آدم زاد اشرف المخلوقات ہیں اور انہیں جنات پر فضیلت حاصل ہے۔ جنات کو یہ زیب نہیں کہ آدم زادوں کی برابری کریں۔ اپنی جان بچانے کی خاطر جواباً کسی آدم زاد کا قتل برابری کے زمرے میں ہی آتا ہے سو جنات کو یہ حق نہیں ہے۔''

''بہ الفاظ دیگر ان عالموں کے نزدیک جنات کو آدم زادوں سے اپنی جان بچانے کا حق نہیں؟'' میں نے وضاحت چاہی۔

''ہاں دینار! یہ علماء اسے آدم زادوں کی برابری کا نام دیتے ہیں۔'' سوما نے بتایا۔

''مجھے تو سوما' ان علمائے جنات کا استدلال زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے جو اپنی جان بچانے کیلئے جواباً قتل کو جائز تصور کرتے ہیں۔''

''دینار! تجھے اس بحث میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے!'' سوما کا انداز سمجھانے والا تھا۔

''مجھے بھی تو اپنی جان بچانی ہے نا سوما!'' میں نے دلیل دی۔

''اس کیلئے عامل آدم زاد کو قتل کرنا ضروری نہیں۔'' سوما بولا۔ ''تجھے تو کسی نہ کسی

طرح اسے بس عمل پڑھنے سے روک دینا ہے۔ دینار! میں تجھے ایک بات اور بتا دوں کہ ایسے آدم زاد بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ کسی جن زاد کیلئے ان کے قریب جانا بھی بعض صورتوں میں ممکن نہیں ہوتا۔ تو فی الحال باقی باتوں کو چھوڑ اور بصرہ جا کے یہ تصدیق کر کہ مذکورہ عامل وہی حضرت جی ہے یا کوئی اور..... اگر وہ حضرت جی ہوا تو اس وقت بھی عمل میں مصروف ہو گا۔ آج رات کو تجھے صرف یہی تصدیق کرنی ہے۔ اس کے بعد ہی تجھے بتاؤں گا' کیا کرنا ہے۔''

سوما کو یقیناً میری حفاظت کا خیال تھا ورنہ تو کوئی ایسی بات نہیں تھی جو اس نے مجھ سے چھپائی ہو۔ میرے لئے یہ سمجھنا دشوار نہ ہوا کہ سوما نہیں چاہتا کہ میں اس آدم زاد عامل ''حضرت جی'' سے ٹکرا جاؤں۔ ممکن ہے' وہ کسی اور راہ کی تلاش میں ہو' گویا سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

میری نظر میں یہ معاملہ صاف اور سیدھا تھا۔ عامل ''حضرت جی'' مجھے اپنا مطیع بنانے کیلئے جو عمل کر رہا تھا' اسے روکنا تھا۔

''اچھا تو پھر اے سوما' میں بصرہ جاؤں؟'' میں بولی۔

''ہاں جا..... میں تیرے باپ اخضم کو بتا دوں گا کہ تو میرے کہنے پر بصرہ گئی ہے۔'' سوما نے کہا۔

میں مزید وقت ضائع کئے بغیر اسی وقت بصرہ روانہ ہو گئی۔ ابھی میرے وجود میں بھڑکتی ہوئی آگ بالکل ٹھنڈی تو نہیں ہوئی تھی لیکن میں اس کی تپش برداشت کر سکتی تھی البتہ جب میں بصرہ شہر کی حدود میں داخل ہوئی تو تپش کسی قدر بڑھ گئی۔

وہ پرشکوہ عمارت جہاں میں نے عامل حضرت جی کو دیکھا تھا اس وقت سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ عمارت کا بڑا محرابی دروازہ بھی بند تھا۔ ہم جنات کیلئے بند دروازوں یا دیواروں کی کوئی اہمیت نہیں ہم ان میں سے بہ آسانی گزر سکتے ہیں سو میں اس عمارت میں داخل ہو گئی۔ نچلی منزل میں مجھے صرف چند مسلح پہریدار محو خواب نظر آئے۔ میں نے جس بڑے کمرے میں آدم زادوں کی بھیڑ دیکھی تھی' اس کا دروازہ بھی مجھے بند ملا۔ میں بند دروازے سے گزر گئی۔ نچلی منزل کا اچھی طرح جائزہ لے کر میں نے اوپری منزل کا رخ کیا۔ ''حضرت جی'' مجھے اب تک دکھائی نہیں دیا تھا۔ مجھے اسی کی تلاش تھی۔

اوپری منزل کے ایک کمرے میں مجھے دو آدم زادیاں سوتی ہوئی نظر آئیں۔ وہ

الگ الگ بستروں پر دراز تھیں۔ ان میں سے ایک ادھیڑ عمر اور ایک نوجوان تھی۔ یہ دونوں ''حضرت جی'' کی بیوی اور بیٹی ہو سکتی ہیں میں نے سوچا۔ اسی کے ساتھ مجھے خیال آیا' اگر یہ دونوں چیخنے لگیں تو آدم زاد عامل جہاں بھی اور اس عمارت کی اوپری منزل میں جس جگہ ہوا دوڑا چلا آئے گا۔ ان آدم زادیوں کو چیخ اٹھنے پر مجبور کرنا میرے لئے مشکل نہ ہوتا' مگر میں نے فی الحال اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ یوں بھی عالم سوما نے مجھے آج رات وہاں صرف اس تصدیق کیلئے بھیجا تھا کہ عامل وہی ہے یا کوئی اور!

میں اس کمرے سے نکلی تو ایک طرف سے لوبان کی خوشبو آئی۔ اسی جانب کچھ فاصلے پر ہلکی سی روشنی نظر آ رہی تھی میں ادھر بڑھ گئی۔ ایک راہداری کے اختتام پر وہ کمرہ تھا جس کے اندر ایک چوکی پر عامل ''حضرت جی'' اپنے مخصوص حلئے میں آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ چوکی ہی پر ایک رکابی میں لوبان سلگ رہا تھا اور اسی کے قریب چراغ روشن تھا۔

لمبوترے چہرے والے اس عامل کو میں نے دور سے بغور دیکھا۔ اس کے ہونٹ دھیرے دھیرے ہل رہے تھے ظاہر ہے وہ کوئی عمل ہی پڑھ رہا تھا۔

یقیناً یہ کمینہ آدم زاد مجھی پر قبضہ کرنے کیلئے وظیفہ پڑھنے میں مصروف ہے۔ اس خیال نے میرے احساس کے لئے تازیانے کا کام کیا۔ میں جیسے اپنے بس میں نہ رہی۔ غصے اور نفرت کی شدید لہر مجھے اپنے ساتھ بہا لے گئی۔ میں اس کی طرف جھپٹی شاید میرا ارادہ اسے چوکی سے نیچے گھسیٹ لینے کا تھا۔ مجھے ٹھیک طرح یاد نہیں کہ اس جنونی کیفیت میں کیا اقدام میرے پیش نظر تھا۔ میں البتہ یہ نہیں بھول سکی کہ مجھے وہ جسارت بہت مہنگی پڑی جیسے ہی میں چوکی کے قریب پہنچی تو میرے وجود کو شدید جھٹکا لگا۔ مجھے یوں لگا کہ میں کسی آہنی دیوار سے ٹکرا کر پیچھے گر پڑی ہوں۔ بہ ظاہر وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ مجھے سوما کے الفاظ یاد آنے لگے۔ اس نے مجھے آج ہی رات تو یہ سمجھایا تھا۔ ''ایسے آدم زاد بہت خطرناک ہوتے ہیں کسی جن زاد کیلئے ان کے قریب جانا بھی بعض صورتوں میں ممکن نہیں ہوتا۔'' ان الفاظ کی حقیقت اب مجھ پر پوری طرح عیاں ہو چکی تھی' سوما نے واقعی غلط نہیں کہا تھا۔

اب اس میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں تھی کہ مجھے قبضے میں کرنے کیلئے اسی عامل نے آج رات سے عمل شروع کیا ہے۔ اس وقت بابل کے کھنڈرات سے میرے بصرہ آنے کا مقصد یہی تھا۔ تصدیق ہو چکی تھی' میں نے اسی لئے واپسی کا قصد کیا۔

دن کا وقت ہوتا تو میں ناصر سے ملے بغیر واپس نہ جاتی۔ مجھے بہرحال یہ جاننے کی جستجو تھی کہ سحر سے آزاد ہونے کے بعد اس نے غفار اور لیلیٰ کے ساتھ کیا سلوک کیا! بصرہ شہر پر پرواز کرتے ہوئے میں نے اگلے روز دن میں وہاں آنے کا فیصلہ کر لیا۔

بابل کے کھنڈرات میں واپس پہنچ کر میں عالم سوما سے ملی اور اسے بتایا۔ ''تصدیق ہو گئی اے سوما! .... وہی حضرت جی نامی عامل مجھے اپنے قابو میں کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے عمل پڑھتے دیکھ لیا ہے۔ واقعی وہ ایک خطرناک آدم زاد ہے' مجھے یہ تجربہ بھی ہو گیا۔''

''وہ کیسے دینار....؟ کیا تجھے اسی وجہ سے واپسی میں دیر ہو گئی؟'' سوما پوچھنے لگا۔ اس کے لہجے میں فکرمندی جھلک رہی تھی۔

میں نے از اول تا آخر سوما کو ساری بات بتا دی۔

''دینار! تجھے اپنے اوپر قابو رکھنا چاہئے تھا۔'' سوما نے مجھے سمجھایا۔ ''خیر گزری کہ معاملہ صرف جھٹکے تک رہا ورنہ وہ کوئی اور خطرناک حصار کھینچ کر بیٹھا ہوتا تو خدانخواستہ تیری جان کے لالے پڑ جاتے۔ اس نے یقیناً کوئی ایسا حصار کھینچا ہو گا جو ہم جنات کو بھی نظر نہ آ سکے۔''

''نظر نہ آنے والا حصار!'' میں نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''مگر کیوں......؟ کیا اسے کسی کی طرف سے خطرہ رہا ہو گا؟''

''کیوں نہیں!'' سوما بولا۔ ''اس نے تجھے قابو میں کرنے کیلئے عمل شروع کیا ہے تو اسے تیری طرف سے کسی ردعمل کی توقع نہ ہو گی!''

سوما کی بات میری سمجھ میں آ گئی۔ میں نے کہا۔ ''اب یہ بتا سوما کہ اسے عمل سے کیسے روکا جا سکتا ہے۔''

''اس پر غور و فکر کی ضرورت ہے اے دینار۔'' سوما کہنے لگا۔ ''ایسا کر کہ کل عصر سے کچھ پہلے میرے پاس آ جا...... ظہر پڑھ کر دوپہر کو میں سو جاتا ہوں' پھر عصر سے قبل اٹھ جاتا ہوں۔ فی الحال تو یہ جان لے کہ میں جلد بازی میں کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔ عجلت کا نتیجہ تو نے دیکھ ہی لیا۔ اس پر جھپٹ کر تجھے کیا ملا...... ہاں اس طرح وہ چوکنا ہو گیا۔ اب اس پر خوب سوچ سمجھ کر ہاتھ ڈالنا ہو گا۔''

تو کیا اسے پتا چل گیا ہو گا اے سوما کہ میں......''

''بالکل!'' سوما میری بات پوری ہونے سے پہلے بول اٹھا۔ ''خیر...... تو فکر نہ کر دینار! انشاء اللہ کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔ جا کر آرام کر!''

"سوما! تیرے دم کرنے کے بعد میرے وجود کی جلن بڑی حد تک کم تو ہو گئی ہے' مگر ختم نہیں ہوئی اس حالت میں شاید ہی مجھے نیند آ سکے۔"

"مجبوری ہے اے دینار!" سوما کے لہجے میں بے بسی تھی۔ "جب تک وہ آدم زاد عمل کرتا رہے گا' تکلیف قطعی طور پر ختم نہیں ہوگی' نیند نہ آئے تو سورۃ ناس کا ورد کرتی رہنا..... اس سے تمہیں سکون ملے گا۔" سوما نے مشورہ دیا۔

"میں ایسا ہی کروں گی اے سوما!" میں یہ کہہ کر اس کے پاس سے چلی آئی۔

کھنڈرات کے جس حصے میں ہماری سکونت تھی' میں وہاں پہنچی تو اپنے ماں باپ کو جاگتے پایا' بڑا بھائی یوسف البتہ سو گیا تھا۔

"اب تیری تکلیف کیسی ہے دینار؟" میری ماں سہلوبہ نے پوچھا۔

"پہلے سے بہت بہتر ہوں ماں!" میں نے جواب دیا۔

"عالم سوما نے ہم سے کہا ہے دینار کہ تجھ سے کچھ نہ پوچھا جائے۔" میرے باپ اخضم نے بتایا۔ "سو میں کچھ نہیں پوچھوں گا ہاں تجھ سے سوما کی نصیحتوں پر عمل کرنے کو ضرور کہوں گا۔"

میں نے اپنے باپ کو یقین دہانی کرادی کہ سوما کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کروں گی۔ وہ مطمئن ہو گیا اور مجھے سونے کی تاکید کی۔

عالم سوما کی ہدایت کے مطابق جب میں سونے لیٹی تو سورۃ ناس کا ورد شروع کر دیا۔ خلاف توقع تکلیف کا احساس کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو گیا اور مجھے نیند آ گئی۔ دوسرے دن صبح میں دیر سے سو کر اٹھی۔ میں نے خود کو پہلے سے زیادہ تر و تازہ اور توانا محسوس کیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے گزشتہ رات کو میں کسی اذیت سے گزری ہی نہ ہوں۔ سوما سے میری ملاقات قبل از عصر ہوئی تھی۔ ابھی سارا دن باقی تھا۔ گزشتہ رات کو میں نے دن کے وقت بصرہ جانے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ ناصر کا حال احوال معلوم کر سکوں۔ میں نے اسی فیصلہ پر عمل کیا اور بصرہ روانہ ہو گئی۔

ابھی دن کا پہلا ہی پہر تھا کہ میں بصرہ میں ناصر کے گھر پہنچ گئی مگر خود کو ظاہر نہ کیا۔ ناصر اور لیلیٰ کے درمیان میں نے سخت کلامی ہوتے دیکھی۔ لیلیٰ کا باپ غفار بھی وہاں موجود تھا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔

"یہ تم نے کیا بکواس شروع کر دی ہے ناصر کہ میں نے زبردستی تمہارے ساتھ

شادی کی ہے!" لیلیٰ تیز آواز میں کہہ رہی تھی۔

"لیلیٰ! اسے بکواس نہ کہہ کہ یہی حقیقت ہے۔" ناصر نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "معلوم نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا کہ میں نے تمہیں قبول کرنے کی حامی بھر لی!" ناصر کے ان الفاظ سے واضح ہوتا تھا کہ اسے اپنے اوپر سحر کرائے جانے کا علم نہیں تھا۔

"اب یہ گڑے مردے اکھاڑنے سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ مت بھولو کہ میں تمہیں حضرت جی کے پاس بھی بھیج سکتی ہوں۔" لیلیٰ نے گویا دھمکی دی۔

"کون حضرت جی؟" ناصر نے سوال کیا۔ سوال کرتے ہوئے اس کے چہرے پر عجیب سا تاثر تھا جیسے اسے کچھ یاد آ رہا ہو۔

"لیکن یہ بتاؤ کہ یہ تم مجھ سے کس لہجے میں بات کر رہی ہو۔" ناصر کو غصہ آ گیا۔ "تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ گھر میرا ہے اور میں تم کو یہاں سے نکال بھی سکتا ہوں۔"

"تم.....تم نکالو گے مجھے اس گھر سے؟ ہوش میں تو ہو تم!" لیلیٰ کی آواز بلند ہوتی گئی۔

ناصر نے اس وقت جو باتیں کیں ان سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جتنے عرصے وہ سحر کے زیر اثر رہا' اس عرصے کی بہت سی باتیں اس کے حافظے میں نہیں رہیں۔ جو باتیں اسے یاد بھی ہیں تو ان کی حیثیت پرچھائیوں جیسی ہے۔

لیلیٰ اور ناصر کے درمیان ہونے والے جھگڑے کو غفار نے ختم کرانا چاہا مگر اسے ناکامی ہوئی۔ پھر جب ناصر نے کھجور کے باغوں سے ہونے والی آمدنی کا غفار سے حساب مانگا تو وہ اور بھی سٹپٹا گیا اور کہنے لگا۔ "آج یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے ناصر بیٹے! پہلے تو کبھی تم نے مجھ پر اس طرح بے اعتمادی کا اظہار نہیں کیا۔"

"اس میں بے اعتمادی کی کوئی بات نہیں چچا!" ناصر نے کہا۔ "رشتے ناطے اپنی جگہ حساب اپنی جگہ۔"

"میں نے تو کوئی حساب نہیں رکھا۔" غفار کسی قدر ناگواری سے بولا۔

"تو غلطی کی آپ نے.....اب آپ باغوں کا رخ نہیں کریں گے' خود میں پہلے کی طرح....."

"یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔" غفار نے ناصر کی بات کاٹ دی۔ "وہ باغات میرے بڑے بھائی مرحوم جبار کی ملکیت ہیں۔ بھائی جبار کی وفات کے بعد تم خود بھی ان باغات پر

میرا حق تسلیم کر چکے ہو۔ اگر تمہیں میری بات پر یقین نہیں تو اپنی بیوی سے اس کی تصدیق کر لو۔"

"اپنی بیوی سے یا آپ کی بیٹی سے؟" ناصر چبھتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔ "چچا! آپ کو گواہی کیلئے اپنی بیٹی کے سوا کوئی اور نہیں ملا۔ خیر میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اب کھیل ختم ہو چکا ہے۔ میں کسی بھی وقت لیلیٰ اور آپ کو اپنے گھر سے چلتا کر سکتا ہوں۔"

"کیا تمہیں یہ خیال بھی نہیں کہ لیلیٰ تمہاری بیوی ہے؟" غفار نے کہا۔

"صرف اس وقت تک یہ میری بیوی ہے جب تک میں اسے طلاق نہیں دیتا' طلاق دینے کے بعد اس سے میرا کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا۔" ناصر نے جواب دیا۔

"بابا!" لیلیٰ بول اٹھی۔ "آپ آخر میری بات کیوں نہیں مانتے!...... ناصر کو فوراً حضرت جی کے پاس لے جائیں' وہ کانٹوں بھری شاخوں سے پٹائی کریں گے تو دماغ کے سارے کیڑے جھڑ جائیں گے' خودسری کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔"

"میں بتاتا ہوں تجھے خودسری کسے کہتے ہیں؟" ناصر یہ کہہ کر لیلیٰ پر ہاتھ چھوڑنے والا تھا کہ غفار درمیان میں آ گیا۔

"میرے جیتے جی تم میری بیٹی پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔" غفار بولا۔

پھر جو کچھ ہوا وہ میرے لئے زیادہ خلاف توقع نہیں تھا۔ ناصر نے غفار اور لیلیٰ کو گھر سے نکال دیا تھا۔ اس معرکہ آرائی میں کب دوپہر ہوگئی مجھے پتا ہی نہ چلا۔

"تو فکر نہ کر لیلیٰ!" ناصر کے گھر سے نکلتے ہوئے غفار اپنی بیٹی کو تسلی دینے لگا۔ "میں ابھی جا کر حضرت جی سے ملتا ہوں۔"

غفار کی بات سن کر مجھے خیال آیا کہ کہیں وہ شیطان عامل "حضرت جی" دوبارہ ناصر پر سحر نہ کر دے۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ غفار اور لیلیٰ چلے جائیں گے تو میں خود کو ناصر پر ظاہر کر دوں گی' لیکن اب اپنا ارادہ بدل دیا۔

اسی محلے میں ناصر کے گھر سے کچھ دور واقع ایک مکان غفار کا تھا۔ ناصر کے ساتھ لیلیٰ کی شادی ہونے سے پہلے غفار کی سکونت اسی مکان میں تھی۔ فی الحال ناصر کے گھر سے نکلنے کے بعد غفار نے اسی مکان میں لیلیٰ کو چھوڑا اور "حضرت جی" سے ملنے چلا گیا۔

اس عامل کے "آستانے" پر خلق خدا کا وہی ہجوم تھا جس کا نظارہ پہلے بھی ایک دفعہ کر چکی تھی۔

غفار کے ساتھ ساتھ ہی میں اس پرشکوہ عمارت میں داخل ہوگئی۔ آج میں نے وہاں پہلے سے زیادہ بھیڑ دیکھی۔ توقع کے خلاف "حضرت جی" اپنے مخصوص کمرے میں مجھے تخت پر دکھائی نہ دیا۔ وہاں موجود مسلح پہریدار لوگوں کو بتا رہے تھے کہ آج سے حضرت جی ظہر کے بعد حاجت مندوں سے ملا کریں گے۔ وہاں موجود افراد میں سے یقیناً کوئی بھی اس تبدیلی کی وجہ نہیں جانتا ہوگا' مگر میں بے خبر نہیں تھی۔ ظاہر ہے عمل کی خاطر نصف شب سے صبح فجر کے وقت تک جاگ کر وہ عامل دن بھر حاجت مندوں کے درمیان موجود نہیں رہ سکتا تھا۔

ظہر کا وقت ہونے میں اب زیادہ دیر نہیں تھی اس لئے غفار دوسرے لوگوں کی طرح "حضرت جی" کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ اس سے قبل غفار نے یہ بندوبست کر لیا تھا کہ جیسے ہی عامل اپنے تخت پر آ کر بیٹھے پہریدار اسے ملنے کا موقع دے دیں۔ اس کیلئے غفار کو تخت کے سامنے کھڑے ہوئے پہریداروں کی منت سماجت کے علاوہ مٹھی بھی گرم کرنا پڑی تھی۔

☆......☆......☆

ناصر کو میں نے زیر اثر لے کر باغبانوں کو مزید کہلوایا۔ "ممکن ہے آج چچا غفار اس باغ میں داخل ہونے کی کوشش کریں۔ انہیں کسی قیمت پر باغ میں داخل نہ ہونے دینا...... تم لوگ محتاط و چوکنا رہو اور اس باغ کی نگرانی کرتے رہو!"

باغباں اقرار میں سر ہلا کر وہاں سے چلے گئے تو میں ناصر کو باغ کی کوٹھری کے اندر لے آئی۔ غفار نے اس کا فرش ہموار کر کے ایک چٹائی بچھا دی تھی میرے ایما پر ناصر اس چٹائی پر بیٹھ گیا تو میں نے اسے اپنے اثر سے آزاد کر دیا۔

ناصر کو یقیناً ٹھیک طرح اندازہ نہیں تھا کہ طویل عرصے تک اس کی حالت غلاموں جیسی رہی ہے۔ میں نے ایک پراسرار وجود دینار کی حیثیت سے ایک مدت کے بعد اسے مخاطب کیا تو مجھے صورتحال کا پوری طرح اندازہ تھا۔

اس نے میری آواز سنی تو تقریباً اچھل پڑا اور حیرت زدہ آواز میں بولا۔ "تم... دینار تم!"

"ہاں میں۔" مجھے خوشی ہوئی کہ وہ اس بار پہچان گیا تھا۔ حیرت کے ساتھ ساتھ اس کے لہجے میں گرم جوشی تھی۔

"تم...... تم میرے سامنے...... مجھے نظر تو آؤ!" ناصر مجھے دیکھنے کو بے چین ہوگیا۔

"اس سے پہلے مجھے چند ضروری باتیں کرنی ہیں جن کا تمہیں معلوم ہونا لازمی

ہے۔'' میں نے کہا۔

''پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ اتنے دن کہاں تھیں؟ اور مجھ سے کیوں نہیں ملیں؟'' اس کا انداز ضدی اور لاڈلے بچوں جیسا تھا۔

''مجھے افسوس ہے ناصر کہ میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا' بہ وجوہ اسے پورا نہ کر سکی۔'' میں نے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ ''وہ دن مجھے آج بھی یاد ہے ناصر! جب تم نے اپنے لالچی چچا غفار کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ ایک عامل سے ربط ضبط بڑھا رہا ہے۔ اس عامل کے ذریعے وہ تم پر کوئی ایسا عمل بھی کرا سکتا ہے کہ تم اس کی بیٹی لیلیٰ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو جاؤ۔ بہر حال...... وہ سب کچھ ہو گیا جو نہیں ہونا چاہئے تھا۔ عامل سے تم پر سحر کرا کے تمہارے چچا اور لیلیٰ نے تمہیں اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ اس کے عوض حضرت جی نامی اس عامل کو تمہارے چچا نے کھجور کا ایک باغ دے دیا جو در اصل تمہاری ملکیت......''

''ہاں مجھے آج ہی اس بارے میں باغبانوں نے بتایا ہے۔'' ناصر بول اٹھا۔ ''پتا چلا ہے کہ حضرت جی نے اس باغ کی نگہبانی پر اپنے آدمی مقرر کر رکھے ہیں' چچا غفار نے یہ اچھا نہیں کیا۔'' پھر یوں لگا جیسے ناصر کو کچھ یاد آ گیا ہو وہ پوچھنے لگا۔ ''سحر سے مجھے کیسے آزادی ملی؟ ...... کیا تم......''

ناصر نے جو جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا' اسے میں نے پورا کیا۔ ''ہاں ناصر! مجھ سے تمہاری حالت دیکھی نہ گئی۔ سحر کے زیر اثر آ کر تم نے مجھے بھی پہچاننے سے انکار کر دیا تھا خیر...... میں نے اپنی پر اسرار قوتوں سے کام لے کر پہلے تو یہ معلوم کیا کہ تم پر سحر کیا گیا ہے' پھر سحر کرانے والے کا پتا لگایا اور......'' پھر ناصر کو میں نے گرہیں لگے ہوئے گنڈے اور اس کی تلاش نیز اسے بیکار بنا دینے کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ ناصر حیران حیران سا میری باتیں سنتا رہا۔ میں نے آخر میں ناصر کو متوقع خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ ''غفار کو یہ پتا نہیں لگنا چاہئے کہ اس نے جہاں گنڈا دبایا تھا وہاں سے اسے نکالا جا چکا ہے۔ اس کی یہی ایک صورت ہے کہ وہ یہاں اس کوٹھری تک نہ پہنچ سکے...... تم غالباً میری بات سمجھ رہے ہو...... میں نہیں چاہتی کہ تم پر دوبارہ سحر کر دیا جائے۔''

ناصر کے چہرے سے فکر مندی کا اظہار ہونے لگا۔ وہ مجھے کسی سوچ میں کھویا ہوا لگا۔ میں نے اسے دانستہ نہیں ٹوکا۔

''دینار!'' آخر ناصر نے مجھے مخاطب کیا۔ ''تم میری آواز سن رہی ہو؟''

''ہاں کہو اے ناصر! میں تمہاری ہی طرف متوجہ ہوں۔'' میں بولی۔

''اگر میں اس کوٹھری کو مستقل طور پر بند کر دوں اور یہاں نگہبان کو بھی نگرانی پر مقرر کر دوں کہ کوئی اس کوٹھری کو کھول کے اندر نہ جا سکے تو یہ تدبیر کیسی رہے گی اے دینار؟'' ناصر نے مجھ سے سوال کیا۔

میں ابھی کوئی جواب نہ دے پائی تھی کہ کسی کے قدموں کی چاپ ابھری۔ آنے والا ایک باغباں تھا۔ اس نے بتایا ''آپ کے چچا ملنے آئے ہیں۔''

''کہہ دو کہ میں ان سے نہیں ملنا چاہتا!'' ناصر ناگواری سے بولا۔

باغباں چلا گیا تو میں' ناصر سے مخاطب ہوئی۔ ''ایک تدبیر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کوٹھری کی دیواریں ہی ڈھا دو اس طرح کوٹھری کا وجود ہی نہیں رہے گا۔ جس جگہ تم چٹائی پر بیٹھے ہو پختہ کرا دو۔''

''لیکن دینار! اس میں تو وقت لگے گا۔'' ناصر کہنے لگا۔ . .

''اس دوران میں کہیں کسی طرح چچا یہاں نہ پہنچ جائیں۔''

''یہ بندوبست میں کر دوں گی ناصر کہ تمہارا چچا غفار کم از کم دو روز تک یہاں نہ پہنچ سکے۔'' میں نے کہا۔

''اس کیلئے تم کیا کرو گی اے دینار؟'' ناصر نے پوچھا۔

''یہ تم مجھ پر چھوڑ دو ...... اب میں چلتی ہوں تا کہ غفار کی شکل میں جو خطرہ تمہارے گرد منڈلا رہا ہے اسے یہاں سے دور لے جاؤں۔'' یہ کہہ کر میں رخصت ہو گئی۔

غفار ابھی تک وہاں سے گیا نہیں تھا' باغبانوں سے وہ اصرار کئے جا رہا تھا کہ اسے ناصر سے ملنے دیں۔

میں نے غفار کو اپنی جناتی صفات کے اثر میں لے کر وہاں سے واپس شہر جانے پر مجبور کر دیا۔

''غفار! اب تم دو دن تک ان باغوں کی طرف نہیں آؤ گے۔'' میں نے اسے حکم دیا۔

''نہیں...... نہیں آؤں گا...... '' غفار بڑبڑانے لگا۔

غفار کو اپنے اثر سے آزاد کر کے میں نے بابل کے کھنڈرات کا رخ کیا۔ ہم جنات کی بھی کچھ حدود مقرر ہیں جن سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں غفار کو کوئی اور حکم

بھی دے سکتی تھی۔ مثلاً یہ کہ وہ ''حضرت جی'' سے نہ ملے، یوں ناصر ایک ممکنہ خطرے سے محفوظ ہو جاتا۔ فی الحال تو خود میری زندگی بھی خطرے میں تھی۔ شیطان عامل مجھے اپنے قبضے میں کرنے کیلئے عمل شروع کر چکا تھا اور اسے روکنا تھا۔

مقررہ وقت پر میں بابل کے کھنڈرات میں عالم سوما سے ملی وہ کہنے لگا۔ ''دینار! میں خاصے غور فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کوئی ایسی تدبیر اختیار کی جائے کہ تجھے عامل کے قریب نہ جانا پڑے اور بغیر قریب جائے تیرا مقصد پورا ہو جائے یعنی وہ عمل پڑھنا چھوڑ دے۔''

''اے سوما! ہے ایک ایسی تدبیر!'' میری آواز پر جوش تھی، پھر میں نے سوما کے پوچھے بغیر وہ تدبیر بیان کر دی جو گزشتہ رات میں نے سوچی تھی۔

سوما نے میری تدبیر سے اتفاق کیا اور بولا۔ ''آج بھی جب وہ آدم زاد عامل نصف شب کے بعد عمل شروع کرے گا تو کل رات ہی کی طرح دینار، تو اذیت میں مبتلا ہو جائے گی تیرے لئے بہتر یہ ہے کہ وقت سے پہلے میرے پاس پہنچ جا! میں تجھ پر دم کر دوں گا تو وہ تکلیف تیرے لئے قابل برداشت ہو جائے گی۔ کل رات جیسا ہوا تھا پھر تو بصرہ جا سکے گی۔'' سوما مجھے کچھ دیر ان خطرات کے بارے میں بتاتا رہا جو بصرہ میں پیش آ سکتے تھے۔

پھر سب کچھ وہی ہوا جو پہلے سے طے شدہ تھا۔ میں نصف شب کو اذیت سے گزری، سوما نے مجھ پر دم کیا پھر تکلیف کم ہو گئی تو بصرہ روانہ ہو گئی۔

بصرہ پہنچ کر میں عامل حضرت جی کے گھر میں داخل ہوئی اوپری منزل پر گزشتہ شب کی طرح میں نے عامل حضرت جی کی نوجوان بیٹی کو بے خبر سوتے ہوئے دیکھا اور خاموشی کے ساتھ اس آدم زادی کے جسم میں داخل ہو گئی۔

اس سے قبل میں کبھی کسی آدم زاد کے جسم میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ میرے لئے یہ پہلا تجربہ تھا اسی سبب میں گھبرا گئی۔ اس آدم زادی کے جسم میں گھپ اندھیرا اور انتہائی گھٹن تھی۔ مجھے قید کا احساس ہوا۔ میں اسی بنا پر خوفزدہ ہو کر اس کے جسم سے نکل آئی۔ پھر مجھے کافر جن زاد صخرہ یاد آیا جو ناصر کے چچا غفار کے جسم میں داخل ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ جب صخرہ ایسا کر سکتا ہے تو مجھ پر خوف کیوں غالب ہے؟ ایک بار عامل حضرت جی کی بیٹی کے جسم میں گھس کر باہر نکل آنے سے بھی میری ہمت بندھی سو میں دوسری مرتبہ گویا خود ہی اس آدم زادی کے جسم میں داخل ہو کر ''قیدی'' بن گئی۔ دونوں دفعہ ایسا کرتے ہوئے آدم زادی کے

جسم کو میں نے خفیف سا جھٹکا کھاتے دیکھا تھا۔ مجھے اب اس کے جسم میں قرار آ گیا تھا۔

اس آدم زادی کے جسم پر قبضہ کر کے میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ میرا مقصد عامل کو عمل پڑھنے سے کسی بھی طرح روکنا تھا تاکہ وہ مجھے اپنے قابو میں نہ کر سکے۔ اس کیلئے پہلے یہ تصدیق ضروری تھی کہ گزشتہ شب کی طرح عامل نے عمل شروع کر دیا ہے۔

دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ہوئی میں اس کمرے کے دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازے کی کنڈی اندر سے بند تھی جسے میں نے آہستگی سے کھول دیا۔ میری اس احتیاط کی وجہ ادھیڑ عمر آدم زادی تھی جو اسی کمرے میں دوسرے بستر پر محو خواب تھی۔ ابھی اس کا جاگ جانا میرے لئے سودمند ثابت نہ ہوتا۔ اس پرشکوہ عمارت کی نچلی اور اوپری منزلوں کے ایک ایک گوشے کو تکتی میں اس کمرے کے کھلے ہوئے دروازے تک پہنچ گئی، مگر اندر داخل نہ ہوئی۔

چند لمحے بعد میں نے کمرے میں جھانک کر دیکھا اور تقریباً اچھل پڑی۔ عامل کی نظریں دروازے ہی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور ہونٹ حرکت میں تھے۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے عامل میری ہی آمد کا منتظر تھا اور اس کی نظر مجھ پر پڑ چکی ہے۔ میں اس وقت یہ حقیقت نظر انداز ہی کر بیٹھی تھی کہ وہ عامل مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا اگر اس نے دیکھا بھی ہو گا تو مجھے نہیں اپنی بیٹی کو دیکھا ہو گا۔ ممکن ہے کہ یہ میرا محض وہم ہو کہ مجھے دیکھ لیا گیا ہے، میں نے سوچا۔

گزشتہ شب کی طرح کمرے میں اور باہر تک لوبان کی بو آ رہی تھی، اس کے علاوہ دھیمی روشنی بھی تھی۔

عامل کے عمل پڑھنے کی تصدیق کر کے میں الٹے قدموں وہاں سے لوٹ آئی۔ جس کمرے میں ادھیڑ عمر آدم زادی محو خواب تھی مجھے دوبارہ وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگی۔ دانستہ میں نے کمرے کا دروازہ کھلا رہنے دیا اور خالی بستر پر آ کر لیٹ گئی تھی۔

اپنی سوچی سمجھی تدبیر پر عمل کرنے میں اب مجھے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ مجھے اپنی تدبیر کی کامیابی کا پورا یقین تھا۔ اسی یقین کے سہارے اچانک میں نے پوری قوت سے چیخنا شروع کر دیا۔ ''بچاؤ!... بچاؤ.....''

عمارت پر مسلط سناٹا میری چیخوں سے ختم ہو گیا۔ ادھیڑ عمر آدم زادی۔ ''یا اللہ خیر.....'' کہتی ہوئی اٹھی اور میری طرف لپکی۔

میں نے پہلے سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ اور مزید بلند آواز میں چیخنا جاری رکھا۔

"کیا ہوا ساجدہ بیٹی تجھے کیا ہوا؟" ادھیڑ عمر آدم زادی نے قریب آ کر مجھے بھرائی ہوئی آواز میں مخاطب کیا۔ یوں پہلی بار مجھے معلوم ہوا کہ اس عامل کی بیٹی کا نام ساجدہ ہے اور یہ کہ ان دونوں آدم زادیوں کے بارے میں میرا قیاس درست تھا کہ عامل سے ان کا کیا رشتہ ہے۔

میں نے ساجدہ کی ماں کو مزید خوفزدہ کرنے کی خاطر مصلحتاً کہا۔ "ماں میرے...... میرے جسم میں ایک جن...... جن زادی گھس گئی ہے اور ...... اور وہ مجھے مار ڈالنا چاہتی ہے۔ میں...... میں زندہ...... رہنا چاہتی ہوں ماں...... زندہ!" یہ کہہ کر میں نے زور زور سے رونا شروع کر دیا اور پھر خود ہی اپنی گردن دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے بتانے لگی۔ "وہ مجھے ...... مجھے مار ڈالے گی...... بچاؤ...... مجھے بچالو ماں!"

ادھیڑ عمر آدم زادی نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور پرجوش آواز میں بولی۔ "میری بچی! میں تجھے مرنے نہیں دوں گی۔"

دانستہ میں نے اپنے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی کر دی اور دوبارہ زور زور سے چیخنے لگی۔

جس وحشت زدہ نوجوان آدم زادی کو پابہ زنجیر اس عامل کے پاس لایا گیا تھا' جو کسی ذہنی عارضے میں مبتلا تھی' میں نے اسی کی طرح جھومنا اور چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ اس چیخ و پکار اور ہنگامے کا مقصد ایک طرف تو عامل کی ادھیڑ عمر بیوی کو ہراساں و فکرمند کرنا تھا' دوسری جانب اس کا اصل مقصد عامل کو ادھر متوجہ کرنا تھا۔ خلاف توقع عامل سے پہلے نچلی منزل پر موجود مسلح پہریداروں نے اس دروازے کو دھڑ دھڑا دیا جسے کھول دیا جاتا تو وہ اوپری منزل پر آ جاتے۔ وہ اونچی آوازوں میں ہنگامے اور چیخ و پکار کی وجہ پوچھ رہے تھے۔

"جاؤ...... جاؤ ماں' انہیں بھی بتا دو کہ ساجدہ مرنے والی ہے۔" میں یہ کہہ کر زور سے چیخی۔

"مریں تیرے دشمن!" ادھیڑ عمر عورت نے کہا۔ "میں ابھی تیرے بابا کو ان کے کمرے سے بلا کر لاتی ہوں۔"

پھر ادھر تو عامل کی بیوی نے اس کمرے سے باہر قدم رکھا' ادھر میں ساجدہ کے جسم سے نکلی اور وہ دروازہ کھول آئی جس پر پہریدار دستکیں دے رہے تھے۔ وہ اس قدر بدحواس تھے کہ ان کے ذہنوں میں یہ سوال بھی نہ ابھرا کہ دروازہ کس نے کھولا۔ اوپری منزل تک پہنچنے

کیلئے وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

اس سے پہلے کہ پہریدار اوپری منزل پر پہنچتے میں دوبارہ ساجدہ کے جسم میں گھس کر چیخنے لگی۔

ذرا ہی دیر میں مجھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یہ آوازیں لحہ بہ لحہ قریب آتی جا رہی تھیں۔

"ساجدہ...... میں آ رہا ہوں میری بچی!" عامل کی آواز سنائی دی۔

میرے وجود میں ٹھنڈک سی اترنے لگی۔ مجھے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو گئی تھی۔ یہ بہرحال میرے نزدیک کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔

میں اگر چاہتی تو فوری طور پر عامل کی نوجوان بیٹی کے جسم سے نکل کر چلی آتی مگر دانستہ ایسا نہیں کیا۔

جب عامل تقریباً دوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تو اس کے ساتھ ادھیڑ عمر عورت بھی تھی۔ میرے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ ہوا کہ اس وقت عامل کے گرد حصار نہیں ہے۔

"بابا!" میں عامل کو دیکھ کر چیخی۔ "یہ جن زادی میرا کلیجہ نوچ رہی ہے...... مجھے مار دے گی بابا!"

عامل ابھی کوئی جواب نہ دے پایا تھا کہ مسلح پہریدار بھاگتے ہوئے کمرے میں گھس آئے۔ انہیں دیکھ کر عامل آگ بگولہ ہو گیا۔ "تم یہاں؟"

پہریداروں کو فوراً ہی اپنی بدحواسی کا احساس ہو گیا۔ وہ معافی مانگتے ہوئے الٹے قدموں لوٹ گئے۔ میرے لئے یہ لمحات غنیمت تھے ان سے فائدہ اٹھا کر یہ ممکن تھا کہ میں عامل کو قتل کر دیتی لیکن یہ انتہائی قدم نہیں اٹھایا۔ اس کا بڑا سبب عالم سوما تھا۔ سوما کی رضامندی کے بغیر میں نے اس عامل کی زندگی کا چراغ گل کرنے سے گریز کیا۔ پھر بھی عامل کو تھوڑا بہت سبق دینے سے باز نہ رہ سکی۔

چند لمحوں کو عامل کی توجہ میری طرف سے ہٹی تھی' اس کی وجہ پہریداروں کی آمد تھی۔ جیسے ہی پہریداروں نے کمرے سے باہر قدم رکھا' میں نے عامل پر چھلانگ لگا دی۔ میرا حملہ یقیناً اس کیلئے غیر متوقع ہی تھا وہ فرش پر آ رہا اور میں اسے مارنے لگی۔ اس کی سرخ پگڑی اتار کر میں نے دور پھینک دی اور لمبوترے چہرے پر ناخنوں سے نقش و نگار بنانے لگی۔

"تو مجھے اپنے قبضے میں کرے گا کمینے!" میں نے اس کے منہ پر زوردار طمانچہ

جزتے ہوئے کہا۔ میں نے دانستہ اپنا نام لینے سے گریز کیا تھا کیوں کہ وہاں پر ایک ایسی آدم زادی بھی یعنی عامل کی بیوی موجود تھی جو میرے نام سے واقف نہیں تھی۔

''ارے ارے! یہ تو کیا کر رہی ہے ساجدہ بیٹی!'' ادھیڑ عمر عورت نے مجھے مار پیٹ سے روکنا چاہا۔

عامل کی بیوی کو میں نے اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ کچھ فاصلے پر جا کے گری۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔

''اے ساجدہ کی ماں!'' عامل چیخا کہ اب اس کی باری تھی۔ ''یہ تیری بیٹی ساجدہ نہیں جن زادی......''

اپنی بات عامل پوری نہیں کر سکا کیونکہ اس کے منہ پر میرا زوردار مکا پڑا تھا۔ ''بول مجھے قابو میں کرنے کیلئے عمل پڑھے گا؟'' میں نے یہ کہتے ہوئے اس کی گردن دبوچ لی۔ ذرا سا دباؤ ڈالنے پر اس کی آنکھیں ابلنے لگیں تو میں نے گردن چھوڑ دی۔

''اے دینار...... ! اے جن زادی! مجھے معاف کر دے۔'' وہ خود پر قابو پا کر گڑگڑانے لگا۔

''اپنی ناپاک زبان پر اگر اب تو میرا نام لایا تو حلق سے تیری زبان کھینچ لوں گی!'' میں نے گھونسا مار کر اس کے زخمی ہونٹوں کو مزید زخمی کر دیا۔ وہ ''ہائے ہائے'' کرتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگا۔ اب وہ رو بھی رہا تھا۔ عامل کی بیوی دور کھڑی حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

''آج تو میں تجھے زندہ چھوڑے جا رہی ہوں لیکن تو اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا اور دوبارہ عمل پڑھنا شروع کیا تو میرے ہاتھوں مارا جائے گا' صاف صاف سن لے کہ میں تجھے قتل کر دوں گی!'' میں اس کے اوپر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''نہیں اے جن زادی!'' عامل نے سسکیاں بھرتے ہوئے مجھے یقین دلایا۔ ''میں اب کبھی تجھے پا لینے کی آرزو نہیں کروں گا۔ مجھ سے واقعی سخت غلطی ہوئی...... دراصل میں خلق خدا کی خدمت کیلئے تجھ سے مدد لینا چاہتا تھا۔''

''مجھ سے مکر نہ کر!'' میں نے اسے ڈانٹ دیا۔ ''جھوٹ نہ بول! خلق خدا کا نام لے کر اپنے گھناؤنے عزائم پر پردہ نہ ڈال! مجھے کچھ ہی دن میں تیری رگ رگ سے واقفیت حاصل ہو چکی ہے تو مجھے دھوکا نہیں دے سکتا!''

وہ ابھی تک کمرے کے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ میں نے حقارت سے اس کے جسم کو ٹھوکر ماری۔ میری ٹھوکر اس کی پسلی پر پڑی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ میں دوسرے ہی لمحے میں اس کی نوجوان بیٹی ساجدہ کے جسم سے باہر نکل آئی۔ ساجدہ کا جسم جھٹکا کھا کر زمین پر آ رہا۔

عامل کی بیوی ''ہائے میری بیٹی'' کہتی ہوئی ساجدہ کے بے سدھ جسم کی طرف لپکی۔

''گھبراؤ مت ساجدہ کی ماں!'' عامل کی آواز آئی۔ ''ساجدہ صرف بے ہوش ہے اور جلد ہی ہوش میں آ جائے گی۔'' عامل کو میں نے فرش سے اٹھتے دیکھا۔

اب وہاں میرا مزید رکے رہنا لا حاصل تھا میرے نزدیک یہ بہت بڑی کامیابی تھی کہ میں نے آدم زاد عامل کو عمل پڑھنے سے روک دیا تھا۔ میں یہ خوشخبری جلد از جلد اپنے قبیلے کے عالم سوما کو دینا چاہتی تھی۔ سوما کو میں نے اپنا روحانی استاد تسلیم کر لیا تھا۔

بصرہ شہر اس وقت اندھیرے اور سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا جب میں اس کے اوپر پرواز کر رہی تھی۔ اس وقت میں نے سوچا کہ عامل نے مجبور اور زیر ہو کر کہنے کو تو کہہ دیا تھا کہ اب کبھی مجھے پا لینے کی آرزو نہیں کرے گا' مگر کیا اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ میں نے تو بچپن سے یہی سنا تھا کہ آدم زادوں پر بھروسا نہیں کرنا چاہئے۔ وہ قابل اعتماد نہیں ہوتے۔ اگر حضرت جی نامی وہ آدم زاد عامل بھی ایسا ہی ہوا تو کیا ہوگا؟ اگر اس نے کل ہی رات سے دوبارہ عمل پڑھنا شروع کر دیا تو اسے کیسے روکا جا سکے گا؟ مجھے اعتراف ہے کہ اس وقت تک اس سلسلے میں میری معلومات ناکافی تھیں۔

وہ رات بڑی حسین تھی یا شاید میرے اس احساس کی وجہ میری کامیابی تھی۔ میں نے بھرپور چاند کی طرف دیکھا۔ اس کی چاندنی میں دور تک پھیلے ہوئے صحرا کی ریت چاندی کی طرح چمک رہی تھی۔ غالباً اسی منظر نے میری توجہ اپنی طرف کھینچ لی تھی۔ فضا کے حسن کو اپنی روح میں سمیٹتی ہوئی دھیمی رفتار سے میں اپنی منزل کی جانب رواں تھی کہ ٹھٹک گئی۔ مجھے ایک ایسا ہی منظر دکھائی دیا تھا۔

یقیناً وہ کوئی آدم زادی ہی تھی جو گھوڑا دوڑاتی ہوئی ایک طرف اڑی جا رہی تھی۔ وہ چادر اوڑھے ہوئے تھی جس میں اس کا جسم لپٹا ہوا تھا۔ اس کے تعاقب میں مجھے دو گھوڑ سوار نظر آئے۔ میں سمجھ گئی کہ وہ آدم زادی کسی سبب کہیں سے فرار ہوئی ہے اور اس کا تعاقب کرنے والے اسے روکنا چاہتے ہیں' مگر کیوں؟ اس سوال نے میرے جذبہ تجسس کو بیدار کر

دیا۔ میں نے سوچا' اگر وہ آدم زادی ان دونوں آدم زادوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوتی تو اسے بھاگنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کمزور کی مدد کرنی چاہیے۔ اس خیال سے میں نے ایک حسین انسانی پیکر اختیار کیا اور گھڑسوار آدم زادوں کے سامنے آ گئی۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی انہوں نے اپنے گھوڑوں کی لگامیں کھینچ لیں مجھے ان سے یہی توقع تھی۔

"یہ تو فائضہ سے بھی زیادہ حسین ہے اے خالد!" ان گھڑسواروں میں سے ایک نے اپنے دوسرے ساتھی کو مخاطب کیا۔

"ہاں اے عمار! دوسرا خواب ناک سی آواز میں بولا۔" یہ تو کوئی آسمانی مخلوق معلوم ہوتی ہے آ اس سے پوچھتے ہیں کہ یہ کون ہے؟"

"مگر وہ..... وہ فائضہ تو نکل گئی خالد! میر کارواں کو ہم کیا جواب دیں گے!" پہلا گھڑسوار فکر مند نظر آنے لگا۔

"چھوڑ بھی عمار! اس میں آخر ہمارا کیا قصور..... ہم نے تو فائضہ کو فرار نہیں کرایا' کہہ دیں گے کہ وہ دھوکا دے کر بھاگ گئی۔" خالد نامی گھڑسوار نے کہا اور اپنا گھوڑا آگے بڑھایا۔" فائضہ پر خاک ڈال! وہ بس نام کی فائضہ تھی' ورنہ ہمیں تو اس نے کوئی فیض نہیں پہنچایا۔ اس جنت کی حور کو دیکھ جو ہمارے سامنے کھڑی ہے۔ میں نے تو ایسی حسین دوشیزہ پہلے کبھی نہیں دیکھی۔"

"تو بھی خوب ہے خالد!" عمار ہنس دیا۔" تو نے صرف دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ یہ دوشیزہ ہے! کیا خبر یہ کسی کی بیوی ہو!"

"حسین عورتیں بیویاں بننے کیلئے نہیں ہوتیں۔" خالد نے کہا۔ اس دوران میں وہ میرے قریب آ چکا تھا۔ وہ میری طرف دیکھتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہنے لگا۔" اے عمار! دیکھ تو سہی' چاند صحرا میں اتر آیا ہے۔"

"ہاں دیکھ رہا ہوں۔" عمار بھی قریب آ گیا۔

ان دونوں کے گھوڑے میرے دائیں بائیں تھے انہیں دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ہوش کھو بیٹھے ہوں۔ وہ مجھے ایک ٹک دیکھے جا رہے تھے۔ میرا مقصد فائضہ نامی آدم زادی کو ان کی دسترس سے بچانا تھا جو پورا ہو چکا تھا۔ ان کی خود فراموشی کا سبب وہ حسین انسانی پیکر تھا' میں جس میں انہیں نظر آ رہی تھی۔ اب تک ان دونوں نوجوان آدم زادوں کی گفتگو سے مجھے صرف چند باتوں کا اندازہ ہو سکا تھا' وہ یہ کہ صحرا میں کہیں قریب ہی کوئی کارواں پڑاؤ ڈالے

ہوئے تھا۔ فائضہ غالباً موقع پا کر اسی کارواں سے فرار ہوئی تھی۔ کسی سبب اسے وہاں جانا قبول نہ ہوگا جہاں وہ کارواں جا رہا تھا۔ خالد اور عمار کی حیثیت اس کارواں کے محافظوں کی ہو گی وہ اسی لئے فائضہ کا تعاقب کر رہے تھے۔

میں ابھی انہی خیالوں میں گم تھی کہ خالد بول اٹھا وہ مجھ سے مخاطب تھا۔" تو کون ہے؟" اب وہ اپنے گھوڑے سے اتر گیا تھا۔

"اے خالد! تو مجھے ان صحراؤں کی روح سمجھ سکتا ہے۔" اپنے بارے میں یہی کہانی میں بصرہ کے ناصر اور دیگر آدم زادوں کو بھی سنا چکی تھی۔

"تجھے میرا نام ... نام بھی معلوم ہے؟" اس نے حیرانی کا اظہار کیا۔

"صورت سے تو تم دونوں مجھے زیادہ بے وقوف نہیں لگتے' پھر احمقانہ باتوں کا کیا مطلب ہے! تم ابھی ایک دوسرے کو نام لے کر مخاطب کر چکے ہو' پھر میں تمہارے نام لوں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے..... مجھے تو اس کا نام بھی معلوم ہے جس کا تم پیچھا کر رہے تھے۔" میں نے کہا۔

"جب تجھے ہمارے نام پتا چل گئے ہیں تو پھر ہمیں بھی اپنا نام بتا دے۔" خالد کا ساتھی بول اٹھا' وہ ابھی تک گھوڑے پر ہی سوار تھا۔

پہلے مجھے کسی آدم زاد کو اپنا نام بتاتے ہوئے ذرا بھی جھجک محسوس نہیں ہوتی تھی' لیکن اب ایک تلخ تجربہ ہو چکا تھا میں نے اسی کے پیش نظر محتاط لہجے میں عمار سے کہا۔" روح بس روح ہوتی ہے' اس کا کوئی نام نہیں ہوتا۔"

میری بات پوری ہوئی تھی کہ ایک اور گھڑسوار تیزی سے ادھر آتا دکھائی دیا کسی ممکنہ خطرے سے بچنے کی خاطر میں نے دوسرے ہی لمحے انسانی پیکر ترک کر دیا۔ میں جیسے ہی ان نوجوانوں کے درمیان سے غائب ہوئی وہ اچھل پڑے۔ اب ان کے چہروں سے خوف جھلک رہا تھا۔

"وہ..... وہ اے خالد ... کہاں..... کہاں چلی گئی؟" عمار نے اپنے ساتھی سے ڈری ڈری آواز میں سوال کیا۔

"آئی بھی اسی طرح اچانک اور گئی بھی ایسے..... ہی! وہ..... روح..... روح ہی ہو سکتی ہے ورنہ دیکھتے دیکھتے نظروں سے اوجھل نہ ہو جاتی۔" خالد بولا۔

اسی وقت ان نوجوان کی نظر نو وارد گھڑسوار پر پڑ گئی جو قریب آ گیا تھا۔

"اے عمار! مجھے تو یہ بوڑھا سلیمان لگتا ہے۔" خالد نے کہا۔

"ہاں وہی ہے یہ!" عمار نے تصدیق کی۔

میں وہاں سے ابھی گئی نہیں تھی' چاندنی رات میں وہ عباپوش بوڑھا سلیمان مجھے عجیب سا معلوم ہوا۔ اس کے استخوانی چہرے پر جیسے کھال منڈھ دی گئی تھی۔ اس نے نوجوان آدم زادوں کے قریب پہنچ کر اپنا گھوڑا روک لیا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے بوڑھا سلیمان خطرناک لگا۔

"میرکارواں اسمٰعیل نے مجھے تمہاری تلاش میں بھیجا ہے۔" بوڑھا سلیمان ان نوجوانوں سے مخاطب ہوا تو میں نے محسوس کیا جیسے کسی گہرے کنویں سے اس کی آواز آ رہی ہو۔ خالد اور عمار نے کچھ نہ کہا تھا کہ بوڑھا سلیمان گہرے گہرے سانس لے کر پوچھنے لگا۔

"ابھی یہاں کون تھا؟"

"اے سلیمان! تجھے تو خود یہ دعویٰ ہے کہ تو وہ بھی دیکھ لیتا ہے جو دوسروں کو نظر نہیں آتا' پھر ہم سے کیا پوچھ رہا ہے؟" خالد کہنے لگا۔

اس پر بوڑھے سلیمان نے پھر گہرے سانس لئے اور بولا۔ "تفصیل تو میں تمہیں بغداد چل کر ہی بتاؤں گا' فی الحال اتنا جان لو کہ یہاں اب بھی کوئی پراسرار وجود موجود ہے' میرا علم مجھے غلط راہ پر نہیں ڈال سکتا۔"

اس بوڑھے آدم زاد نے صرف سونگھ کر وہاں میری موجودگی کا سراغ لگا لیا تھا۔ میرے نزدیک یہ خطرناک بات تھی۔ تجسس کے جذبے پر سنسنی غالب آ گئی۔ یہ سنسنی میرے پورے وجود میں دوڑ رہی تھی۔ میں پھر کبھی خالد یا عمار سے مل کر اور انہیں اپنی جناتی صفات کے زیر اثر لے کر اس معمے کی گتھیاں سلجھا سکتی تھی۔ میں با آسانی یہ پتا چلا لیتی کہ میری مدد سے بچ کر فرار ہو جانے والی آدم زادی فائضہ کون تھی؟ اس سے بھی زیادہ اب میں بوڑھے سلیمان کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔ خالد اور عمار جہاں بھی ہوتے میں ان کے جسموں کی مخصوص خوشبو کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں پہنچ جاتی۔ فی الحال اپنے تحفظ کی خاطر میں نے اس جگہ سے فرار ہو جانے کا فیصلہ کیا۔ یوں بھی مجھے اس بات کا احساس تھا کہ عالم سوما میری طرف سے فکرمند ہوگا۔ اب تک مجھے اس کے پاس پہنچ جانا چاہئے تھا۔ مجھے عامل "حضرت جی" کی طرف سے جو اندیشے اور خطرات تھے' ان کا بھی سوما سے اظہار کرنا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں بابل کے کھنڈرات کی طرف پرواز کرنے لگی جو اب زیادہ دور نہیں تھے۔

جب میں کھنڈرات میں پہنچی جہاں عالم سوما کی سکونت تھی تو اسے دست بہ دعا پایا۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے وہ میرے لئے ہی دعا کر رہا ہو۔ دعا مانگ کر سوما نے میری طرف دیکھا اور بولا۔ "اے دینار! خدا کا شکر ہے تو بخیر و عافیت لوٹ آئی۔" اس کی آواز میں اطمینان جھلک رہا تھا۔

"کیوں عالم سوما' کیا میری جانب سے تجھے کچھ اندیشہ تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں دینار!" سوما نے اقرار کیا' پھر بتانے لگا۔ "ابھی کچھ دیر پہلے مجھ پر کشف ہوا کہ تو کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہونے والی ہے۔ سو میں نے دو نفل حاجات کے پڑھے اور پھر تیرے لئے بارگاہ خداوندی میں دعا کرنے لگا۔ میں نے قصد کیا تھا کہ اس وقت تک رب العزت کے حضور دست دعا بلند کئے رہوں گا جب تک اے دینار تو لوٹ نہ آئے گی۔" سوما نے یہ کہہ کر سوال کیا۔ "کیا بصرہ یا وہاں سے واپس ہوتے وقت راستے میں تجھے کسی خطرے کا سامنا تو نہیں کرنا پڑا؟ میں تجھ سے ہر بات جاننا چاہوں گا پہلے تو مجھے بصرہ کے اس عامل کے بارے میں بتا جو تجھے اپنی کنیز بنا لینے کا خواب دیکھ رہا تھا۔"

"میں نے اس کا بڑا برا حشر کیا سوما! تجھ سے میں نے جو تدبیر بیان کی تھی اس عامل کو اس طرح عمل پڑھنے سے روکا جا سکتا ہے' وہ تدبیر کامیاب رہی۔" میں یہ کہنے کے بعد اس واقعے کی تفصیل بیان کرنے لگی جو بصرہ میں پیش آیا تھا۔ آخر میں سوما سے میں نے یہ بھی صاف صاف کہہ دیا کہ اگر اس سے عامل کو قتل کرنے کی اجازت لے چکی ہوتی تو اسے زندہ نہ چھوڑتی۔

"اللہ تجھے اس کا اجر دے گا دینار کہ تو اس آدم زاد عامل کے قتل سے باز رہی۔" سوما نے میری حوصلہ افزائی کی۔ اس کی باتوں سے مجھے اپنے باپ اخضم کی خوشبو آتی تھی۔ سوما کا سلوک میرے ساتھ بیٹی جیسا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ وہ بے اولاد تھا۔

"اے سوما! میں بچپن سے یہی سنتی آئی ہوں کہ آدم زاد قابل اعتبار نہیں ہوتے۔ ایسی صورت میں عامل حضرت جی کی اس بات پر بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ازسرنو مجھے قابو میں کرنے کیلئے عمل نہیں پڑھے گا۔ تجھ سے میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اگر اس نے آئندہ رات ہی سے دوبارہ عمل کا آغاز کر دیا تو کیا پھر اسے روکنے کی تدبیر کرنی ہوگی؟..... اگر کل رات کو نہیں تو دو ایک روز بعد وہ اپنے قول سے پھر سکتا ہے۔" میں نے اپنے خدشات کا اظہار کر دیا۔

''دینار! اگر وہ آدم زاد عامل تیرے حصول کی خاطر عمل پڑھنے سے باز نہ آیا تو بھی فی الحال تجھے کوئی خطرہ نہیں۔'' سوما مطمئن آواز میں بولا۔

''وہ کیسے اے سوما؟'' میں نے وضاحت چاہی۔

''جب کوئی آدم زاد کسی جن زاد یا جن زادی پر قبضے کیلئے عمل کرتا ہے اور کسی بھی سبب عمل پورا نہیں ہوتا تو دوبارہ عمل کرنے کی غرض سے اسے پورے چالیس دن تک انتظار کرنا پڑتا ہے اگر وہ اس سے پہلے دوبار عمل کرنے لگے تو اس کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔'' عالم سوما مجھے بتانے لگا۔ ''اے دینار! یہ بات اتنی عام ہے کہ ہر عامل جانتا ہے۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں چالیس دن تک اس عامل آدم زاد کے شر سے محفوظ ہوں۔'' میری آواز میں اداسی تھی۔

''افسردہ نہ ہو اے دینار!'' عالم سوما نے مجھے تسلی دی۔ ''اس عامل کے شر سے بچنے کا ایک اور بھی راستہ ہے' لیکن ابھی تو نے میری تشویش دور نہیں کی۔''

''کیسی تشویش؟'' میں نے دریافت کیا۔

''وہی جس کا تعلق مجھے ہونے والے کشف سے ہے۔'' سوما نے جواب دیا۔ ''بصرہ میں تو تجھے کوئی مشکل پیش نہیں آئی' پھر کیا وہاں سے واپسی کے وقت کوئی ......''

''ہاں اے سوما! میں اسے خطرہ ہی قرار دوں گی۔'' میں بول اٹھی۔ پھر میں نے سوما کو خالد' عمار' فائضہ اور پراسرار بوڑھے سلیمان کے بارے میں سب کچھ بتاتے ہوئے کہا۔ ''اس بوڑھے کا چہرہ غیر انسانی سا تھا۔''

''اے دینار! تجھے شاید یہ بات معلوم ہو کہ بہت سے جنات آدم زادوں ہی کے درمیان... مستقل طور پر انہی کے ساتھ رہنے لگتے ہیں مگر ان جنات میں کوئی نہ کوئی غیر معمولی بات ضرور ہوتی ہے۔ تو اسے ان جنات کی پہچان بھی کہہ سکتی ہے۔ اس میں سے بیشتر وہ ہیں جو ذات برحق پر ایمان نہیں لائے یعنی وہ اپنے کفر ہی پر قائم رہے۔ بوڑھا سلیمان بھی مجھے ایسے ہی کافر جنات میں سے معلوم ہوتا ہے۔ تو نے اس کا جو حلیہ بیان کیا' یقیناً وہ غیر معمولی ہے۔ چہرے کی ہڈیوں پر کھال کا منڈھا ہونا اسی جانب اشارہ کرتا ہے۔''

ممکن ہے عالم سوما کچھ اور بھی کہتا کہ میں نے سوال کر دیا۔ ''لیکن سوما! اگر وہ انسانی پیکر میں کوئی کافر جن ہی تھا تو مجھے اس کی بدبو کیوں محسوس نہیں ہوئی؟ میں اس سے اتنی دور بھی نہیں تھی کہ مجھے بدبو نہ آتی۔''

''تو نے درست کہا دینار! نیک جنات کی خوشبو اور بد کی بدبو محسوس ہوتی ہے۔ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے لیکن اہل ایمان کی طرح کافر جنات بھی عملیات و وظائف کرتے ہیں۔ یہ عمل رحمانی اور شیطانی دونوں ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ انہی عملیات کے ذریعے اہل ایمان اور کافر جنات کو کچھ ایسی پراسرار قوتیں حاصل ہو جاتی ہیں جو عام جنات میں نہیں ہوتیں۔ عین ممکن ہے اور اگر میرا شک غلط نہیں تو جسے تو نے بوڑھے سلیمان کے پیکر میں دیکھا' اس نے کسی شیطانی عمل کے ذریعے اپنے وجود کی بدبو کو دبا دیا ہو تا کہ کوئی اسے پہچان نہ سکے۔ مجھے جو یہ کشف ہوا اے دینار کہ تو کسی بڑی مصیبت میں پھنسنے والی ہے' اس کا تعلق یقیناً اسی واقعے سے ہے۔'' عالم سوما نے تفصیل کے ساتھ میرے سوال کا جواب دیا۔

اس سے جنات کے بارے میں مجھے کچھ نئی باتوں کا علم ہوا۔ میں نے اس کے باوجود اپنے اس ارادے کو تبدیل نہیں کیا کہ فائضہ کے فرار کی وجہ ضرور معلوم کروں گی۔ میرے اس ارادے یا فیصلے کا تعلق مستقبل سے تھا لیکن ابھی تو میں اپنے زمانہ حال ہی سے نا مطمئن تھی۔

معاً مجھے یاد آیا کہ عالم سوما نے آدم زاد عامل کے شر سے بچنے کیلئے ایک اور راستے کا ذکر بھی کیا تھا۔ میری نظر میں سب سے زیادہ ترجیح طلب یہی مسئلہ تھا۔ چالیس دن پلک جھپکتے گزر جاتے اور وہ شیطان عامل دوبارہ عمل کرنے بیٹھ جاتا۔

عالم سوما کو میں نے یاد دہانی کرائی تو کہنے لگا۔ ''اے دینار! تجھے اس عامل کے شر سے بچنے کی خاطر کل ہی سے ایک عمل شروع کرنا پڑے گا۔ یہ عمل بھی چالیس روز کا ہے وقت اور جگہ کی پابندی تجھے بھی کرنی ہوگی۔ اگر تو کامیاب رہی تو پھر اس عامل کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔ اس نے تجھے قبضے میں کرنے کیلئے دوبارہ عمل کیا بھی تو اس کا عمل باطل ہو جائے گا۔''

''سوما! کل ہی سے میں تیرا تجویز کردہ عمل کرنے پر راضی ہوں۔'' میں پرجوش آواز میں بولی۔ ''مجھے عمل کی شرائط اور الفاظ بتا!''

''مجھے تجھ سے یہی توقع تھی دینار!'' سوما نے کہا۔ ''عمل کی شرائط وہی ہیں جن کو آدم زاد عامل پورا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا' مگر تو نے اسے ناکام بنا دیا۔ تجھے ایک مقررہ جگہ پر نصف شب سے صبح فجر کے وقت تک چالیس روز تک عمل پڑھنا ہوگا۔ اس آدم زاد عامل پر تجھے کئی طرح سے فوقیت حاصل ہوگی۔'' سوما تفصیل بیان کرنے لگا۔ میں پوری توجہ سے اس

کی باتیں سن رہی تھی۔ ’’پہلی بات تو یہ ہے دینار کہ تیرا عمل کسی کے خلاف نہیں ہوگا ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ کوئی بھی تجھے عمل پڑھنے سے نہیں روکے گا۔ دوسرے یہ کہ عمل کے وقت میں تجھ سے زیادہ دور نہیں رہوں گا۔ اس کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ تو کھنڈرات کے اسی حصے میں عمل پڑھنے کیلئے کوئی جگہ دیکھ لے۔ ان کھنڈرات میں کیوں کہ عرصہ دراز سے ہم جنات کا قبیلہ آباد ہے اس لئے یہ جگہ آدم زادوں کی دسترس میں نہیں۔ تو یہاں پوری طرح محفوظ رہے گی۔‘‘

عمل کیلئے جگہ مقرر کرنے سے متعلق میں نے عالم سوما کی رائے سے اتفاق کیا' پھر عمل کے الفاظ معلوم کئے۔

’’اے دینار! تجھے عمل کے دوران میں سورۂ ناس کا ورد کرتے رہنا ہے۔‘‘ سوما نے یہ کہہ کر اس قرآنی سورۂ کے اوصاف بیان کئے۔ مجھے سورۂ ناس یاد تھی' پھر بھی سوما کو سنادی کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو۔

اب مزید کوئی بات وضاحت طلب نہیں رہی تھی' میں اسی لئے سوما کے پاس سے چلی آئی۔

وہ جگہ بابل کے کھنڈرات سے زیادہ دور نہیں تھی' جہاں گزشتہ رات مجھے فائضہ' خالد' عمار وغیرہ ملے تھے۔ میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ فائضہ کا انجام کیا ہوا؟ اگر استخوانی چہرے والا بوڑھا سلیمان واقعی آدم زادوں کے ساتھ انسانی پیکر میں رہنے والا کوئی کافر جن ہی تھا تو پھر یہ بہت مشکل تھا کہ فائضہ اس کے چنگل سے بچ کر نکل جاتی۔ وہ کون تھی؟ کہاں سے آئی تھی؟ اور کارواں سے کیوں فرار ہوئی تھی؟ دوسرے دن بھی ان سوالات نے مجھے بے چین کئے رکھا۔ اس آدم زادی کو میں نے دور سے دیکھا تھا۔ اس کے جسم کی مخصوص خوشبو فاصلے کی بنا پر مجھے محسوس نہیں ہو سکی تھی۔

☆......☆......☆

کچھ یہی معاملہ بوڑھے سلیمان کے ساتھ تھا۔ سلیمان اور میرے درمیان زیادہ فاصلہ نہ ہونے پر بھی اس کے وجود کی خوشبو سے میں ناآشنا رہی تھی۔ عالم سوما نے اس کی وجہ مجھے بتادی تھی۔ خالد اور عمار کے جسموں کی مخصوص خوشبو البتہ میرے حواس میں محفوظ تھی۔ ان دونوں کے ذریعے حقیقت تک پہنچنا میرے لئے خطرناک نہ ہوتا۔ میرے اندازے کے مطابق مذکورہ کارواں اب تک اپنی منزل پر پہنچ چکا تھا کیوں کہ جو واقعہ پیش آیا تھا' اسے کئی پہر گزر

چکے تھے۔ اس کارواں کی منزل سے بھی میں واقف تھی۔ مجھے یاد تھا کہ بوڑھے سلیمان نے بغداد کا نام لیا تھا۔

یہ بڑی عجیب سی بات تھی کہ جو شہر میرے سامنے تعمیر ہوا تھا مجھے اس کی سیر کا اب تک کوئی موقع نہیں ملا تھا۔ اس کی وجہ اچانک میرا دوسرے معاملات میں ملوث ہو جانا تھا جن کا تعلق بغداد سے نہیں بصرہ سے تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس عہد کے اعتبار سے بغداد شہر انتہائی جدید اور بے حد خوبصورت تھا۔ اسے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ بسایا گیا تھا۔ اس شہر کی عظمت و بزرگی کی علامت قصر خلافت تھا جس کی حدود میں بڑے بڑے سبزہ زار تھے۔ قصر خلافت ہی سے کچھ فاصلے پر محلہ کرخ سے ملی ہوئی وہ بڑی سرائے تھی جہاں قریب و دور سے آنے والے بھی مسافروں کو تمام بنیادی سہولتیں حاصل تھیں۔ قصر خلافت کی دوسری جانب ارکان حکومت کی قیام گاہیں تھیں۔ اس علاقے کو قرافہ کہا جاتا تھا۔ یہ بغداد شہر کا سب سے بڑا محلہ تھا۔ اسی محلے کے قریب دریائے دجلہ پر ایک پل تھا جس کے ذریعے شہر کے غربی حصے میں جانا ممکن تھا۔ پل کے علاوہ دریا کو عبور کرنے کیلئے چھوٹی بڑی خوبصورت کشتیاں بھی پانی میں ہچکولے کھاتی رہتی تھیں۔ حکومت وقت کی طرف سے ان کشتیوں کو دریا میں چلانے کیلئے ملاح مقرر تھے۔ یہ ملاح لوگوں سے دریا عبور کرانے کا معاوضہ نہیں لیتے تھے۔ شام کے وقت جب سورج ڈوب رہا ہوتا تو لوگ عموماً پل کے بجائے ان کشتیوں میں بیٹھ کر ہی دریا عبور کرنے کو ترجیح دیتے۔ دریا پر آمد و رفت کی کثرت کے سبب دو پل بنائے گئے تھے۔ ان میں سے ایک پل خلیفہ المنصور کے قصر کے قریب تھا دوسرا پل کچھ فاصلے پر تھا۔ قصر خلافت سے متصل پل صرف خلیفہ اور اعلیٰ ترین ارکان حکومت کیلئے مخصوص تھا۔ حفاظتی نقطہ نگاہ سے وہاں شرطے (محافظ سرکار) مقرر تھے۔ یہ محافظ عام لوگوں کو اس پل کے قریب نہیں آنے دیتے تھے نہ پل کے اوپر سے گزر کر ادھر سے ادھر آنے جانے دیتے تھے۔

بغداد شہر دریائے دجلہ کے دونوں طرف شرقی اور غربی حصے میں آباد تھا۔ غربی حصے کی نسبت شرقی حصہ زیادہ آباد اور پرکشش تھا۔ شہر کے اسی حصے میں قصر خلافت تھا۔ اس شرقی حصے میں سترہ محلے آباد تھے اور ہر محلہ بجائے خود ایک شہر تھا۔

میں اس شام بغداد پہنچی تو موسم بہت خوشگوار تھا۔ مجھے خالد اور عمار کی تلاش تھی۔ وہ دونوں مجھے دریا کے کنارے ایک آبادی باب الطاق میں ملے۔ (باب الطاق ہی بغداد شہر کی وہ

قدیم آبادی ہے' جو اب اعظمیہ کہلاتی ہے۔ اسی آبادی میں حضرت امام احمد بن ابوحنیفہ کا مقبرہ ہے اسی سے کچھ فاصلے پر حضرت امام حنبلؒ کا مزار مبارک ہے' اعظمیہ سے پہلے اب ایک قدیم قبرستان پڑتا ہے۔ اس مشہور قدیم قبرستان میں حضرت معروف کرخیؒ' بہلول دانا اور زبیدہ بیگم کے مزارات ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں دیگر مشہور بزرگوں کے مزارات بھی ہیں۔ اسی قبرستان سے ایک سڑک کاظمیہ کی طرف جاتی ہے جہاں امام کاظمؒ کا مقبرہ ہے۔ مصنف)

وہ دونوں مجھے دریا کے کنارے چہل قدمی کرتے ہوئے مل گئے۔ ان کے ساتھ کوئی تیسرا فرد نہیں تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی وہاں آس پاس کوئی اور نہ تھا۔ میں نے ان دونوں آدم زادوں کو اپنی جناتی صفات کے زیر اثر لینے میں دیر نہیں کی۔

''اے خالد! مجھے بتا کہ کل رات فائضہ پر کیا گزری؟'' میں نے سوال کیا۔

''بوڑھے سلیمان نے مجھے اور عمار کو کارواں کے پڑاؤ کی طرف واپس بھیج دیا اور ہم سے کہا کہ وہ خود فائضہ کو پکڑ کر لے آئے گا۔'' خالد میرے زیر اثر خواب ناک سی آواز میں بتانے لگا۔ ''اور پھر وہی ہوا ہم پڑاؤ پر پہنچے ہی تھے کہ دیکھا بوڑھا سلیمان اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑائے چلا آ رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہم نے فائضہ کو بھی گھوڑے کی پشت پر بیٹھے دیکھا۔ ہمیں اس پر بڑی حیرت ہوئی۔ ہم دونوں کو اول تو یہی توقع نہیں تھی کہ بوڑھا سلیمان فرار ہو جانے والی فائضہ کو صحرا میں تلاش کر لے گا کیوں کہ اسے فرار ہوئے کچھ وقت گزر چکا تھا' پھر یہ تو ہرگز امید نہ تھی کہ تلاش میں بوڑھے سلیمان کو وقت ہی نہیں لگے گا' وہ اتنی جلد فائضہ کو پکڑ کر لے آئے گا۔''

خالد کے اس بیان سے میرا یہ شک یقین میں بدلنے لگا کہ بوڑھا سلیمان لازمی طور پر کوئی آدم زاد نہیں بلکہ اس کا تعلق کافر جنات سے ہے۔

میں خالد کی بات غور سے سننے لگی۔ وہ اب کہہ رہا تھا۔ ''بوڑھا سلیمان اسی وقت میر کارواں اسمٰعیل کی خدمت میں حاضر ہو گیا جو سلیمان ہی کا منتظر تھا۔ میر کارواں اسمٰعیل نے سلیمان کی اس کارگزاری کو سراہا' اسے انعام سے نوازا اور فائضہ کو محافظوں کی کڑی نگرانی میں دے دیا۔''

''یہ بیان کر خالد کہ میر کارواں اسمٰعیل کس لئے فائضہ کو اپنے ہمراہ بغداد لے جا رہا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''میر کارواں اسمٰعیل کو یہ ذمے داری عامل کوفہ عیسیٰ بن موسیٰ نے سونپی تھی کہ وہ

فائضہ کو موسیٰ بن کعب کے پاس باحفاظت پہنچا دے۔'' خالد نے بتایا۔

''موسیٰ بن کعب کون ہے؟'' میں نے معلوم کیا۔

''وہ قصر خلافت کے محکمہ نظارت (نگہبانی) کا نگران اعلیٰ ہے۔'' خالد نے جواب دیا۔

''کیا تجھے فائضہ کے بارے میں کچھ علم ہے کہ وہ کون ہے؟'' میں اصل موضوع پر آ گئی۔

''فائضہ کی بابت مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ بوڑھا سلیمان اس بدنصیب کو کہیں سے اغوا کر کے لایا تھا۔ شاید نجف سے!'' خالد نے جواب دیا۔

''مگر فائضہ' عامل کوفہ عیسیٰ کے پاس کس طرح پہنچی کہ اس نے میر کارواں اسمٰعیل کے حوالے کیا؟''

''میرا اور عمار دونوں ہی کا آبائی شہر کوفہ ہے۔ بوڑھا سلیمان پورے کوفہ شہر میں کسی شیطان کی طرح مشہور ہے۔ اسے عامل کوفہ عیسیٰ کا دست راست سمجھا جاتا ہے۔ اہل کوفہ کو جب عامل کوفہ سے کوئی کام نکلوانا ہوتا ہے تو وہ بوڑھے سلیمان کو ذریعہ بناتے ہیں۔''

اپنے سوالوں کے جواب میں خالد سے مجھے جو مزید باتیں پتا چلیں وہ میرے لئے نئی ہی تھیں۔ دراصل عیسیٰ بن موسیٰ' خلیفہ المنصور کا چچا تھا۔ عیسیٰ کو کوفہ کا عامل (گورنر) مقرر کرنے والا خلیفہ المنصور کا بھائی خلیفہ ابوالعباس سفاح تھا۔ سفاح مرحوم کے عہد خلافت سے عیسیٰ ہی شہر کوفہ کا عامل چلا آتا تھا۔ کچھ دن قبل کوفہ میں یہ افواہ گشت کرنے لگی کہ خلیفہ المنصور انتظامی معاملات میں کچھ تبدیلیاں کرنے والا ہے۔ ان تبدیلیوں کے تحت جو عامل' مرحوم خلیفہ سفاح کے عہد سے اپنے عہدوں پر فائز ہیں ان سب کو ہٹا دیا جائے گا۔ سفاح ہی نے عیسیٰ کو عامل کوفہ کے علاوہ ولی عہد بھی مقرر کیا تھا۔

دارالخلافہ بغداد میں عیسیٰ کا بہترین دوست اور خیر خواہ موسیٰ بن کعب تھا۔ قصر خلافت میں ایک اہم عہدے پر ہونے کے علاوہ موسیٰ خلیفہ وقت کی نظروں میں بھی چڑھا ہوا تھا۔ اسی دوستی اور تعلق کو مزید مضبوط و مستحکم کرنے کی خاطر عیسیٰ نے فائضہ کو بہ حیثیت کنیز موسیٰ کے پاس بھیجا تھا۔ اسے یہ مشورہ بوڑھے سلیمان ہی نے دیا تھا کہ کوئی خوبصورت کنیز موسیٰ کی نذر کی جائے۔ کسی حسین کنیز کے انتخاب و فراہمی کی ذمہ داری عیسیٰ نے بوڑھے سلیمان پر ڈال دی۔ پھر ایک روز اہل کوفہ نے اس حسین کنیز کو عامل کوفہ کے قصر میں دیکھا۔ وہ کنیز فائضہ اتنی

ہی خوبصورت تھی کہ سارے شہر میں اس کے حسن کا چرچا ہو گیا۔ بوڑھے سلیمان نے دربار عام میں فائضہ کو پیش کیا تھا اس لئے جو سرکاری و درباری افراد اس وقت وہاں موجود تھے سبھی کی نظریں فائضہ پر پڑیں۔

کچھ ہی دن بعد بغداد کیلئے ایک کارواں روانہ ہونے والا تھا۔ میر کارواں اسمٰعیل بھی اراکین سلطنت میں سے ایک اور عامل کوفہ عیسیٰ کا دوست تھا۔ سو عیسیٰ نے فائضہ کو بغداد میں موسیٰ کے پاس پہنچانے کی خاطر اسمٰعیل کے حوالے کر دیا۔ بطور احتیاط عیسیٰ نے بوڑھے سلیمان کو بھی فائضہ کے ساتھ بغداد روانہ کر دیا۔ اگر عامل کوفہ ایسا نہ کرتا تو شاید فائضہ فرار ہو جاتی۔

خالد اور عمار کو بھی بغداد آنا تھا۔ انہوں نے جب بغداد جانے والے کارواں کے بارے میں سنا تو میر کارواں اسمٰعیل سے ملے۔ اسمٰعیل نے انہیں اس شرط پر ساتھ لے چلنے کی ہامی بھر لی کہ وہ کارواں کے محافظوں میں شامل ہو جائیں۔ دونوں دوست روزگار کی تلاش میں کوفہ سے بغداد آئے تھے۔

محلہ باب الطاق میں خالد کا ایک عزیز رہتا تھا۔ دونوں دوست اسی کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے۔ بغداد پہنچ کر وہ کارواں سے الگ ہو گئے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ میر کارواں اسمٰعیل نے کب اس کنیز فائضہ کو موسیٰ کے حوالے کیا لیکن انہیں یقین تھا اب تک اسمٰعیل نے اپنا فرض ادا کر دیا ہو گا۔

مجھے ان آدم زادوں سے نفرت محسوس ہوئی جو صنف نازک کو اپنی مقصد براری کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ میں نے اپنے باپ اخضم سے سنا تھا کہ اللہ نے اپنے ہر بندے کو آزاد پیدا کیا ہے' یہ ہم ہی ہیں جو اس کے بندوں کو غلام بنا لیتے ہیں۔ فائضہ بھی یقیناً کنیز پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ اسے شیطان صفت ایک کافر جن زاد نے کنیز بنا دیا تھا۔ معلوم نہیں فائضہ کی طرح کتنی مجبور و بے بس آدم زادیوں کو کنیز بنا لیا گیا ہو گا۔ یہ دکھ بھرا احساس لئے میں اس رات بغداد سے واپس بابل کے کھنڈرات پہنچ گئی' اسی رات مجھے اپنی حفاظت کی خاطر سوما کا تعلیم کردہ عمل شروع کرنا تھا۔

نصف شب سے کچھ پہلے ہی میں عالم سوما کے پاس جا پہنچی۔ اس نے مجھے دیکھ کر دعا دی' پھر اس جگہ کے انتخاب میں میری مدد کی جہاں عمل شروع کرنا تھا۔ وہ ایک نیم شکستہ دالان تھا جس کا فرش صاف کر کے میں نے اپنی نشست بنالی۔ دالان کے باہر دائیں جانب

عالم سوما موجود تھا۔

پھر مسلسل چالیس راتوں تک میں وقت اور جگہ کی پابندی کے ساتھ وہ عمل پڑھتی رہی اور مجھے کوئی قباحت نہ ہوئی۔ عمل پورا ہونے پر عالم سوما نے مجھے مبارک باد دی اور کہا۔

''اے دینار! اب تو اس آدم زاد عامل کے شر سے تاحیات محفوظ ہو گئی۔''

''صرف اسی عامل کے شر سے یا ہر اس عامل کے شر سے جو مجھے اپنے قبضے میں کرنا چاہے؟'' میں نے سوما سے وضاحت چاہی۔

''محض اس عامل کی طرف سے تجھے نجات ملی ہے جو تیرے حصول کی خاطر دوبارہ عمل شروع کر سکتا تھا۔'' سوما نے مجھے بتایا' پھر بولا۔ ''دینار! تو اسے بھی کم نہ جان کہ آدم زادوں کے چنگل میں ایک بار پھنس جانے کے بعد نکلنا بہت دشوار ہوتا ہے۔''

''سوما! مجھے تجھ سے ایک اور معاملے میں رہنمائی چاہئے۔'' میں نے موقع غنیمت جان کر کہا۔

''ہاں بول تجھے کیا کہنا ہے دینار!'' سوما بولا۔

''میں شاید پہلے بھی تجھ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کر چکی ہوں سوما کہ خلق خدا کی خدمت کو اپنا مقصد حیات بنانا چاہتی ہوں۔''

''دینار! اس سے بڑی نیکی اور کیا ہو گی' مگر جان لے کہ یہ بڑا مشکل کام ہے۔ مجھے کچھ کچھ یاد پڑتا ہے کہ تو نے کبھی مجھ سے دکھی اور ستم رسیدہ آدم زادوں کی مدد کرنے کو کہا تھا۔ بول تیرے میرے درمیان کچھ ایسی بات ہوئی تھی نا؟'' سوما نے آخر میں مجھ سے سوال کیا۔

''ہاں سوما! تو نے محتاط الفاظ میں آدم زادوں کو خطرناک قرار دیتے ہوئے ان سے حتی الامکان دور ہی رہنے کو کہا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں تسلیم کرتی ہوں کہ آدم زاد واقعی خطرناک ہوتے ہیں مجھے عامل حضرت جی کی صورت میں اس کا عملی تجربہ بھی ہو چکا ہے لیکن میرا خیال یہ ہے کہ سب آدم زاد خطرناک نہیں ہوتے۔ ان کی اکثریت مدد و تعاون کی مستحق ہے۔ کیا ہم جنات ان کے کام نہیں آ سکتے؟''

''یقیناً کام آ سکتے ہیں دینار!'' عالم سوما نے اعتراف کیا' پھر کہنے لگا۔ ''اس کے باوجود میں کسی جن زاد یا جن زادی کے اس فعل کو آگ سے کھیلنے کے مترادف ہی قرار دوں گا' تجھے میں اب بھی ایسا نہ کرنے کی نصیحت کروں گا۔''

اس وقت تو میں خاموش ہو گئی لیکن آنے والے دنوں میں سوما سے میری گفتگو کا
یہی موضوع رہا۔ میں اس عرصے میں بصرہ کے ناصر کی طرف سے بھی غافل نہ رہی۔ قضائے
الٰہی سے اس کا لالچی چچا غفار دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ لیلیٰ بہر حال ناصر کی بیوی تھی۔ ناصر
نے اسے طلاق نہیں دی تھی۔ غفار کی موت کے بعد بھی لیلیٰ کو ناصر نے اپنے گھر میں نہ رکھا
البتہ اس کے اخراجات اٹھانے سے گریز نہ کیا۔

میں نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ سوما میری نقل و حرکت پر نظر رکھتا ہے۔ مجھے اس
کی وجہ بھی معلوم تھی۔ اسے میری طرف سے یہ اندیشہ تھا کہ میں آدم زادوں کے دکھ بانٹنے کی
غرض سے کہیں خود کوئی دکھ نہ پال بیٹھوں۔ ہر چند کہ میں نے ابھی اس سمت میں کوئی عملی قدم
نہیں اٹھایا تھا مگر سوما میری جانب سے محتاط و چوکنا ہو گیا تھا۔ کافی غور و فکر کے بعد میں نے
اس سلسلے میں ایک روز پہلا قدم اٹھا ہی لیا۔

میں اپنے قبیلے کے سب سے بڑے طبیب ہامہ بن ہیم سے ملی۔ بوڑھے ہامہ کی عمر
کم سے کم بھی دو ہزار سال ضرور ہو گی اس کے باوجود وہ بڑا خوش مزاج و خوش گفتار تھا۔ وہ
میری بات سن کر ہنس پڑا اور کہنے لگا۔ ''اے سردار اخضم کی بیٹی دینار! تو علم طب میں مہارت
حاصل کرنا چاہتی ہے؟'' کیا سبب ہوا جو تو اس طرف مائل ہوئی کسی جن زادی کو آج تک میں
نے طبابت کرتے دیکھا نہ سنا۔''

''اے میرے باپ کے دوست ہامہ! کیا ضروری ہے کہ صرف جن زاد ہی طبیب
ہوں اور کوئی جن زادی اس میں کامل نہ ہو۔'' میں بے جھجک بولی۔

''تیرا کہنا ٹھیک ہے دینار! اگر علم طب آسان نہیں کسی جن زادی کو اس میں ماہر
بنانے کی بابت تو خیر میں نے سوچا بھی نہیں البتہ کوشش ضرور کی کہ کوئی جن زاد میری نیابت کر
سکے۔ میرا عقیدہ ہے کہ کسی بھی علم کی ترویج و اشاعت نیکی ہے۔'' ہامہ کہنے لگا۔ ''کئی سو برس کی
تلاش و کاوش کے بعد ایک ہی نوجوان جن زاد عارج میری توقعات پر پورا اترا ہے۔ وہ تیری
ہی عمر کا ہے اور بڑی لگن کے ساتھ علم طب حاصل کر رہا ہے۔''

''طبیب ہامہ! تو میری محنت اور لگن میں بھی کمی نہ پائے گا۔'' میں نے یقین دہانی
کرائی۔

ہامہ نے مجھے آئندہ روز صبح سے اپنے مطب میں آنے کی اجازت دے دی۔
کچھ عرصہ پہلے ہی میرے اندر یہ سوال ابھرا تھا 'اے دینار! کیا تو دکھی آدم زادوں

کے کام نہیں آ سکتی؟ میں اسی سوال کا عملی جواب دینے کی تیاری شروع کر رہی تھی اس کا پہلا
مرحلہ علم طب کا حصول تھا اور دوسرا مرحلہ عملیات و وظائف سے آگہی تھی۔ ان دونوں علوم کیلئے
میں پہلے ہی طبیب ہامہ اور عالم سوما کا انتخاب کر چکی تھی۔ ان علوم میں کامل ہو کر ہی میں آدم
زادوں کے درمیان جانے کی آرزو مند تھی کہ ان کے دکھوں کا مداوا کر سکوں۔ میں نے عالم
سوما سے غلط نہیں کہا تھا کہ میرا مقصد حیات خلق خدا کی خدمت ہے۔ جنات بھی کیوں کہ اللہ
کی مخلوق ہیں اس لئے مجھے ان کی مدد سے بھی عار نہیں تھی مگر یہ واقعہ ہے کہ میں نے جنات
کے مقابلے میں آدم زادوں کو مدد و تعاون کا زیادہ مستحق پایا۔ مطلوبہ علوم میں مہارت کے بعد
میں شہر بغداد میں سکونت اختیار کرنا چاہتی تھی۔

دوسرے دن جب طبیب ہامہ کے مطب میں میری ملاقات جن زاد عارج سے
ہوئی تو مجھے پہلی بار زندگی کے فطری تقاضوں کی تکمیل کا احساس ہوا۔ مجھے یوں لگا جیسے اب تک
میں ادھوری تھی اور عارج سے مل کر پوری ہو گئی۔ میں اعتراف کرتی ہوں کہ مجھے عارج سے
اور اسے مجھ سے محبت ہو گئی۔ آدم زادوں سے چھیڑ چھاڑ اور شوخیاں اپنی جگہ مگر عارج ہی میری
پہلی محبت ثابت ہوا۔ طبیب ہامہ اور عارج کی کوشش کے نتیجے میں مجھے علم طب پر عبور حاصل
ہو گیا۔

اس دوران میں وقت کتنی تیزی سے آگے بڑھ چکا ہے مجھے احساس ہی نہ ہوا۔
تاریخ نے کیا نئی کروٹ لی؟ میرے نزدیک اس کا مختصراً بیان بھی ضروری ہے۔

عباسی خلیفہ ابو جعفر عبداللہ المنصور کہ جس نے شہر بغداد کا سنگ بنیاد رکھا 158ھ
میں انتقال کر چکا تھا۔ اس نے 22 سال حکومت کی اور 136ھ میں خلیفہ بنا تھا۔ مرحوم خلیفہ
ابو العباس سفاح کیوں کہ اپنے بھائی المنصور کو ولی عہد اپنے چچا عیسیٰ بن موسیٰ کو مقرر کر چکا تھا
سو اصولاً اسی کو المنصور کے بعد خلیفہ بننا تھا مگر ایسا نہ ہوا۔ خلیفہ المنصور کا بیٹا محمد بن عبداللہ
المہدی جب بڑا ہوا تو المنصور نے فیصلہ کیا کہ عیسیٰ کی ولی عہدی پر المہدی کو مقدم کر دے۔
دستور یہ تھا کہ بہ نظر تکریم جب عیسیٰ بغداد آتا تو ہمیشہ خلیفہ المنصور کے دائیں جانب بیٹھتا اور
المہدی بائیں جانب۔ ایک روز المنصور نے عیسیٰ سے المہدی کی ولی عہدی کے متعلق کچھ گفتگو
کی۔ اس پر عیسیٰ نے عرض کیا۔ ''اے امیر المومنین! میری ولی عہدی کی بیعت سے بغاوت
کیوں کر ممکن ہے؟ اس میں میری اور سارے مسلمانوں کی گردنیں پھنسی ہوئی ہیں۔ میں اس
عہد سے انحراف کو منظور نہ کروں گا۔''

خلیفہ المنصور کو اپنے چچا عیسیٰ کا انکار ناگوارا گزرا۔ اس دن کے بعد سے خلیفہ نے حکم دیا کہ جب عیسیٰ دارالخلافہ بغداد میں آئے تو اسے المہدی سے پہلے دربار میں حاضر نہ ہونے دیا جائے۔ حکم کے مطابق عیسیٰ سے پہلے المہدی کو دربار خلافت میں آنے کی اجازت نہ تھی۔ جب المہدی اپنے باپ المنصور کے دائیں جانب آ کر بیٹھ جاتا تو عیسیٰ کو دربار میں آنے دیا جاتا۔ ایک مدت تک المنصور' عیسیٰ سے کبیدہ خاطر رہا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خلیفہ نے اسے عامل کوفہ بھی نہ رہنے دیا۔ بددل ہو کر عیسیٰ کوفہ سے مکہ معظمہ چلا گیا۔

عیسیٰ اس وقت مکہ میں ہی تھا کہ بغداد سے مرحوم خلیفہ المنصور کی لاش وہاں پہنچی۔

جو تعزیتی شامیانہ لگایا گیا' اس کی چوبوں کے پاس موسیٰ بن المہدی کھڑا تھا اور دوسری جانب قاسم بن المنصور تھا۔ ذرا دیر گزری تھی کہ شامیانے میں ماتم گساروں کی جگہ نہ رہی۔ خلیفہ المنصور کے جنازے کو مکہ لانے والوں میں اس کا خادم ابوالغفر بھی تھا۔ وہ خادم خاص اپنی قبا پھاڑے' سر پر مٹی ڈالے ''وا امیرالمومنین' وا امیرالمومنین'' کہتا ہوا نکلا۔ قاسم نے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ ربیع ایک کاغذ ہاتھ میں لئے باہر آیا اور لوگوں کو مخاطب کر کے پڑھنے لگا۔ بسم اللہ کے بعد لکھا تھا۔ ''از بندہ خدا المنصور امیرالمومنین بہ جانب پسماندگان بنی ہاشم وہوا خواہان خراسان و عامہ المسلمین۔ امابعد میں نے یہ عہد نامہ تحریر کیا ہے اور میں زندہ ہوں' دنیا کے دنوں میں سے آخری دن میں اور آخرت کے دنوں میں سے پہلے دن میں۔ میرا تم کو سلام پہنچے۔ میں اللہ تعالیٰ سے یہ چاہتا ہوں کہ میرے بعد تم کو فتنے میں نہ ڈالے اور نہ تم فرقوں میں بٹ کر منتشر ہو جاؤ اور نہ تم میں سے بعض کو بعض کا مزہ چکھائے۔''

اس کے بعد خلیفہ مرحوم نے لوگوں کو المہدی کے حق میں وصیت کی تھی اور انہیں ایفائے عہد پر آمادہ کیا تھا۔

ربیع نے عہد نامہ تمام کر کے حسن بن زید کا ہاتھ پکڑا اور کہا۔ ''اٹھو بیعت کرو!''

حسن بن زید نے اٹھ کر موسیٰ المہدی کے ہاتھ پر نئے خلیفہ عبداللہ المہدی کی خلافت تسلیم کرنے کیلئے بیعت کی۔ بعد ازاں حاضرین یکے بعد دیگرے بیعت کرتے گئے۔ پھر بنو ہاشم بلائے گئے۔ اس وقت المنصور اپنے کفن میں لپٹا پڑا تھا۔ اس کا سر کھلا ہوا تھا۔

جس وقت لوگ نئے خلیفہ کی بیعت کر رہے تھے' المنصور کا چچا سابق عامل کوفہ اور نامزد ولی عہد عیسیٰ بن موسیٰ بھی اپنے بہی خواہوں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ اس نے بیعت سے انکار کر دیا۔ اس انکار کے ساتھ ہی دونوں طرف سے تلواریں کھنچ گئیں۔

علی بن عیسیٰ بن ہامان تیز اور بلند آواز میں بولا۔ ''اے عیسیٰ اگر تم بیعت نہ کرو گے تو میں تمہاری گردن مار دوں گا۔''

نئے خلیفہ المہدی کے حاشیہ برداروں کی طرف سے یہ گویا کھلا اعلان جنگ تھا۔ تعزیتی شامیانے میں سناٹا چھا گیا۔

اب مجھے اس کا اندازہ ہوتا جا رہا تھا کہ اقتدار کی خاطر کس طرح آدم زاد ایک دوسرے کا خون بہانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ وہ خلیفہ المنصور کا چچا اور سابق عامل کوفہ عیسیٰ ہی تھا جس نے اپنے عہدے پر قائم رہنے کی خاطر بطور رشوت محکمہ نظارت کے نگران اعلیٰ موسیٰ بن کعب کو ایک حسین کنیز فائضہ بھیجی تھی۔ اس کے باوجود بھی بات بنی نہیں تھی اور آخرکار عیسیٰ کو کوفہ چھوڑ کر مکہ جانا پڑا تھا۔ عیسیٰ بن موسیٰ کو خلیفہ العباس سفاح نے ولی عہد مقرر کیا تھا مگر المنصور نے اس پر عمل نہ کیا۔ اس نے اپنے بیٹے المہدی کو ولی عہد بنا دیا۔ عیسیٰ کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھا جب اپنا حق تسلیم کرا سکے۔ یہ موقع اس کی دانست میں اب آ گیا تھا۔ خلیفہ المنصور کے بعد اس کو نیا خلیفہ ہونا چاہئے تھا۔

یہی وجہ تھی کہ جب عیسیٰ کو المنصور کے انتقال کی خبر ملی تو اس نے اپنے بہی خواہوں کو جمع کیا۔ اسے علم تھا کہ خلیفہ المنصور کے بعد المہدی کی بیعت لی جائے گی۔ اس نے اپنے بہی خواہوں کو مخاطب کیا۔ ''تمہیں معلوم ہے اور میں بھی اس حقیقت سے باخبر ہوں کہ خلیفہ المنصور کے بھائی ابوالعباس سفاح نے مجھی کو المنصور کا ولی عہد مقرر کیا تھا تو کیا اب مجھے اپنے اس حق کا دعویٰ نہیں کرنا چاہئے؟''

''بالکل کرنا چاہئے۔'' کئی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔ ''ہم تمہارے ساتھ ہیں اے عیسیٰ!''

اس کے بعد عیسیٰ پوری تیاری کے ساتھ تعزیتی شامیانے پر پہنچا تھا۔ اسے یہ خبر نہیں تھی کہ خلیفہ المنصور کا آزاد کردہ غلام ربیع پہلے ہی سے ہوشیار ہو گا۔ جب عیسیٰ اپنے بہی خواہوں کے ہمراہ وہاں پہنچا تھا تو اسی وقت اسے اور اس کے حمایتوں کو نرغے میں لے لیا گیا تھا۔

پھر نئے خلیفہ کیلئے بیعت شروع ہوئی اور عیسیٰ کے انکار پر دونوں طرف سے تلواریں کھنچ گئیں تو سناٹا چھا گیا۔

عیسیٰ کو اس وقت اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ جب اسے حقیقت حال کا پتا چلا کہ وہ

گھیرا جا چکا ہے۔ اس نے ایک دنیا دیکھی تھی اور جانتا تھا کہ ذرا سی غلطی جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کی گردن ماردی جائے گی۔ اس نے فوراً موسیٰ بن المہدی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

تکمیل بیعت کے بعد خلیفہ المنصور کا جنازہ اٹھایا گیا۔ مکہ شہر سے تقریباً ایک فرسخ (تین میل) کے فاصلے پر المنصور کی تدفین عمل میں آئی۔

جب یہ خبر نئے خلیفہ المہدی کے پاس پہنچی تو اہل بغداد نے بھی حاضر ہو کر بیعت کر لی۔

یہ واقعہ 158ھ ہی کا ہے کہ جب خلیفہ المنصور بغداد سے بہ غرض حج روانہ ہوا تھا المنصور نے رخصتی سے قبل المہدی کو طلب کیا۔

المہدی کو اپنے باپ کی روانگی کا علم تھا اس لئے فوراً حاضر خدمت ہو گیا۔ المنصور نے اسے جو وصیت کی وہ یہ تھی۔

عزیز من! میں نے کوئی ایسا امر نہیں باقی چھوڑا' مگر یہ کہ میں نے اس میں تم سے سبقت نہ کی ہو۔ میں تمہیں چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں گو میرا ایمان یہ ہے کہ ان میں سے تم ایک کی بھی تکمیل نہ کرو گے۔

المنصور کے پاس ایک صندوقچہ تھا جس میں اس کے علوم کے دفاتر رہا کرتے تھے۔ یہ صندوقچہ ہمیشہ مقفل رہتا تھا۔ سوائے المنصور کے کوئی شخص اس کو نہیں کھولتا تھا۔ المنصور نے اس صندوقچے کی طرف اشارہ کر کے المہدی سے کہا' دیکھو اس صندوقچے کی کامل حفاظت کرنا۔ اس میں تمہارے آباؤ اجداد کے علوم ہیں۔ اگر تم کو کسی امر کا خطرہ پیش آئے تو تم دفتر کبیر کو دیکھنا۔ اگر ان میں بھی تم اپنا مقصود نہ پاؤ تو مجموعہ صغیر دیکھنا اس میں ضرور تم جو چاہو گے پاؤ گے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ تم اس کی تعمیل نہیں کرو گے اور دیکھو اس شہر (بغداد) کی پوری حفاظت کرنا! خبردار کبھی اس کی حیثیت تبدیل نہ کرنا! یہاں سے دارالخلافہ کہیں اور نہ لے جانا۔ میں نے یہاں اس قدر مال جمع کر دیا ہے کہ اگر دس برس تک خراج کا ایک حبہ وصول نہ ہو تو بھی یہ لشکریوں کے روزینے' مصارف' خاندان والوں کے خرچ اور روانگی فوج کیلئے کافی ہو گا' تم ہمیشہ اس کی نگرانی کرتے رہنا کیوں کہ جب خزانہ معمور ہو گا تو تم دشمنوں پر غالب رہو گے' مگر میرا خیال ہے کہ تم اس کی تعمیل نہ کرو گے۔

میں تم کو تمہارے خاندان والوں کی بابت بھی وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ بہ حسن سلوک پیش آنا اور ان کے ساتھ نیکی کرنا۔ ہمیشہ ان کو ہر کام کا پیشوا بنانا' ان کے ساتھ

نرمی کرنا' انہیں اچھے عہدوں پر فائز کرنا کیوں کہ تمہاری عزت ان کی عزت ہے اور ان کے نمایاں کام تمہارے ہیں' مگر میرا خیال ہے کہ تم اس کی تعمیل نہ کرو گے۔

میں تم کو اہل خراسان کے ساتھ بھی نیکی کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اس وجہ سے کہ وہ تمہارے قوت بازو ہیں اور ایسے بہی خواہ ہیں جنہوں نے اپنے جان و مال کو تمہاری سلطنت قائم کرنے میں خرچ کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری محبت ان کے دلوں سے کبھی نہیں نکلے گی۔ تم ہمیشہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا' ان کی لغزشوں سے درگزر کرنا۔ ان سے جو نمایاں کام سرزد ہوں' ان کا معقول صلہ دینا۔ ان میں سے جو مر جائے' اس کے اہل و عیال میں تم اس کی نیابت کرنا' مگر میرا خیال ہے کہ تم اس کی تکمیل نہ کرو گے۔

میں ذی الحجہ میں پیدا ہوا' ذی الحجہ ہی میں خلیفہ بنایا گیا۔ میرے دل میں یہ خطرہ پیدا ہو رہا کہ میں اسی سال ذی الحجہ میں مر بھی جاؤں گا۔ مجھ کو اسی خیال نے حج کرنے کی توفیق دی ہے۔ میرے بعد اس معاملے میں جس کا میں امور مسلمین کے متعلق تم سے اقرار لیتا ہوں' اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔ جس معاملے میں تم کو حزن و کرب پیدا ہو گا' اس کی آسانی کا اللہ تعالیٰ راستہ پیدا کر دے گا۔ اے صاحبزادے امت رسول ﷺ کی حفاظت کرنا' اللہ تعالیٰ تمہاری اور تمہارے کاموں کی حفاظت کرے گا۔ خبردار! خوں ریزی کے قریب نہ جانا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ گناہ عظیم ہے اور دنیا میں ہمیشہ کیلئے باعث ننگ و ناموس ہے۔ حدود اللہ کی پورے طور سے پابندی کرنا' اس سے تمہارے جان و مال کی بہتری ہے۔ ان حدود میں افراط و تفریط نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ خبردار! عورتوں کو اپنے کاموں میں دخیل نہ بنانا مگر میرا خیال ہے تم ایسا ہی کرو گے۔"

خلیفہ المنصور کی مذکورہ وصیت کے متعلق بغداد میں اور بھی بہت سی روایتیں زبان زد عوام و خواص تھیں۔ ان روایتوں میں سے بیشتر کا مقصد خلیفہ کو بزادرین دار اور رعایا کا خیر خواہ ثابت کرنا تھا۔ سو میں ان سے درگزر کرتی ہوں۔

ذیقعدہ کے ابتدائی ایام میں المنصور بغداد سے کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ کوفہ پہنچ کر اس نے حج کا احرام باندھا اور قربانی کے جانوروں پر نشان بنا کر آگے روانہ کیا۔ جب المنصور کوفہ سے دو منزل آگے مقام بیر میمون پہنچا تو اسے اپنے سینے میں شدید درد محسوس ہوا جو رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔ 6 ذی الحجہ 158ھ کی فجر کو تریسٹھ برس کی عمر میں المنصور نے اسی جگہ وفات پائی۔ وفات کے وقت المنصور کے خدام اور آزاد کردہ غلام ربیع کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔

ربیع ہی کا بیان ہے' خلیفہ المنصور نے ہدایت کی تھی کہ اسے سرزمین مکہ میں دفن کیا جائے۔ اسی کے ساتھ وہ عبارت بھی حوالے کی تھی جو ربیع نے شہر مکہ میں پڑھ کر سنائی۔ المنصور کی میت خدام پہلے بغداد لے گئے اور پھر مکہ بھیجی گئی۔

اقتدار کی دھوپ چھاؤں میں آدم زاد پہچانی ہوئی صورتوں کو بھی نہیں پہچانتے۔ رشتے ناتے ان کے نزدیک زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ غالباً اسی سبب نئے خلیفہ المہدی نے دارالخلافہ بغداد کو نہیں چھوڑا اور اپنے باپ المنصور کی میت کے ساتھ مکہ نہیں گیا۔

خلیفہ المنصور کے انتقال کو چند ہی روز گزر رہے تھے کہ بغداد کے کوچہ و بازار میں پہلی جیسی چہل پہل اور رونق لوٹ آئی۔ میں اسی رونق کا نظارہ کر کے ایک شام عارج کے ساتھ بابل کے کھنڈرات کی طرف آ رہی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ اب انسانی پیکر اختیار کر کے بغداد ہی میں رہنے لگوں۔ عارج کو بھی میں اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہتی تھی۔ بغداد میں اپنی سکونت کیلئے ہمیں شہر کا غربی حصہ پسند آیا تھا مگر ابھی متعدد مرحلے باقی تھے۔

ہماری منزل قریب آنے والی تھی کہ عارج نے مجھے مخاطب کیا۔ "اے دینار! تو نے اب علم طب پر بھی عبور حاصل کر لیا' تیری جو مرضی تھی وہ پوری ہو گئی۔ ... بول اب ... اب کیا ارادہ ہے؟" آخری الفاظ اس نے معنی خیز لہجے میں ادا کئے۔

میں اس کی بات سمجھ گئی۔ پہلے بھی وہ اس طرح کے اشارے کر چکا تھا۔ اس کی آرزو تھی کہ وہ مجھے ہمیشہ کیلئے اپنا لے۔ میں اس سے اپنا مقصد حیات بیان کر چکی تھی اس لئے بولی۔ "تو جانتا ہے اے عارج کہ مجھے محض علم طب ہی تو نہیں سیکھنا تھا کیا تو عملیات کو بھول گیا؟"

"مگر اس کیلئے یہ تو ضروری نہیں اے دینار کہ ہم ایک دوسرے سے جدا رہیں!" عارج کہنے لگا۔

"ہم ساتھ ہی تو ہیں' جدا کب ہیں!" میں نے بات بنا دی۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا' میں بول اٹھی۔ "اور ہاں اے عارج! اب ہمیں ساتھ ہی رہنا ہے۔ میں نے عالم سوما سے بات کر لی ہے آج رات اس نے ہمیں بعد نماز عشاء بلایا ہے۔"

میری کسی بات سے انکار کرنا عارج نے جیسے سیکھا ہی نہ تھا۔ عشق میں وہ مکمل سپردگی کا قائل تھا۔ میری مرضی کے خلاف وہ کبھی کچھ نہ کرتا اور میں اس سے جو کہتی مان لیتا۔ میں اسے اپنی خوش نصیبی ہی سمجھتی تھی۔ اس رات بھی عارج میرے ساتھ سوما کے پاس چلنے کو

راضی ہو گیا۔

ہم مقررہ وقت پر سوما کے پاس پہنچ گئے۔ سوما ہمیں دیکھ کر خوش ہوا اور بولا۔ "عشاء کی نماز کے بعد نصف شب تک میں نے تمہاری تعلیم کا وقت رکھا ہے۔ آج رات میں تم کو تمہاری ہی تاریخ بیان کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ رکا پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔ "مجھے خبر ہے اے دینار کہ تو عملیات و وظائف سیکھنا چاہتی ہے کہ خلق خدا کی خدمت کر سکے۔ میں تجھے بتاتا ہوں کہ تمام عملیات کی بنیاد علم ہے اور علم کا مطلب جاننا ہے۔ اس کے بغیر عملیات و وظائف کی تعلیم بے سود ثابت ہو گی۔"

مجھے تو راضی ہونا ہی تھا عارج نے بھی حامی بھر لی۔

"تو سنو! یہ جنات کی تاریخ بھی ہے اور اس زمین کی تاریخ بھی کہ جس پر ہم آدم زادوں سے پہلے آباد ہیں۔"

میں اور عارج پوری توجہ سے سوما کا بیان سننے لگے۔

"زمین سنسان اور ویران تھی یہاں گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا پھر روشنی تخلیق کی گئی اور اندھیرے کو اس سے جدا کر دیا گیا۔ یوں دن اور رات پیدا ہوئے' شام اور صبح ہوئی۔ اس کے بعد فضا کے نیچے کا پانی' فضا کے اوپر والے پانی سے الگ کر دیا گیا اور خلاق نے فضا کو آسمان کہا۔ آسمان کے نیچے کا پانی خالق کے حکم سے ایک جگہ جمع ہو گیا اور اس طرح خشکی نظر آنے لگی۔ خشکی کو زمین کہا گیا اور جو پانی جمع ہو گیا تھا اسے سمندر' زمانوں' دنوں اور برسوں کے امتیاز کی خاطر نیر تخلیق کئے گئے۔ ان میں سے ایک نیر اکبر تھا کہ دن پر حکم کرے اور ایک نیر اصغر کہ رات پر حکم کرے پھر اسی زمین پر جلتی ہوئی ہوا کی گرمی سے ایک مخلوق جن پیدا کی گئی۔ ابو الجن کا نام طارنوش تھا اس کا لقب جان بھی بتایا جاتا ہے۔ جب زمین پر طارنوش کی اولاد بکثرت ہو گئی تو خدا نے اس کیلئے شریعت بھیجی۔

ابو الجن طارنوش اور اس کی اولاد نے احکام شریعت قبول کئے۔ اولاد طارنوش چھتیس ہزار سال پابند شریعت رہی اور یوں ایک دور ثوابت اپنی تکمیل کو پہنچا' مگر پھر وہ گناہ و سرکشی پر آمادہ ہو گئے اور سزاوار عذاب ٹھہرے۔ ان میں جو راہ راست پر قائم تھے عذاب الہٰی سے بچے رہے' انہی میں سے ایک علیالیش تھا جسے جنات کا ولی بنایا گیا اور نئی شریعت عطا کی گئی۔ جب دوسرا دور ثوابت گزر گیا تو جنات نے ایک بار پھر نافرمانی کا راستہ اختیار کر لیا۔ سو یوں ان پر فنا کا عذاب بھیجا گیا' مگر اس عذاب فنا سے اطاعت گزار بچے رہے۔ ان کا

حاکم ملیقا کو بنایا گیا۔ تیسرے دور ثوابت کے بعد ان میں پھر سرکشی پھیلی اور عذاب الٰہی نازل ہوا۔ اس بار زندہ بچ جانے والوں میں سے ہاموس حاکم مقرر ہوا جو فضل و دانش کے زیور سے آراستہ تھا۔

وفات ہاموس کے بعد جنات پھر گمراہ ہو گئے۔ خدا نے ان کی ہدایت کیلئے رسول بھیجے، مگر وہ نہ مانے اور یوں چوتھا دور ثوابت بھی ختم ہوا۔

پانچویں دور ثوابت کی ابتداء میں ملائکہ کا ایک گروہ کثیر زمین پر بھیجا گیا کہ وہ نافرمان جنات کے وجود سے زمین کو پاک کر دے۔

گمراہ جنات نے ملائکہ سے جنگ کی اور ہلاک ہوئے۔ انہی میں سے کچھ دوران جنگ فرار ہو گئے۔ جنگ ختم ہوئی تو ان میں سے جو سن شعور کو نہیں پہنچے تھے انہیں فرشتوں نے اسیر کر لیا۔ انہی اسیروں میں سے ایک بہت عبادت گزار نکلا۔ اس نے آسمان اول پر ہزار برس تک خدائے بزرگ و برتر کو سجدہ کیا' تب اس کا نام خاشع ہوا' یعنی عاجزی کرنے والا۔ وہاں سے وہ دوسرے آسمان پر گیا اور مزید ایک ہزار برس خدا کی حمد و ثنا کی۔ وہاں رہنے والوں نے اس کا نام عابد رکھا۔ پھر اس نے تیسرے آسمان کی سمت پرواز کی۔ تیسرے آسمان پر بھی اس نے ہزار سال تک رب العالمین کی عبادت کی وہاں اس کا نام صالح ہوا۔ اس نے چوتھے آسمان پر اتنے ہی عرصے عبادت گزاری کی اور ولی کہلایا۔ پھر پانچویں آسمان تک پہنچنے کے بعد اس کا نام عزازیل ہو گیا۔ اس نے جستجوئے حق میں چھٹے اور ساتویں آسمان پر بھی سجدے گزارے۔

ساتوں آسمانوں پر گزر کر یہی جن زاد عزازیل عرش معلیٰ تک پہنچ گیا۔ پھر اس کے منصب میں اضافہ کر دیا گیا۔ وہ ملائکہ کو درس دینے اور وعظ و نصیحت کرنے لگا۔ اس کی مجلس وعظ' عرش کے نیچے منعقد ہوتی تھی وہ یاقوت کے منبر پر بیٹھ کر وعظ کہتا تھا۔ اس کے سر پر نور کا ایک علم لہراتا تھا۔ اس کی مجلس وعظ میں لاتعداد فرشتے ہوتے تھے۔

وہ جن زاد فرشتوں کے ساتھ مصروف عبادت رہتا۔ فرشتوں سے اس کی دوستی اور اختلاط بہت زیادہ تھا۔ علم و عبادت میں اس جن زاد کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ اب وہ معلم الملکوت کہلانے لگا تھا۔ ظاہری حالت اس کی بہت اچھی تھی' مگر وہ اپنے دل میں خلافت ارض کی آرزو چھپائے ہوئے تھا۔ یہی آرزو اسے لے ڈوبی۔ تخلیق آدم کے بعد اس نے اللہ کے حکم پر آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا۔ یوں قیامت تک کیلئے مردود ٹھہرا۔

خدا نے اسے ابلیس کہا اور اس کا یہی نام پڑ گیا۔ ابلیس کا مادہ ابلاس ہے جس کے معنی انتہائی مایوسی کے ہیں۔ اسی کو خدا نے شیطان بھی کہا ہے۔ جو چیز نیکی اور اطاعت کی حریف اور اس کے مدمقابل بطور تصادم کام کرتی ہے' اس کا نام ابلیس ہے اور پھر یہ تصادم جن صورتوں میں ظاہر ہو کر سامنے آتا ہے' اس کا نام شیطان ہے۔ ابلیس و شیطان جدا نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔''

عالم سوما کا بیان بلاشبہ بڑا پرمغز اور وقیع تھا۔ میں اور عارج بڑی محویت کے عالم میں سب کچھ سنتے رہے۔ سوما نے جیسے ہمیں کسی اور ہی دنیا میں پہنچا دیا تھا۔ اس نے ہم سے سوالات کرنے کو کہا اور بولا۔ ''سوال ہی سے علم کے راستے کھلتے ہیں۔''

میں نے اس سے کئی سوالات کئے اور تسلی بخش جواب پائے۔ میری دیکھی دیکھا عارج کا بھی حوصلہ بڑھا اور وہ بھی گفتگو میں حصہ لینے لگا۔ اسی میں وقت گزر گیا اور آدھی رات ہو گئی۔ ہم سوما کے پاس سے اٹھ آئے۔

دوسرے دن میں نے ماں سے بغداد میں سکونت کے متعلق بات کی۔ ماں مجھے حیرت سے دیکھنے لگی اور بولی۔ ''اے دینار! تجھے کیا ہو گیا ہے۔ تو آدم زادوں کے درمیان رہے گی لگتا ہے تیرے باپ اور اس کے دوستوں نے تجھے بگاڑ دیا ہے۔''

''ایسی بات نہیں اے میری ماں!'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''نہ مجھے کسی نے بگاڑا ہے' نہ خود بگڑی ہوں۔ طبیب ہامہ اور عالم سوما دونوں ہی قابل عزت ہیں۔''

''تو پھر تجھے بگاڑنے والا وہ عارج ہو گا جس کے ساتھ تو اکثر سیر سپاٹے کرتی پھرتی ہے۔'' میری ماں سہلوبہ اس بات پر بضد تھی کہ میں بگڑ گئی ہوں۔

میری مرضی یہ تھی کہ اپنے والدین کی اجازت سے بغداد جاؤں۔ اس طرح وہ رنجیدہ نہ ہوتے میرے پیش نظر کیوں کہ ایک نیک مقصد تھا اور نیکی خود ایک بڑی قوت ہوتی ہے اس لئے راہ مل گئی۔ عالم سوما نے مجھ سے وعدہ کر لیا کہ مجھے بغداد جانے کی اجازت دلا دے گا۔ اس نے میرے باپ اخضم سے بات کرنے کو کہا تھا۔ بیٹیاں آدم زادوں کی ہوں یا جنات کی' باپ کی لاڈلی ہوتی ہیں۔ یہی صورت میرے ساتھ تھی۔

چند روز بعد ہی میرے باپ اخضم نے خلوت میں مجھ سے بات کی۔ ''کیا وہ بات سچ ہے جو مجھے سوما سے معلوم ہوئی ہے اے دینار؟''

میں نے اقرار کر لیا۔

''اگر تیرا مقصد خیر ہے' نیکی ہے' جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے تو میں تجھے ہرگز نہیں روکوں گا' لیکن اے دینار! تجھے یہ نصیحت ضرور کروں گا کہ اپنی جان کی پروا کرنا' اسے بلا ضرورت خطرے میں نہ ڈالنا۔ اللہ نے ہر حال میں جان کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔'' میرے باپ اضغم نے کہا۔

وہ دن میرے لئے انتہائی خوشی کا تھا اور خوشی کے وقت کوئی اپنا ہی یاد آتا ہے۔ مجھے عارج تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔

میں جانتی تھی کہ اس وقت عارج کہاں ملے گا۔ وہ طبیب ہامہ کے مطب سے نکل رہا تھا۔ عارج کو میں نے صحرائی طرف چلنے کی دعوت دی اور ہم دونوں پرواز کرتے ہوئے دور نکل گئے۔ صحرا کی شام کا اپنا ایک الگ حسن ہوتا ہے جو میں نے اپنی روح میں اترتا محسوس کیا۔ وہاں میرے اور عارج کے سوا دور دور تک کوئی نہیں تھا ہم ایک ٹیلے کی آڑ میں بیٹھ گئے۔ صحرا میں ریت کے ایسے ٹیلے روز بنتے بگڑتے رہتے ہیں۔

''دینار! آج تو بہت خوش نظر آرہی ہے' کیا بات ہے؟'' عارج نے پوچھ ہی لیا۔

''میرے بابا نے مجھے بغداد جانے کی اجازت دے دی ہے۔'' میں نے عارج کو بتایا۔ ''ہم اسی علاقے میں رہیں گے جو پچھلے دنوں دیکھ کر آئے تھے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے اے دینار! لیکن پہلے تو تیرا ارادہ کچھ اور تھا۔'' عارج بولا۔ ''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تو نے کہا تھا کہ علم طب اور عملیات و وظائف میں مہارت حاصل کرنے کے بعد ہی شہر بغداد میں سکونت اختیار کرے گی ابھی تو عالم سوما کی تعلیم جاری ہے۔''

''عارج! پہلی بات تو یہ کہ ارادہ بدل بھی سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''جہاں تک عملیات کا تعلق ہے تو ان کے حصول سے ہمیں کون روک رہا ہے۔ مقررہ وقت پر ہم سوما کے پاس آجایا کریں گے۔ تجھے سچ بتاؤں عارج کھنڈرات میں رہتے رہتے اب میرا جی اوب گیا ہے۔''

''لیکن میں نے تو ابھی طبیب ہامہ سے کچھ بھی نہیں کہا۔'' عارج فکر مند سا نظر آنے لگا۔

''تو اب کہہ دیجو۔'' میں بولی۔

''ہاں کہنا تو پڑے گا۔'' عارج کا لہجہ خود کلامی کا سا تھا۔

اس وقت مجھے طبیب ہامہ کے الفاظ یاد آرہے تھے جو اس نے برسوں پہلے عارج

کے بارے میں مجھ سے کہے تھے۔ ''کئی سو برس کی تلاش و کاوش کے بعد ایک ہی نوجوان جن زاد عارج میری توقعات پر پورا اترا ہے وہ بڑی لگن کے ساتھ علم طب حاصل کر رہا ہے۔''

میں اب اسی عارج کو اپنے ساتھ بغداد لے جا رہی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ بوڑھے طبیب ہامہ کو جب یہ بات پتا چلے گی تو اسے رنج ہوگا میں نے اسی سبب عارج کی دل جوئی کیلئے کہا۔ ''اگر تو کہے تو میں طبیب ہامہ سے بات کرلوں؟''

''نہیں دینار! اس کی ضرورت نہیں ہے میں خود ہی کوئی موقع دیکھ کر اسے بتادوں گا۔'' عارج نے جواب دیا۔

''لیکن اس میں اب دیر نہ کرنا عارج!'' میں نے اسے تاکید کی۔ عارج سے میرا اتنا ہی کہنا کافی تھا۔

اگلے ہی دن عارج نے بھی مجھے خوشخبری سنا دی۔ طبیب ہامہ کو اس نے راضی کر لیا تھا۔ اس کی بڑی وجہ میں تھی۔ میں نے بھی کئی برس اس کی خدمت میں گزارے تھے۔ اب کوئی بات بغداد جانے اور وہاں بسنے میں مانع نہیں رہی تھی۔

عارج کو ساتھ لے کر دوپہر ہونے سے کچھ پہلے ہی میں بغداد پہنچ گئی۔ غربی حصے کے اس محلے کا نام حربیہ تھا جسے میں نے سکونت کیلئے منتخب کیا تھا۔ وہ بڑا پرسکون علاقہ تھا۔ جو مکان مجھے پسند آیا اس کے قریب ہی ایک باغ تھا۔ شہر کے اس حصے میں باغات اور نخلستان کی بہتات تھی۔ یہیں سے ہر قسم کا میوہ شہر کے شرقی حصے میں جاتا تھا۔ وہ مکان پسند آنے کی دیگر وجوہ میں ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اسے میں نے خالی پایا تھا۔ یوں تو جنات کیلئے آدم زادوں سے کوئی مکان خالی کرالینا ایسا مشکل کام نہیں' لیکن میں یہاں آدم زادوں کو تنگ کرنے نہیں آئی تھی۔

ابھی تک مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس وسیع و عریض مکان کا مالک کون ہے' باغوں سے گزر کر اب ہم مطلوبہ مکان تک پہنچ گئے تھے۔

''اے عارج! اب ہمیں انسانی پیکر میں آجانا چاہئے۔'' میں نے عارج کو مخاطب کیا۔

''جلدی نہ کر اے دینار!'' عارج نے مشورہ دیا۔ ''پہلے مکان تو مل جائے رہنے کو!''

''یہ تو ٹھیک کہتا ہے۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا۔ ''چل پتا لگاتے ہیں کہ یہ

مکان کس کا ہے۔"

"کیا خبر وہ آدم زاد ہمارے ہاتھ اس مکان کو فروخت کرے نہ کرے۔"

"دیکھ عارج' بہت زیادہ نیک اور پارسا بننے سے بھی کام نہیں چلے گا۔" میں بولی۔ "ضرورت پڑنے پر ہمیں تھوڑی بہت توڑ و زبردستی کرنی پڑے گی۔"

"تو جان   تیرا ہی کہنا تھا کہ ہم یہاں آدم زادوں کی مدد کرنے آئے ہیں۔"

"مگر صرف ان کی جو مدد کے واقعی مستحق ہوں۔" میں بول اٹھی۔ "مقصد کے حصول کا تعین تو آسان ہے' لیکن اس کیلئے کیا ذریعہ اختیار کیا جائے یہی دراصل مشکل ہوتا ہے۔ اے عارج! تجھے کیوں کہ آدم زادوں سے زیادہ واسطہ نہیں پڑا' اس لئے انہیں بھولا سمجھ رہا ہے۔"

"اب تو واسطہ پڑنا ہی ہے دینار! فکر نہ کر تو مجھے غافل نہ پائے گی۔" عارج نے کہا۔

"معلوم نہیں عارج! اس محلے کا نام حربیہ کس نے اور کیوں رکھا ہے؟" میں نے موضوعِ گفتگو بدل دیا۔

"بہ ظاہر تو یہاں رزم و پیکار کے آثار نظر نہیں آتے۔" یہ کہتے ہوئے میں آگے بڑھی۔ سامنے سے مجھے ایک آدم زاد آتا دکھائی دیا۔ اسے میں نے اپنے زیر اثر لینے میں دیر نہ کی۔

"وہ مکان موسیٰ بن کعب کی ملکیت ہے۔" آدم زاد نے میرے سوال کا جواب دیا۔ "پیچھے جو تفہ (سیب) کا باغ ہے وہ بھی اسی کا ہے۔"

موسیٰ بن کعب! میرے وجود میں چھناکا سا ہوا۔ اسی کے ساتھ میں نے اس آدم زاد کو اپنے اثر سے آزاد کر دیا۔ وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

ہر چند کہ کبھی اس آدم زاد موسیٰ سے میری ملاقات نہیں ہوئی تھی مگر میں اس کا نام جانتی تھی۔ یہ وہی تھا کہ جسے عامل کوفہ اور ولی عہد سلطنت عیسیٰ نے ایک کنیز بھیجی تھی۔ میں اپنی سرگزشت میں اس کا ذکر کر چکی ہوں۔

عارج کیوں کہ اس سے واقف نہیں تھا اس لئے پوچھنے لگا۔ "کون ہے یہ اے دینار کہ جس کا نام سن کر تو گم صم ہو گئی؟"

"موسیٰ بن کعب' خلیفہ المنصور کے محکمہ نظارت (نگہبانی) کا نگران اعلیٰ تھا۔" میں

نے بتایا۔ "توقع ہے کہ نئے خلیفہ المہدی نے بھی اسے اسی عہدے پر رکھا ہو گا۔ آدم زادوں میں وفادار بھی ہوتے ہیں اگر کسی حکمران کے ساتھ وفاداروں کا ٹولا نہ ہو تو وہ بے اثر ہو کر رہ جائے۔" پھر میں نے عارج کو موسیٰ کے بارے میں بقیہ تفصیل سے بھی آگاہ کر دیا۔ اس تفصیل میں حسین و مجبور کنیز فائضہ کا بھی ذکر تھا' اسے نجف سے اغوا کیا گیا تھا۔

"تو پھر اب تیرا کیا ارادہ ہے اے دینار؟" عارج نے سوال کیا۔

"اسے چل کر ڈھونڈتے ہیں وہ مشہور آدمی ہے جلد مل جائے گا۔" میں نے جواب دیا۔ "بغداد کا سب سے بڑا محلہ قرافہ ہے۔ ارکان حکومت کی قیام گاہیں وہیں ہیں۔ موسیٰ بھی ہمیں وہیں ملے گا کسی بڑے اور عالی شان مکان میں!"

"تجھے تو دینار اس شہر کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔" عارج نے میری تعریف کی۔ "گلی محلوں تک کی خبر ہے۔"

"نہیں عارج!" میں بولی۔ "ابھی تو ابتداء ہے دراصل بغداد کی بنیاد ہی میرے سامنے رکھی گئی تھی اس لئے تھوڑی بہت خبر ہے ورنہ تو ابھی میں نے قصرِ خلافت بھی نہیں دیکھا۔ سنا ضرور ہے کہ اندر سے بہت خوب صورت اور وسیع و عریض ہے قصرِ خلافت۔"

"اب یہاں آ ہی گئے ہیں تو قصر خلافت بھی دیکھ ہی لیں گے۔" عارج کے لہجے میں بھی اشتیاق محسوس ہوا۔

"ایک بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آ سکی عارج!" میں نے کہا۔ "یہ آدم زاد اتنے بڑے بڑے اور عالی شان مکانوں میں کیوں رہتے ہیں؟ خلیفہ ہو یا کوئی غریب آدم زاد سوئے گا تو وہ ایک ہی جگہ۔   پورے قصر یا محل میں ہر جگہ تو نہیں سو سکتا   یہی معاملہ پوشاک کا ہے۔ مقصد تن ڈھانپنا ہے۔ وہ اطلس و ریشم ہو کہ معمولی کپڑا' اس سے کیا فرق پڑتا ہے' پیٹ بھر خوراک ایک عام آدمی اور خلیفہ وقت دونوں ہی کو چاہئے' کیا کوئی اپنی خوراک سے زیادہ کھا سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں پھر یہ آدم زاد ایک دوسرے کے نوالے کیوں چھینتے ہیں؟"

"ہاں دینار! یہ سارے سوال تو یقیناً سوچنے کے ہیں۔" عارج بولا۔ "اچھا اب چل نا! دیر ہو رہی ہے۔"

میں نے وہاں سے عارج کے ساتھ پرواز کی اور بغداد کے محلے قرافہ پہنچ گئی۔

اہل ایمان ہونے کی حیثیت سے مجھے یہ خوشی بہرحال تھی کہ یہ شہر مسلمانوں کا

دارالحکومت ہے۔

موسیٰ بن کعب کا مکان تلاش کرنے میں ہمیں زیادہ دشواری نہیں ہوئی' مگر وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ ابھی تک دربار خلافت سے نہیں لوٹا۔

قصر خلافت کی عظیم الشان عمارت سامنے ہی نظر آ رہی تھی۔ اس عمارت نے بغداد شہر کے تقریباً چوتھائی حصے کو گھیر رکھا تھا۔ اس عمارت کی حدود میں مختلف محکموں کے دفاتر تھے۔ ان دفاتر کے درمیان سبزہ زار نظر آئے کہیں حوض تھے تو کہیں ایسے نظارے کہ یوں لگے کہ دامن کوہ سے چشمے ابل رہے ہوں۔ ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے! کچھ دیر کو میں ان مناظر میں کھو سی گئی۔ مجھے یاد ہی نہ رہا کہ وہاں کیوں آئی تھی۔ قدم قدم پر میں نے وہاں مسلح محافظوں کو چوکنا اور مستعد پایا۔ وہ محافظ بھی انہی منظروں کا حصہ لگتے تھے۔ عمارت میں داخلے کا بڑا اور اہم دروازہ ہمارے مقابل میں تھا۔

آدم زادوں کو وہاں آتے جاتے میں نے اس طرح دیکھا جیسے وہ اپنے سائے سے بھی ڈر رہے ہوں۔ یقیناً یہ اس قصر خلافت کا رعب و دبدبہ تھا۔ جان کی امان کسے عزیز نہیں ہوتی۔ اسی قصر میں خلیفہ محمد بن عبداللہ المہدی رہتا تھا۔ اس کے باپ خلیفہ ابو جعفر عبداللہ المنصور کو میں بہت پہلے سابق دارالخلافہ انبار میں دیکھ چکی تھی۔ وقت بھی مسلمانوں کا تھا اور تخت و بخت بھی! بغداد آ کر ان کی شکوہ و عظمت میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔

اپنے عہد کی یہ سب سے بڑی سلطنت تھی۔ قصر خلافت کی دیواروں' ستونوں' محرابوں' طاقوں اور وسیع راہداریوں کی عظمت زبان حال سے جیسے کچھ کہہ رہی تھی۔ میں نے خاموشی کی وہ زبان سنی اور عارج کے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔

ہم دربار میں پہنچے تو ایک پابہ زنجیر قیدی کو خلیفہ المہدی کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا۔ صبیح صورت خلیفہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے اپنی مسند پر اس طرح بیٹھا تھا جس طرح اسے اپنے سامنے کھڑے ہوئے آدم زاد بونے لگ رہے ہوں۔ اس کی عمر تیس برس کے قریب لگتی تھی۔

"قیدی حسن بن ابراہیم کو سخت پہرے اور نگرانی میں بغداد سے موصل بھیج دیا جائے۔" خلیفہ المہدی کی آواز سنائی دی اور میں چونک اٹھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا کہ المنصور بول رہا ہو۔ المہدی کی گونج دار آواز اپنے باپ سے بہت ملتی تھی۔ "ہم موسیٰ بن کعب کو ذمے دار ٹھہراتے ہیں کہ وہ ہمارے حکم کی تعمیل کرے۔" پھر المہدی قیدی حسن بن ابراہیم

سے مخاطب ہوا۔ "تمہیں اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے؟"

"اے امیر المومنین! میں اپنی صفائی قاضی علاقہ کی عدالت میں پیش کر چکا ہوں۔" قیدی حسن نے کہا۔ اس لمحے وہ مجھے مظلوم دکھائی دیا۔

"تو کیا تم پر یہ الزام غلط ہے کہ اپنی رہائی کیلئے قید خانے تک سرنگ کھدوائی؟" خلیفہ المہدی بارعب آواز میں بولا۔

"مجھے اس سے انکار نہیں کہ میں نے یہ کوشش کی۔ میری نظر میں یہ حق ہر آزاد بندے کو حاصل ہے کہ وہ "

خلیفہ المہدی نے قیدی کی بات پوری نہ ہونے دی اور کہا۔ "بس تم نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا' ہمیں کچھ اور نہیں سننا۔"

یہی وہ لمحہ تھا کہ جب میری نظر موسیٰ بن کعب پر پڑی۔ وہ درباریوں کی ایک صف سے نکلا اور خلیفہ المہدی کی مسند کے سامنے پہنچ کر پست آواز میں کہنے لگا۔ "غلام موسیٰ بن کعب کو اجازت ہو کہ وہ قیدی کو امیر المومنین کے حکم پر موصل لے جانے کا بندوبست کرے۔"

"اجازت ہے۔" خلیفہ المہدی نے دایاں ہاتھ بلند کیا۔

موسیٰ بن کعب کے سپاہی آگے بڑھے اور انہوں نے قیدی کو نرغے میں لے لیا۔

میں قیدی کی طرف متوجہ تھی کہ ایک آدم زاد نے بلند آواز میں اعلان کیا۔ "امیر المومنین کے حکم پر دربار برخاست کیا جاتا ہے۔"

عارج اور میں نے یہ سب کارروائی خاموشی سے دیکھی اور بیچ میں کچھ نہ بولے۔ خلیفہ المہدی اپنی مسند سے اٹھا تو اس کے محافظ دستے کے سپاہی ان پردوں کے پیچھے سے نکل آئے جو دائیں بائیں نظر آ رہے تھے۔ میں انہیں پہلے ہی دیکھ چکی تھی۔

"اے دینار! موسیٰ تو اس قیدی کو لے کر موصل جا رہا ہے' اب؟" عارج مجھ سے کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے اے عارج کہ فوری طور پر موسیٰ وہاں نہ جا سکے گا۔" میں بولی۔ "ہم نے اس کا گھر تو دیکھ ہی لیا ہے' ادھر چلتے ہیں۔"

"میں سمجھ گیا دینار کہ تو اس کنیز فائضہ کا حال معلوم کرنا چاہتی ہے۔" عارج نے کہا مگر یہ نہ بھولیو کہ بوڑھا کافر بھی کہیں آس پاس ہو سکتا ہے۔" عارج کا اشارہ استخوانی چہرے والے کافر جن زاد سلیمان کی طرف تھا۔

''عارج! تو نے اچھا کیا جو مجھے خطرے سے آگاہ کر دیا میں ہوشیار رہوں گی۔''

''یہ قیدی حسن بن ابراہیم کون ہے دینار کہ جسے بغداد سے موصل بھیجا جا رہا ہے؟'' عارج نے معلوم کیا۔

''میں نے بھی اسے تیری طرح پہلی بار ہی دیکھا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''مگر ایک اندازہ ضرور لگا لیا ہے کہ آدم زاد خلیفہ کے خلاف ہوگا' حکمران کوئی بھی ہو اپنے مخالفوں کو برداشت نہیں کرتا۔ تو نے ایک بات شاید محسوس نہ کی ہو عارج! کہ تمام تر سختی کے باوجود قیدی کیلئے خلیفہ کی آواز میں نرمی تھی۔ تجسس تو مجھے بھی ہے کہ یہ کیا معاملہ ہے لیکن پہلے مکان کا بندوبست ہو جائے۔''

قصر خلافت سے نکل کر ہم قرافہ پہنچ گئے۔ میں نے موسیٰ کے حرم میں کنیز فائضہ کو تلاش کر لیا۔ اس کے حسن کا چاند ہر چند کہ ڈھل گیا تھا لیکن خزاؤں کا سکوت' خشک پتوں کے ساز پر اب بھی گویا نغمہ بہار سنا رہا تھا۔

فائضہ کو اپنے اثر میں لے کر میں حرم کے ایک ایسے حصے کی طرف بڑھی جہاں کوئی نہیں تھا۔

''کیا تیرا تعلق نجف ہی سے ہے اے فائضہ؟'' میں نے اس سے دریافت کیا۔

''ہاں میں وہیں کی ہوں۔'' فائضہ نے جواب دیا۔

''تجھے اپنے گھر والے یاد ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''یاد تو ہیں مگر اب میں انہیں بھول جانا چاہتی ہوں۔'' فائضہ کی آواز میں گہری اداسی تھی۔

''کیوں؟ تو ایسا کیوں چاہتی ہے؟''

''اس...... اس لئے کہ......'' وہ سسک اٹھی۔ ''میں انہیں بے عزت ہوتے کیسے دیکھ سکوں گی......! اب تک ان کے زخم بھر چکے ہوں گے' انہوں نے مجھے صبر کر لیا ہوگا' میں ان کے زخموں کو ہرا کیوں کروں؟...... کیا ایک بیٹی اپنے ماں باپ کو عزت بھی نہیں دے سکتی؟''

معاً میں نے ایک ادھیڑ عمر آدم زادی کو ادھر آتے دیکھا۔ وہ فائضہ سے کہنے لگی تجھے کیا ہوا؟ یہاں کونے میں بیٹھ کر کیوں رو رہی ہے؟''

''نن...... نہیں تو...... میں رو تو نہیں رہی۔'' فائضہ چونک کر بولی۔ اسے میں نے اپنے اثر سے آزاد کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

''اے عارج! چل' مجھے یہاں وحشت ہو رہی ہے۔'' میں نے عارج کو مخاطب کیا جو میرے ساتھ ساتھ تھا۔ ہم جنات چاہیں تو آدم زاد ہماری آوازیں سن سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ اس آدم زادی فائضہ کا دکھ مجھے بھی محسوس ہوا تھا مگر میں اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

''ابھی موسیٰ سے بھی تو ملنا ہے اے دینار!'' عارج نے یاد دہانی کرائی۔ ''اصل کام تو رہ گیا۔''

موسیٰ مجھے اسی مکان کی نشست گاہ میں مل گیا۔ وہ وہاں تنہا نہیں تھا۔ اس کے دو نائبین بھی ساتھ تھے۔ چہرے سے وہ مجھے فکرمند دکھائی دیا۔ پھر وہ اپنے ایک نائب سے بولا۔

''دیکھو یہ معاملہ بڑی اہمیت کا ہے اگر ہم سے ذرا سی بھی چوک ہو گئی تو امیر المومنین ہمیں ہرگز معاف نہ کریں گے۔''

جس قیدی حسن بن ابراہیم کو میں نے دربار میں دیکھا تھا موسیٰ اپنے نائبوں سے اسی کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔ میں توجہ سے سننے لگی۔ اس کا سبب اس قیدی کے بارے میں میرا تجسس تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ خلیفہ المنصور کی وفات کے بعد نئے خلیفہ المہدی نے قیدیوں کی رہائی کا حکم دیا۔ جس قدر قیدی المنصور کے قید خانوں میں تھے ان سب کو رہا کر دیا گیا۔ صرف ان قیدیوں کی رہائی عمل میں نہ آئی جو خونی' غاصب' بدعقیدہ یا باغی تھے۔

خلیفہ المنصور کے دور حکومت ہی میں حسن بن ابراہیم کو گرفتار کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ قید ہونے والوں میں یعقوب بن داؤد بھی تھا۔ حسن پر یہ الزام تھا کہ وہ لوگوں کو خلیفہ کے خلاف بھڑکاتا ہے۔ عراق سے شام تک حسن کی شہرت تھی۔ کچھ آدم زادوں کے لئے شہرت و مقبولیت بھی وبال بن جاتی ہے۔ حسن بھی ایسوں ہی میں سے تھا۔ حکومت وقت تو اسے اپنے لئے خطرہ سمجھتی مگر رعایا اس پر جان چھڑکتی تھی۔

قید خانے ہی میں حسن کی ملاقات یعقوب سے ہوئی۔ یعقوب کو اس بنا پر حراست میں لیا گیا تھا کہ خلیفہ المنصور اسے بدعقیدہ سمجھتا تھا۔ حسن سے اس نے یوں میل جول بڑھایا کہ وقت پڑنے پر کوئی فائدہ اٹھا سکے۔ اس کا موقع یعقوب کو جلد ہی مل گیا۔ حسن نے اس پر اعتماد کر کے اپنے دل کی بات کہہ دی تھی اس نے یعقوب کو بتایا کہ میں اب زیادہ عرصے قید میں نہیں رہوں گا۔

''تو پھر؟'' یعقوب نے حیرت کا اظہار کیا' پھر قیاساً بولا۔ ''کہیں ایسا تو نہیں کہ

تمہارے پرستار تمہیں اس قید خانے سے نکال کر لے جائیں گے؟"

"ہاں' بات کچھ ایسی ہی ہے۔" حسن مسکرا کر کہنے لگا۔ اس کی آواز دھیمی تھی۔

"مگر اے دوست! مجھے بھی تو بتاؤ کہ یہاں سے رہائی کس طرح ممکن ہے؟" یعقوب نے سرگوشی کی۔

"وہ جو مجھے چاہتے ہیں' بغداد کے اس قید خانے میں نہ رہنے دیں گے۔ طے یہ پایا ہے کہ بغداد سے فرار کرا کے مجھے شام کے شہر دمشق پہنچا دیا جائے گا پھر تو یہ تم بھی جانتے ہو گے کہ خدا نے مجھے وہ زورِ خطابت عطا کیا ہے جو دلوں کو فتح کر لیتا ہے اور دلوں کو فتح کرنے والے ہی فاتح زمانہ کہلاتے ہیں۔"

"اے حسن! میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا کہ اس قید خانے سے تمہارا فرار کیسے ممکن ہوگا؟" یعقوب کسی چالاک لومڑی کی طرح حسن کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوستی میں آدمی بڑی جلدی فریب کھا جاتا ہے۔

میں جو کچھ بیان کر رہی ہوں اس کا ذریعہ موسیٰ بن کعب ہی تھا وہ جو گفتگو کر رہا تھا اور جو کچھ حسن کے متعلق پہلے سے جانتا تھا' میں نے اس سے پتا کر لیا اور اسے خبر بھی نہ ہوئی۔ یعقوب کے اصرار پر حسن نے آخر بتا ہی دیا کہ اس کے پرستار قید خانے تک ایک سرنگ کھودنے والے ہیں۔

پھر کیا تھا' یعقوب کھل اٹھا۔ اس نے اپنے ایک شناسا قیدی کے ذریعے جسے رہائی ملنے والی تھی' یہ خبر قاضی علاشہ تک بھجوا دی۔ قاضی سے اس کی پرانی یاد اللہ تھی۔ قاضی علاشہ خلیفہ المہدی کے وزیر مملکت ابوعبداللہ سے ملا۔

"اے ابوعبداللہ! میں ایک ایسی خبر لایا ہوں کہ امیر المومنین تمہارے درجات مزید بلند کر دیں گے۔" قاضی علاشہ نے اپنی بزرگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وزیر مملکت کو یہ بات بغیر کسی لاگ لپیٹ کے بتائی۔

توقع کے مطابق ابوعبداللہ متجسس ہو گیا۔ اس نے قاضی علاشہ سے خبر کی تفصیل بیان کرنے کو کہا۔

"اس کی ایک شرط ہے کہ تمہیں خبر رساں کو رہائی دلانی ہو گی۔"

"کہیں وہ حسن بن ابراہیم تو نہیں کہ تم جسے رہا کرانا چاہتے ہو۔" ابوعبداللہ نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں وہ نہیں ہے۔" قاضی علاشہ نے جواب دیا۔

"اگر وہ حسن نہیں تو پھر میرا وعدہ رہا کہ اسے رہائی مل جائے گی۔" ابوعبداللہ نے وعدہ کر لیا تو قاضی علاشہ نے اسے ساری بات بتا دی۔

پھر یہ ہوا کہ اسی رات یعقوب بن داؤد کو رہائی مل گئی۔ وزیر مملکت ابوعبداللہ اور قاضی علاشہ خلوت میں خلیفہ المہدی سے ملے۔ ان کے ساتھ یعقوب بھی تھا جو حسن بن ابراہیم سے اپنی دوستی کی قیمت وصول کرنے آیا تھا۔ خلیفہ المہدی کو یہ علم ہوا تو اس نے حکم دیا کہ حسن کو قاضی علاشہ کی عدالت میں پیش کیا جائے۔ حسن پر فرد جرم عائد کی گئی اور قاضی علاشہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

سو یوں اب حسن بن ابراہیم کو بغداد سے موصل بھیجا جا رہا تھا۔

اپنے نائبوں کو مختلف ہدایات دینے اور انہیں رخصت کرنے کے بعد موسیٰ اٹھا ہی تھا کہ اسے میں نے ڈرا دیا۔ میں ایک بھیانک شکل میں اس کے سامنے ظاہر ہو گئی تھی۔ وہ آدم زاد جو کہ محکمہ نظارت کا نگران اعلیٰ تھا اس کے بدن پر کپکپی طاری تھی۔

"کون..... کون ہے تو؟" موسیٰ دہشت زدہ آواز میں بولا۔

"میں وہ ہوں کہ جس نے تجھے کانپنے پر مجبور کر دیا۔" میں نے کہا۔ "تجھ سے میں ایک سودا کرنے آئی ہوں۔ بول حربیہ والے مکان اور باغ کی کیا قیمت لے گا میرے حساب سے سو قیراط کافی ہوں گے۔"

"صرف سو قیراط؟" سودے بازی میں وہ یہ بھول ہی گیا کہ کس سے سودا کر رہا ہے۔ لالچ اس کے خوف پر غالب آ گیا تھا۔ "میں اس مکان اور باغ کے دو سو درہم سے ایک حبہ کم نہیں لوں گا۔ اگر سودا کرنا ہے تو....."

"چل منظور!" میں بول اٹھی۔ "اس مکان اور باغ کی ملکیت طبیب صارم کے نام لکھ دے۔"

سو میں نے رقم ادا کر کے دستاویز لکھوا لی۔ موسیٰ کو گمان بھی نہ ہوا کہ رقم کی ادائیگی خود اسی کی جیب سے ہوئی ہے۔

میرے ساتھ عارج بغداد کے اس محلے قرافہ سے لوٹ رہا تھا تو بولا۔ "اے دینار! تو نے میرا نام بھی رکھ دیا؟"

"یہ ضروری ہے اے عارج کہ آدم زاد ہمیں ہمارے اصل ناموں سے نہ جانیں۔"

تجھے میں نے بصرہ کے ایک عامل کا واقعہ سنایا تو تھا...... وہ جس نے مجھے اپنے قبضے میں کرنا چاہا تھا..... یاد آیا تجھے؟'' میں نے آخر میں عارج سے سوال کیا۔

''بات تو کئی برسوں پہلے کی ہے مگر مجھے یاد ہے دینار!'' عارج نے جواب دیا' پھر پوچھا۔ ''تو اپنا نام کیا رکھے گی؟''

''تو ہی کوئی اچھا سا نام رکھ دے۔''

عارج کو نہ جانے میرے لہجے میں ایسی کیا بات محسوس ہوئی کہ اس پر جذبات محبت غالب آ گئے۔ کانپتی سی آواز میں کہنے لگا۔ ''اے دی..... دینار! میں تیرا نام کیسے بدل دوں' یہ نام تو میری زندگی بن گیا ہے۔''

''سمجھنے کی کوشش کر اے عارج! میں آدم زادوں کو نام بتانے کی بات کر رہی تھی۔ آخر کار ہمیں انسانی پیکر ہی اختیار کرنا ہے سو نام پوچھنے پر کچھ تو بتانا پڑے گا......'' پھر میں سوچنے لگی اور ایک نام سمجھ میں آ گیا اطردبہ...... اطردبہ کا مطلب خوش کرنے والی شے ہے' ایسی شے کہ جسے دیکھ کر انسان خوش ہو۔ یہی میرا مقصود بھی تھا کہ آدم زاد مجھ سے خوش ہوں۔ میں نے یہی سب عارج کو بتا دیا۔

''صارم اور اطردبہ!''

عارج بڑبڑایا۔ یوں جیسے نام یاد کر رہا ہو۔ ذرا توقف سے اس نے کہا مگر اے دینار! میں تو تجھے دینار ہی کہوں گا۔''

''تو میں تجھے کب منع کرتی ہوں...... یہ نام تو صرف آدم زادوں کو بتانے کیلئے ہے تا کہ ہم ان کے شر سے بچے رہیں۔ ابھی تو ہمیں جانے کتنے نام بدلنے پڑیں گے......'' یہ کہتے ہوئے میں نے نیچے دیکھا۔ ہم حربیہ پہنچ گئے تھے' اسی وقت یہ عقدہ کھلا کہ اس علاقے کا نام حربیہ بلا سبب نہیں رکھا گیا۔ وہاں ایک ممنوعہ علاقہ بھی تھا مگر ہمارے لئے نہیں اس علاقے میں سپاہیوں کو فن حرب و ضرب کی تربیت دی جاتی تھی۔ ہمیں کیونکہ اس مکان تک پہنچنے کی جلدی تھی جو موسیٰ سے خریدا تھا' اس وجہ سے ہم اس فوجی تربیت گاہ کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئے۔

وہ سارا دن میں نے بغداد میں گزارا' خریدے ہوئے مکان کی تعمیر کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ اس کی حالت سے میں نے یہی اندازہ لگایا۔ پھر بھی عارج کے ساتھ مل کر میں نے پورے مکان کو صاف کیا۔ ابھی تک انسانی پیکر اختیار کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ عارج اور مجھے دونوں ہی کو معلوم تھا کہ ہمیں مطب قائم کرنے کی خاطر کن کن چیزوں کی ضرورت پڑے گی۔ ہمارے لئے یہ کوئی مشکل کام نہ تھا۔ مکان کے بیرونی حصے کو مطب اور اندر کے حصے کو ہم نے سکونت کی غرض سے ترتیب دیا۔ اس مکان کا ایک عقبی دروازہ بھی تھا۔ سیبوں کے باغ اور عقبی دروازے کے درمیان خاصا فاصلہ تھا۔ میں پہلے ہی دن تمام تیاری کر لینا چاہتی تھی۔ اس عرصے میں بہت سی باتیں میں نے سوچیں اور ان کے متعلق عارج سے مشورہ کیا۔ ان باتوں کا تعلق مطب کے قیام اور اسے چلانے سے تھا۔

میں جانتی تھی کہ یہ بابل کے کھنڈرات نہیں' آدم زادوں کا عظیم شہر بغداد ہے۔ یہاں ہمیں ہر قدم پھونک پھونک کے رکھنا ہوگا۔ ہم پر کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے تھا کہ آدم زاد نہیں ہیں۔ جب ہم بغداد سے اپنے مسکن کی طرف لوٹ رہے تھے تو مغرب کی اذان سنائی دے رہی تھی۔ موذن اگر خوش الحان ہو تو اپنی آواز کے سحر میں لے لیتا ہے۔ بغداد میں جگہ جگہ مسجدیں تھیں اور جامع مسجد' قصر خلافت کے قریب تھی۔ کہتے ہیں کہ مغرب کے وقت بہتے دریا رک جاتے ہیں' سو ہم بھی ایک جگہ ٹھہر گئے۔

کھنڈرات کا رخ ہم نے بلا وجہ نہیں کیا تھا۔ میں اور عارج مغرب سے عشاء تک بھاگ دوڑ میں لگے رہے۔

جنات میرے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں عالم سوما کے پاس پہنچ گئی۔ میری تعلیم کا وقت ہو گیا تھا۔

''اے دینار! تو نے اور اے عارج تو نے بھی ذہین طلبہ ہونے کا ثبوت دیا ہے۔'' عالم سوما کہنے لگا۔ ''آج میں تمہیں ایک ایسے عمل کے بارے میں بتاؤں گا جو مختلف زبانوں اور نئے جہانوں کی سیر کرا سکتا ہے۔ یہ گزرے ہوئے زمانے بھی ہو سکتے ہیں اور آنے والے زمانے بھی! تم نے اگر اس عمل پر عبور حاصل کر لیا تو تمہارے علم کی وسعت کا اندازہ لگانا آسان نہ ہوگا۔ یہ عمل صرف جنات ہی کر سکتے ہیں اور یہ انہی کیلئے مخصوص ہے۔ اسی عمل کے ذریعے دنیا میں بولی جانے والی مختلف زبانوں کی آگہی بھی تمہارے لئے دشوار نہ ہو گی کہ اللہ کے کلام میں بڑی طاقت ہے ہاں یہ طاقت خیر ہی کی خاطر استعمال ہونی چاہئے۔'' سوما کا لہجہ تاکیدی تھا۔

تعلیم کے درمیان سوال کی اہمیت خود سوما ہی واضح کر چکا تھا' سو میں اپنی حیرت پر قابو پا کر بولی۔ ''فرض کر اے سوما کہ میں آنے والے کسی زمانے میں جانا چاہوں تو اس غرض

سے مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''اے دینار! تیرا سوال قبل از وقت ہے کہ تو نے ابھی نہ تو عمل کے بارے میں جانا اور نہ اس پر عبور حاصل کیا۔'' سوما نے جواب دیا۔ ''اس پر بھی میں تجھے بتا دوں کہ کسی زمانے میں جانے کی خاطر تیرا ارادہ کافی ہوگا۔''

''یعنی اے سوما! میں نے سوچ لیا اور اس زمانے میں پہنچ گئی......؟ مگر مجھے کیا خبر کہ آنے والے زمانے کیسے ہوں گے؟...... کسی خواہش کو بھی تو کوئی بنیاد چاہیے' میں کوئی ایسی آرزو کس طرح کر سکتی ہوں جو کبھی میرے اندر جاگی ہی نہ ہو؟ مثلاً اب سے ہزار برس یا اس سے بھی زیادہ کسی زمانے میں کوئی واقعہ ہونے والا ہے یا ہوگا تو مجھے اس کی کیا خبر؟''

''تیرا ذہن اس وقت سوالوں میں الجھا ہوا ہے اے دینار!'' سوما بولا۔ ''جو کچھ میں نے کہا تو بڑی حد تک سمجھ چکی ہے۔ گزرے ہوئے زمانوں یا آنے والے زمانوں میں کہیں ٹھہرنے کیلئے تجھے پہلے ان کی سیر کرنی ہوگی' تب تو جان لے گی کہ تیری آرزو کیا ہے۔ یا یہ کہ تجھے کہاں رکنا اور کہاں سے رکے بغیر گزر جانا ہے...... سمجھ لے اے دینار کہ علم کی کوئی تھاہ نہیں۔ میرا مشورہ مان اور اپنے سوالوں کو اس دن کیلئے اٹھا رکھ جب تو عمل کر چکے۔ اس کے بعد بہت سے سوالوں کے جواب تجھے خود ہی مل جائیں گے۔''

میں نے سوما کا مشورہ مان لیا اور اس سلسلے میں مزید کوئی سوال نہ کیا۔

وہ رات میں نے کھنڈرات میں گزاری۔ اس پر میری ماں بہت خوش ہوئی۔ اس نے کہا۔ ''تو اگر اسی طرح آتی جاتی رہی اے دینار! تو مجھے تجھ سے کوئی شکوہ نہ ہوگا۔ بول اب کب آئے گی؟''

''یہ پہلے یہاں سے چلی تو جائے تبھی تو آئے گی۔'' غصے میں ڈوبی ہوئی وہ آواز میرے وجود کو جھنجھوڑ گئی اور میں تیزی سے پلٹی۔

اپنے بھائی یوسف کو دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ وہ مجھ سے عمر میں بڑا ضرور تھا مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس طرح کی بات کرتا۔

''کیا مطلب ہے تیرا اے یوسف! تجھے یقیناً کسی نے میری طرف سے بہکایا ہے۔'' میں بولی۔ ''تو مجھے مار ڈالنے کی دھمکی دے رہا ہے۔''

''بکواس نہ کر اے دینار!'' یوسف نے کہا۔ ''سب کہہ رہے ہیں کہ تو بغداد میں عارج کے ساتھ رہے گی۔''

''تو پھر؟'' مجھے بھی غصہ آ گیا۔

میری ماں ہم دونوں کے درمیان میں آ گئی۔ اس نے مجھے پیچھے ہٹا دیا اور یوسف سے کہنے لگی۔ ''ابھی میں زندہ ہوں یوسف...... اور تیرا باپ اضخم بھی مرا نہیں۔ تو نے پہلے معلوم تو کیا ہوتا کہ دینار کس کی اجازت اور مرضی سے بغداد گئی ہے...... تیرے باپ اضخم نے اسے اجازت دی ہے کہ یہ بغداد میں رہے۔''

''یہ خوب رہی ماں...... ہم پر تو پابندی ہے کہ آدم زادوں کی بستیوں میں نہ جائیں اور اسے کھلی چھوٹ ہے...... کیوں؟''

''تو مجھ سے جواب طلب کرے گا؟ مجھے جانتا نہیں کہ......'' میری ماں کو بھی طیش آنے لگا۔

''مجھے تو عارج کے ساتھ رہنے پر اعتراض ہے۔'' یوسف کچھ نرم پڑا۔

''تجھے کہیں کافر جنات نے تو نہیں بہکایا؟ کس سے مل کر آ رہا ہے تو؟'' میری ماں نے پوچھا۔ یوسف چپ رہا۔

''اے میری ماں...... یقیناً اسے صخرہ نے بہکایا ہے۔ میرا باپ غلط نہیں کہتا' کفار بے اعتبار ہیں!'' میں بولی۔

یوسف کی خاموشی اسی کا پتا دے رہی تھی۔ ہم بھائی بہن میں کچھ دیر تند و تیز مکالموں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ پھر ماں نے ہماری صلح کرا دی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ یوسف مجھ سے اس قدر ناراض ہوا تھا۔

جب میرے باپ نے عارج کے ساتھ رہنے پر کچھ نہیں کہا تو یوسف کو بھی اپنی حد میں رہنا چاہیے تھا۔

''دیکھ اے یوسف' اگر تو اپنی بہن دینار سے اسی طرح لڑتا رہا تو......'' ماں کی آواز بھاری ہو گئی۔ ''یہ پھر یہاں نہیں آئے گی۔''

یوسف بہر حال میرا بڑا بھائی تھا' میں نے اس کی وقتی خفگی کو نظر انداز کر دیا۔

عارج میرے انتظار میں کھنڈرات سے کچھ فاصلے پر موجود تھا۔ مجھے آتے دیکھ کر بولا۔ ''دینار! تو نے آنے میں بڑی دیر کر دی۔''

''ہاں۔'' میں ٹال گئی۔ اسے میں نے یوسف کے بارے میں کچھ بتانا بہتر نہ جانا اور کہا۔ ''بغداد چلنا ہے تجھے اپنا نام تو یاد ہے؟''

"طبیب صارم۔" عارج نے جواب دیا۔

"اور میں؟"

"اطرد بہ ہے تو!"

اس نے سبق سا سنا دیا اور مجھے ہنسی آ گئی۔ بغداد کے محلے حربیہ پہنچنے سے پہلے ہم صحرا میں اتر گئے اور اپنی تجسیم کر لی۔ اپنے جسم کو میں نے آدم زادیوں کی طرح ایک چادر سے ڈھانپ لیا تھا۔

"اے طبیب صارم! بتا کہ اب کدھر چلنا ہے؟" میں نے عارج کو چھیڑا۔

"سیبوں کے باغ کی طرف۔" وہ بولا۔ "مجھے ٹھیک یاد ہے نا!"

کچھ ہی دیر میں جب ہم باغ سے گزر کر اپنے مکان تک پہنچے وہاں "مریض" پہلے سے موجود تھے۔ یہ وہ جنات تھے کہ جنھوں نے گزشتہ روز ہم سے تعاون کا وعدہ کیا تھا۔ مطب چلانے اور آدم زادوں کو اس طرف متوجہ کرنے کا یہی ذریعہ میری سمجھ میں آیا تھا۔

اس زمانے میں کسی طبیبہ کا کوئی تصور نہیں تھا۔ آدم زادیاں گھریلو ٹوٹکوں ہی پر گزارا کرتی تھیں۔ یوں وہ جلد موت کے منہ میں پہنچ جاتی تھیں۔ رفتہ رفتہ جن زادیوں کی مسلسل آمدورفت نے میری مشکل آسان کر دی۔ اس بہانے آدم زادیاں بھی آنے لگیں۔

مکان کا عقبی دروازہ میں نے عورتوں کی آمدورفت کے لئے مخصوص کر دیا۔ آدم زادیاں اب مجھ سے مانوس ہوتی جا رہی تھیں۔ انہیں میرا نام بھی یاد ہو گیا۔ یوں اس مکان کے دو حصے ہو گئے۔ عارج مردوں کو اور میں عورتوں کو بھگتاتی۔ ہمارے نظام الاوقات صبح فجر کے بعد سے ایک گھڑی تک تھے مگر مریضوں کی تعداد بڑھتے بڑھتے اتنی ہو گئی کہ ہمیں ظہر کا وقت ہو جاتا۔

"مطب کا وقت ختم ہو گیا ہے۔" ہمارا ایک خادم اعلان کرتا۔ "اب آپ لوگ بعد نماز عصر آیئے گا۔"

جنات کی جگہ دھیرے دھیرے آدمیوں نے لے لی۔ میری شہرت اب بغداد کے مغربی حصے تک محدود نہیں تھی۔ قصر خلافت کے اہم عہدے داروں کی بیگمات بھی اپنے علاج کی غرض سے میرے پاس آنے لگی تھیں۔ انہی عورتوں کی زبانی مجھے بہت سی ضروری اور غیر ضروری باتیں معلوم ہوتی رہتی تھیں۔ آدم زادیوں کی زبانیں بڑی لمبی ہوتی ہیں اور ان کے پاس بیکار باتوں کیلئے وقت بھی بہت ہوتا ہے۔ میں کام کی باتیں ذہن میں رکھتی اور بقیہ

"فضولیات" کو بھلا دیتی۔

کوئی طبیب دوا کے دام کم یا برائے نام لے تو لوگ اسے سانس لینے کی مہلت نہیں دیتے۔ یہی حال ہمارا تھا۔ معلوم ہوتا کہ ہمارے مطب میں دوا مفت بٹ رہی ہے جب کہ ایسا نہیں تھا۔ ہم ہر مریض سے ایک حبہ ضرور لیتے تھے۔

مطب میں روز بروز بڑھتی ہوئی بھیڑ دیکھ کر میں نے ایک دن عارج سے کہا۔

"اے طبیب! لگتا ہے ہم آدم زادوں کو دوا بانٹتے بانٹتے خرچ ہو جائیں گے اس کا بھی کچھ علاج بتا!"

"اے طبیبہ! مجھے تو تو نے ہی یہاں لا کر پھنسا دیا ہے۔ میں کیا علاج بتاؤں۔"

عارج بھی اب میرے ساتھ رہتے رہتے شوخی "فرمانے" لگا تھا۔ میری چھیڑ چھاڑ کام آئی۔

انہی دنوں کا ذکر ہے کہ میں نے اپنے مطب میں عیسیٰ کا نام سنا۔

"مگر عیسیٰ تو مکے میں تھا اور اس نے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی!" میں بولی۔

قصر خلافت سے آنے والی وہ آدم زادی مجھے اس طرح دیکھنے لگی جیسے میرے سر پر سینگ اُگ آئے ہوں وہ کہنے لگی۔ "آپ کو شاید پتا نہیں کہ عیسیٰ بن موسیٰ کے ٹھکانے کہاں کہاں ہیں......؟ ان دنوں وہ رحبہ میں ہے۔"

"رحبہ؟"

"یہ کوفہ کا مضافاتی علاقہ ہے۔"

"اچھا!" میں نے اس طرح لمبا سانس لیا جیسے مجھے کچھ خبر نہ ہو۔

اس آدم زادی کی عمر تقریباً پچاس برس ہو گی۔ یہ عمر بڑھاپے کی کہلاتی ہے۔ اکثر آدم زاد اس عمر میں سنجیدہ و رنجیدہ نظر آنے لگتے ہیں مگر جب روزی روٹی کی فکر نہ ہو تو دور کی سوجھتی ہے۔ اس بڑھیا کو دیکھ کر کوئی بھی جوان ماننے کو تیار نہ ہوتا' لیکن وہ تھی کہ یوں بن سنور کر نکلی تھی جیسے شادی کو زیادہ دن نہیں ہوئے۔

میں نے اسے باتوں میں لگا کر ساری کتھا کہانی جان لی۔ اسے اگر میری عمر معلوم ہو جاتی تو پچھاڑ کھا کے گر پڑتی۔

"میری کمر میں بہت درد رہتا ہے۔" اس نے کہا۔ "میں نے سنا تھا کہ آپ......"

میں بول اٹھی۔ "ٹھیک ہے دوا مل جائے گی...... خدا حافظ!"

اسے بھی مجبوراً "خدا حافظ" کہنا پڑا۔ نسخہ میں نے اسی کو تھما دیا تھا۔ اس کے ساتھ

جو کنیزیں اور خادمائیں تھیں' اسے ہاتھوں ہاتھ لے گئیں۔ میں نے سوچا' چلو بلا ٹلی۔ مجھے اب یہ انتظار تھا کہ بھیڑ کب چھٹے گی۔

مطب کا وقت ختم ہوتے ہی ہمارے خدام بھی رخصت ہو جاتے تھے کہ ان کیلئے بھی یہی حکم تھا۔

عیسیٰ بن موسیٰ کا ذکر پہلے بھی میری اس داستان میں آ چکا ہے۔ وہ خلافت کا دعوے دار تھا۔

ایک مدت سے بنو ہاشم کی ایک جماعت اور خلیفہ المہدی کے ساتھی عیسیٰ کے پیچھے لگے ہوئے تھے کہ کسی طرح رفع شر کر سکیں۔ کئی بار کی کوششوں کے باوجود عیسیٰ زیر دام نہیں آ رہا تھا معاملہ بالکل سیدھا سادا تھا کہ المہدی کے بڑے بیٹے موسیٰ بن المہدی کو ولی عہد بنا دیا جائے۔ یہی المہدی کا بیٹا الہادی بھی کہلایا۔ عربوں میں ایک ہی نام کے کئی کئی فرد ہوتے ہیں حالانکہ عربی زبان میں ناموں کی کوئی کمی نہیں۔ مثال کے طور پر موسیٰ بن کعب کہ جو محکمہ نظارت کا نگران اعلیٰ تھا اور المہدی کا بیٹا موسیٰ بن المہدی' دونوں ہی موسیٰ تھے۔ یہ وضاحت میں نے اس لئے کی کہ تاریخ لکھنے والوں نے بڑے بڑے غوطے کھائے ہیں یا یوں سمجھ لیں کہ غوطے دیئے ہیں۔ میں اس چکر میں پڑنا نہیں چاہتی۔

اللہ اللہ کر کے مریض رخصت ہوئے اور میں لپک کر عارج کے پاس پہنچ گئی۔ مجھے جو کچھ معلوم ہوا تھا اسے بتا دیا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''کیا کہتا ہے' چلیں کوفہ؟'' میں نے عارج سے پوچھا۔

''تیری مرضی ہو تو چل!'' عارج راضی ہو گیا۔ اسی کے ساتھ ہم دونوں انسانی پیکروں سے نکل آئے۔

جب ہم کوفہ کے مضافاتی علاقہ رحبہ پہنچے تو وہاں ہمیں غیر معمولی سرگرمی نظر آئی۔ پتا چلا کہ خلیفہ المہدی نے بغداد سے اپنے سپاہیوں کا ایک دستہ وہاں بھیجا تھا۔ رحبہ میں عیسیٰ با اثر تھا اس پر ہاتھ ڈالنا ممکن نہ ہوا۔ اس نے دربار میں حاضری سے انکار کر دیا۔

''یہ تو بڑا ہی گھاگ آدم زاد ہے اے دینار!'' عارج بولا۔

میں کچھ سوچتے ہوئے چونکی اور سوال کیا۔ ''آج دن کیا ہے؟''

''جمعہ'' عارج نے جواب دیا۔

''ہمیں اس مضافاتی بستی میں آنے سے پہلے کوفہ چلنا چاہئے تھا..... مگر خیر.....''

میں نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

''اے دینار! تو اس طرح نامکمل باتیں کر کے مجھے الجھا دیتی ہے۔'' عارج نے شکوہ کیا۔

میں نے کہا۔ ''تجھے اسی وقت تو کچھ بتاؤں گی جب خود کسی نتیجے پر پہنچ جاؤں۔''

عارج نے مجھے عجیب انداز میں دیکھا۔

''کیا دیکھ رہا ہے؟'' میں نے اسے ٹوکا۔

''تیرے سوا دنیا میں دیکھنے کو اور ہے بھی کیا!'' عارج کی رگ عشق پھڑک اٹھی۔

''بس.....بس!'' میں بولی۔ ''تو آدمیوں کی سی باتیں نہ کیا کر۔''

''میں جن زاد تھا تو مجھے تو نے وہ نہیں رہنے دیا اور..... آدمیوں کے اس جنگل میں لے آئی..... چل مان گیا' تیری خاطر! یہ تو سوچ کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے روز آدم زادوں سے واسطہ.....''

''اور آدم زادیوں پر تو کیوں نگاہ رکھتا ہے؟..... وہ آدم زادیاں جو میرے پاس آتی ہیں۔'' میں نے باتوں باتوں میں چٹکی لی۔

وہ مجھے اپنی وفا کا یقین دلانے لگا۔ ''قسم لے لے چاہے جیسی جو تیرے سوا کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھا ہو اے دینار!''

''ان باتوں کو چھوڑ..... میں تجھے بتاتی ہوں کہ کوفے چلنے کی بات کیوں کر رہی تھی۔''

''ہاں بتا!'' میری توقع کے عین مطابق وہ فوراً ہمہ تن گوش ہو گیا۔

''دیکھ اے عارج! بات یہ ہے کہ خلیفہ المہدی سے عیسیٰ ڈرا ہوا ہے وہ اسی لئے کوفے کم ہی جاتا ہے۔ ایک تو وہ جمعے کو وہاں جاتا ہے یا پھر عید پر..... اس کی وجہ میں تجھے بتا ہی چکی ہوں۔'' میں نے عارج کو باتوں میں لگا لیا کہ دیار عشق میں قدم رکھنے کے بعد آبلہ پائی کا گلہ نہ کرنے لگے۔ آبلہ پایان محبت کو ''مظلوم کوتر'' بننے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ وہ خود ہی عشق کے صحرا میں بھٹکتے ہیں اور دوسروں سے کہتے پھرتے ہیں کہ ہمیں دیکھو اور عبرت پکڑو! عارج کیوں کر اب گھاٹ پر آ گیا تھا اس لئے میں اسے لے کر کوفے پہنچ گئی۔

اس دور میں کوفے کا عامل (گورنر) روح بن حاتم تھا۔ میں اس کے قصر میں داخل ہوئی تو حقیقت کا پتا چلا۔ عامل کوفہ کو خلیفہ المہدی کی طرف سے در پردہ کچھ احکام ملے تھے ان

احکام کا تعلق عیسیٰ ہی سے تھا۔

یہ دوپہر کا وقت تھا نماز جمعہ پڑھ کر عامل کوفہ آرام کر رہا تھا۔ میں اس کی خواب گاہ میں گھس گئی گہری نیند سے اسے میں نے بیدار کیا تو وہ ہونقوں کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کسی کی کیا مجال تھی کہ محافظوں کی نظروں سے بچ کر وہاں جا سکتا۔ اسی سبب عامل کوفہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ میں اس کے سامنے کھڑی تماشا دیکھ رہی تھی۔

''عیسیٰ کے بارے میں تجھے کیا احکام ملے ہیں؟'' میں اچانک اس سے مخاطب ہوئی تو وہ اچھل پڑا۔ دانستہ اسے ابھی میں نے اپنی جناتی صفات کے زیر اثر نہیں لیا تھا جو کام ذرا سی چپت لگانے سے نکل جائے اس کیلئے طمانچے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سو آدم زادوں کے ساتھ میرا بھی اب یہی رویہ تھا۔ لگے ہاتھوں میں ایک وضاحت اور کرتی چلوں کہ لفظ عامل کا مطلب عمل کرنے والا ہے۔ عربی زبان بڑی مالدار ہے ایک ہی لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں۔ اس لفظ کے معنی کارِ گیر بھی ہیں پس ابہام دور کرنے کیلئے یہ بہتر ہوگا میں روح بن حاتم کو حاکم لکھوں۔ غرض کہ اس وقت حاکم صاحب ''چکریدن'' بنے ہوئے تھے کہ آواز آئی تو کہاں سے؟

حاکم کوفہ ابھی تک بے حرکت بستر پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے صرف دیدے ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ دور تک سناٹا تھا۔ محافظ اگر وہاں تھے بھی تو پردوں کے پیچھے چھپے ہوئے ہوں گے۔ اول تو ایک غیر انسانی آواز سن کر کون تک سکتا ہے! جان تو سبھی کو پیاری ہوتی ہے' وہ جنات ہوں یا آدم زاد!

''بتا... تا روح بن حاتم' میں نے تجھ سے کچھ پوچھا ہے۔'' میں پھر بولی۔

حاکم ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا اور تیزی کے ساتھ اس کا ہاتھ سرہانے رکھی تلوار تک پہنچا' اسے میں نے تلوار بے نیام کرتے دیکھا۔ یہ الگ بات کہ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''تلوار ہاتھ سے رکھ دے!'' میری آواز میں حکم تھا۔

حاکم' حکم دیتے ہیں مانتے نہیں اور یوں بھی آدم زادوں کو اشرف المخلوقات' یعنی تمام مخلوق میں اشرف (بہت بڑا شریف' بڑا بزرگ' بھلا مانس) بتایا گیا ہے اسی سے لفظ شرف بنا ہے وہ جسے بزرگی یا بڑائی دی گئی ہو۔

سب کچھ من جانب اللہ ہے' مگر آدم زاد نہیں سمجھتا اور زمین پر اکڑ کر چلتا ہے' اس

زمین پر کہ جس کی آغوش میں ایک دن اسے جانا ہے۔ روح بن حاتم بھی مجھے انہی آدم زادوں میں سے لگا جو اکڑ کر چلتے ہیں' میرا حکم ماننے کے بجائے وہ تلوار ہاتھ میں لئے بستر سے نیچے اتر آیا۔ یہی وہ لمحہ تھا کہ عارج نے اس کے ہاتھ سے شمشیر برہنہ چھین لی۔

''تجھے میرے سوال کا جواب دینا ہی پڑے گا اے روح بن حاتم!'' میں نے کہا۔

''تو ہے کون؟'' وہ غرایا۔

''روح کو یہ سوال زیب نہیں دیتا!''

میں نے محسوس کیا کہ ''حاکم صاحب'' کے اعصاب جواب دینے لگے ہیں۔

''تی... عیسیٰ سے تمہارا کیا تعلق ہے... اے نا... نادیدہ مخلوق؟''

''اپنے نفس کو قابو میں رکھ! بے لگام نہ ہو۔'' میں نے اسے ڈانٹ دیا۔

''تت... تم آ... آخر چاہتی... کک... کیا ہو؟... بتاؤ تو سہی!'' وہ ہکلانے لگا۔ اس کی نظریں فضا میں معلق تلوار پر جمی ہوئی تھیں۔

میں نے عارج کو اشارہ کیا۔ تلوار زمین پر گری۔

''نہیں... اے روح بن حاتم! تلوار کی طرف نہ جھپٹ... جو پوچھا ہے بتا دے۔''

اس نے خوفزدہ نظروں سے اطراف کا جائزہ لیا۔

''میرے سوا یہاں کوئی تیری بات سننے والا نہیں... کہہ دے جو تجھے کہنا ہے۔''

میں نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔ ''اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں تو کہیں کھلی فضا میں چل... جہاں تو دور تک دیکھ سکے کہ تجھ پر نگاہ رکھنے والا کوئی نہیں۔''

''ہاں... یہ... ٹھیک... یہ ٹھیک ہے۔'' وہ دھیرے سے بولا۔

میں نے فوراً کہا بالکل ٹھیک نہیں' تو کسی کھلی جگہ پر جا کے ایسی حرکت کرے گا تو لوگ تجھے دیوانہ سمجھیں گے... اور یہ خبر بغداد تک بھی پہنچ سکتی ہے... پھر تجھے خلیفہ المہدی معزول بھی کر سکتا ہے۔''

''یہ... ہاں یہ تو ہے۔''

''تو بڑبڑا رہا ہے اور میں تیری ہر بات سن رہی ہوں' کیا یہ کافی نہیں؟''

''یقیناً... کا... کافی ہے۔'' وہ خود ہی میرے اثر میں آتا جا رہا تھا۔

میں اس کے قریب ہو گئی۔ ''تو بتا دے!''

''مم..... مگر یہ خوشبو......''

''میری خوشبو ہے یہ... خوفزدہ نہ ہو۔''

''میں ڈر تو نہیں رہا..... ہاں اور کیا۔''

''میں نے کب کہا کہ تو کسی سے ڈرتا ہے..... ہاں اللہ سے ضرور ڈر!''

''وہ تو میں..... ڈرتا ہوں..... نماز پڑھ کر آ رہا ہوں۔''

''معلوم ہے مجھے اے روح بن حاتم..... میرے سامنے پارسا نہ بن!'' مجھے اس کی ڈھٹائی پر غصہ آنے لگا۔ ''بول جلدی ورنہ.....'' میں نے جان بوجھ کر اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور اسے واپس بستر پر لا کے پٹخ دیا۔

وہ ہانپنے لگا میں نے اس کے سر کو گرفت میں لے لیا۔ ''تیرا کاسہ سر چٹخا دوں گی ابھی۔''

''خوشبو..... چھوڑ دے مجھے..... میں.....''

''میرا نام خوشبو نہیں ہے۔'' میں نے گرفت قدرے ڈھیلی کی۔

''تو پھر کیا نام ہے تیرا؟'' وہ اعتدال پر آنے لگا۔

''مجھ سے سوال نہ کر..... زیادہ چالاکی دکھائی تو گھاٹے میں رہے گا۔'' میں بولی اور عارج کی طرف دیکھا۔

عارج سمجھ گیا کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ ادھر عارج نے روح بن حاتم کے پہلو میں ضرب لگائی ادھر میں نے اسے چیخنے نہ دیا۔

''بتا..... بتاتا ہوں کہ..... کہ..... در پردہ مجھے..... بغداد سے حکم ملا ہے' عیسیٰ کو ایذا پہنچاؤں۔'' وہ آدم زاد آخر کھل ہی گیا۔

''اسے ایذا پہنچانا کیا تیرے بس میں ہے؟''

''ہاں وہ..... وہ کوفے آتا ہی نہیں..... اور جب آتا ہے تو اس کے محافظ..... اسے گھیرے میں لئے رہتے ہیں۔'' وہ بڑبڑا رہا تھا۔

مجھے جو معلوم کرنا تھا' وہ معلوم ہو گیا تو وہاں مزید رکنا عبث لگا۔ روح بن حاتم پر میں نے گہری نیند طاری کر دی۔ اب وہ سو کر اٹھتا تو اسے یوں محسوس ہوتا کہ کوئی خواب دیکھا ہے' عارج کو میں نے چلنے کا اشارہ کیا۔

ہم کوفے سے نکل آئے تو عارج بولا۔ ''اب کدھر کا ارادہ ہے اے دینار؟''

''ہم بغداد سے آئے تھے نا! سو بغداد ہی واپس چلیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

''مگر مطلب کا وقت......''

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''تجھے ہر وقت مطلب ہی کیوں یاد آتا رہتا ہے؟''

''تو پھر مجھ پر شک کر رہی ہے۔''

''نہیں نا!'' میں بولی۔ ''وہ بات تو کبھی کی ختم ہو گئی۔''

''اب کون سی بات شروع ہوئی ہے؟''

''تجھے تو میں ذہین سمجھتی تھی اے عارج!''

''تھی سے کیا مطلب اے دینار..... ؟ کیا اب میں غبی ہو گیا؟''

''ذہین اور غبی ہونے میں بس بال برابر فرق ہے۔''

میں بتاتی رہی اور اسے اپنے ساتھ بغداد لے آئی۔ عارج بھی اب میرے مزاج سے واقف ہوتا جا رہا تھا اس نے کچھ نہ کہا۔ اب ہم قصر خلافت کے سامنے کھڑے تھے۔ ہمیں خلیفہ المہدی تک پہنچنا تھا۔ اسے میں نے بیدار مگر مضطرب پایا۔ وہ دیوان خاص میں تھا۔

''لکھو..... لکھو جو تم سے کہا جا رہا ہے۔'' خلیفہ میر منشی پر برس پڑا۔

وہ مجھے چہرے سے جھلایا ہوا سا لگا۔ میر منشی کا چہرہ فق پڑ گیا۔ اس نے اپنی چوکی ذرا سی آگے کھسکائی' ہر چند کہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ بے دھیانی میں آدم زاد جو حرکتیں کرتے ہیں' اگر انہیں کسی طرح محفوظ کر لیا جائے تو عجب مضحکہ خیز صورتحال ہو گی۔ میر منشی کے معاملہ میں بھی یہی تھا۔ عیسیٰ کو عتاب آمیز خط لکھوایا جا رہا تھا۔

اقتدار عمر نہیں دیکھتا۔ عیسیٰ اور المہدی کی عمروں میں بڑا فرق تھا' مگر ان میں سے ایک آدم زاد' بغداد کے قصر خلافت میں تھا اور دوسرا چھپا پھر رہا تھا۔ خط سے زیادہ وہ حکم نامہ تھا جو عیسیٰ کو لکھا گیا۔ خلیفہ کے مزاج میں نرمی بھی تھی اور سختی بھی۔ آدم زاد ایک ہی وقت میں نرم خو بھی ہوتے ہیں اور گرم مزاج بھی۔ موقع محل دیکھ کر خود کو حالات کے سانچے میں ڈھال لینا' آدم زادوں ہی کو آتا ہے' ہم جن زادوں کو نہیں۔

عیسیٰ کو لکھے جانے والے خط کی عبارت کا جو حصہ میں نے سنا' وہ یہ ہے۔ ''آپ نے جب بیعت کر لی تھی تو پھر اب دنیا کو ہنسنے کا موقع کیوں دیتے ہیں..... یقین کریں کہ میں خاندان والوں میں آپ ہی کو بڑا جانتا اور مانتا ہوں..... آنے والا وقت میری بات کو سچ ثابت کر دکھائے گا.....'' خلیفہ اس کے بعد میر منشی سے کچھ نہ بولا۔ اس نے صرف ایک لفظ

کہا۔ ''برخاست!'' پھر وہ اٹھا اور قصر کے اندرونی حصے کی طرف چل دیا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے تھی' مگر اتنے فاصلے سے کہ اسے میرے وجود کی مخصوص خوشبو محسوس نہ ہو۔

مجھے فی الحال کہیں نہیں جانا تھا اور بغداد ہی میں رہنا تھا' سو اسی بنا پر عارج کو ساتھ لئے قصر خلافت میں گھومتی پھرتی رہی۔ وہاں میری وہ پچاس سالہ ''مریضہ'' بھی تھی جس کی کمر میں درد رہتا تھا۔ اسی سے مجھے عیسیٰ کے بارے میں معلوم ہوا۔

''چل نا اے دینار! عصر کا وقت ہو رہا ہے۔'' عارج نے مجھے ٹوکا۔

''چلتے ہیں۔'' میں بولی۔ اس وقت ہم انسانی قالب میں تو ہیں نہیں جو تو جلدی کر رہا ہے۔ بھولا نہ کر کہ جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے۔''

''دوسروں کو تو بڑی جلدی شیطان بنا دیتی ہے دینار!''

''کون دوسرا.....؟ میں ہی میں تو ہوں۔''

''تجھے میرا وجود بھی تسلیم نہیں۔''

''پہلے یہ طے کر لے اے عارج کہ تو دوسرا ہے۔ میں تو تجھے دوسرا نہیں سمجھتی۔''

''اپنا سمجھتی ہے؟ بول چپ کیوں ہے؟''

''تو بس ہر پھر کے اپنے مطلب کی بات پر آ جاتا ہے..... بڑا ہی مطلبی ہے تو!''

میں یہ کہتی ہوئی قصر خلافت سے نکل آئی۔

''الزام نہ لگایا کر مجھ پر..... بات بات پہ کیوں لڑنے لگتی ہے؟''

اسی نوک جھونک میں ہم بغداد کے مشرقی حصے سے نکل کر مغربی حصے تک پہنچ گئے۔

سیبوں کے باغ میں اترتے ہی انسانی پیکر اختیار کر کے ہم اپنے مطب میں داخل ہوئے' میں عقبی دروازے سے اور عارج بیرونی دروازے سے۔''

''جگہ دیں.....ہٹیں!'' میری ایک خادمہ نے صدا لگائی۔

میں اپنی چادر سنبھالتی ہوئی قدم قدم آگے بڑھی۔ اندر والے دالان میں حیثیت والی آدم زادیاں قبضہ جمائے ہوئے تھیں۔ آنگن غریب آدم زادیوں سے بھرا پڑا تھا۔ ان میں سے اکثر وہ تھیں جن کے پاس درہم یا قیراط تو کیا ایک حبہ بھی نہیں ہوتا تھا۔

اس روز میرے جی میں آئی کہ بااثر و باحیثیت آدم زادیوں سے زبردستی اندر والا دالان خالی کرا لوں۔ یہی سوچتی ہوئی میں اپنی چوکی پر آ بیٹھی۔ غالباً اسی وقت ایک آدم زادی نے مجھے مخاطب کیا۔ ''میں آپ کیلئے پرتقال (موسمی) لے کر آئی ہوں۔''

''پرتقال؟'' میں دانستہ انجان بن گئی۔

''میں نے سنا تھا کہ موسم کے پھل آپ کو پسند ہیں۔''

''غلط سنا تھا آپ نے... تشریف لے جائیے۔'' یہ کہتے ہی میں نے اپنی خادماؤں کو آوازیں دیں۔

''آج ایسا کرو کہ دالان والیوں کو آنگن میں اور آنگن والیوں کو دالان میں بٹھا دو؟'' میں نے اس دروازے کی طرف دیکھا جو اندر والے دالان کی طرف کھلتا تھا۔ آدم زادیوں سے خلوت میں باتیں ''گھپولنے'' کیلئے میں نے الگ ایک دالان مخصوص کر رکھا تھا۔

''آپ تو بڑی ہی عجیب خاتون ہیں۔'' وہ صاحب حیثیت آدم زادی مجھ پر گرم ہو گئی۔

میں نے آپ سے کچھ عرض کیا محترمہ..... ایک دن غریبوں کیلئے بھی سہی.....جن کے پاس دوا دارو کیلئے پھوٹی کوڑی نہیں ہوتی۔''

''تو آپ کو اس کا اعلان کرنا چاہئے تھا۔'' وہ آدم زادی بکنے لگی۔

''مجھے کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں' یہ بتانا آپ کی ذمے داری نہیں ہے محترمہ!''

میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جا رہا تھا۔

''شاید آپ مجھے نہیں جانتیں کہ میں .....''

''میں جاننا بھی نہیں چاہتی۔'' میں نے اسے تپا دیا۔

وہ غصے سے بل کھاتی ہوئی دروازے سے نکل گئی۔ میری خادماؤں نے اس روز وہی کیا جو میرا حکم تھا۔

بس پھر کیا تھا۔ ''ٹوٹ پڑو۔'' کہا تو کسی نے نہیں لیکن دھکم پیل شروع ہو گئی۔

''پہلے میں اندر جاؤں گی۔''

''نہیں' میری باری ہے۔''

خادماؤں نے بڑی مشکل سے انہیں سمجھا بجھا کر ایک ایک کو اندر بھیجنا شروع کیا۔

تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ ایک شور سا اٹھا اور میرے کان کھڑے ہو گئے' مریضائیں سہم گئیں۔

میں نے کسی آدم زادی کی تیز آواز سنی وہ کہہ رہی تھی۔ ''مطب کو خلیفہ کے محافظ دستے نے گھیرے میں لے لیا ہے۔''

ظاہر ہے کہ میرے لئے یہ ایک غیر متوقع صورتحال تھی۔ میں نے سوچا کہ آج میں پھنس گئی۔ مجھے اپنے ماں اور باپ کی نصیحتیں یاد آنے لگیں پھر بھی میں نے ہار نہ مانی۔ اسی لمحے مجھے عارج کا خیال آیا کہ اس پر کیا گزر رہی ہوگی۔ میرے ذہن پر سوالوں نے جیسے یلغار کر دی۔ میں سوچنے لگی' یہ اس باحیثیت آدم زادی کا پھیلایا ہوا فساد تو نہیں جس کی رشوت قبول نہیں کی گئی...... کیا ہوگا اب...... فرار کی راہ ملے گی یا نہیں؟ مجھے بتایا گیا تھا کہ جنات اگر آدم زادوں کے جسموں میں ہوں تو انہیں آدم زاد بڑی آسانی سے مار ڈالتے ہیں۔ میں واقعی ڈر گئی۔ میں نے مریضاؤں کو دالان سے باہر نکلوا دیا خادماؤں سے کہہ دیا کسی کو ابھی اندر نہ بھیجیں۔

ابھی میں اپنے خیالوں میں گم تھی کہ اس دریچے پر دستک ہوئی جو مکان کے بیرونی اور اندرونی حصوں کے درمیان تھا۔ قریب ہی ایک دروازہ بھی تھا مگر اس پر کھٹکا نہیں ہوا میں نے دھیرے سے دریچے کا تھوڑا سا پٹ کھولا۔ ''کیا ہوا اے طبیب صارم؟'' میں نے عارج سے پتا کیا۔

''فی الحال تو ہم گھیرے گئے ہیں...... کیوں......؟ ابھی معلوم نہیں ہوا۔'' عارج نے سرگوشی کی۔

''تجھے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں دھیمی آواز میں بولی۔ ''میں یہاں موجود ہوں۔''

''دریچہ کھلا...... کھلا رکھوں کہ بند کر دوں؟'' عارج نے پوچھا۔

''تھوڑا سا کھلا رہنے دو...... آنے والے آدم زاد کوئی شیر نہیں کہ ہمیں کھا جائیں گے۔'' عارج سے یہ کہتے ہوئے وقتی طور پر جو گھبراہٹ مجھ پر طاری ہوگئی تھی' اس کا نام و نشان نہ رہا۔ یہ نسخہ اچھا ہاتھ آ گیا کہ برا وقت پڑے تو دوسرے کو سمجھانے لگو خود بخود ہمت پیدا ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وقت نہیں' ہم خود برے ہوتے ہیں۔

معاً میری ایک خادمہ نے مجھے آ کر بتایا۔ ''وہ آپ کو بلا رہے ہیں...... محافظ دستہ......''

''کون بلا رہا ہے؟'' میں نے خادمہ کی بات کاٹ دی۔

''ان...... ان سے نام...... پوچھ کر آؤں؟'' خادمہ گھبرائی ہوئی بولی تھی۔

''نہیں!'' میں اپنی چوکی سے اٹھ کھڑی ہوئی اس دوران میں مجھے اپنے خوف کی

وجہ معلوم ہوگئی تھی۔ قصہ صرف یہ تھا کہ کسی آدم زاد کو میری حقیقت معلوم نہ ہو جائے میں نے تین بار ''لاحول'' پڑھی اور اپنے دالان سے باہر آ گئی۔ چادر کو میں نے اچھی طرح اپنے جسم پر لپیٹ لیا تھا۔ آدم زادوں کے درمیان رہ کر میں نے ان کے طور طریقے سیکھ لئے تھے۔

خادماؤں نے میری خاطر راستہ بنایا اور میں گھر کے عقبی دروازے تک پہنچ گئی۔

باہر نکلتے ہی میں نے بلا جھجک ایک گھڑ سوار کو مخاطب کیا۔ ''کس لئے تم لوگوں نے مطب کو گھیرا ہے؟''

میں نے اس گھڑ سوار آدم زاد کے چہرے پر گھبراہٹ دیکھی۔

یہ تو مجھے معلوم ہو ہی گیا تھا کہ وہ خلیفہ کا محافظ دستہ ہے اسی سبب اس گھڑ سوار سے بولی۔ ''تمہارے دستے کا سالار کون ہے؟''

''ابھی...... میں ابھی انہیں لے کر آتا ہوں۔'' گھڑ سوار یہ کہتے ہی دوڑ لیا۔

اس عرصے میں میری خادمائیں بھی باہر آ گئی تھیں۔

''تم اندر ہی رہو! مجھے فی الحال تمہاری ضرورت نہیں۔''

''جی بہتر ہے۔'' ان میں سے کوئی ایک بولی۔

فرار کا راستہ کھلا تھا میں اگر چاہتی تو وہاں سے رفو چکر ہو جاتی اور عارج کو بھی نکال کر لے جاتی لیکن یہی کرنا ہوتا تو بغداد کیوں آتی۔ ذرا دیر ہوئی تھی کہ میں نے زمین میں دھمک محسوس کی۔ کچھ گھڑ سوار اسی طرف لپکے چلے آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک آگے آگے تھا۔ قریب آنے سے پہلے ہی وہ اپنی سواریوں سے اتر گئے۔ میں ان آدم زادوں کی حرکات و سکنات کا بغور جائزہ لے رہی تھی۔

اپنے گھوڑے کی لگام تھامے اور سر جھکائے وہ آدم زاد میرے سامنے آ کر رک گیا۔

''جی؟ بولیں کیا بات ہے......؟ کیوں آپ نے یہاں سنسنی پھیلائی ہے؟'' میرے لہجے میں جواب طلبی تھی۔

''غلام معافی کا خواستگار ہے۔'' وہ میرے سامنے تھوڑا سا جھکا۔

میری نظر اس آدم زاد کے چہرے پر تھی اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

''غلام نے معافی......''

میں نے اس کی بات کاٹ دی اور ''آپ'' سے ''تم'' پر آ گئی۔ ''تم نے کیا غلام

غلام کی رٹ لگا رکھی ہے! جو کہنا ہے صاف کہو۔"

"عرض کرتا ہوں غل....." اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔

معلوم نہیں آدم زادانی "چک پھیریاں" کیوں دیتے ہیں سیدھی طرح بھی تو بات کی جاسکتی ہے۔

محافظ دستے کے سالار نے آخرکار بتا ہی دیا کہ مجھے خلیفہ المہدی کی بیوی خیرزان نے بلایا ہے۔ میرے لئے اس کی وجہ سمجھنا مشکل نہیں تھا' میں نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ آدم زادوں نے شاید ایسے ہی موقعوں کیلئے کہا ہے کہ کھودا پہاڑ نکلا چوہا!

آدم زادیوں کو دوائیں دیتے ہوئے مجھے خاصے دن ہو گئے تھے۔ قصر خلافت سے بھی یہ آدم زادیاں میرے مکان پر آتی جاتی رہتی تھیں۔

موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے میں نے محافظ دستے کے سالار سے کہا۔ "ملکہ محترمہ کی خدمت میں ہمارا سلام عرض کر دیں۔ انہیں بتا دیں کہ ہمارے مطب کا وقت ظہر کے وقت تک ہے اور یہاں..... آپ دیکھ ہی رہے ہیں کتنی خلقت جمع ہے! ملکہ عالیہ کی خدمت میں ہم خود بعد ظہر حاضر ہو جائیں گے..... ٹھیک ہے.....؟ آپ ہماری بات سمجھ گئے؟"

"بہتر ہے۔" یہ کہہ کر سالار میرے سامنے ادب سے جھکا اور پھر رخصت کی اجازت چاہی۔

"اجازت ہے۔" غیر ارادی طور پر میرے منہ سے نکل گیا۔ محافظ دستے کے سپاہی چلے گئے تو میں واپس اپنے دالان میں آ گئی۔ ایک معمولی سی غلط فہمی نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ وہ آدم زادی جس نے مجھے موسمی بطور تحفہ یا رشوت دینی چاہی تھی اور جسے میں نے قبول نہیں کیا تھا۔

اسی کے دھوکے میں بات کا بتنگڑ بن گیا تھا۔

مکان کے بیرونی حصے میں موجود عارج کو صورتحال سے مطلع کرنے کے لئے میں نے درمیانی دریچے پر ہلکی سی دستک دی۔

"جی؟" اس نے دریچہ تھوڑا اور کھول دیا۔

میں نے اس سے کچھ کہے بغیر دریچے کو پہلے سے زیادہ بھیڑ دیا۔ وہ بہرحال ایک جن زاد تھا اور میں بھی! مگر ہم دونوں میں فرق تھا سرگوشیوں اور مختصر الفاظ میں عارج کو میں نے ساری بات بتادی۔ وہ مطمئن ہو گیا اس پر میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اسے اطمینان تو

ہوا۔

عارج میری وجہ سے بغداد آیا تھا۔ یوں وہ میری ذمے داری بن گیا تھا یا پھر یہ کہہ لیں میں نے اسے اپنی ذمے داری بنا لیا تھا۔

اس روز پہلے ان آدم زادیوں کو میں نے دیکھا جو مدد کی مستحق تھیں' امیرزادیوں کی باری بعد میں آئی۔

ظہر کے وقت حسب معمول خادموں نے مطب بند ہونے کا اعلان کر دیا۔ جو مریضائیں باقی رہ گئی تھیں ان سے اگلے روز آنے کے لئے کہہ دیا گیا۔ مکان میں اب عارج اور میں اکیلے تھے۔

"کیسے چلنا ہے قصر خلافت اے دینار؟" عارج نے سوال کیا۔

"آدم زادوں کی طرح۔" میں نے جواب دیا۔

پھر دو گھوڑوں کا بندوبست کیا گیا۔ سو اس طرح طبیب اور طبیبہ کی سواری قصر خلافت کی طرف روانہ ہوئی۔

بغداد کا کوئی گلی محلّہ ہی شاید ایسا ہوگا جو میں نے نہ دیکھا ہو۔

شہر کے مغربی حصے سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے ہم جلد ہی مشرقی حصے میں پہنچ گئے۔ قصر کے دروازے پر ہمارا استقبال کرنے والا محافظ دستے کا سالار موجود تھا۔ یہ آدم زاد اور آدم زادیاں بھی خوب ہیں! ذرا سی چھینک آ جائے تو طبیب کے پاس دوڑ لیتے ہیں' خواہ اس کی ضرورت نہ ہو! طبقہ امرا میں تو یہ "مرض" عام ہے۔

ملکہ خیرزان کو ہلکی سی حرارت ہو گئی تھی' سو کسی نے اس سے میرا ذکر کر دیا۔ اس نے کہا' بلواؤ بس آ گئی مصیبت!" دوڑیو لیکیو" ہونے لگی۔ عارج کو مردانے حصے ہی میں روک لیا گیا تھا۔

میں نے نسخہ لکھ دیا۔

ملکہ کے حکم پر قصر کا ایک خادم ہمارے ساتھ ہو لیا کہ دوا لے آئے۔ اسے عارج نے دوا بنا کر دے دی۔

قصر خلافت میں جاتے اور آتے ہوئے میں نے اپنی آنکھیں کھلی رکھی تھیں وہاں خلافت کے دعویدار عیسیٰ کا ذکر بھی میں نے سنا اسی دوران میں مجھے معلوم ہوا کہ خلیفہ نے اپنے دو سالاروں کو رحبہ بھیجا ہے۔

خلیفہ المہدی اس جھگڑے کو نمٹانا چاہتا تھا۔ اس نے اور اس کے بہی خواہوں نے فیصلہ کیا کہ الہادی کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا جائے۔ اس میں عیسیٰ رکاوٹیں ڈال رہا تھا۔ وہ اگر ولی عہدی کے دعوے سے مستقلاً دستبردار ہو جاتا تو خلیفہ کے لئے کوئی مسئلہ نہ رہتا۔

المہدی کے دو بیٹے تھے' ایک الہادی اور دوسرا ہارون' اسی ہارون کو بعد میں الرشید کا لقب ملا اور یہ ہارون الرشید کہلایا۔

قصہ مختصر یہ کہ عیسیٰ کو کوفے سے آنا ہی پڑا۔ اس نے بڑے ہاتھ پاؤں مارے کہ کسی طور الہادی کے ہاتھ پر بیعت کی نوبت نہ آئے مگر ناکام رہا۔ اس نے حالات سے صلح کر لی اور آدم زاد ایسا ہی کرتے ہیں۔

بغداد والوں نے دیکھا خلیفہ المہدی' عیسیٰ کے ساتھ جامع مسجد کی طرف آ رہا ہے اسے خلیفہ کی معاملہ فہمی ہی کہا جائے گا۔ عیسیٰ کا ذکر کیوں کہ بہت طویل کھینچ گیا تھا' سو میں نے اسے یہیں ختم کر دیا۔

☆......☆......☆

اس روز دوپہر کو جب قصر کا خادم دوا لے کر چلا گیا تو عارج مجھ سے بولا۔ "اے دینار! کیا تجھے انسانی قالب میں تنگی محسوس نہیں ہوتی؟" میں نے بغور اسے دیکھا۔

"کیا تو ابھی سے تنگ آ گیا اے عارج؟...... ابھی تو ہمیں زمانوں زمانوں اور جہانوں جہانوں کا سفر کرنا ہے...... میں بھی تیری ہی طرح جن زاد ہوں......یا جن زادی کہہ لے......" میں اسے سمجھانے لگی۔

پھر بھی اس وقت عارج کی کیفیت ایسی تھی کہ میں وقتی طور پر انسانی قالب سے نکل آئی۔ عارج نے بھی ایسا ہی کیا۔

"چل اے عارج' صحرا کی طرف چلتے ہیں۔"

عارج فوراً راضی ہو گیا۔ سیر سپاٹے کا تو وہ پہلے ہی سے عادی تھا۔ اسے یہ خبر نہیں تھی کہ یہ سیر سپاٹا بھی بے مقصد نہیں۔

ہم صحرا میں ایک نخلستان دیکھ کر وہاں اتر گئے۔

"اے دینار! زندگی کتنی خوبصورت ہے۔" عارج چہکنے لگا۔

"ہاں ہے تو سہی' میں بولی۔" پر اسی وقت تک جب خوابوں کی تتلیاں ہاتھ آ جائیں۔"

"لگتا ہے' تجھے شاعری بھی آتی ہے اے دینار!"

"یہاں سے کہیں اور چلتے ہیں۔"

"کہاں اے دینار؟"

"موصل۔" میں نے بتایا۔

"وہاں کیا ہے؟"

"اسی پابہ زنجیر قیدی کا حال معلوم کرنا ہے جسے موصل بھیجا گیا تھا۔ یاد آیا تجھے حسن

بن ابراہیم؟" میں نے کہا۔

"تو بھی عجب ہے اے دینار!...... میں تو سمجھ رہا تھا کہ گھوم پھر کر ہم واپس بغداد پہنچ جائیں گے۔"

"واپس تو خیر وہیں چلنا ہے لیکن کچھ دیر موصل میں......"

عارج بول اٹھا۔ "اچھا چل!...... ورنہ پھر شام کو مطب کھولنے میں دیر ہو جائے گی۔"

اس نخلستان سے میں نے موصل کا رخ کیا اور وہاں پہنچتے ہی مجھے ایک سنسنی خیز خبر ملی۔

حسن بن ابراہیم قید خانے سے فرار ہو چکا ہے۔

یہی وہ حسن تھا کہ خطابت میں جس کی بڑی شہرت تھی۔ میں نے اسے قصر خلافت میں دیکھا تھا۔ یعقوب، حسن کے ساتھ قید تھا' اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ خلیفہ کی نظروں میں وہ چڑھ گیا۔ دوسری جانب وہ حسن سے بھی ملا ہوا تھا۔ خلیفہ سے ایک ملاقات میں یعقوب نے کہا کہ حسن کو امان مل جائے تو وہ اسے خلیفہ کے حضور پیش کر سکتا ہے۔ خلیفہ المہدی نے یعقوب کی بات مان لی۔

حسن کی ذہانت سے خلیفہ بڑا متاثر ہوا اور اسے وقت بے وقت حاضری کی اجازت دے دی وہ اسی لائق تھا اور حسب لیاقت خلیفہ نے اسے اپنا مشیر بنا لیا۔ وہ دربار خلافت میں حاضر ہو کر سرحدی امور' عساکر اسلامیہ' تعمیرات قلعات' قیدیوں کی رہائی اور معافی' زر جرمانہ اور مستحقین کو صدقات دینے کی بابت مشورے دیتا تھا۔ خلیفہ نے اس آدم زاد حسن کو اس کی خدمت کے صلے میں ایک لاکھ درہم بھی عطا کئے یوں خلیفہ نے اپنے ایک بڑے مخالف کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔

یہ اس آدم زاد حسن کا قصہ ہے جس کے پرستار اب خلیفہ کا دم بھرنے لگے۔ آدم زادوں میں وفاداریاں تبدیل کر لینا ایک عام سی بات ہے۔ میں نے ان آدم زادوں کے بڑے رنگ دیکھے ہیں اور ان کے سنگ رہی ہوں۔

بلاشبہ یہ مسلمانوں کے عروج کا زمانہ تھا اس حقیقت کو بھلا کون بدل سکتا ہے! وہ جنہوں نے یوجوہ ایسی کوششیں کیں ہم میں سے نہ تھے وہ مسلمانوں سے جلتے اور الزام تراشیاں شروع کر دیتے۔ انہیں حسد تھا اور وہ آدم زادوں کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کے درپے

تھے۔ میں جس زمانے کی بات کر رہی ہوں' وہ زمانہ اور تھا۔ یہ زمانہ اور ہے' زمان و مکان کی تبدیلی چہروں اور منظروں کو دھندلا دیتی ہے سو یہ منظر اس دور کے بغداد کا ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ اسی لئے تو جس کے جی میں جو آتا ہے' بک دیتا ہے' کوئی کہتا ہے کہ ڈینگیں ماری جا رہی ہیں' کسی کا فرمانا ہے کہ اپنے ماضی کو بھول جاؤ اور اپنے حال کو دیکھو' کس حالت میں ہو! تو کیا ہم اپنے اجداد پر فخر کرنا چھوڑ دیں اور انہیں برا کہیں' مگر کیوں؟ مسلمان بہت برے ہیں تو پھر اچھا کون ہے یہ کوئی بتائے!

میں شاید جذباتی ہو کر وعظ کرنے لگی ہوں' وعظ کہنے پر مجھے اپنے قبیلے کا عالم سوما یاد آ رہا ہے اب تک میری تعلیم کا سلسلہ جاری تھا۔ عارج کو ساتھ لے کر میں مقررہ وقت پر بلاناغہ سوما کے پاس پہنچ جاتی۔ اسی کی وجہ سے مجھے بغداد میں مطب کھولنے کی اجازت ملی تھی ورنہ میرا باپ اخشم شاید اس پر آمادہ نہ ہوتا۔

بغداد کے سیاسی حالات' نفاق دور ہونے سے بڑی حد تک پرسکون ہو گئے تھے۔ خلیفہ المہدی کے چہرے پر اب فکر و پریشانی نظر نہ آتی تھی۔ اب اس نے اپنے گرد ذہین آدم زادوں کو جمع کر لیا تھا جو اسے بہتر مشورے دیتے۔ ان میں سے اہم عہدوں پر متعین جو آدم زاد بہتر کام نہ کرتے اور ان کی کارکردگی مناسب نہ ہوتی' المہدی انہیں بدل دیتا۔ اس کی واضح مثال المہدی کا وزیر ابوعبداللہ ہے۔

ہوا کیا کہ ابوعبداللہ ہی نے یعقوب کو المہدی تک پہنچنے کا راستہ دیا اور یعقوب نے اسی کی کاٹ شروع کر دی۔ ابوعبداللہ اگر واقعی لائق ہوتا تو اسے اپنے منصب سے کون ہٹاتا!

ابوعبداللہ عہد حکومت المنصور میں المہدی سے ملا تھا۔ المہدی نے اس کی بے حد عزت کی تھی اور اسے اپنے ساتھ خراسان لے گیا تھا کیونکہ ابوعبداللہ کے کاموں پر المہدی کو پورا پورا اعتماد ہو گیا تھا۔ اس لئے لوگوں نے اس کی چغلی شروع کر دی۔

المنصور کے آزاد کردہ غلام ربیع کا ذکر میری داستان میں پہلے بھی آ چکا ہے سو وہ اپنے آقا المنصور کی حکومت کو پھولتے پھلتے دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ اسے چغل خوری پسند نہ تھی مگر چغل خور کب کسی کی پسند ناپسند دیکھتے ہیں! اس فضا کو بدلنے اور ابوعبداللہ کا دفاع کرنے میں ربیع مستعد رہتا۔ ربیع گویا ابوعبداللہ کی ڈھال بن گیا۔ اسی وجہ سے المنصور نے اپنے بیٹے المہدی کے نام اس وقت ایک پیغام بھیجا تھا جب وہ خراسان میں تھا۔ پیغام کے الفاظ یہ تھے "ابوعبداللہ کے متعلق کسی کے کہنے سننے کا کچھ خیال نہ کرنا!"

اپنے باپ کی یہ تاکید المہدی کو یادتھی۔ ربیع بھی ابوعبداللہ کو بھولا نہ تھا۔ المہدی خلیفہ بن گیا تو ربیع' ابوعبداللہ کے مکان پر اس سے ملنے گیا۔ ربیع کے بیٹے فضل نے باپ سے اختلاف کیا۔ اس پر ربیع بولا۔ ''تم ابھی بچے ہو'ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہ وزیر ہے اس کے ساتھ اب عہدے کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ دیکھو جو برتاؤ ہم اس کے ساتھ کریں' اس میں تم مداخلت نہ کرنا اور نہ کسی سے اس کا تذکرہ کرنا۔''

ابوعبداللہ ان آدم زادوں میں سے تھا جو زمین پر اکڑ کر چلتے ہیں۔ اسے وزیر ہونے کا غرور تھا۔ اسی سبب اس نے ربیع کو فوراً حاضری کی اجازت نہ دی۔ وہ مغرب کے وقت سے ابوعبداللہ کی ڈیوڑھی پر ٹھہرا رہا۔ جب نماز عشاء پڑھ لی گئی تو حاضری کی اجازت ملی۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ابوعبداللہ' ربیع کا پر جوش استقبال کرتا مگر وہ مسند بچھائے تکیہ لگائے بیٹھا رہا' اٹھ کر بھی نہیں بیٹھا۔

ربیع نے مکے میں سابق خلیفہ المنصور کی تدفین کا تفصیل سے ذکر کیا۔ اسے مکے سے آئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔

درمیان ہی میں ابوعبداللہ بول اٹھا۔ ''ہاں ہم کو تمہاری کارگزاریوں کے بارے میں معلوم ہوا ہے۔'' یہ کہہ کر ابوعبداللہ نے خاموشی اختیار کر لی۔

اس طرح بات کا شار ربیع کو کھل گیا۔ وہ کوئی کم رتبہ شخص نہ تھا۔ کچھ دیر وہ چپ بیٹھا رہا کہ وزیر ابوعبداللہ کچھ کہے مگر ایسا نہ ہوا۔ مجبوراً ربیع وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔ فضل نے پھر اپنے باپ ربیع سے کہا۔ ''آپ نے یہ کام غیر مناسب کیا۔''

ربیع نے جواب دیا۔ ''نہیں!...... جو میں نے کیا' وہی مناسب تھا...... مگر اب...... اب میں اپنی بے عزتی کا بدلا ضرور لوں گا!'' ربیع جذباتی ہو کر مزید کہنے لگا۔ ''یاد رکھنا تم فضل کہ میں اپنی عزت' آبرو اور مال اس کی تذلیل میں مٹا دوں گا!''

''اب اس سے کیا حاصل!'' فضل برا سا منہ بنا کر بولا۔ ''جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔''

اس واقع کے بعد ربیع' ابوعبداللہ کے عیبوں کو تلاش کرنے لگا۔ یہ خبر ابوعبداللہ کو بھی ہو گئی' لیکن غرور کم نہ ہوا البتہ احتیاط کرنے لگا کہ ربیع اسے نیچا نہ دکھا سکے۔ اسے حرف گیری کا موقع نہ ملے۔

ربیع نے بات بنتے نہ دیکھی تو وہی راستہ اختیار کیا' پہلے جس کے خلاف تھا۔ اس نے ایک روز موقع محل دیکھ کر اپنے آقا زادے المہدی سے ابوعبداللہ کی چغلی کھائی۔ ربیع نے

المہدی سے کہا۔ ''اے امیر المومنین ابوعبداللہ کا بیٹا محمد مرتد ہو گیا ہے۔'' پھر ایسی باتیں کیں جن سے ظاہر ہے المہدی بھڑک اٹھا۔

کوئی سچی بات بھی کہے تو یہ آدم زاد اسی طرح بھڑک اٹھتے ہیں۔ المہدی بھی آدمی تھا سو اس نے الزام لگائے جانے کا پورا پورا اثر لیا۔ ایک دن جب ابوعبداللہ دربار میں نہ تھا تو اس کے بیٹے محمد کو دربار میں اس کی جگہ ربیع نے بٹھوا دیا وہ بہر حال بااثر شخص تھا۔ عموماً وزیر ابوعبداللہ دربار میں دیر سے آتا تھا سو اسے المہدی نے طلب کیا۔

جب ابوعبداللہ آ گیا تو المہدی' محمد سے مخاطب ہوا۔ ''کوئی سورۃ' کوئی آیت سناؤ!''

محمد غالباً گھبراہٹ میں فوری طور پر کوئی آیت نہ پڑھ سکا۔

اس پر المہدی نے ابوعبداللہ سے کہا۔ ''تم تو کہتے تھے میرا بیٹا پڑھا لکھا ہے!''

''دو برس ہو گئے کہ یہ مجھ سے الگ ہے۔'' وزیر ابوعبداللہ نے اپنی صفائی پیش کی۔ ''امیر المومنین! شاید یہ بھول گیا ہے۔''

اقتدار کی دھوپ چھاؤں میں کچھ خونی منظر بھی ہوتے ہیں' انہی میں سے ایک منظر یہ تھا۔

المہدی نے ابوعبداللہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو قتل کر دے۔

ابوعبداللہ حکم کی تعمیل کے لئے اٹھا' اس کا سر پر غرور چکرا گیا اور وہ غش کھا کے گر پڑا۔

آدم زاد حکمرانوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ قانون کا درجہ رکھتے تھے۔ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ جو کہہ دیں اس پر عمل نہ ہو کسی حد تک دوسرے زمانوں میں بھی یہی ہوا۔

ایک حکمراں کے حکم پر وزیر کے بیٹے کا سر کاٹ دیا گیا' سر کاٹنے والا کوئی اور درباری تھا۔

بیٹے کی جان گئی سو گئی' ابوعبداللہ کو اب اپنی جان کی فکر ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے المہدی کے رویے میں اپنے لئے نفرت محسوس کر لی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ نفرت بڑھتی گئی۔ دیوان انشا' یعنی خط و کتابت کا محکمہ بھی ابوعبداللہ کے پاس تھا۔ یہ محکمہ اس لئے بڑی اہمیت رکھتا تھا کہ خلیفہ کے احکام اسی کے ذریعے بھیجے جاتے تھے۔ سب سے پہلے ابوعبداللہ سے یہی محکمہ واپس لیا گیا۔ اسے معزول کر کے ربیع کو مقرر کر دیا گیا۔ اقتدار کے ایوانوں میں یہ اکھاڑ پچھاڑ

ہر زمانے میں ہوتی آئی ہے۔ ''سہاگن وہی' جو پیا من بھائے'' والی بات تھی۔

آدم زاد اگر محبت کرتے ہیں تو نفرت میں بھی ان کا کوئی جواب نہیں۔ کسی پر مہربان ہوں گے تو سب کچھ اسے سونپ دیں گے' نفرت پر اتر آئیں تو جان لے لیں گے۔ یہ باتیں میں اس لئے نہیں کہہ رہی کہ جن زادی ہوں اور اپنے گریبان میں نہیں جھانکتی۔ گریبان گیر' ربیع ہو کہ خلیفہ وقت' غرور کا سر نیچا ضرور ہوتا ہے۔ سو ابوعبداللہ نے اس کا نتیجہ بھگتا۔ اگر وہ ربیع کے ساتھ شرافت سے پیش آتا تو اسے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔

یعقوب کی عزت المہدی کی نظروں میں بڑھتی گئی۔ اس کی توقیر اتنی بڑھی کہ تمام ممالک محروسہ میں اسی کے مقرر کئے ہوئے امین نظر آتے تھے۔ المہدی جو حکم صادر کرتا' اس کا نفاذ بغیر دستخط یعقوب نہ ہوتا۔ تمام احکام وزیر یعقوب ہی کے امینوں کے ہاتھوں انجام پاتے۔ خلیفہ کے بعد اب یعقوب ہی کا درجہ تھا۔ وقت بھی کتنا ستم ظریف ہے! یہی یعقوب اپنے غلط عقائد کی بنا پر کبھی قید تھا اور اب ساری سلطنت جیسے اسی کی تھی جو چاہتا کرتا' مگر خلیفہ کا دم بھرتا۔ اس کا انجام آگے آئے گا۔ خلیفہ المنصور نے اسے بلاوجہ قید میں نہیں ڈالا تھا۔

میں انسانی قالب میں رہوں نہ رہوں' قصر خلافت میں میری آمد ورفت رہتی۔

اس پر ایک دن عارج نے مجھ سے سوال کیا۔ ''اے دینار! تو ان دنوں کچھ زیادہ ہی قصر خلافت میں آنے جانے لگی ہے' کیوں؟''

''پہلے تو یہ بتا اے عارج! تجھے مجھ پر بھروسا ہے کہ نہیں؟''

''تو نے یہ کیا بات کر دی! ... میرا کہنا تو یہ ہے کہ کوئی بھی آدم زاد حکمرانی کرے ہمیں کیا؟..... ہم تو یہاں غریب آدم زادوں کی مدد کرنے آئے ہیں۔''

''تو کر رہے ہیں مدد!......لیکن انہی مجبوروں اور لاچاروں کی قسمت حکمرانوں کے ہاتھ میں ہے۔ تو نے کبھی سوچا اے عارج! کہ ان آدم زادوں کے منہ سے نوالہ کس نے چھینا ہے جنہیں ہم مدد کا مستحق کہتے ہیں!.....قصر خلافت میں وہ فیصلے کئے جاتے ہیں جن کا اثر امیر غریب سب پر پڑتا ہے۔ تو پھر تو مجھے غافل رہنے کی تلقین کیوں کر رہا ہے؟''

''تو خواہ مخواہ بھڑک رہی ہے دینار! میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی۔''

''بس بس رہنے دے' میں تجھے خوب سمجھتی ہوں!''

''حد ہو گئی اے دینار!...... کہیں قصر خلافت میں کسی آدم زاد سے تیرا جھگڑا تو نہیں ہوا!......''

''آ گیا نا اصل بات پر!......تو مجھ پر شک کرتا ہے کہ میں......میرے تعلقات ہیں آدم زادوں سے!''

''اگر شک کرتا تجھ پر تو تیرے ساتھ لگا ہوا یہاں بغداد نہ آتا دینار!......بات بے بات کیوں جھگڑنے لگتی ہے مجھ سے!''

''مزہ آتا ہے تجھ سے لڑنے میں!''

''تو اپنے مزے کی خاطر مجھے بے مزہ کر دیتی ہے۔''

اس روز جمعہ تھا مطب کی چھٹی تھی۔ عارج کو ساتھ لے کر میں بغداد کی سیر کو نکلی تھی۔ ہم دونوں انسانی قالبوں میں تھے۔ میں نے حسب معمول چادر اوڑھ رکھی تھی۔ شہر کے لوگ ہمیں جاننے پہچاننے لگے تھے۔

''وہ جا رہے ہیں محترم طبیب اور طبیبہ۔'' کوئی اشارہ کرتے ہوئے کہتا۔

''یہ لوگ دوا کے دام نہ ہونے کے برابر لیتے ہیں' بھلا ایک حبہ کی بھی کوئی حیثیت ہے۔''

''اللہ انہیں اس کی جزا دے گا۔''

''غریبوں پر یہ دونوں ہی بہت مہربان ہیں۔''

لوگوں کے مختلف تبصرے اپنے بارے میں سن کر سچ بات یہ ہے کہ مجھے بڑی خوشی ہوتی۔

''چل اے عارج! ادھر بازار کی طرف چلتے ہیں۔ وہاں ایک سرائے میں کوئی نیا قصہ گو آیا ہے۔''

''تجھے کیسے معلوم ہوا اے دینار؟'' عارج نے پوچھا۔

میں نے چڑ کر کہا۔ ''خود قصہ گو نے مجھے آ کر بتایا تھا کہ میں آ گیا ہوں بغداد اب تم بھی چلی آؤ!''

''لاحول ولا..... پھر مجھ سے جھگڑنے لگی تو!..... یہ تو خیال کر کہ ہم انسانی قالب میں ہیں!'' عارج کہنے لگا۔ ''اور یہ شہر ہے' ہمارے اریب قریب سے آدم زاد گزر رہے ہیں۔ کیا سوچیں گے یہ؟'' اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

''سب کچھ میں ہی خیال کئے جاؤں!'' میں منہ بنا کر بولی۔ ''تو کچھ نہ سمجھ۔''

''مجھ سے کیا چاہتی ہے؟ بول تو سہی کبھی اے دینار!''

"کچھ نہیں۔" میں نے عارج سے بحث نہ کی۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا آدم زاد ہماری طرف متوجہ ہونے لگے تھے۔

شام کے وقت بغداد کے اس مرکزی بازار میں یوں بھی بڑی بھیڑ رہتی تھی میں اس بھیڑ سے بچتی بچاتی بازار کی مطلوبہ سرائے میں پہنچ گئی۔ بغداد والوں کو قصے سننے اور سنانے کا بہت شوق تھا۔ سرائے والے گرہ سے دام خرچ کر کے اچھے سے اچھے قصہ گو کو بلاتے کہ مسافر انہی کی سرائے میں آئیں خود قصہ کہنے والے بھی بغداد ہی کا رخ کرتے۔ عارج کو ساتھ لئے میں جب اس سرائے میں داخل ہوئی تو ہمیں سرائے کا مالک کشاں کشاں اپنے دالان میں لے آیا۔

"اے طبیب صارم! خادم اس عزت افزائی پر تہ دل سے آپ کا ممنون ہے کہ یہاں قدم رنجہ فرمایا۔" وہ عارج سے مخاطب تھا۔

"شکریہ! دراصل ہمیں پتا چلا تھا کہ آپ کی سرائے میں کوئی قصہ گو......"

"جی..... جی ہاں' قطع کلامی کی معافی چاہتا ہوں۔" سرائے کا مالک بول اٹھا۔

"کیا اس قصہ گو سے ہم مل سکتے ہیں!" میں دھیمی آواز میں بولی' اس کے ساتھ سر پر چادر درست کی جو پھسل رہی تھی۔

"کیوں نہیں محترمہ!.....اگر حکم ہو تو ابھی......"

اس بار میں نے سرائے کے مالک کی بات کاٹ دی۔ "ہم نے ابھی آپ کو کوئی حکم تو نہیں دیا۔"

"آپ کا ہر لفظ میرے لئے حکم ہی کا درجہ رکھتا ہے۔" سرائے کا مالک "کمبل" ہو گیا۔

"کیا کہہ رہے تھے آپ..... اپنی بات پوری کریں۔" میں نے جان چھڑانی چاہی۔

"قصہ گو بعد نماز عشاء قصہ کہتا ہے مگر......"

مختصر یہ کہ سرائے کے مالک نے ہمارے لئے اپنے مکان پر قصہ سنانے کا بندوبست کر دیا۔ اس رات سے قبل میں نے عالم سوما سے بھی چھٹی لے لی تھی جمعے کے روز میں سیر سپاٹے کے لئے پہلے ہی سوچ چکی تھی۔

قصہ گو کو ہماری اہمیت کا اندازہ تھا' وہ اسی سبب بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر حواس باختگی کے آثار تھے۔

"اے قصہ گو! تو اسی طرح گھبرایا رہا تو قصہ نہ کہہ سکے گا۔" میں نے اسے مخاطب کیا۔ یہ میرا مخصوص لہجہ تھا۔ مقصد یہ تھا کہ وہ جھجکے نہیں۔

عارج نے بھی شمع دان قصہ گو کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "اب دیر نہ کر' ہمیں جانا بھی ہے۔"

"اگر حضور کو جانا ہی تھا تو آنا نہ تھا۔" قصہ گو ادب سے بولا۔ "قصہ کہنا ہی میرا فن ہے..... خلوت ہو کہ جلوت......"

"معلوم ہے' تو آگے کہہ!"

"رات بھر بھی گزر سکتی ہے۔" اس نے دیگر قصہ گویوں کی طرح نخرا کیا۔ "تمہید نہ باندھ! قصہ سنا۔ میں بولی تیرا قصہ دلچسپ ہوا تو ہم خود ہی نہ اٹھ سکیں گے۔"

قصہ گو کے لئے یہ گویا انتباہ تھا' کہنے لگا۔ "کہاں کا قصہ بیان کروں؟"

"اسی سرزمین عرب کا کوئی قصہ سنا۔" میں نے فرمائش کی۔

"ہوں!" اس نے ہنکارا بھرا۔

وہ مزید کچھ کہنے والا تھا کہ میں نے اسے ٹوک دیا۔ "تمہید نہیں' قصہ!"

پھر اس نے وہ سماں باندھا کہ میں دنگ رہ گئی یونان سے قصے کا آغاز ہوا جو کبھی علم و فضل کا مرکز تھا میں غور سے سننے لگی۔

☆......☆......☆

سوداگروں کا ایک قافلہ رومی سلطنت کے مشرقی علاقے سے ایتھنز پہنچا۔ ہر سوداگر مال تجارت کے انبار اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی بیشتر تاجروں نے شہر کے مرکزی بازار کا رخ کیا مگر بعض کمزور اور بوڑھے لوگ تھکن سے چور تھے۔ وہ تازہ دم ہونے کے لئے قریبی سرائے میں جا ٹھہرے۔ صرف ایک مسافر ایسا تھا جو نہ بازار گیا' نہ سرائے۔ اس کے پاس سامان بھی برائے نام تھا بس ضرورت کے مطابق اس کی عمر ابھی جوانی کی سرحدوں میں تھی۔

وہ لمبے قد والا خوب رو نوجوان تھا' اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا اور آنکھیں ویران تھیں' لباس قیمتی ہونے کے باوجود شکن شکن تھا اور سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اسے اپنی کچھ خبر نہ تھی۔ اس کی حالت کسی ایسے مسافر جیسی تھی جسے کسی ویرانے میں لوٹ لیا گیا ہو۔ قافلے سے الگ ہو کر تھکے تھکے بوجھل قدموں سے وہ ایک طرف چل دیا۔ چلتے چلتے وہ ایک

ایسی آبادی میں پہنچ گیا جہاں ایتھنز کے امراء رہتے تھے۔ اس پر فضا آبادی میں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے سرخ اینٹوں کے کشادہ مکان بنے ہوتے تھے۔

مکانات کے اردگرد پیڑوں کی کثرت تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ بستی ایک وسیع و عریض باغ میں بسائی گئی ہو۔

مسافر ایک مکان کے سامنے رک گیا۔ مکان کے دروازے پر ایک دربان کھڑا تھا۔

''کیا تمہارے آقا لونگی نوس گھر پر موجود ہیں؟''

دربان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

مسافر بولا۔ ''انہیں جا کر بتاؤ کہ ان کا ایک دوست بہت دور سے آیا ہے۔''

بطور تعظیم دربان تھوڑا سا جھکا اور پلٹ کر اندر چلا گیا۔ چند لمحوں بعد اس کے ساتھ ایک شگفتہ رو آدمی دروازے پر نمودار ہوا۔ وہ آدمی مسافر کا ہم پلہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کی عمر چالیس بیالیس برس سے زیادہ نہیں تھی۔ نیلے ریشمی لبادے پر اس کا چہرا ایسا لگ رہا تھا جیسے الماری پر کوئی مرمریں مجسمہ رکھا ہو۔ اس کے چوڑے شانوں پر پھیلے ہوئے سیاہ اور معطر گیسو دھوپ میں چمک رہے تھے۔

مسافر کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں ستارے روشن ہو گئے۔

''طالیس تم؟'' وہ بازو پھیلا کے مسافر سے لپٹ گیا۔ ''اندر کیوں نہ چلے آئے بھلے آدمی!''

وہ طالیس کا بازو تھامے اسے گھر میں لے گیا۔ دربان نے باہر سے دروازہ بھیڑ دیا۔

نشست گاہ میں تمام ضروری اور خوبصورت چیزیں موجود تھیں۔ سفید براق چاندنی پر دبیز ایرانی قالین بچھا تھا۔ دونوں دوست قالین پر گاؤ تکیوں سے ٹیک کر بیٹھ گئے۔ ان کے درمیان چاندی کی طشتریوں میں تازہ پھل اور خشک میوے رکھے تھے اور ایک بلوریں صراحی میں سرخ رنگ کا کوئی مشروب بھرا تھا۔ اس مشروب سے بڑی اشتہا انگیز خوشبو اٹھ رہی تھی۔

لونگی نوس نے ایک جام میں مشروب انڈیل کر طالیس کی طرف بڑھایا۔

طالیس نے گردن ہلا کر انکار کر دیا۔ ''شکریہ میرے دوست! مجھے خواہش نہیں ہے۔ میری بھوک پیاس تو تدمر میں اڑ گئی تھی۔ اس شہر نے مجھے لوٹ لیا۔''

''حیرت ہے۔'' لونگی نوس نے جام آہستگی سے اس کے سامنے رکھ دیا، پھر بولا۔ ''تدمر تو سوداگروں کی جنت ہے تم اس سونے کی کان سے کچھ نہیں لائے؟''

طالیس نے ڈولتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''لایا ہوں..... بہت نادر شے لایا ہوں، مگر اس کے بدلے خود کو وہیں چھوڑ آیا ہوں۔ جو طالیس اس وقت تمہارے سامنے ہے، یہ طالیس نہیں اس کا سایہ ہے..... ایک بے روح پتلا..... ایک خالی خالی سینہ۔''

لونگی نوس کچھ دیر ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا رہا پھر کہا۔ ''تو یہ بات ہے۔'' وہ پر خیال انداز میں مسکرایا۔ ''مگر یہ سب کچھ ہوا کیسے؟ ..... کہاں تم اور کہاں یہ ماجرا۔ دل کے معاملے کو تو تم ہمیشہ خرافات کہتے رہے ہو۔ اب کیا ہو گیا ہے تمہیں.....؟ کس کی نظر تمہیں کھا گئی؟''

طالیس کی پتلیاں ساکت ہو گئیں جیسے تصور میں کسی نقطے پر جم گئی ہوں۔

''کیا بتاؤں وہ ایک دیوی ہے۔'' آخر طالیس کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی۔ بنانے والے نے اسے منفرد بنایا ہے۔ وہ کسی مغنی کا لحن ہے، کسی شاعر کا شعر ہے۔ تم ایک جہاں دیدہ آدمی ہو۔ میرے دوست! مشرق و مغرب کے اسرار تم پر آئینہ ہیں۔ تمہارا سینہ علوم و فنون کا خزینہ ہے۔ یقین کرو ایسی شے تم نے کبھی دیکھی تو کیا ہو گی، کتابوں میں بھی نہ پڑھی ہو گی۔''

لونگی نوس بولا۔ ''میں تمہاری خوش نگاہی کا قائل ہوں۔ مجھے خبر ہے، کوئی ایسی ویسی شے تمہارا پتھر نہیں پگھلا سکتی۔ کون ہے وہ، میں بھی تو سنوں۔''

''اس کا نام زنوبیا ہے۔ ملکہ زنوبیا۔ وہ تدمر کے حاکم اذینہ کی بیوی ہے۔ میں نے اسے دیکھا تو اپنے سفر کا مقصد فراموش کر بیٹھا..... کسی غیر کو اس نظر سے دیکھنا برا ہے..... سو مجھے یہی رنج ہے کہ میں نے کسی اور کی زوجہ کو یوں کیوں دیکھا!..... اس بار میں نے نہ کچھ بیچا نہ خریدا، خالی ہاتھ لوٹا ہوں..... پھر بھی بہت بھاری، بہت بوجھل۔'' پھر وہ خواب ناک سی آواز میں آہستہ آہستہ زنوبیا کے حسن و جمال کا نقشہ کھینچنے لگا۔

لونگی نوس، ملکہ زنوبیا کی دل فریبی کے قصے سن چکا تھا اور اسے دیکھنے کی آرزو رکھتا تھا۔ طالیس کی والہانہ باتوں نے اسے اور بے چین کر دیا۔ اس کا رنگ بدلنے لگا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے خوابوں نے رنگوں اور روشنیوں کے جس پیکر کی برسوں آبیاری کی تھی، وہ طالیس کے ہونٹوں پر ایک گلاب کی طرح کھل اٹھا ہے۔ لونگی نوس کو اپنا سینہ تھامنا پڑا۔

ایک عرصے تک لونگی نوس کوشش کرتا رہا کہ زنوبیا کا خیال اپنے دل سے نکال دے۔ وہ اپنے دوست طالیس کی اس بات سے متفق تھا کہ پرائی عورت پر نظر نہیں ڈالنی

چاہیے۔ وہ پہروں خود کو سمجھاتا رہا کہ زنوبیا کسی اور کی ہے' میری نہیں۔ مجھے اس کی تمنا نہیں کرنی' مگر زنوبیا اس کے خیالوں میں خوشبو کی طرح بستی چلی گئی۔ وہ بے بس ہو گیا دماغ میں کسی کا خیال آنے سے کون روک سکا ہے جو لونگی نوس کامیاب ہو جاتا۔

کبھی وہ تصور کی آنکھ سے دیکھتا کہ زنوبیا اپنا چار گھوڑوں کا رتھ روک کر اسے قریب آنے کا اشارہ کر رہی ہے اور کبھی اسے یہ نظر آتا کہ وہ زنوبیا کے ارغوانی لباس کا دامن تھامے ہوئے ہے۔

ان خیالات نے رفتہ رفتہ اس کا جی ہر شے سے اچاٹ کر دیا۔ زنوبیا اس کے دل و دماغ پر چھا گئی۔

وہ تدمر کبھی نہیں گیا تھا لیکن وہاں کے بارے میں اسے پوری معلومات حاصل تھیں کیوں نہ حاصل ہوتیں' آخر وہ زنوبیا کا شہر تھا' زنوبیا کا عظیم الشان شہر' تدمر دو عظیم سلطنتوں کے بیچ میں واقع تھا اور صحرا کے قلب میں ہر طرف سے کٹا ہوا تھا۔ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں یہ ایک اہم تجارتی منڈی تھی۔ اس کے ایک طرف پارتھی سلطنت تھی اور دوسری طرف رومی سلطنت۔

اس صورتحال سے تدمر کے تاجر خوب فائدہ اٹھاتے۔ تجارتی قافلے' قبائلی سرداروں سے سلامتی کے ساتھ گزر جانے کے عہد نامے حاصل کرتے۔ سنسان علاقوں کے لئے رہبروں کے علاوہ تیر انداز بھی ساتھ رکھے جاتے تھے تاکہ بدوؤں کے ناگہانی حملوں کا دفاع ہو سکے۔ مال و اسباب پر بھاری محصول وصول کیا جاتا تھا۔ بحیرہ روم کے وسیع حصے سے جو سامان ایران' ہندوستان اور چین بھیجا جاتا وہ سب تدمریوں کے ہاتھوں سے گزرتا۔ رومیوں نے اس علاقے میں کئی شاہراہیں بنا دی تھیں۔ ان کے باعث تدمر ایک طرف وادی فرات کے ساتھ جا ملتا تھا' دوسری طرف دمشق سے۔

245 عیسوی میں لونگی نوس دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایتھنز سے تدمر کے لئے روانہ ہو گیا۔ یہ زمانہ اسلام آنے سے پہلے کا ہے تدمر میں پرانے پارتھی حکمرانوں کی جگہ ایک نیا اور سرگرم خاندان برسر اقتدار آ چکا تھا۔ یہ ایران کا ساسانی خاندان تھا۔ لونگی نوس اپنے دور کا ایک نامور فلسفی تھا۔

تدمر کے حاکم اذینہ نے اسی لئے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنے مشیروں میں شامل کر لیا' خاص مشیروں میں۔

ان دنوں اذینہ کا ستارہ عروج پر تھا۔ لیکن لونگی نوس وہاں اذینہ کے لئے نہیں آیا تھا اس کے لئے زنوبیا اہمیت رکھتی تھی۔ دربار میں پہنچ کر اسے جلد ہی زنوبیا کا دیدار نصیب ہو گیا۔ اس نے زنوبیا کو دیکھا تو اپنے آپ کو بھول گیا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے جاگتے میں خواب دیکھ رہا ہو۔ زنوبیا اس کے تصور سے زیادہ حسین نکلی۔

شکار اور شہسواری کا زنوبیا کو بہت شوق تھا۔ وہ ہر شام بڑے ستونوں والے عالی شان قصر کے سامنے کھلے میدان میں گھڑ سواری کرنے آتی۔ اسے معلوم نہ تھا کہ قصر کے ایک ادھ کھلے دریچے سے دو آنکھیں اس پر جمی رہتی ہیں۔ وہ جب تک میدان میں رہتی' آنکھیں دریچے سے نہ ہٹتیں۔ اذینہ نے یہ قصر اپنے امرائے دربار کے لئے تعمیر کرایا تھا۔

اسی قصر میں لونگی نوس کا قیام بھی تھا۔ قصر کے دریچے سے وہ زنوبیا کو دیکھ تو لیتا لیکن ابھی اس سے ہم کلامی کا موقع نہیں ملا تھا۔ ایک شام وہ محویت کے عالم میں دریچے سے میدان کا نظارہ کر رہا تھا کہ اچانک اسے محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا ہے۔ وہ چونک کر پلٹا تو اسے حرمان نظر آیا۔

جواں سال حرمان' اذینہ کا قریبی رشتے دار تھا۔ رشتے میں اذینہ اس کا چچا لگتا تھا۔ وہ لونگی نوس سے یونانی ادب کا درس لیتا تھا۔ وہی نہیں حکمراں خاندان کے اور افراد بھی اس سے درس لیتے تھے' مگر یہ درس کا وقت نہیں تھا۔

لونگی نوس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ''شہزادے! آپ یہاں؟...... اس وقت کیسے آنا ہوا؟''

''استاد مکرم ہمیں ایک خاص معاملے میں آپ کی صلاح درکار ہے۔'' حرمان ادب سے اس کے سامنے جھکا۔

لونگی نوس کو اس کی بے وقت مداخلت گراں گزری تھی' مگر اس نے احساس نہ ہونے دیا۔ وہ دریچے سے ہٹ آیا اور حرمان کو اپنے پاس بٹھا کے دریافت کیا۔ ''کیا بات ہے شہزادے؟''

حرمان دبی آواز میں بولا۔ ''جناب! آج تدمر کی بوڑھی کاہنہ نے ہمارے کان میں ایک سرگوشی کی ہے' سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمیں اس کی بات دہرانی چاہیے یا نہیں!

''اس نے کیا کہا ہے شہزادے؟ میں ہمہ تن گوش ہوں۔''

حرمان جھجکا' پھر اس نے ادھر ادھر دیکھ کے احتیاط سے کہا۔ ''کاہنہ کا کہنا ہے کہ

ہمارے عم محترم اذینہ کا آخری وقت قریب ہے.... اور ہمارے منہ میں خاک وہ.... وہ اس دنیا میں نہیں رہیں گے۔"

لونگی کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں اور بولا۔ "حاکم اذینہ تمہارے سگے چچا تو نہیں ہیں!"

"رشتے کے چچا ہیں، مگر ہیں تو سہی!"

"پھر؟" لونگی نوس کے منہ سے نکلا۔

"ہم سخت تشویش میں مبتلا ہیں استاد مکرم!" حرمان کا لہجہ غم آلود ہو گیا۔ "آپ جانتے ہیں ہمارے چچا کے بیٹے ابھی بلوغ کے زینے تک نہیں پہنچے ہیں.... کیا چچا نہ رہے تو ان کی ذمے داری ہمیں اپنے ناتواں کندھوں پر سنبھالنی ہوگی؟.... کیا ہمیں اس کے لئے تیار رہنا چاہئے؟"

"کاہنہ بکواس کرتی ہے۔" لونگی نوس مشتعل ہو گیا۔ "آپ اس کی بات پر کان نہ دھریں اور اپنے شفیق چچا کا برا نہ سوچیں۔ یہ بات بالکل بھلا دیجئے میں بھی دوبارہ اسے یاد نہیں کروں گا۔"

"لیکن.... لیکن...." وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کہئے شہزادے، آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں.... کھل کر کہئے آپ کو ہم پر اعتماد ہونا چاہئے۔"

"اعتماد ہی تو اس گفتگو کا محرک ہے استاد محترم!" حرمان کی آنکھیں جلنے بجھنے لگیں۔ "ہم یہ.... یہ سوچ رہے ہیں کہ بنصیب دشمناں اگر.... کاہنہ کی بات سچ ثابت ہو گئی تو ہماری.... رشتے ہی کی سہی.... چچی کا.... زنوبیا کا کیا ہوگا؟" وہ خود کلامی میں بڑبڑا رہا تھا۔ "کیا زنوبیا کا پھول سا بوجھ بھی ہمی کو اٹھانا ہوگا؟"

لونگی نوس حیران رہ گیا کہ گویا حرمان بھی اس کا رقیب ہے!

اس نے اپنا اضطراب چھپاتے ہوئے حرمان کو سمجھایا۔ "وہ آپ سے عمر میں بہت بڑی ہیں حرمان!.... اور کوئی دوشیزہ بھی نہیں بلکہ دور کے رشتے سے وہ آپ کی چچی ہیں۔ آپ کو ان کے متعلق ایسا نہیں سوچنا چاہئے۔ آپ...."

حرمان نے سرد آہ بھری اور بولا۔ "استاد! آپ نے زنوبیا کو کبھی نظر بھر کے نہیں دیکھا.... ان پر ہزاروں دوشیزائیں قربان کی جا سکتی ہیں۔"

لونگی نوس نے کہا۔ "میں آپ کو اس برے خیال سے باز رہنے کا مشورہ دوں گا.... کسی کو خبر ہو گئی تو آپ کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔"

حرمان کا چہرہ اتر گیا وہ اداس لہجے میں بولا۔ "ہم تو تدمر کے سپہ سالار زبدہ کو بات چیت کی دعوت بھی دے چکے ہیں تاکہ اگر واقعی کوئی ناخوش گوار صورت حال پیش آ جائے تو اس سے نمٹنے کے لئے ہمارے پاس کوئی طریقہ کار موجود ہو۔"

"شہزادے! یہ آپ نے کیا کیا؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ زبدہ، حاکم وقت اذینہ کا وفادار ہے؟"

حرمان نے کوئی جواب نہ دیا تاہم لونگی نوس کو توقع تھی کہ وہ عاقبت نااندیشی کا ثبوت نہیں دے گا اور اذینہ کے خلاف کسی سازش سے گریز کرے گا۔

دوسرے دن اچانک زنوبیا کی ایک کنیز نے لونگی نوس کو اطلاع دی۔ "ملکہ زنوبیا نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔"

لونگی نوس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ جب بہ عجلت اپنے قصر سے نکل کر شاہی محل کی طرف چلا تو اس پر نشہ سا طاری تھا، قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ ایسی ہیجانی کیفیت اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ اسے زنوبیا کی طرف سے بلائے جانے پر خوشی تھی لیکن بلاوے کا مقصد اس کی فہم سے بالاتر تھا۔

وہ اپنے خیالوں میں کھویا ہوا ملکہ کے حضور میں پہنچا تو تعظیماً اس کے سامنے اتنا جھکا کہ گر گیا۔

اتنا احترام صرف تدمر کے حاکم اذینہ کے لئے مخصوص تھا۔ تدمر کے باشندے اذینہ کو اسی طرح سجدہ کرتے تھے جیسے ایرانی بادشاہوں کو سجدہ کیا جاتا تھا۔ اسے سجدہ تعظیمی کہا جاتا تھا مگر یہ کھلا کفر تھا۔

اس پر زنوبیا کو سخت حیرت ہوئی۔ لونگی نوس پہلا شخص تھا جس نے کافر ہونے کو اعزاز جانا۔ اسے کیا خبر تھی کہ لونگی نوس نے اس کے اقتدار کو نہیں اس کے حسن کو تعظیم دی تھی۔

زنوبیا نے باوقار لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ "اے ایتھنز کے دانا! تم خود تعظیم کے لائق ہو۔ علم سے بڑی بادشاہت اور کیا ہو سکتی ہے۔ تمہارے سامنے تو ہمیں سر جھکانا چاہئے۔"

زنوبیا کی آواز نے فضا میں جل ترنگ سے بجا دیئے۔

لونگی نوس نے اسے سر اٹھا کر دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔ راستے میں وہ بہت کچھ سوچتا

ہوا آیا تھا کہ ملکہ سے یہ کہنا ہے' وہ کہنا ہے مگر اب ہر بات ذہن سے نکل چکی تھی۔ زنوبیا کو اتنے قریب سے اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس زمین کی کوئی عورت ہے یا حسن کی دیوی انسانی پیکر میں آسمان سے اتری ہے۔

زنوبیا کی تعریف میں اس نے جو کچھ سنا تھا' وہ بہت کم تھا۔ اسے زنوبیا سے پوچھنا چاہئے تھا کہ مجھے کیوں طلب کیا گیا ہے' لیکن اس کی زبان گنگ رہی۔

آخر زنوبیا ہی نے خاموشی توڑی ''لونگی نوس!'' اس کی آواز لونگی نوس کو بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔ ''تم ایک دانش مند انسان ہو تمہارے بارے میں ہمیں بہت کچھ بتایا گیا ہے اور ہم بہت مسرور ہیں کہ تم نے تدمر کی سرزمین کو میزبانی کا شرف بخشا۔ ہم تم سے یونانی زبان اور ادب کی تحصیل کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اسی سلسلے میں آج تمہیں زحمت دی گئی ہے۔''

''غلام اس بندہ پروری اور عزت افزائی پر ملکہ عالیہ کا ممنون ہے۔'' لونگی نوس اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا۔

''ہم بھی تمہارے انتہائی ممنون ہوں گے۔''

پھر زنوبیا نے درس کے اوقات کا تعین کیا اور ملاقات ختم ہوگئی۔

لونگی نوس روزانہ زنوبیا کو پڑھانے جانے لگا۔ زنوبیا اس کی بہترین متعلم ثابت ہوئی۔ فطرت نے اسے حسن اور دل کشی کے علاوہ غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں سے بھی نوازا تھا۔ جتنی اچھی اس کی صورت تھی' اتنا ہی اچھا اس کا دماغ تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ صورت اور دماغ دونوں سے زیادہ اس کا دل اچھا تھا۔

وہ لونگی نوس کو بہت عزت دیتی تھی اور اس کے سکھائے ہوئے نکات بڑی خوبی سے ذہن نشین کرتی تھی۔ لونگی نوس نے بھی اس کی ذہانت وفطرت اور فطانت کا پورا حق ادا کیا۔ زنوبیا پر اس نے غیر معمولی محنت اور توجہ صرف کی۔ درس کے بعد بھی دونوں دیر تک علمی مباحث میں مصروف رہتے۔ ان کی قربت روز بہ روز بڑھتی گئی۔

تدمر کے باشندے نسلاً عرب تھے۔ گفتگو اور تہذیب میں وہ آرامی زبان کا استعمال کرتے تھے لیکن انہیں یونانی زبان سیکھنے کا بہت شوق تھا۔ خاص طور پر حکمران طبقے میں یونانی زبان بے حد مقبول تھی ملکی۔ قوانین یونانی اور آرامی دونوں زبانوں میں لکھے جاتے تھے۔ تدمر کا معاشرہ شامی' یونانی اور ایرانی ثقافت کا امتزاج تھا۔

زنوبیا عرب تھی اور آرامی زبان بولتی تھی۔ لونگی نوس نے جلد ہی اسے یونانی زبان

میں بھی طاق کر دیا۔

اذینہ کے ناخلف بھتیجے حرمان کو زنوبیا اور لونگی نوس کی قربت ایک آنکھ نہ بھائی۔ اگرچہ لونگی نوس نے اپنے سینے کا راز سینے ہی دبائے رکھا لیکن حرمان کو اس پر شک ہو گیا۔ زنوبیا کے خصوصی التفات نے اس کے شک کو ہوا دی۔ یہ التفات لونگی نوس کے لئے تھا' اسے یہ معاملہ محض درس و تدریس تک محدود نہ لگا۔

ایک روز حرمان نے اپنا شبہ زنوبیا کے شوہر اذینہ کے کانوں میں منتقل کر دیا۔

اذینہ' لونگی نوس کا بہت احترام کرتا تھا مگر حرمان کی شکایت پر وہ چونک اٹھا۔ زنوبیا اس کی آبرو' اس کی ناموس تھی۔ بھلا ناموس کی بے حرمتی کون برداشت کر سکتا ہے' وہ بھی ایک حاکم؟

اذینہ مشتعل ہوگیا۔ اس نے کسی تحقیق کے بغیر فی الفور حکم جاری کر دیا' ایتھنز کے استاد لونگی نوس کو زنداں میں ڈال دیا جائے۔

زنوبیا کو معلوم ہوا تو وہ بے قرار ہوگئی۔ اس نے اذینہ کو سمجھانا چاہا اور اصرار کیا کہ وہ اپنا ارادہ بدل دے' مگر اذینہ نے اس کی بات نہ مانی۔ لونگی نوس بڑے ستونوں والے قصر سے اونچی دیواروں کے زنداں میں پہنچا دیا گیا۔ زنداں میں اسے کتابیں ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں ملی تھی' لیکن زنوبیا کا کتابی چہرہ ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے رہتا۔

ایک رات لونگی نوس بہت بے چین تھا' جیسے کچھ ہونے والا ہے قید خانے میں رات کا اندھیرا اور گہرا ہو گیا تھا۔ وہ تنگ کوٹھری میں چکر لگانے لگا' لیکن بے چینی کم نہ ہوئی۔ طرح طرح کے خیالات اس کے ذہن میں آ رہے تھے۔ وہ دیر تک ٹہلتا رہا یہاں تک کہ عاجز آ گیا اور ایک کونے میں گھٹنوں پر سر رکھ کر بیٹھ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ کیا قسمت اسے اسی قید خانے کے لئے تدمر لائی تھی؟

یکا یک اس نے ایک آہٹ سنی لیکن سر نہیں اٹھایا کیوں کہ کوٹھری کے باہر پہریدار عموماً گشت پر رہتے تھے۔ وہ سمجھا کوئی پہریدار ہوگا مگر آہٹ کے ساتھ ہی اسے ایک آواز بھی سنائی دی۔ ''لونگی نوس!''

وہ ہڑ بڑا کے کھڑا ہو گیا۔ اسے ایسا لگا جیسے زنداں کا اندھیرا ایک دم اجالے میں بدل گیا ہو۔ لپک کر وہ سلاخوں کے پاس پہنچا وہاں سیاہ لبادے میں ایک عورت کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی۔ لونگی نوس نے سلاخیں مٹھیوں میں بھینچ لیں اور تڑپ

آواز میں بولا۔ ''زنوبیا! آپ؟ اتنی رات کو یہاں؟''

''ہاں لونگی نوس ہم۔'' زنوبیا نے سرگوشی کی۔ ''جب سے تم یہاں ہو' ہمیں شاہی محل ایک قید خانہ معلوم ہوتا ہے' ہماری حالت بھی تم سے مختلف نہیں ہے۔'' وہ چند ثانیوں تک پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہی' پھر غم اور ندامت سے بولی۔ ''ہماری روح پر بڑا بوجھ ہے لونگی نوس! تمہیں یہ دن محض ہماری وجہ سے دیکھنا پڑا۔ اس پورے عرصے میں ہم نے ایک لمحہ بھی چین سے نہیں گزارا۔ ہم تو بس تمہاری رہائی کی تدبیریں سوچتے رہے۔''

لونگی نوس کو رات کے اندھیرے میں اس کا چہرہ چاند کی طرح چمکتا معلوم ہو رہا تھا۔

زنوبیا کہہ رہی تھی'' ...... آخر ہم نے تمہاری نجات کا بندوبست کر لیا۔ غور سے سنو! آج رات تدمری فوج کا سالار اعلیٰ زبدہ تمہیں یہاں سے بحفاظت نکال لے گا اور گجر بجنے سے پہلے سرحد پار کرا دے گا۔''

''نہیں زنوبیا نہیں۔'' لونگی نوس پریشان ہو گیا۔ ''میں یہاں سے کہیں جانا نہیں چاہتا۔''

''کیوں؟'' زنوبیا سراپا حیرت بن گئی۔

''وجہ مجھے خود نہیں معلوم۔'' لونگی نوس کی پلکیں جھک گئیں۔

''کیا زندگی بھر یہیں پڑے رہو گے؟''

''مجھے خود سے دور رکھنا چاہتی ہیں آپ؟'' یہ نہ معلوم کیسے اس کے منہ سے نکل گیا۔ زنوبیا کی بڑی بڑی آنکھیں اور پھیل گئیں۔ لونگی نوس کو فوراً اپنے الفاظ کا احساس ہو گیا مگر اس نے بات بدلنے کی کوشش نہیں کی' کہنے لگا۔ ''آپ جانتی ہیں میں نے کوئی جرم نہیں کیا' لیکن اگر میں فرار ہو گیا تو یہ ضرور ایک جرم ہو گا۔ اس طرح میری بہت رسوائی ہو گی' نہ صرف میری ...ائی بلکہ آپ کا دامن بھی آلودہ سمجھ لیا جائے گا' یہ میں گوارا نہیں کر سکتا۔''

''تو کیا ہم محض اپنی نیک نامی کے لئے تمہیں یہاں پڑا رہنے دیں؟ کیا اس میں ...ری سب کی بدنامی نہیں ہے؟ فرض کر لو لوگ کچھ نہ کہیں' ہمارا ضمیر تو ہمیں ملامت کرے گا۔''

اس نے کچھ توقف کیا۔ ''بہتر یہی ہے لونگی نوس کہ تم زبدہ کے سپاہیوں کے ساتھ راتوں رات تدمر کی سرحد سے دور نکل جاؤ۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں ملکہ؟ ...... میں بے وسیلہ آدمی ہوں اور اذینہ حاکم ہیں' ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ میں یہاں سے کہیں بھی چلا جاؤں وہ مجھے دوبارہ گرفتار کر والیں

گے۔ اگر ایسا ہو گیا' جو یقیناً ہو گا تو اب کے مجھے صرف قید کی سزا نہیں ہو گی' موت کی ......''

''نہیں نہیں!'' زنوبیا نے سلاخوں کے بیچ سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

لونگی نوس نے ہتھیلی نرمی سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''آپ فی الحال مجھے یہیں رہنے دیجیے میں یہاں ناخوش نہیں ہوں۔ آپ کی خاطر میں زنداں میں تو کیا...... جہنم میں...... بھی رہ سکتا ہوں۔'' اس نے زنوبیا کو سمجھایا۔ ''اب آپ چلی جایئے یہاں زیادہ ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔ واپس جا کے آپ...... حاکم...... ذی قدر حاکم تدمر کو میری بے گناہی کا یقین دلانے کی کوشش کیجئے۔ یہ بات کیونکہ سچ ہے اس لئے اب نہ سہی کبھی نہ کبھی باور کی جائے گی۔''

زنوبیا اور لونگی نوس ابھی باتیں کر رہے تھے کہ دور سے بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ دونوں چپ ہو گئے' پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں الوداعی جملوں کا تبادلہ ہوا اور زنوبیا چلی گئی۔

انہی دنوں ایک بری خبر تدمر پہنچی۔ شاپور اول کی سرکردگی میں ایرانی فوج نے رومی لشکر پر حملہ کر دیا تھا۔ روم کا شہنشاہ دلیرین بڑی مشکل میں گرفتار تھا۔ ایرانی' شام تک آ پہنچے تھے۔ شمالی شام' رومی سلطنت کا حصہ تھا۔ یہ خبریں بھی آ رہی تھیں۔ کہ اب ایرانی' انطاکیہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

یہ صورتحال اذینہ کے لئے سخت تشویشناک تھی۔ وہ تدمر میں رومی شہنشاہ کا نائب تھا۔ شام پر ایرانی حملے سے اس کے لئے بھی خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس کے درباریوں نے مشورہ دیا کہ کیوں نہ بالا ہی بالا ایران سے مصالحت کر لی جائے تاکہ تدمر جنگ کی آگ سے بچا رہے۔ اذینہ نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا' کیوں کہ تدمر ایک مدت سے رومی سلطنت کا وفادار تھا۔ ایران سے جنگ کرنے کا مطلب بھی وہ خوب سمجھتا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے!

اس نے ملکہ زنوبیا سے مشورہ کیا۔ زنوبیا چھوٹتے ہی بولی۔ ''اپنے مشیروں سے پوچھو۔''

''پوچھ چکا ہوں۔'' اذینہ نے بتایا۔

زنوبیا نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ ''سب مشیروں سے پوچھ چکے ہو؟''

☆......☆......☆

اس سے پہلے کہ قصہ گو مزید کچھ کہتا' میں ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''ٹھہر جا!... آ نے

والے جمعے کو تجھ سے ملاقات ہوگی۔"

عارج نے مجھے حیرت سے دیکھا' مگر بولا کچھ نہیں۔ میں نے اسے ٹہوکا دیا تو وہ چونکا۔ اسے ساتھ لئے میں سرائے کے مالک کے مکان سے نکل آئی۔ باہر آتے ہی عارج نے پوچھا۔" یہ اچانک تجھے کیا ہوا اے دینار؟"

" قصے میں کھو کر تو شاید بھول گیا ہے کہ ہم کون ہیں؟" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

☆......☆......☆

آنے والے جمعے کو ہم پھر سرائے کے مالک سے ملے اور اس نے اپنے مکان پر قصہ سننے کا بندوبست کر دیا۔

یاد دہانی کے لئے عرض کر دوں کہ یہ قصہ بھی سرزمین عرب کا ہے۔ قصہ گو نے جہاں سے ملکہ زنوبیا کا قصہ چھوڑا تھا وہیں سے پھر سنانے لگا۔ اسی لمحے عارج نے سرگوشی کی۔

" دینار! آج قصہ گو کچھ پریشان لگتا ہے۔"

" ہوگا' ہمیں کیا...؟ ہم کوئی بھی سہی' اللہ کی مخلوق ہیں... تو قصہ سن عارج!" یہ کہہ کر میں سنبھل کے بیٹھ گئی۔

قصہ گو نے پہلو بدلا اور ہماری سرگوشیوں کے باوجود اس کا قصہ جاری رہا۔ یہ قصہ 245 عیسوی کا ہے۔

☆......☆......☆

زنوبیا کے سوال کرنے پر حاکم تدمر اذینہ بولا۔" ہاں میں سب مشیروں سے پوچھ چکا ہوں۔"

" ابھی ایک مشیر باقی ہے' اس سے تم نے بات نہیں کی حالانکہ اس نے ہر موقع پر تمہیں نہایت مفید مشورے دیئے ہیں۔" زنوبیا نے کہا۔ اذینہ سمجھ گیا کہ زنوبیا کس کا ذکر کر رہی ہے۔ وہ خاموش ہوگیا۔ زنوبیا نے محسوس کیا کہ اذینہ آج لونگی نوس کے ذکر پر برہم نہیں ہوا۔ اس نے موقع غنیمت جانا اور دوبارہ یونان کے فلسفی کا ذکر چھیڑ دیا۔ لونگی نوس کے بارے میں وہ اذینہ کی غلط فہمی دور کرنا چاہتی تھی۔ وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ آج اذینہ کو لونگی نوس کی ضرورت تھی اس لئے اسے ناموس کا خیال نہ آیا۔ اس نے زنوبیا کی باتوں پر صاد کیا اور لونگی نوس کی رہائی کا فیصلہ کر لیا۔

اس کا فیصلہ سنتے ہی زنوبیا نے کہا۔" لونگی نوس ہمارے استاد ہیں' انہیں لینے کے

لئے ہم خود زنداں کے در تک جائیں گے۔"

پھر زنوبیا چار گھوڑوں والے رتھ میں محل سے نکلی۔ رتھ کے ساتھ حاکم تدمر اذینہ کے محافظوں کا خصوصی دستہ تھا۔

راستے میں ایک عظیم الشان سنگی محراب نظر آئی۔ یہ بعل دیوتا کے معبد کی محراب تھی۔ بعل کا معبد ایک اونچے چبوترے پر تعمیر کیا گیا تھا۔ محراب سے آگے ستونوں والا بازار تھا۔ یہ بازار ایک ہزار دو سو چالیس گز لمبا تھا' گویا پورے شہر کا مرکز تھا۔ یہاں سے مختلف چھوٹی چھوٹی گلیاں آبادیوں میں داخل ہوتی تھیں۔ اس حصے میں 375 سے زیادہ ستون تھے اور ہر ستون پچپن ہاتھ سے زیادہ بلند تھا۔ زیادہ تر ستون گلابی پتھر کے تھے اور چند ستون سنگ خارا کے۔ ان میں نیلے نیلے دھبے پڑے تھے۔ یہ پتھر مصر کے شہر اسوان سے منگائے گئے تھے۔ کہیں کہیں تدمری سنگ تراشوں کے شاہکار مجسمے بھی نصب تھے۔ مجسموں کا چہرہ پورا نظر آتا تھا اور کندھوں پر کتبے لگے ہوئے تھے۔ ان میں تدمر کے سلاطین اور امرا کو یونانی لباس پہنے دکھایا گیا تھا۔ ایک مجسمے کے قدموں میں دو ساقی جیسے نظر آتے تھے ایک ساقی پارتھی لباس پہنے تھا اور دوسرا رومی لباس میں تھا۔ زنوبیا نے بعل دیوتا کے معبد کے پاس رتھ رکوا لیا۔ رتھ سے اتر کر وہ بعل دیوتا کا شکرانہ ادا کرنے گئی۔ اسے ایک نظر دیکھنے کے لئے معبد کے باہر لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ سپاہیوں نے بڑی مشکل سے راستہ صاف کیا تو زنوبیا معبد سے رتھ تک پہنچی۔ لوگ محافظوں کے کوڑے کھانے کے باوجود ملکہ کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہوئے جا رہے تھے۔

شاہی رتھ تدمر کے بڑے قید خانے پہنچ گیا۔ محافظ دستے کے سالار نے قید خانے کے نگران کو لونگی نوس کا رہائی نامہ دکھایا۔ پھر زنوبیا بہ نفس نفیس لونگی نوس کی کوٹھڑی میں پہنچی۔ لونگی نوس کے چہرے پر حیرت پھیل گئی اور دوسرے ہی لمحے حیرت میں مسرت کا رنگ بھی شامل ہو گیا۔ زنوبیا کے اشارے پر زنداں کے لوہار نے قیدی کی زنجیریں کاٹ دیں۔ لونگی نوس جیسے کسی خواب کے عالم میں زنوبیا کے ساتھ قید خانے سے نکلا۔ محافظ دستے کے ایک سپاہی نے اسے سواری کے لئے اپنا گھوڑا پیش کرنا چاہا لیکن زنوبیا نے اسے روک دیا اور لونگی نوس کو اپنے ساتھ رتھ میں بٹھا لیا۔

اذینہ نے لونگی کو جنگی حالات سے تفصیلی طور پر آگاہ کیا اور کہا۔ "ہمارا خیال ہے کہ آزمائش کی اس گھڑی میں روم کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہئے' یہ غداری ہوگی کیونکہ سردست تدمر کو روم سے کوئی شکایت نہیں ہے نیز اگر مصلحتاً ایران سے وقتی مفاہمت کر بھی لی جائے تو اس کی کیا

ضمانت ہے کہ ایران آئندہ تدمر کی آزاد و خود مختار حیثیت برقرار رہنے دے گا۔"

"یقیناً۔" لونگی نوس نے کہا۔ "ایران سے یہ توقع فضول ہوگی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ روم کی حمایت میں ایران سے جنگ کی جائے کیوں؟" اذینہ کے ماتھے پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

"جی ہاں' اس کے سوا کوئی چارہ نہیں اور پھر قومی حمیت کا تقاضا بھی یہی ہے۔" لونگی نوس نے رائے ظاہر کی۔

"لیکن لونگی نوس! ہمارے پاس فوج بہت کم ہے' ہم ایران کے لشکر کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ ہمارا یہ اقدام خودکشی کے مترادف ہوگا۔"

"تسلیم کہ تدمر کے پاس سپاہیوں کی کمی ہے لیکن کیا آدمیوں کی بھی کمی ہے؟"

"نہیں' آدمی صرف آدمی ہوتا ہے اور سپاہی ایک ہتھیار بھی ہوتا ہے۔"

"کیا آدمیوں کو سپاہیوں میں نہیں بدلا جا سکتا؟"

"اس کے لئے خاصا وقت درکار ہوگا۔"

"موت سر پر کھڑی ہو تو آدمی کو سپاہی بننے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔"

"یعنی ہنگامی حالت کا اعلان کر کے ریاست میں جبری بھرتی کا آغاز کر دیا جائے؟ یہی کہنا چاہتے ہو نا تم؟"

"جی ہاں آقا' غلام یہی کہنا چاہتا ہے' لڑنے والوں کی مطلوبہ تعداد اسی طرح فراہم ہو سکتی ہے۔"

"تم بھول رہے ہو لونگی نوس! جنگیں تعداد سے نہیں' ہمت اور منصوبہ بندی سے جیتی جاتی ہیں۔"

یہ سن کر لونگی نوس نے اطمینان دلایا۔ "منصوبہ سازی کے لئے ریاست کے پاس اعلیٰ دماغوں کی کمی نہیں' رہی فوج کی قلت' تو میں عرض کروں گا کہ یہ خدمت میرے سپرد کر دی جائے۔ میں بستی بستی' گھر گھر جاؤں گا اور ریاست کے تمام باشندوں کو غفلت کے خواب سے جگاؤں گا۔ میں ان سے کہوں گا کہ ہم وطنو! اپنی سرزمین کو دشمن کے ناپاک قدموں سے بچاؤ۔ میں انہیں بتاؤں گا کہ جو قومیں غلام بنالی جاتی ہیں' ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔" لونگی نوس کا جوش و خروش دیکھنے کے قابل تھا۔ "میں لوگوں سے کہوں گا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے بازار' تمہارے محلے اور تمہارے گھر اسی طرح ہنستے بستے رہیں تو اٹھو میدان جنگ میں

چلو۔ امن کی خاطر ہمیں جنگ کرنی ہوگی۔"

زنوبیا خاموشی سے سب کچھ سن رہی تھی۔ لونگی نوس چپ ہوا تو اذینہ نے رائے طلب نظروں سے اسے دیکھا۔ زنوبیا بولی۔ "لونگی نوس کی آواز وقت کی آواز ہے۔ اس آواز پر سب سے پہلے ہم لبیک کہتے ہیں۔ اس مہم میں ہم بھی ان کے ساتھ ایک سپاہی بن کے جائیں گے۔ وطن کی حفاظت ہر فرد بشر کا فرض ہے۔"

"تم؟" اذینہ اپنی شریک حیات کے جذبے سے خاصا متاثر معلوم ہوتا تھا۔ پھر بھی استعجاب سے بولا۔ "زنوبیا تم؟"

"ہاں ہم!" زنوبیا نے عزم سے کہا۔ "لوگ جب ہمیں دیکھیں گے کہ ان کی ملکہ خود ان کے دروازے تک آئی ہے تو وہ گھروں سے نکل آئیں گے۔"

اذینہ گہری سوچ میں ڈوب گیا چند لمحوں بعد اس نے سر اٹھایا اور بولا۔ "تم دونوں روانگی کی تیاری کر سکتے ہو۔"

☆......☆......☆

دوسرے دن لونگی نوس اور زنوبیا ملک کے آزمائے ہوئے شہسواروں کے ساتھ محل کے احاطے سے نکلے۔ اذینہ اور ریاست کے دیگر عمائد انہیں شہر سے باہر تک رخصت کرنے آئے۔ الوداع کہنے والوں میں اذینہ کا برادر زادہ حرمان بھی تھا۔ لونگی نوس اور زنوبیا ایک ہی رتھ میں سوار تھے۔ انہیں دیکھ کر حرمان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس کے دل کی حالت لونگی نوس کے سوا کوئی نہ جان سکا۔ رتھ کے گھوڑے بدل دیئے گئے تھے اور ان کی تعداد بھی بڑھا دی گئی تھی۔ اب چار کے بجائے اعلیٰ نسل کے چھ گھوڑے رتھ کھینچ رہے تھے۔ رتھ کے اطراف جنگ جو گھڑ سواروں کا ہالہ تھا۔ یہ پر شکوہ قافلہ دور پولیس نام کے شہر کی سمت روانہ ہوگیا۔ قافلے کو راستے کی ہر بستی میں رکتے ہوئے آگے نکلنا تھا۔ زنوبیا کا چہرہ کھلا جا رہا تھا جیسے وہ کسی خطرناک مہم پر نہیں تفریحی سفر پر نکلی ہو۔ اس کے برعکس لونگی نوس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

قافلہ شہر سے دور آ چکا تھا۔ لونگی نوس نے زنوبیا کو مخاطب کیا "ملکہ!......"

اس سے پہلے وہ کچھ اور کہتا' زنوبیا نے ایک ادا سے پوچھا۔ "تم ہمیں ملکہ کیوں کہتے ہو لونگی نوس؟"

"اس لئے کہ آپ ملکہ ہیں۔"

"درست' مگر ہم زنوبیا بھی تو ہیں۔"

لونگی نوس کے ہونٹوں پر لرزش ہوئی لیکن وہ کچھ کہہ نہ سکا۔ تیز رفتاری کے سبب رتھ ہچکولے کھا رہا تھا۔ زنوبیا ہچکولوں کے ساتھ ڈولتے ہوئے ہنس پڑی۔ لونگی نوس کو ایسا محسوس ہوا جیسے گھوڑوں کی ٹاپیں اس کی کھنک دار ہنسی کے ساتھ تال دے رہی ہوں وہ از خود رفتہ ہوگیا اس کی آنکھیں مچ گئیں۔ اسے وجد سا آنے لگا۔ نہ جانے کتنا وقت اور کتنا سفر اسی طرح گزر گیا۔

"لونگی نوس! تم کچھ کہہ رہے تھے؟ ہم منتظر ہیں۔"

لونگی نوس سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور بولا۔ "پہلی منزل آنے والی ہے۔ اس اثنا میں آپ اپنے خطاب کی تیاری کر لیجئے۔ میں آپ کو ایک نکتہ خاص طور پر ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں" زنوبیا پوری طرح متوجہ ہوگئی تو لونگی نوس نے کہا۔ "لوگوں کے سامنے آپ کو جس بات پر زور دینا ہے' وہ یہ ہے کہ ہم عرب ہیں اور ایک غیر عرب قوم نے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔"

"ہم سمجھ گئے" زنوبیا نے اس سے اتفاق کیا۔ "واقعی' تدمر کے باشندوں کے سامنے یہ بات زیادہ کارگر نہیں ہوگی کہ ایران نے روم پر چڑھائی کر دی ہے اور ہمیں روم کے دفاع میں لڑنا ہے۔"

"جی ہاں' گویا یہ جنگ ایرانیوں اور رومیوں کی نہیں بلکہ عرب اور عجم کی جنگ ہے۔"

"حقیقت بھی یہی ہے۔ تم نے نبض پر صحیح ہاتھ رکھا ہے۔" زنوبیا کے اندر کا عرب جاگ اٹھا۔ "سارے عرب ایک ہیں' کاش سب ایک ہو جائیں۔ یہ قوم کب تک غیروں کے زیر نگیں رہے گی!"

"زیادہ دیر نہیں۔" لونگی نوس نے وثوق سے کہا۔ "اب رات ڈھل رہی ہے اور صبح طلوع ہونے والی ہے۔ میں اپنے تصور کی آنکھ سے دیکھ رہا ہوں کہ یہ جنگ غلام عربوں کی آزادی کا نقطہ آغاز ہوگی۔"

☆......☆......☆

زنوبیا کی للکار تاریخ میں عرب قومیت کے لئے بلند ہونے والی پہلی آواز ثابت ہوئی۔ عرب کا صحرا آزادی کے نعروں سے گونجنے لگا۔ زنوبیا کی شخصیت اور خطابوں نے ملک

بھر میں آگ لگا دی۔ بوڑھے بھی جوان ہو کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ لوگ قریئے قریئے اور شہر شہر سے تدمر جانے لگے۔

زنوبیا کا کارواں دور یوردپس' رصافہ اور دوسرے مقامات سے گزرتا ہوا واپس آیا تو ہزاروں جاں نثار اس کے ساتھ تھے۔

اذینہ نے محل کے بڑے پھاٹک پر قافلے کا استقبال کیا۔ سپہ سالار زبدہ اور شاہی قصر کا نگران اعلیٰ زبائی بھی ہمراہ تھے۔ زنوبیا اور لونگی نوس کامیاب و کامراں لوٹے تھے' مگر میدان جنگ کا نقشہ اب کچھ اور تھا۔ رومی فوج ہر محاذ پر ایرانیوں سے پسپا ہو رہی تھی۔ رومی شہنشاہ وریرین نے اذینہ کو کمک لے کر فوراً محاذ پر پہنچنے کا پیغام بھیجا تھا۔ اذینہ روانگی کے لئے تیار تھا اس کی خواہش تھی کہ زنوبیا اب تدمر میں آرام کرے۔ وہ ایک طویل دورے سے لوٹی تھی۔ لونگی نوس نے اس کی تجویز قبول نہیں کی۔ اس کا کہنا تھا کہ نئے بھرتی ہونے والے سپاہی زنوبیا کی ساحرانہ شخصیت کے زیر اثر ہیں اس لئے زنوبیا کو بھی محاذ پر موجود رہنا چاہئے۔ اذینہ نے یہ بات مان لی۔ زنوبیا دوبارہ سفر پر آمادہ ہو گئی۔ اس نے لونگی نوس کو بھی اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

☆......☆......☆

جنگ ادیسا کے مقام پر ہو رہی تھی۔ تدمر کے جیالے رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ ''ہم عرب ہیں' دشمن کا وار پشت پر نہیں سینے پر روکیں گے۔''

لشکر کا ولولہ ناقابل تسخیر معلوم ہوتا تھا' مگر جب تک یہ لشکر ادیسا پہنچا جنگ کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ ایران نے روم کو بدترین شکست دی تھی۔ روم کا شہنشاہ وریرین قیدی بنا لیا گیا تھا۔

اس خبر نے تدمری فوج کا حوصلہ پست نہیں کیا' کیوں کہ یہ فوج روم کے لئے نہیں' عرب کے لئے لڑنے آئی تھی۔ اذینہ تذبذب کا شکار تھا۔ لونگی نوس نے آگے بڑھ کے حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ زنوبیا اور زبدہ نے بھی لونگی نوس سے اتفاق کیا۔ زبائی حملے کے حق میں نہیں تھا۔

لونگی نوس نے اس سے کہا۔ ''اگر ہم اس وقت پیٹھ دکھاتے ہیں تو ہمیں ابھی سے شکست کے لئے تیار رہنا ہوگا۔''

زبائی کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ اس نے بھی تلوار سونت لی' بولا۔ ''ہم شہنشاہ روم کو

دشمن کی قید سے نکال کر دم لیں گے۔''

لشکر جوش میں آگے بڑھا۔

ایرانی مطمئن تھے کہ شہنشاہ روم کی شکست کے بعد کوئی ان کا مقابلہ نہیں کرے گا۔ ایران کے شہنشاہ شاپور کو جب خبر ملی کہ تدمر کے صحرائی پیش قدمی کر رہے ہیں تو اسے یقین نہیں آیا۔ ایرانی ادیسا سے آگے بڑھ آئے تھے اور فتح کا جشن منا رہے تھے۔ انہوں نے جشن کی بساط لپیٹی اور صف بندی کرنے لگے۔ اسی اثنا میں عرب کے تازہ دم جوان بھوکے بھیڑوں کی طرح ان پر ٹوٹ پڑے۔ اذینہ عربوں کی قیادت کر رہا تھا۔ زنوبیا کا رتھ قلب لشکر میں موجود تھا۔ رتھ کے ساتھ ساتھ لونگی نوس کا گھوڑا چل رہا تھا۔

ایرانیوں پر عربوں کا حملہ بھرے ہوئے شیروں کے مانند تھا۔ وہ جس صف میں گھس جاتے کہرام مچ جاتا۔ رومی سپاہ ایک فرد کے لئے لڑی تھی لیکن عرب پوری قوم کی خاطر لڑ رہے تھے۔ پہلے ہی ہلے میں ایرانیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ انہیں شکست کھا کر بھاگنا پڑا۔ صحرائی ان کے پیچھے جھپٹے۔ ایرانی فوج جس نے رومیوں کو شکست دی تھی' بھاگ رہی تھی' جیسے موت اس کے تعاقب میں ہو۔ ایران کے دارالحکومت پرکی پولس تک اس کا تعاقب کیا گیا۔

ہزاروں ایرانی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے مگر روم کے شہنشاہ کو ان کی قید سے نہ چھڑایا جا سکا۔ دراصل شاپور کو احساس ہو گیا تھا کہ یہ بپھری ہوئی فوج روم کے شہنشاہ کو اس کی قید سے نکالنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ اس نے اسی لئے قیدی شہنشاہ کو عجلت میں قتل کرا دیا تھا۔

اذینہ کو پرکی پولس کے قریب ایک معبد کے کاہن سے شہنشاہ روم کے قتل کی اطلاع ملی تھی۔ وہ بہ صد رنج واندوہ معبد میں گیا۔ ایرانیوں نے وریرین کی کھال اتار کر اس میں بھس بھر دیا تھا اور اسے ایک نمایاں جگہ لٹکا گئے تھے۔ اس کے قتل پر اذینہ نے اپنی فوج میں ذرا بھی جوش نہیں دیکھا۔

روم میں نئے شہنشاہ کی تاج پوشی ہو گئی۔ نئے شہنشاہ نے اذینہ سے وفاداری کی تجدید کے لئے اپنا ایک بااختیار سفیر تدمر روانہ کیا۔ اذینہ نے بھرے دربار میں اسے اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور اعلان کیا کہ تدمر بدستور رومی سلطنت کے زیر سایہ رہے گا۔ تدمر کے تمام ارکان دولت نے اپنے سربراہ اذینہ کا فیصلہ دل سے قبول کر لیا' لیکن شہزادہ حرمان کینہ

توزی سے باز نہ آیا۔ اس نے رومی سفیر سے خفیہ ملاقات کی اور اسے اذینہ کے خلاف بھڑکایا۔

''ہم دربار روم کے معزز سفیر کی خدمت میں ایک اہم اطلاع لے کر حاضر ہوئے ہیں۔'' اس نے سفیر کو اعتماد میں لے کر رازدارانہ سرگوشی کی۔ ''اگر ہمارے رشتے کے چچا محترم اذینہ کو بدستور تدمر کا حاکم رکھا گیا تو تدمر بہت جلد خود مختاری کا دعویٰ کر دے گا اور پھر یہ علاقہ رومی سلطنت کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔''

سفیر کے کان کھڑے ہوگئے کہنے لگا۔ ''میں اس اطلاع کے لئے شہزادے کا شکر گزار ہوں لیکن اس بات کا ثبوت؟''

''ثبوت صاف ہے جناب والا!'' حرمان نے کہا۔ ''آپ کے علم میں ہوگا' حالیہ جنگ میں تدمر کی سپاہ نے روم کی خاطر پیش قدمی نہیں کی تھی۔ اس کے پیش نظر محض اپنے علاقے کا دفاع تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شہنشاہ ویرین کے بے رحمانہ قتل کے بعد جنگ فوراً بند کر دی گئی اور ایرانیوں سے انتقام نہیں لیا گیا۔''

حرمان شاہی قصر کے نگران اعلیٰ زبائی کو سبز باغ دکھا کے اپنا ہم نوا بنا چکا تھا۔ دوسرے دن اس نے زبائی کو چوری چھپے رومی سفیر سے ملوا دیا۔ رومی سفیر نے زبائی سے تفصیلی بات چیت کی اور مشورہ لیا کہ اگر اذینہ کو معزول کر دیا جائے تو اس کا عہدہ سنبھالنے کے لئے کس کا تقرر ہو! زبائی نے شہزادہ حرمان کا نام پیش کر دیا اور اس کی انتقامی فطرت کو بے حد سراہا۔ زبائی نے یہ بھی کہا۔ ''اذینہ کو صرف معزول کرنا کافی نہ ہوگا حضور عالی! وہ اپنے بڑے بیٹے کو ولی عہد نامزد کر چکے ہیں چنانچہ یہ ضروری ہے کہ انہی کے ساتھ ان کے ولی عہد کو بھی راستے سے ہٹا دیا جائے تاکہ شہزادہ حرمان کے لئے کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو سکے۔''

ولی عہد کے علاوہ اذینہ کے دو بیٹے اور تھے لیکن ان کی عمریں ابھی کم تھیں۔ اذینہ اس سازش سے قطعی بے خبر تھا۔ اس کے درباری ایرانی سپاہ پر غلبے کی خوشی میں جشن منانے کی تیاریوں میں حصہ لے رہے تھے۔ لونگی نوس نے درخواست کی کہ جشن اس کے شہر حمص میں منایا جائے۔ اس کی خدمت کے اعتراف میں اذینہ نے یہ تجویز منظور کر لی۔

جشن کے روز شہر حمص دلہن کی طرح سجایا گیا اور رنگا رنگ تقریبات کا اہتمام ہوا۔ زنوبیا' لونگی نوس اور زبدہ سمیت دارالحکومت کے تمام اکابر حمص میں موجود تھے۔ جشن کی سب سے بڑی تقریب کے موقع پر تدمر کی تاریخ کا سب سے بڑا اجتماع ہوا۔ اذینہ اپنے ولی عہد

کے ساتھ ایک زرنگار تخت پر رونق افروز ہوا۔ محافظ دستے کے سپاہی تخت کے اردگرد تلواریں سونتے کھڑے تھے۔ اس محافظ دستے کا نگراں' حرمان کا آدمی تھا۔ جلسے کی کارروائی جب شباب پر پہنچی تو اچانک فضا میں دو چیخیں بلند ہوئیں۔ شاہی تخت اذینہ اور ولی عہد کے خون سے رنگین ہوگیا۔ سب کچھ آناً فاناً ہوا۔ کسی کو کچھ سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اذینہ اور ولی عہد کے ساتھ ہی وہ دو سپاہی بھی دیکھتے دیکھتے ہلاک کر دیئے گئے جن سے ان دونوں کو قتل کرایا گیا تھا۔ ہر طرف افراتفری پھیل گئی اور کہرام برپا ہوگیا۔ بیٹے اور شوہر کے سفاکانہ قتل پر زنوبیا دہشت سے بے ہوش ہوگئی۔ لونگی نوس اسے سنبھالنے کے لئے لپکا مگر وہ زمین پر گر چکی تھی۔

منصوبے کے مطابق تھوڑی ہی دیر میں شاہی قصر کے نگران اعلیٰ نے نئے حکمراں کے لئے شہزادہ حرمان کے نام کا اعلان کر دیا۔ زبائی نے مجمع کو یقین دلایا کہ دربار روم جلد ہی اس اعلان کی توثیق کر دے گا۔ لونگی نوس کسی تاخیر کے بغیر زنوبیا کو وہاں سے لے جا چکا تھا۔ جلسہ گاہ میں نفسا نفسی کی کیفیت تھی۔

سپہ سالار زبدہ کو یہ غیر متوقع اعلان سخت ناگوار گزرا تھا۔ وہ خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکل آیا۔ باہر آ کے اسے معلوم ہوا کہ لونگی نوس' زنوبیا کے ساتھ تدمر جانے والے راستے پر گیا ہے۔ زبدہ بھی انتہائی تیز رفتاری سے اسی طرف روانہ ہوگیا۔ لونگی نوس ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا۔ زنوبیا کی بے ہوشی کے خیال سے اس نے گھوڑے کی رفتار زیادہ نہیں بڑھائی تھی۔ زبدہ نے انہیں راستے ہی میں جا لیا۔

تدمر پہنچتے ہی سپہ سالار نے منادی کرا دی کہ مقتول اذینہ کے چھوٹے بیٹے شہزادہ وہب اللات کو تخت نشین کر دیا گیا ہے' شہزادے کے بالغ ہونے تک ملکہ زنوبیا امور مملکت کی نگراں قرار پائی ہیں۔ حمص میں ہونے والی ساری کارروائی منسوخ کر دی گئی۔ زبائی کو اس امر کا کوئی اختیار نہیں تھا کہ تاج و تخت کے لئے وہ شہزادے حرمان کے نام کا اعلان کرے۔

ملک بھر میں سپہ سالار کی منادی کا خیر مقدم کیا گیا اور حمص کے سوا تمام شہروں نے شہزادہ وہب اللات کی حکمرانی تسلیم کر لی' البتہ حمص پر حرمان اپنی گرفت مضبوط کر چکا تھا۔ رومی سلطنت کی جانب سے اس کی تائید بھی ہوگئی تھی۔

سپہ سالار زبدہ حمص پر بھی حرمان کا قبضہ نہیں چاہتا تھا۔ لونگی نوس کے مشورے سے اس نے حمص پر لشکر کشی کی تیاری شروع کر دی۔ حرمان ہر سازشی کی طرح ایک بزدل آدمی تھا۔

اسے جب یہ معلوم ہوا کہ سپہ سالار زبدہ بھاری لشکر لے کر حمص کی طرف آ رہا ہے تو وہ راتوں رات وہاں سے فرار ہو گیا۔ اس نے روم کی راہ لی کیونکہ وہی اس کے لئے جائے پناہ ہو سکتا تھا۔

غدار زبائی نہایت قلیل فوج کے ساتھ حمص میں تنہا رہ گیا تھا۔ حرمان کے فرار سے اس کی ہمت بھی جواب دے گئی جلد ہی وہ بھی ایک رات کو روم بھاگ گیا۔ زبدہ جب حمص پہنچا تو کسی مزاحمت کے بغیر حمص اس کے حوالے کر دیا گیا۔

مقتول اذینہ کے محافظ دستے کا سالار اب تک حمص ہی میں تھا۔ وہ فرار ہونے کی کوشش میں پکڑا گیا۔ اس نے سازش کی تمام تفصیلات بیان کر دیں اور زبدہ سے جان کی امان طلب کی، مگر زبدہ نے اسے معاف نہیں کیا۔ اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔

سابق حکمران اذینہ اور اس کا بیٹا حمص میں مدفون تھے۔ لیکن ان کی قبروں کی حالت بہت ابتر تھی۔ زبدہ کے حکم پر دو شاندار مقبرے تعمیر کئے گئے۔ دونوں عمارتیں زبدہ نے اپنی نگرانی میں تعمیر کرائیں۔ ان عمارتوں کے کئی درجے تھے۔ اندر خوب رنگ کیا گیا تھا پتھروں پر تصویریں کندہ کی گئی تھیں اس کے علاوہ اونچے اونچے برج تیار کئے گئے تھے۔ یہ دونوں عمارتیں شہر سے باہر ایک کشادہ مقام پر تعمیر کی گئی تھیں۔

زبدہ کو حرمان اور زبائی کے بچ نکلنے کا بہت رنج تھا۔ وہ کچھ روز حمص میں رہ کر دارالحکومت لوٹ آیا۔ یہاں شہر کے وسط میں دو عالی شان مجسمے نصب کئے گئے۔ ایک مجسمہ زنوبیا کا تھا۔ اس کے نیچے یہ عبادت لکھی گئی۔ ”یہ مجسمہ اسپٹیمیا زنوبیا کا ہے جو شہرت اور پارسائی میں سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ اسے سپہ سالار زبدہ نے نصب کیا ہے۔“ دوسرا مجسمہ اذینہ کا تھا اس کے نیچے تدمری زبان میں لکھا گیا تھا۔ ”یہ مجسمہ اسٹیمیس اذینہ ملک الملک اور مجد دشان مشرق کا ہے۔ اسے ممتاز سالار افواج نے نصب کیا ہے۔“

اب تدمر پر زنوبیا بلا شرکت غیرے حکمراں تھی، مگر اس کی حکومت کو رومی شہنشاہ نے تسلیم نہیں کیا تھا۔ چنانچہ ایک روز روم سے ایک ایلچی، شہنشاہ روم کا حکم نامہ لے کر زنوبیا کے دربار میں آیا۔ ملکہ زنوبیا کو فی الفور تخت سے دست بردار ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔ نئے بادشاہ اوریلیاں نے لکھا تھا کہ ہم تمہیں حکومت کا اہل تصور نہیں کرتے بلکہ شہزادہ حرمان کو تدمر کا عامل مانتے ہیں۔ تم پر لازم ہے کہ اطاعت کرو اور حکومت اس کے حوالے کر دو۔ اگر تعمیل حکم سے

گریز کیا گیا تو تمہیں باغی سمجھا جائے گا۔ ہمیں فوراً اپنی رضامندی سے آگاہ کرو تاکہ شہزادہ حرمان کو تدمر روانہ کیا جا سکے۔ زنوبیا نے لونگی نوس سے مشورہ کیا کہ کیا جواب دیا جائے؟

لونگی نوس نے کہا۔ ”تدمر اب عملاً رومی سلطنت کے زیر نگین نہیں رہا۔ یہ ایک با اختیار حکومت ہے جس طرح عربوں پر ایرانیوں کی برتری تسلیم نہیں کی گئی۔ اسی طرح رومیوں کی برتری بھی ہمیں تسلیم نہیں۔“

سپہ سالار زبدہ بھی موجود تھا۔ وہ بولا۔ ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب ہمیں رومیوں سے برسر پیکار ہونا پڑے گا۔ رومی آسانی سے یہ علاقہ نہیں چھوڑیں گے۔“

”جنگ تو ناگزیر ہے۔“ لونگی نوس نے کہا۔ ”بہتر یہ ہوگا کہ ہم حملے میں پہل کریں نیز تدمر کے علاوہ شام پر بھی ہمارا ہی حق ہے۔ سارا عرب ہمارا ہے اور سارے عرب ایک ہیں۔ ہم انہیں علاقوں سے پہل کریں گے اور ہر عرب ہمارا ساتھ دے گا۔“

زنوبیا اور زبدہ نے لونگی نوس سے اتفاق کیا۔

اسی روز ایک بڑی جنگ کی تیاری شروع کر دی گئی۔

روم کے ایلچی کو یہ دوٹوک جواب لکھ کر دے دیا گیا۔ ”عرب ایک الگ قوم ہے اور وہ کسی کا غلبہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں، تدمر ایک آزاد علاقہ ہے، اس پر رومیوں کا دعویٰ ناجائز ہے۔ رومی شہنشاہ آئندہ کوئی فرمان بھیجنے کی زحمت نہ کریں۔ ہم ان کے نامزد کئے ہوئے بھگوڑے حرمان کو حکمران نہیں مانتے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ روم ہم سے برابری کے تعلقات قائم کرے اور تدمر کے بھگوڑے کو تدمر کے حوالے کر دے۔ اسی صورت میں ہم یہ سمجھیں گے کہ روم ہم سے دوستی کرنے پر رضامند ہے ورنہ نہیں۔“

روم کی جوابی کارروائی کا مقابلہ کرنے کے لئے لونگی نوس نے نوجوانوں کا ایک گروہ ترتیب دیا۔ اس گروہ کے ہر فرد کو ملکہ زنوبیا کا خفیہ پیغام لے کر پورے عرب میں پھیل جانا تھا۔ اس زمانے میں شام کے علاوہ مصر پر بھی روم ہی کی حکومت تھی۔ دونوں ملکوں میں رومی سپاہ رہتی تھی مگر اس کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ اس سے نمٹنا ایسا مشکل نہیں تھا۔

ایک رات لونگی نوس نے زنوبیا سے کہا۔ ”زنوبیا مجھے کچھ دن کے لئے تم سے جدا ہونا پڑے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ خود شام جا کر عرب سرداروں کو تمہارے حق میں ہموار کر دوں۔“

”لونگی نوس!“ زنوبیا افسردگی سے بولی۔ ”تمہی میری شمشیر ہو اور تمہی میری سپر۔

تمہارے بغیر میں غیر مسلح ہو جاؤں گی۔ مجھ سے تمہاری جدائی کیسے برداشت ہو سکتی ہے۔ تم تو مجھے حکومت اور اقتدار سے زیادہ عزیز ہو۔ کیا تمہارے تربیت یافتہ نوجوانوں میں سے کوئی ایسا نہیں جو شامی سرداروں سے بات کر سکے؟"

"میں خود جانا چاہتا ہوں' خود جانے کی بات اور ہے۔"

"بہتر ہے جاؤ" زنوبیا مان گئی۔ "تم کہیں بھی چلے جاؤ ہر وقت میری نگاہ میں رہو گے' اب ہمیں فاصلے دور نہیں کر سکتے۔"

لونگی نوس تدمر سے دمشق روانہ ہو گیا۔ اس نے اپنے حلیے میں تبدیلی کر لی تھی' کسی کے لئے اسے پہچاننا آسان نہیں تھا۔ اس کے پاس شامی سرداروں کے نام ملکہ زنوبیا کا ایک پیغام تھا۔ دمشق پہنچ کر لونگی نوس نے ایک سرائے میں قیام کیا اور چند روز تک وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرتا رہا۔ وہاں ایک عام بے چینی پائی جاتی تھی کیونکہ شام سے رومی فوج کا سلوک اچھا نہیں تھا۔ لونگی نوس ایک دن دمشق کے بازار سے گزر رہا تھا کہ بازار میں بھگدڑ مچ گئی۔ معلوم ہوا کہ یہاں سے کسی رومی سردار کی سواری گزرنے والی ہے۔ لونگی نوس نے ایک راہگیر سے پوچھا۔ "ارے بھائی اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے؟"

راہ گیر نے اسے حیرت سے دیکھا اور بولا۔ "کیا تم کہیں اور سے آئے ہو؟"

"ہاں' مصری عرب ہوں۔"

راہگیر ٹھنڈا سانس لے کر بولا۔ "رومی سردار جس شامی نوجوان کو چاہتے ہیں غلام بنا لیتے ہیں اور جو شامی دوشیزہ نظر آ جائے یعنی انہیں پسند آ جائے اسے زبردستی اٹھا لے جاتے ہیں۔ خود میری بہن اٹھائی جا چکی ہے۔ اب کوئی باعزت لڑکی اپنے گھر سے نہیں نکلتی۔"

لونگی نوس نے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تو عربوں کی غیرت پر ایک تازیانہ ہے' پہلے تو ہم ایسے نہیں تھے۔"

"سچ کہا تم نے۔ اب یہاں بے غیرت ہی رہتے ہیں اور میں بھی انہی میں سے ایک ہوں۔"

اسی وقت لونگی نوس نے ایک رومی سردار کو دیکھا جو چار گھوڑوں والے رتھ میں سوار تھا اور اس کی گردن تنی ہوئی تھی۔ اس کے پہلو میں ایک دوشیزہ سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔ ہر طرف سناٹا چھا گیا۔

شام کے حالات پر لونگی نوس کا دل تڑپ اٹھا۔ اس نے سوچا کہ اس علاقے کو ان مصائب سے نجات دلانا انسانی فرض ہے۔ اس کے فرستادہ مخبروں میں سے ایک دمشق کے قلعے میں ایک عرب سردار کے خادموں میں شامل ہو گیا تھا۔ لونگی نوس نے اس کے ذریعے عرب سردار کو ایک خفیہ پیغام بھیجا کہ تدمر کی ملکہ زنوبیا کا سفیر ملاقات کا متمنی ہے۔ سردار بہت حیران ہوا کہ آخر اس کی خواب گاہ میں یہ خفیہ پیغام کیسے پہنچا؟ اس نے اپنے خادموں سے پوچھ گچھ کی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ بہر حال کچھ سوچ کر اس نے ملاقات کا ارادہ کر لیا۔ مقررہ وقت پر وہ قلعے کی مشرقی دیوار کے باہر پہنچ گیا۔

آدھی رات ہو چکی تھی' لونگی نوس کسی طرف سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا۔ وہ جیسے ہی سردار کے قریب پہنچا' سردار نے زور سے تالی بجائی۔ تالی بجتے ہی چھپے ہوئے مسلح افراد سامنے آ گئے اور انہوں نے لونگی نوس کو حراست میں لے لیا۔ اس پر لونگی نوس کو بڑی حیرت ہوئی۔ سردار کے حکم پر اس کی تلاشی لی گئی۔ اس کے پاس سے ملکہ زنوبیا کا پیغام برآمد ہوا۔ پیغام پر ملکہ کی مہر تھی مہر دیکھ کر سردار مطمئن ہو گیا۔ اس نے سپاہیوں کو حکم دیا۔ "انہیں عزت کے ساتھ قلعے میں لے چلو۔"

پیغام میں سردار کو وطن کی آزادی کے لئے کام کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ اسے شدت سے یہ احساس دلایا گیا تھا کہ وہ عرب ہے۔ سردار پر پیغام کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ لونگی نوس کی توقع کے مطابق وہ ہر قربانی دینے کو تیار ہو گیا۔

سردار نے لونگی نوس کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا اور کہا۔ "یہ میرے لئے نہایت فخر کا مقام ہے کہ ملک کا ایک مشہور دانش مند' ایک جری رہنما ملکہ عالیہ کا پیغام لے کر میرے پاس آیا ہے۔"

وہ ایک بااثر و بارسوخ سردار تھا۔ اس نے ملکہ زنوبیا کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے بہت کام کیا اور دوسرے بہت سے برداروں کا تعاون بھی حاصل کر لیا۔ راہیں ہموار ہوتی گئیں۔ صرف چند ضمیر فروشوں نے رومی آقاؤں کے ساتھ حق نمک کی ادائیگی کا مظاہرہ کیا' لیکن زیادہ تر لوگ قوم و وطن کے وفادار ثابت ہوئے۔ ملکہ زنوبیا کے حضور لونگی نوس سرخرو لوٹا۔ وہ چند روز کے لئے تدمر آیا تھا مگر زنوبیا نے اسے بہت دنوں تک روک کے رکھا۔

ایک شام کا ذکر ہے وہ دونوں محل کے باغ میں ایک گل پوش روش پر ٹہل رہے تھے

زنوبیا کا ہاتھ لونگی نوس کے ہاتھ میں تھا۔ چلتے چلتے زنوبیا ٹھہر گئی بولی۔ ''لونگی نوس!'' اس کی آواز میں بے تابی تھی۔ ''چلو' بعل دیوتا کے معبد میں چلو! وہاں ہم کوئی فیصلہ کر لیں۔ اب یہ جدائی ہم سے برداشت نہیں ہوتی۔''

''ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔'' لونگی نوس نے محبت سے اسے سمجھایا۔ ''ابھی ہمارا یہ اقدام مصلحت کے خلاف ہوگا۔ میں ماں کی طرف سے ضرور عرب ہوں لیکن تم جانتی ہو میرا باپ ایک یونانی تھا۔ تدمر کے باشندے موجودہ فضا میں یہ پسند نہیں کریں گے کہ ان کی ملکہ کا نام ایک نیم عرب شخص کے ساتھ لیا جائے۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو لونگی نوس!'' زنوبیا نے اس کے شانے پر سر رکھ دیا۔ ''شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ تدمر والے تم پر کتنا فخر کرتے ہیں۔''

''مجھے اندازہ ہے میری ملکہ!'' لونگی نوس نے اس کا بازو تھپ تھپایا۔ ''مگر تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ ملک میں ہمارے مخالفین اور حاسدوں کی کمی نہیں ہے۔ وہ موقع کی تاک میں ہیں۔ ہم انہیں ذرا سا بھی موقع کیوں دیں۔ اس خارزار میں سردست ہمیں سنبھل سنبھل کر قدم رکھنا ہے۔ ہماری معمولی سی بے احتیاطی بھی ہمیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔ ہوا کا رخ بدلتے کیا دیر لگتی ہے۔ ویسے بھی کسی رسمی اقدام کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیا ہم ایک دوسرے سے الگ ہیں؟''

یہ سن کر زنوبیا کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔

چند روز بعد لونگی نوس نے تمام حالات زنوبیا اور سپہ سالار زبدہ کے گوش گزار کئے۔ زبدہ جنگ کی تیاریاں مکمل کر چکا تھا۔ تینوں کی باہمی صلاح سے جلد ہی کوچ کا بگل بجا دیا گیا۔ ان کا پہلا ہدف شام تھا' فوجوں کے جھرمٹ میں ملکہ زنوبیا بھی لونگی نوس کے ساتھ موجود تھی۔ شام کی طرف نہایت تیزی کے ساتھ پیش قدمی کی گئی تاکہ رومی فوجیں مزاحمت کے لئے بروقت نہ پہنچ سکیں۔ اعتماد والے شامی سرداروں کو مطلع کیا جا چکا تھا۔ کہ تدمر کے لشکر کی آمد آمد ہے۔ آخر تدمر کی فوجیں شام میں داخل ہو گئیں۔ شہریوں کو احساس تک نہ ہوا کہ کیا ہونے والا ہے۔

حملے کی بو سونگھتے ہی رومی سپاہیوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اپنے غلام ملک شام میں ان کے مزنے تھے۔ آسائشوں نے انہیں تعیش پرست بنا دیا تھا اور ان کی مستعدی رخصت

رکھ لی تھی۔ وہ تدمر کی پرعزم اور تازہ دم سپاہ کے سامنے نہ ٹک سکے۔ ان کے مجبروں نے روم جانا چاہا مگر اڑنے سے پہلے ان کے پر کاٹ دیئے گئے' سر کاٹ دیئے گئے۔ وہ معدودے چند شامی زعما جو اب تک روم سے ملے ہوئے تھے' انہوں نے بھی پسپائی اختیار کر لی صحرا رومی فوجوں کے خون سے سیراب ہو گیا۔

آخر میں رومی افسروں کے حرم کی تلاشی لی گئی۔ حرم سے زیادہ تر عرب عورتیں برآمد ہوئیں۔ رومی عورتیں بہت کم تھیں رومیوں سے گلو خلاصی ہونے پر دمشق میں یوم نجات منایا گیا۔ دو شہروں انطاکیہ اور سلیوکیہ میں رومی باشندوں کی کثرت تھی۔ ان پر کڑی نظر رکھی گئی۔ اب وہ حاکم نہیں محکوم تھے آقا نہیں غلام تھے۔

لونگی نوس کے مشورے پر ملکہ زنوبیا نے اپنی افواج کو حکم جاری کیا کہ اب رومی باشندے ہماری حفاظت میں ہیں۔ ہم ان کی سلامتی کے ذمہ دار ہیں ان پر کوئی زیادتی نہ کی جائے نیز وہ عربوں کے انتقام کا نشانہ نہ بننے پائیں۔ لونگی نوس جانتا تھا کہ اگر یہ حکم جاری نہ ہوتا تو انطاکیہ اور سلیوکیہ میں خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔

شام کی فتح پر تدمری فوج کا حوصلہ بہت بلند ہو گیا۔ شامی باشندے بڑے پیمانے پر تدمری فوج میں بھرتی کئے گئے افواج کی تعداد ایک لاکھ سے تجاوز کر گئی۔ زبدہ نے یہ خوش خبری لونگی نوس کو سنائی۔

لونگی نوس بولا۔ ''اب ہم مصر بھی فتح کر سکتے ہیں' اٹھو زبدہ' اسکندریہ ہمارا منتظر ہے۔''

☆......☆......☆

مصر پر لشکر کے لئے ستر ہزار بہترین سپاہی چنے گئے۔ ان میں صحرائیوں کے علاوہ شامی عرب بھی شامل تھے۔ ملکہ زنوبیا کے جلو میں یہ فوج آندھی اور طوفان کی طرح مصر پہنچی اور جہاں گئی وہاں فتح و نصرت کے چراغ جل اٹھے۔ بڑے بڑے جنگ جو مصریوں نے ملکہ زنوبیا سے مفاہمت کر لی اور غاصب رومیوں کو اسکندریہ سے بھی نکال دیا گیا۔ نئے سکے ڈھالے گئے ان پر شہنشاہ روم اور ویلیاں کی تصویر نہیں تھی ملکہ زنوبیا کے بیٹے وہب اللات کو آگسٹس اور زنوبیا کو آگسٹا کہا جانے لگا۔

رفتہ رفتہ شام' شمالی عرب اور مصر کے بعد ایشیائے کوچک کا ایک حصہ بھی ملکہ زنوبیا

کے زیرنگیں آ گیا۔ ایشیائے کوچک میں انقرہ تک جابجا چوکیاں قائم کر دی گئیں۔ تدمری حملوں کی شدت کیلسیڈون تک محسوس کی گئی۔ اس طرح صحرا کی ملکہ زنوبیا نے رومی سلطنت میں اپنے لئے ایک نئی عظیم الشان سلطنت پیدا کر لی۔ تدمری لوگ ملکہ زنوبیا کو بنت زابائی یعنی بنت عطیہ کہنے لگے۔ شامی اور مصری عربوں نے اسے الزبا کا نام دیا۔

سپہ سالار زبدہ نے ملکہ سے ایشیائے کوچک میں مزید پیش قدمی کی اجازت مانگی۔

ملکہ نے لونگی نوس سے مشورہ طلب کیا لونگی نوس نے کہا۔ ''مزید پیش قدمی مناسب نہیں۔''

ملکہ بولی۔ ''لیکن زبدہ نہایت جوش میں ہے۔ فتح پر فتح حاصل کر رہا ہے اسے روکا گیا تو وہ دل برداشتہ ہو سکتا ہے۔''

لونگی نوس خاموش ہو گیا پھر چند لمحوں کے بعد اس نے کہا۔ ''رومی شہنشاہ اوریلیاں اپنا بگڑا ہوا نظام درست کر چکا ہے اب وہ یقیناً ایشیائے کوچک پر توجہ دے گا اور پوری طاقت کے ساتھ سے نبرد آزما ہوگا۔''

لونگی نوس کی پیش گوئی درست نکلی۔ روم نے ایشیائے کوچک کے اس علاقے پر حملہ کر دیا جسے تدمر فتح کر چکا تھا۔ حملہ بہت زوردار اور اچانک تھا۔ زبدہ کی فوجیں بکھری ہوئی تھیں' ان کی یک جائی سے پہلے ہی رومی لشکر نے جنگ کا فیصلہ کر دیا۔ زبدہ کے لئے کمک لے جانے والوں میں ملکہ زنوبیا اور لونگی نوس بھی شامل تھے۔ وہ جس وقت محاذ پر پہنچے ان کی فوجیں بڑی بے سروسامانی میں بھاگ رہی تھیں۔ انہیں بھی لوٹنا پڑا۔

اب رومی لشکر شام کی طرف بڑھا۔ انطاکیہ اور سلیوکیہ رومیوں کے شہر تھے۔ سو لشکر کی آمد پر شہریوں نے خانہ جنگی شروع کر دی اور موقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔ رومیوں کو برائے نام مزاحمت کا سابقہ پڑا۔ تدمری سپاہ بھاری سامان سے لیس تھی۔ رومیوں کے سبک رفتار رسالوں اور پیادہ فوج نے اسے مات دے دی۔ ملکہ زنوبیا اور زبدہ پیچھے ہٹتے ہٹتے تدمر پہنچ گئے اب تدمری دارالحکومت کا صحرائی راستہ حملہ آور دشمن کے لئے کھلا تھا۔

حمص بھی رومیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ اس پر لونگی نوس کو دلی صدمہ ہوا۔ روم کا شہنشاہ کچھ عرصے حمص میں ٹھہرا رہا تا کہ سورج دیوتا کے نئے معبد مکمل ہو جائیں۔ حرمان اور زبائی رومیوں کے ساتھ تھے اور اپنے ہی ہم وطنوں کے خلاف لڑ رہے تھے۔

چند روز بعد خبر ملی کہ شہنشاہ روم تدمر کی طرف بڑھ رہا ہے ملکہ زنوبیا کو کمزور پا کر

مصری سالاروں نے رومیوں سے ساز باز کر لی تھی۔ ان سے بھی رومیوں کو فوجی امداد مل گئی۔ لونگی نوس نے اس موقع پر روم کے دشمن ایران کو دوست بنانا چاہا۔ ایران سے فوجی امداد حاصل کرنے کے لئے ایک ایلچی بھیجا گیا مگر ایران نے کوئی دلچسپی نہیں لی۔ وہ خاموش تماشائی بنا رہا۔ اسے وہ دن یاد تھا جب ملکہ زنوبیا کے شوہر اذینہ نے روم کی حمایت میں ایران سے جنگ کی تھی وہ گویا خاموشی سے اپنے دوشمنوں کی تباہی کا تماشا دیکھنا چاہتا تھا۔

شہر تدمر رومی لشکر کے محاصرہ میں تھا۔ لونگی نوس نے ملکہ زنوبیا کو صلح کا مشورہ دیا مگر زبدہ نے پرزور الفاظ میں صلح کی مخالفت کی۔ اس نے لونگی نوس سے کہا۔ ''مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی آپ ہمیں ذلیل و رسوا ہو کر زندہ رہنے کا مشورہ دے رہے ہیں؟ آپ نے غور نہیں کیا کہ ہم اس طرح ایک بار پھر رومیوں کے غلام بن جائیں گے؟

لونگی نوس نے تحمل سے وضاحت کی۔ ''زبدہ' میرے بھائی! اس وقت جوش کی نہیں ہوش کی ضرورت ہے۔ حکومت بالکل کھو دینے سے کہیں بہتر ہے کہ ہم وقتی طور پر ان کی برتری تسلیم کر لیں۔ مصلحت اسی میں ہے ورنہ میرے منہ میں خاک' ہمیں بہت برا وقت دیکھنا پڑے گا۔ ہم نے اگر صلح میں پہل کی تو ممکن ہے رومی شہنشاہ اس علاقے پر ملکہ زنوبیا کو اپنی نائب مان لے۔''

زبدہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ زنوبیا بھی خاموش رہی۔ شاید اسے بھی زبدہ سے اتفاق تھا۔ لونگی نوس نے ہونٹ سی لئے۔ خلاف توقع خود روم کی طرف سے چند شرائط کے ساتھ صلح کی پیشکش کر دی گئی۔ روم نے پورے تدمر کو دو حصوں میں بانٹنے کی تجویز دی تھی۔ ایک حصے پر حرمان کی حکمرانی ہوتی' دوسرے پر زنوبیا کی۔ ساتھ ہی روم نے شہر حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔

یہ شرائط روم کی کمزوری پر محمول کی گئیں۔ زنوبیا کا بیٹا وہب اللات اٹھارہ انیس برس کا ہو چکا تھا۔ وہ ایک پرجوش نوجوان تھا اور اپنے باپ کی طرح بہادر۔ اس نے بھی لونگی نوس کے متعلق زبان نہیں کھولی تھی مگر دل سے اسے ناپسند کرتا تھا۔

ایک روز وہب اللات نے ملکہ زنوبیا کے سامنے برسر دربار بلند آواز میں کہا۔ ''ہم اپنے دلاور باپ اذینہ کے فرزند ہیں اور بالغ ہو چکے ہیں۔ ہمیں جنگ کی اجازت دی جائے ہم اپنے باپ کی طرح میدان میں بہادری کے جوہر دکھانے کے منتظر ہیں۔''

دربار میں داد وستائش کا غلغلہ بلند ہوا۔ سب نے یک زبان ہو کر وہب اللات کی تائید کی مگر لونگی نوس نے اس بابت کہا۔ ''تدمر کے جیالو! یقین کرو، ہمارے لئے یہ ایک سنہری موقع ہے۔ روم خود صلح کا ہاتھ بڑھا رہا ہے۔ ملکہ عالیہ بھی میری بات سے اتفاق فرمائیں گی ہمیں روم کی پیشکش کسی لیت و لعل اور کسی حیل و حجت کے بغیر قبول کر لینی چاہئے۔ نوشتہ دیوار یہی ہے۔''

وہب اللات نے سوال کیا۔ ''کیا محترم لونگی نوس یہ چاہتے ہیں کہ تدمر دو ٹکڑے ہو جائے؟''

''جناب والا! اس شہر کے سوا اب ہمارا قبضہ کس شہر پر ہے۔'' لونگی نوس نے برجستہ کہا۔ ''وقت آیا تو ہم پہلے کی طرح پھر خود کو مضبوط کر لیں گے اور روم کی غلامی کا طوق اتار دیں گے۔''

''جو خود اپنے ہاتھ سے طوق پہن لے، وہ پھر کبھی آزاد نہیں ہوتا۔'' زبدہ بول اٹھا۔

''مجھے عالی مقام شہزادے کی تجویز سے پورا اتفاق ہے۔ ہمیں شہر سے نکل کر دشمنوں پر بھر پور حملہ کرنا چاہئے۔''

شہنشاہ روم کی شرائط ٹھکرا دی گئیں۔ وہب اللات اور زبدہ فوجیں لے کر نکلے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ شاہی قصر کا سابق سالار زبائی نوجوان وہب اللات کے ہاتھوں مارا گیا۔ وہب اللات بڑی بے جگری سے لڑ رہا تھا۔ اس نے طے کر رکھا تھا کہ غداروں کو اپنے ہاتھ سے ٹھکانے لگاؤں گا۔ اس کی پوری توجہ حرمان اور زبائی کی طرف تھی۔ زبائی مرا تو اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اس نے حرمان کی طرف گھوڑا دوڑا دیا۔ اب وہب اللات کے ساتھ گنتی کے چند سرفروش رہ گئے تھے۔ وہ لڑتے لڑتے دشمنوں کی صفوں میں گھس گیا۔ زبدہ دوسری طرف شہنشاہ روم کا مدمقابل تھا مگر اسے جب خبر ملی کہ وہب اللات کے ساتھ صرف چند سپاہی ہیں تو وہ فکر مند ہو گیا۔ محاذ سے ہٹنا اس کے لئے مشکل تھا، لڑائی کا نقشہ بدل جاتا۔ پھر بھی زبدہ نے یہی فیصلہ کیا کہ اسے شہزادے کی کمک کو پہنچنا چاہئے۔ زبدہ اپنے مقام سے ہٹ کر شہزادے کی جانب بڑھا۔

شہنشاہ روم نے موقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے عقب سے تدمری فوجوں کی واپسی کا دروازہ بند کر دیا۔ تدمری فوجیں دونوں طرف سے رومیوں میں گھر گئیں۔

حرمان دانستہ وہب اللات کو اپنے پیچھے لگا کر بہت اندر تک لے گیا۔ وہب اللات کو اس وقت اپنی غلطی کا احساس ہوا جب وقت گزر چکا تھا۔ اس نے خود کو دشمنوں کے نرغے میں دیکھا۔ مگر فرار ہونے کے بجائے لڑتے ہوئے مر جانے کو ترجیح دی۔ اس نے بڑھ کر حملہ کیا۔ اس کے سپاہیوں کو دم زدن میں دشمن نے کاٹ ڈالا۔ ان کی تعداد ہی کتنی تھی!

وہب اللات کا جسم زخموں سے چور تھا مگر ابھی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی جب اس کا گھوڑا بہت زخمی ہو گیا تو وہ نیچے کود گیا۔

☆......☆......☆

''پھر اسے قصہ گو، شہزادہ مارا گیا ہوگا۔'' عارج قصے کے درمیان بول اٹھا۔

قصہ گو اچانک یوں چونک اٹھا جیسے خیال و خواب کی دنیا سے واپس آنے میں اسے دیر لگ رہی ہو۔

میں نے عارج کو مخاطب کیا۔ ''اے طبیب! قصہ ابھی ختم نہیں ہوا۔''

قصہ گو اب اپنے حواس میں لوٹ آیا تھا، کہنے لگا۔ ''قصہ ختم تو نہیں ہوا... لیکن......''

''لیکن کیا؟'' میں نے سوال کیا۔

''ملکہ زنوبیا کا قصہ اب ختم ہونے والا ہے مگر میں بہت تھک گیا ہوں، اجازت ہو تو آئندہ جمعے کو......''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے قصہ گو کی بات کاٹ دی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہب اللات نے اپنے مدمقابل کو بھی گھوڑے سے گرا لیا۔ گھوڑا زور سے ہنہنایا اور سوار نیچے آ رہا۔ سوار کے ساتھ گھوڑا بھی گرا تھا۔ گرنے کے بعد گھوڑا اٹھنے کی کوشش میں تھا کہ وہب اللات اچھل کر اس پر سوار ہو گیا۔ اس کی تلوار دشمنوں کے خون میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ دیر تک دشمنوں سے اکیلا لڑتا رہا۔ زبدہ اب تک دشمنوں کا حصار توڑ کر اس تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ خود وہ اور اس کے ساتھی چاروں طرف سے گھیر لئے گئے تھے۔

حرمان اب تک وہب اللات سے دور دور تھا۔ وہب اللات نے ایک رومی سپاہی کے سینے میں تلوار اتارتے ہوئے حرمان کو دیکھا اور لمحہ بھر کو ادھر متوجہ ہو گیا۔ رومی سپاہیوں کو موقع مل گیا۔ انہوں نے وہب اللات پر حملہ کرتے ہوئے زور کا نعرہ لگایا۔ دوسرے ہی لمحے

بیک وقت کئی تلواریں وہب اللات کے جسم میں پیوست ہو گئیں۔ وہ منہ کے بل گھوڑے سے گرا۔ اس کا جسم رومی سپاہیوں کے گھوڑوں نے روند ڈالا۔

زبدہ نے لڑتے لڑتے دشمن کے پر جوش نعرے سنے۔ پھر وہب اللات کے قتل کی خبر ایک دم ہر طرف پھیل گئی۔ تدمری سپاہی مایوس ہو کر بھاگنے لگے۔ ایک سپاہی نہایت زخمی حالت میں بہت مشکل سے جان بچا کر ملکہ زنوبیا تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ زنوبیا پر یہ خبر بجلی کی طرح گری۔ زخمی سپاہی نے بتایا کہ زبدہ بھی دشمنوں کے گھیرے میں ہے۔ اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ زنوبیا اپنے حواس برقرار نہ رکھ سکی مگر لونگی نوس اسے سنبھالے رہا۔

اسی روز آدھی رات کے قریب لونگی نوس نے غم زدہ ملکہ کو ایک سانڈنی پر سوار کیا اور تن تنہا اسے محل سے نکال لے گیا۔ بدقسمتی سے دشمن کو بروقت سن گن ہو گئی۔ رومی سواروں کا ایک مشعل بردار دستہ تعاقب میں دوڑا۔ ملکہ زنوبیا اور لونگی نوس دریائے فرات عبور کرنے سے پہلے گرفتار کر لئے گئے۔

روم جنگ جیت چکا تھا۔ زنوبیا اور لونگی نوس زنداں میں پہنچ چکے تھے۔ باہر کی دنیا سے ان کا تعلق بالکل ٹوٹ گیا تھا۔ وہ دونوں شکست پر نہایت شرمسار اور ملول تھے لیکن انہیں خوشی تھی کہ دونوں ساتھ ہیں۔

ایک روز زنوبیا نے لونگی نوس سے کہا۔ ”تعجب ہے کہ ہم اور تم اب تک زندہ کیسے ہیں مگر شاید ہمیں زیادہ دن تک زندہ نہ رہنے دیا جائے۔“

”تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔“ لونگی نوس مضمحل آواز میں بولا۔ ”حرمان تمہیں شہنشاہ روم سے مانگ لے گا۔“

زنوبیا کا چہرہ دہک اٹھا‘ کہنے لگی۔ ”اگر ایسا ہوا تو یقین کرو وہ ہمیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی موت کی نیند سو جائے گا۔“

لونگی نوس کی بات صحیح ثابت ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ ایک دن ملکہ زنوبیا اور لونگی نوس کو زنداں سے نکالا گیا۔ دونوں کے پیروں میں زنجیریں پڑی تھیں۔ انہیں تدمر کے نئے حاکم حرمان کے دربار میں لے جایا گیا جس مسند پر کبھی زنوبیا بیٹھتی تھی آج اس پر حرمان بیٹھا تھا۔ ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر ان دونوں کے سر زبردستی حرمان کے سامنے جھکا دیئے۔ لونگی نوس نے گردن اٹھا کے قہر آلود نظروں سے حرمان کو دیکھا‘ پھر بلند آواز میں بولا۔

”بدبخت! گستاخ! کیا تو بھول گیا کہ میں تیرا استاد ہوں اور یہ خاتون تدمر کی ملکہ زنوبیا ہیں‘ جو تیرے لئے ہمیشہ قابل تعظیم رہی ہیں۔ سو ہمیں زنجیروں میں جکڑے دیکھ کر تجھے شرم نہیں آتی؟“

”ہم نے تم دونوں کی زندگی بچائی ہے‘ عالی مرتبت شہنشاہ روم تم دونوں کو قتل کر دینا چاہتے تھے۔ صرف ہماری گزارش پر انہوں نے تمہاری جاں بخشی کی ہے۔“ حرمان نے چند لمحے توقف کیا پھر بولا۔ ”لونگی نوس‘ میرے استاد! تمہیں یونان واپس جانے کی اجازت ہے..... اور جہاں تک ملکہ عالیہ کا تعلق ہے تو یہ بدستور ملکہ عالیہ رہیں گی۔“ زنوبیا کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔ حرمان نے سپاہیوں کو حکم دیا۔ ”ان دونوں کی زنجیریں کاٹ دی جائیں۔“

زنوبیا اور لونگی نوس کی زنجیریں کاٹ دی گئیں۔ زنجیریں کٹتے ہی زنوبیا نے تیزی کے ساتھ ایک سپاہی کی پیٹی سے خنجر کھینچ لیا اور بپھری ہوئی شیرنی کی طرح حرمان پر جھپٹی‘ اس سے پہلے کہ حرمان کے محافظ تلواریں کھینچتے‘ زنوبیا نے حرمان کو تخت سے گھسیٹ لیا اور پے در پے وار کرنے لگی۔ حرمان نے دیکھتے ہی دیکھتے دم توڑ دیا۔

تدمری درباریوں نے نعرہ بلند کیا۔ ”بنت زابائی زندہ باد!“

دربار میں جو رومی سردار موجود تھے‘ انہوں نے تلواریں اٹھائیں مگر ان کی تعداد کم تھی۔ تدمر کے لوگوں نے انہیں لمحوں میں ٹھکانے لگا دیا۔ دربار میں خون ہی خون پھیل گیا۔ مقابلہ سخت تھا۔ ایک تاج کے لئے کئی سر قلم ہو چکے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد دوبارہ ملکہ زنوبیا کی حکمرانی کا اعلان کر دیا گیا‘ مگر لونگی نوس مطمئن نہیں تھا۔ اس نے تخلیہ ہوتے ہی زنوبیا سے کہا جن سرداروں کی مدد سے تخت دوبارہ ملا ہے وہ ابن الوقت ہیں‘ سخت مطلبی ہیں‘ ان پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ ہم یہاں بدستور خطرے میں ہیں‘ ہمیں یہاں سے چپ چاپ نکل جانا چاہیے۔

زنوبیا بولی۔ ”نہیں لونگی نوس! ان میں سے بیشتر افراد ہمارے وفادار ہیں‘ حرمان کا فتنہ ختم ہو چکا ہے‘ اب کوئی تدمر کا دعوے دار نہیں‘ شہنشاہ روم بھی واپس جا چکا ہے اغلب ہے کہ وہ اب یہاں نہیں آئے گا۔“

”اور اگر آ گیا؟“

”تو ہم اس سے لڑیں گے۔“ زنوبیا پر عزم آواز میں بولی۔

لونگی نوس نے اسے اونچ نیچ سے آگاہ کیا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی اس کی ہمت دیکھ کر لونگی نوس خاموش ہو گیا۔

☆......☆......☆

شہنشاہ روم اور یلیاں ابھی سہلیس پانٹ نہیں پہنچا تھا کہ اسے خبر ملی تدمر میں بساط الٹ گئی ہے۔ لونگی نوس کی شخصیت اور سرگرمیوں کے بارے میں بھی اسے تفصیل سے بتایا گیا۔ وہ پہلے ہی لونگی نوس کا نام سن چکا تھا۔

''اس دو غلے عرب کو ہم زندہ نہیں چھوڑیں گے!'' اور یلیاں غصے سے بولا' پھر اپنی فوجوں کو حکم دیا۔ ''پلٹ کر تدمر پر حملہ کر دیا جائے۔''

تدمری افواج کو سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا۔ وہ بہت بہادری سے لڑیں مگر شکست کھا گئیں۔ لونگی نوس ایک بار پھر زنوبیا کو لے کر فرار ہو گیا اور یلیاں تلملا کے رہ گیا۔ تدمر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی ایسی تباہی پہلے کبھی تدمر پر نہیں آئی تھی۔

لونگی نوس اپنے شہر حمص پہنچ چکا تھا۔ زنوبیا اس کے ساتھ تھی۔ حمص والوں نے لونگی نوس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا کیونکہ انہیں تدمر کے قتل عام کی خبریں مل چکی تھیں۔ وہ بے حد ڈرے ہوئے تھے اور یلیاں کو لونگی نوس اور زنوبیا کی گرفتاری میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔

لونگی نوس کو بھاری زنجیروں میں شہنشاہ روم کے حضور پیش کیا گیا۔ شہنشاہ اسے دیکھتے ہی آگ بگولہ ہو گیا۔ ''بدنصیب تو ایک عالم فاضل انسان ہے' لیکن افسوس کہ تو نوشتہ دیوار نہ پڑھ سکا۔''

''بادشاہ سلامت بھی اپنا نوشتہ دیوار نہیں پڑھ سکے ہیں۔'' لونگی نوس نے سکون سے کہا۔ ''روم زیادہ عرصے عربوں کو غلام نہیں رکھ سکتا۔ یہ قوم اب جاگ اٹھی ہے۔''

اور یلیاں بگڑ کر بولا۔ ''مگر تو عرب کب ہے؟''

''میری ماں شامی تھی لہٰذا میں عرب ہوں اور اپنے عرب ہونے پر مجھے فخر ہے۔''

اور یلیاں نے طیش میں حکم دیا کہ تدمر کی باغی عورت کو لایا جائے اور اس کے سامنے اس بدزبان کو قتل کر دیا جائے۔

زنوبیا کو لایا گیا اس کا چاند اب تک ماند نہیں پڑا تھا۔

شہنشاہ روم نے زنوبیا کو دیکھا تو دیکھتا رہ گیا۔ زنوبیا پا بہ زنجیر تھی اور اس کا حال

خراب تھا۔ پھر بھی وہ ایک ملکہ معلوم ہو رہی تھی۔ اور یلیاں اب سمجھا کہ زنوبیا کی کس خوبی نے عربوں میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ زنوبیا کو دیکھ کر لونگی نوس کے چہرے پر شادابی آ گئی۔ جب تک اس کی گردن تن سے جدا نہ کر دی گئی اس کی نظریں زنوبیا کی طرف اٹھی رہیں۔ ادھر لونگی نوس کا سر کٹ کے گرا' ادھر زنوبیا غش کھا کے گر پڑی۔

☆......☆......☆

زنوبیا کو ہوش آیا تو شہنشاہ روم اسے اپنے ہمراہ روم لے جا رہا تھا۔ بے ہوشی ہی میں اسے زیورات اور جواہر پہنا دیئے گئے تھے۔ شہنشاہ کے جلوس میں زنوبیا کی سواری سب سے نمایاں تھی۔ اسے ایک رتھ میں بٹھایا گیا تھا۔ رتھ کے چاروں طرف مسلح رومی سوار تھے۔ شہنشاہ اسی شان سے روم کے دارالحکومت میں داخل ہوا۔

اور یلیاں نے زنوبیا کی جان بخش دی اور تو دلی کے مقام پر اسے ایک عالی شان قصر سکونت کے لئے دے دیا۔ قصر میں زنوبیا کے واسطے زندگی کی تمام آسائشیں فراہم کی گئیں' مگر اس نے موقع ملتے ہی زہر کھا لیا۔ یہ زہر ایک انگوٹھی میں تھا جو تدمر کی نامور ملکہ زنوبیا کی انگلی میں ہمیشہ جگمگاتی رہتی تھی۔

☆......☆......☆

حقیقت یہ ہے کہ قصہ گو نے سماں باندھ دیا تھا۔ تدمر کی زنوبیا کا چہرہ مہرہ یوں میری آنکھوں میں گھوم گیا جیسے میں سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔ اسے بہرحال قصہ گو کا کمال ہی کہا جائے گا کہ اس نے اپنے ہنر سے ایک مردہ زمانے کو زندہ کر دیا تھا۔ سو میں نے اس کی تعریف میں کہا۔ ''تو نے ہمیں خوش کر دیا سو اب ہم پر بھی لازم ہے کہ تجھے خوش کر دیں۔''

قصہ گو میرا اشارہ سمجھ گیا اور بولا۔ ''مگر سرائے کے مالک......''

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''فکر نہ کر' تجھ سے جواب طلبی نہیں ہو گی ہم اپنی مرضی سے تجھے انعام دے رہے ہیں۔''

دینار میرا نام بھی تھا اور اس قیمتی سکے کا نام بھی جو ساری مملکت میں چلتا تھا۔ دینار سرخ سونے کے سکے کو کہتے تھے۔ میرے ماں باپ نے مجھے بہت قیمتی جان کر ہی شاید میرا نام دینار رکھا تھا۔

قصہ گو کو میں نے دس دینار سرخ دیئے تو اس نے اٹھ کر فرشی سلام کیا۔ اس عرصے میں عارج کے ساتھ میں اس مکان سے نکل آئی۔ پھر ہم واپس حربیہ آ گئے۔ بغداد میں اب میری توقیر پہلے کی نسبت خاصی بڑھ گئی تھی۔

عالم سوما سے میرا رابطہ اب تک بحال تھا۔ تعلیم جاری تھی بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ اپنے آخری مراحل میں تھی۔ سوما سے میں بہت کچھ سیکھ چکی تھی اگلے روز وقت مقررہ پر جب میں اس کے پاس پہنچی تو بولی۔ ''اے سوما! تو نے مجھ سے ایک ایسے عمل کا ذکر کیا تھا جو مختلف زمانوں اور نئے جہانوں کی سیر کرا سکتا ہے وہ گزرے ہوئے زمانے بھی ہو سکتے ہیں اور آنے والے زمانے بھی! تو نے بتایا تھا کہ وہ عمل صرف جنات کر سکتے ہیں اسی عمل کے ذریعے دنیا میں بولی جانے والی مختلف زبانوں کی آگہی بھی میرے لئے دشوار نہ ہوگی...... تجھے یاد آیا؟''

''ہاں، کیوں نہیں اے دینار! مجھے سب یاد ہے تو بتا کہ تیرا ارادہ کیا ہے؟''

''میں وہ عمل کرنا چاہتی ہوں اے سوما!''

سوما کچھ دیر چپ رہا، پھر بولا۔ ''اچھا تو عمل شروع کر، باقی باتیں ہوتی رہیں گی۔''

''تو پھر کل رات......''

میری بات پوری نہ ہوئی تھی کہ عارج بول اٹھا۔ ''اے سوما! ہم تجھے کل سوچ کر بتا دیں گے۔''

سوما کو اس پر کیا اعتراض ہوتا البتہ مجھے عارج کی مداخلت اچھی نہ لگی۔ اس وجہ سے جب تعلیم کا وقت ختم ہوا اور میں کھنڈرات سے نکل کر عارج کے ساتھ صحرا میں پہنچی تو اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ ''تجھے آخر میری بات کاٹنے کی کیا پڑی تھی؟'' میں بولی۔

''کیوں، کیا مجھے تجھ پر کوئی حق نہیں اے دینار؟''

''ابھی میں نے تجھے یہ حق دیا کب ہے!'' میں نے اسے جان بوجھ کر چڑایا۔

''تو مجھے...... ٹھیک ہے، اب میں تیرے بیچ میں نہیں بولوں گا۔ تو جانے اور سوما، مجھے کیا!''

''ناراض ہو گیا کیا؟''

''دینار! تو بات ہی ایسی کرتی ہے کہ دوسرا چڑ جائے۔''

''دوسرا کون؟...... یہاں تو بس میں ہی میں ہوں تو مجھ سے الگ ہے کیا اے عارج؟''

''پہلے بھی تیری اس طرح کی باتیں سن چکا ہوں میں! پاگل نہ بنایا کر!''

''بنانے سے تیرا مطلب کیا ہے اے عارج؟ بنایا تو اسے جاتا ہے جو پہلے سے بنا نہ ہو!''

''یعنی تو مجھے پاگل سمجھتی ہے؟''

''تو یہ کیا کوئی پوچھنے کی بات ہے!'' میں ہنس پڑی۔ عارج کو بھی مجبوراً میرا ساتھ دینا پڑا۔

اس رات خاصے بحث مباحثے کے بعد یہ طے ہوا کہ آئندہ رات سے مجھے وہ عمل شروع کر دینا ہے، جس کی تکمیل کے بعد صرف اپنے ارادے کے بل پر میں ماضی یا مستقبل میں سفر کر سکتی تھی۔ عارج فوری طور پر اس عمل کے لئے تیار نہ ہو سکا۔

وہ عمل بھی چالیس دن کا تھا اور یہ اس طرح گزر گئے کہ پتا ہی نہ چلا۔

عالم سوما نے میرے ایک سوال کے جواب میں وضاحت کی۔ ''اے دینار! وقت کے جس لمحے سے تو ماضی یا مستقبل میں جائے گی، اسی میں لوٹ کر آئے گی۔''

اس پر عارج خوش ہو گیا اور دھیمی آواز میں مجھ سے کہنے لگا ''یہ تو بہت ہی اچھا ہوا، مجھے تجھ سے جدا نہیں رہنا پڑے گا۔''

قصہ گو مجھے ماضی کے ایک عہد کی سیر گویا کرا ہی چکا تھا۔ سو مجھے تجسس تھا تو آنے والے زمانوں کا۔ اس کے لئے مجھے مستقبل کی سیر کرنی تھی کہ فی الوقت کہاں ٹھہروں؟ میں نے اس میں بھی دیر نہ لگائی۔ مجھے جہاں تجسس محسوس ہوا، وہاں رک گئی۔

میں نے جو کچھ دیکھا اور میرے علم میں آیا، بیان کرتی ہوں۔

☆......☆......☆

ایودھیا اب صرف چند کوس کی مسافت پر رہ گیا تھا۔ اس لئے شاہی قاصد نے اپنے گھوڑے کی رفتار کم کر دی۔ دائیں بائیں چلنے والے گھڑ سواروں نے بھی ایسا ہی کیا۔ ان کے چہروں سے اب اطمینان جھلک رہا تھا۔ سورج طلوع ہوئے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ سردی کا زمانہ تھا، دھوپ انہیں بھلی ہی لگ رہی ہوگی۔

شاہی قاصد ہندوستان کے فرماں روا ظہیر الدین بابر کا ایک اہم فرمان لے کر اودھ کے مغل حاکم محمد سلطان مرزا کے پاس جا رہا تھا۔ حاکم اودھ ان دنوں ایودھیا آیا ہوا تھا۔ محمد سلطان مرزا بابر کے اہل خاندان میں تھا۔ بابر اسے اپنے بیٹوں کی طرح عزیز رکھتا تھا۔ رشتے میں وہ بابر کا بھتیجا اور ہمایوں کا چچا زاد لگتا تھا۔ ہمایوں کا ہم عمر ہونے کے باوجود محمد سلطان مرزا عالم جوانی میں بھی بڑی سوجھ بوجھ کا مالک تھا۔ شجاعت اسے ورثے میں ملی تھی۔ پانی پت کے میدان میں جب بابر کا مقابلہ ابراہیم لودھی سے ہوا تھا تب بھی محمد سلطان مرزا ساتھ تھا۔ دائیں جانب میمنے پر بابر کا فرزند ہمایوں تھا اور بائیں جانب میسرے پر محمد سلطان مرزا تھا۔

اس جنگ میں بابر کی بارہ ہزار فوج کے مقابل تقریباً ایک لاکھ کا لشکر تھا۔ اس ایک لاکھ کے لشکر میں لڑاکا راجپوت بھی شامل تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ گوالیار کا راجا بکر ماجیت بھی ابراہیم لودھی کا ساتھ دے رہا تھا۔

لودھی فوج کی زبردست بالادستی کو غیر موثر بنا دینے کی صرف یہی صورت تھی کہ کسی ایسے مقام پر جنگ لڑی جائے جو اپنے جائے وقوع کے اعتبار سے مغل فوج کے لئے مناسب ہو۔ بابر نے اسی لئے براہ راست دہلی کا رخ نہیں کیا اور پانی پت کو منتخب کیا۔ ابراہیم لودھی کی فوج پانی پت کے جنوب میں تھی۔ بابر کی فوج آسانی کے ساتھ دو منزل طے کر کے پانی پت کی آبادی میں داخل ہو سکتی تھی۔ یوں وہ پانی پت کے گھروں اور عمارتوں کو اپنے داہنے بازو کے لئے بطور پناہ استعمال میں لا سکتی تھی۔

بابر نے احتیاط کے ساتھ اپنی فوج کی ترتیب کا منصوبہ بنایا۔ خام چمڑے کی رسیوں سے بندھے ہوئے سات سو چھکڑوں کو کام میں لا کر اس نے اپنے کمزور محاذ کو کثرت تعداد سے بچایا۔ ہر چھے یا سات چھکڑوں کے بعد ایک دفاعی پشتہ تھا جہاں توپچیوں اور بندوقچیوں کو متعین کیا گیا تھا۔ یہ تمام تیاریاں کرنے کے بعد بابر دو منزل آگے بڑھا اور 12 اپریل 1526ء کو پانی پت پہنچ گیا۔

شہر پانی پت نے اس کے داہنے بازو کو حفاظت مہیا کی اور بائیں بازو کی حفاظت ایک خندق کھود کر اور کٹے ہوئے درختوں کی مورچہ بندی کے ذریعے کی گئی۔ دفاعی پشتوں اور چھکڑوں کی ایک قطار کے ذریعے قلب لشکر کو تقویت پہنچائی گئی لیکن صفوں میں کچھ کچھ دوری پر خالی جگہیں چھوڑ دی گئیں جو اتنی چوڑی تھیں کہ پچاس یا سو گھڑ سوار اس میں سے نکل کر حملہ آور

ہو سکیں۔ یہ قطار دفاعی سے زیادہ ایک جارحانہ تدبیر تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کی صفوں کو ایک لمبے محاذ پر الجھائے رکھا جائے تا کہ اس کی فوج کے دونوں کناروں پر بہ آسانی حملہ کیا جا سکے۔

12 اپریل کے بعد تقریباً ایک ہفتے تک ابراہیم لودھی کی فوج جنگ کا آغاز کئے بغیر میدان میں کھڑی رہی۔ باہمت باپ کا بزدل بیٹا خود آگے بڑھ کر حملہ آور ہونے کا حوصلہ نہ کر پایا۔ 19 اپریل کو خود بابر نے پیش قدمی کی مگر یہ پیش قدمی محض دکھاوا تھی۔ بہر حال چند دنوں بعد جنگ شروع ہو گئی۔

بالکل گھٹی ہوئی ایک جماعت میں جکڑے ہونے کے باعث ابراہیم لودھی کی فوج نہ آگے بڑھ سکتی تھی نہ پیچھے ہٹ سکتی تھی۔

صبح چھ بجے جنگ شروع ہوئی اور دوپہر تک ابراہیم لودھی کی فوج حوصلہ ہار گئی۔ میدان جنگ لاشوں سے ڈھک گیا۔ انہی لاشوں میں ابراہیم لودھی کی لاش بھی تھی اور گوالیار کے راجہ بکر ماجیت کی لاش بھی۔ ابراہیم لودھی کے سوا ہندوستان کا کوئی مسلمان فرمانروا میدان جنگ میں نہیں مارا گیا۔ سلطنت دہلی کی پیدائش 1192ء میں ہوئی تھی' مقام ترائن کا میدان تھا۔ اسی سلطنت نے 1526ء میں چند میل دور پانی پت کے میدان میں آخری سانس لیا۔

بابری شہ سوار' مغلوب لودھی فوج اور حواس باختہ راجپوتوں کے تعاقب میں پیام اجل بنے ہوئے اپنے گھوڑوں کو دوڑا رہے تھے۔ اسی تگ و دو میں بابر کی نظر ابراہیم لودھی کی لاش پر پڑی اور اس کا دایاں ہاتھ بلند ہو گیا۔ بہادر لشکریوں نے اپنی باگیں کھینچ لیں۔ فتح کے اعلان کے ساتھ ہی امراء نے تہنیت و مبارکباد دی۔ بابر نے اسی روز آگرے کی تسخیر اور دہلی کے خزانہ و جواہر کی ضبطی کے لئے احکام جاری کئے۔ وہیں سے اس نے ہمایوں کو تو آگرے کے لئے روانہ کیا اور خود محمد سلطان مرزا نیز دیگر امراء و لشکر کے ساتھ دہلی کی طرف کوچ کر گیا۔ آگرے کے قلعے پر اس وقت تک گوالیار کے راجہ بکر ماجیت کے آدمی قابض تھے حالانکہ راجہ مارا جا چکا تھا۔

بابر کے ساتھ شیخ زین الدین بھی تھے جن کا شمار بڑے علماء و مشائخ میں ہوتا تھا۔ جب وہ دہلی پہنچے تو خطبے میں شیخ نے اس کا نام پڑھا۔

دوسرے دن بابر نے دہلی کے قدیم قلعے شاہی محلات اور باغات کی سیر کی۔ اس

کے بعد وہ حضرت نظام الدین اولیأ، حضرت بختیار کاکیؒ اور دیگر مشائخ کرام کے مزاروں کی زیارت کرنے گیا۔ وہاں سے وہ لوٹا تو اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ شیخ زین الدین بھانپ گئے کہ ان کی محنت رنگ لے آئی ہے۔ بابر نے اسی کیفیت میں میر ساغر کو طلب کیا۔ اس کے اردگرد جو لوگ موجود تھے انہوں نے سمجھا کہ فتح کی خوشی میں اب دور ساغر چلے گا' مگر جب میر ساغر بابر کے حضور پیش ہوا تو شیخ زین الدین کے سوا سبھی دنگ رہ گئے۔ بابر کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔

''سونے چاندی کی صراحیاں' جام اور دیگر مینا کار ظروف مے نوشی حاضر کئے جائیں!'' بابر نے حکم دیا۔

اس کے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں کی گئی۔

بابر بولا۔ ''انہیں توڑ کر فقیروں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیا جائے ہم آج سے ترک مے نوشی کا اعلان کرتے ہیں۔''

اسی وقت کئی امراء نے بابر کی تقلید میں ترک مے نوشی کا عہد کیا۔ شیخ زید الدین کے ہونٹوں پر بڑی آسودہ مسکراہٹ تھی۔ جس دن بابر نے شراب سے توبہ کی' اس روز اور دوسرے دن کی رات تک قریب تین سو امیروں اور عمال و دیگر افراد نے مے خوری سے توبہ کی۔ اس موقع پر شیخ زین الدین نے بابر کو اس کا ایک عہد بھی یاد دلایا۔

''اے شیخ! آپ نے اچھا یاد دلایا۔ ہاں ہم اپنے وعدے کو پورا کرتے ہیں۔ محصول مسلمانوں کو معاف کیا جاتا ہے۔'' یہ کہہ کر بابر نے کچھ فاصلے پر بیٹھے ہوئے میر منشی کو مخاطب کیا جو بابر کے احکام لکھ رہا تھا۔ ''ہماری جانب سے ایک فرمان لکھو! اس فرمان میں ہم ان ہر دو واقعات کا اعلان کرنا چاہتے ہیں۔''

کچھ ہی دیر میں میر منشی وہ فرمان لکھ رہا تھا جس میں شراب بندی کے اعلان کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے لئے محصول معاف ہونے کی نوید تھی۔ یہ فرمان ان تمام علاقوں کے لئے تھا جو بابر کے زیرنگیں آ چکے تھے۔ کابل' بدخشاں و قندھار اور لاہور و ملتان سے لے کر اب دہلی نیز وہ سارے علاقے بابر کی حدود مملکت میں شامل تھے جن پر ابراہیم لودھی کی حکومت تھی۔

''فرمان بابر شاہ'' لکھوا کر بابر نے چند لمحے توقف کیا اور پھر روانی سے بولنے لگا۔

میر منشی کا قلم بابر کی زبان سے ادا ہونے والے ایک ایک لفظ کو کاغذ پر رقم کرتا جا رہا تھا وہ فرمان بہ اختصار یہ تھا۔

''شکر ہے اس کا جس کی ذات غفور الرحیم ہے اور جو توبہ کرنے والوں کو اپنا دوست رکھتا ہے' اور وہ لوگ جو اپنے تئیں کثافت گناہ سے دور رہتے ہیں' انہیں عزیز رکھتا ہے۔ شکر ہے اس ذات پاک کا جو گمراہوں کو راہ راست دکھلاتا ہے اور ان لوگوں پر جو اس کے طالب ہوتے ہیں' اپنا فضل و کرم کرتا ہے۔

انسان کی خواہشات نفسی' برائی سے بالکل مبرا اور معرا نہیں ہوتیں۔ اسی بنیاد پر میں کہہ سکتا ہوں کہ میرے خیالات بھی پاک و صاف نہیں ہیں کیونکہ برائی سے بچنا یا توبہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں بلکہ یہ خدا کی رحمت پر منحصر ہے۔ اگر وہ چاہے تو انسان بدخوئی دور کر سکتا ہے۔

میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ وصف اسی ذات خدا میں ہے کہ جو کوئی اس سے کسی بات کا طالب ہوتا ہے' وہ اس کو دیتا ہے اور حقیقت میں وہ بڑا رحیم و کریم ہے۔

بوجہ طریق و رسم رائج شاہی اور طرز معاشرت رعیت کی ضرور ہے کہ بہت سے افعال اور حرکات غیر مشروع ابتدا سے شاہ اور اس کی فوج میں ہوتے آئے ہیں۔ اب ایک عرصے کے بعد تاسف اور توبہ کی کنجی سے ان کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کئے جاتے ہیں۔ وہ افعال ناجائز اب بالکل ترک کئے جاتے ہیں۔

رسم مے نوشی جس کی اصلاح لازمی ہی نہیں بلکہ فرض عین ہے' اب تک پردے میں نہاں تھی اور شاید اسی کے ترک کی ہم کو بہت ضرورت تھی' الحمدللہ کہ اب عیاں ہوئی۔ میں نہ صرف اپنے بلکہ تمام اہل اسلام کے اعتقاد سے کہہ سکتا ہوں کہ شاید وہ گھڑی اور ساعت مبارک تھی جب اس متردکی اور ممانعت کا خیال میرے دل میں پیدا ہوا اور شاید ایسا ہی منظور خدا تھا۔

میں نے حتی الوسع برائیوں کی بیخ کنی میں کوشش کی اور در توبہ پر پوری گریہ وزاری کی۔ میری التجا قبول ہو گئی اور اس نے مجھ پر از راہ کرم راہ راست کھول دی۔ میں بھی خواہشات نفسانی کے مقابل پوری جنگ کرنے کو آمادہ ہو گیا۔ خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں نے نیک اور پاک خیالات کی قوی تر فوج' کے ذریعے نفس کو شکست فاش دی۔ میں نے بالکل

صادق عہد کیا ہے کیونکہ توبہ کے بعد ہی خود کو اہل اسلام میں شمار کیا ہے۔ بہ مصداق اس مثل کے وزیر چنیں شہر یار چناں' بہت سے میرے ہم نشیں اور اصحاب نے مے نوشی سے توبہ کی۔ اسی پر بس اور خاتمہ نہ تھا بلکہ ہر طرف سے یہی صدائے مسرت افزا آ رہی تھی کہ میری رعیت شراب سے توبہ کر رہی ہے۔ واقعی اس وقت چاروں طرف سے نفس کو شکست ہو رہی ہے' ایمان غالب آ رہا ہے' میرا بھی یہی خیال ہے کہ میں اور میری رعیت اگر افعالِ غیر شروع سے اجتناب کرے گی تو اس کا نتیجہ میری فتح و نصرت ہوگا۔

اغلب ہے کہ میری تمام قلمرو میں جس کا نگہبان خدائے مطلق ہے اور جو اسے تمام آفات ارضی و سماوی سے محفوظ رکھے' اگر فرمان پر پورے طور پر عمل درآمد ہوا تو شاید نہ کوئی شراب پینے والا ہوگا' نہ بنانے والا' نہ بیچنے والا' نہ خریدار' نہ لے جانے والا' نہ رکھنے والا' نہ لانے والا۔ دیکھو اس مردار سے تنفر کرو اور بچو! تمہیں اس کا نیک ثمر ملے گا کیونکہ اس قسم کی نفس کشی کا بدلہ خدا کے گھر نیک ہے۔ اس وقت جب کہ نیک مصالح درپیش ہیں' میں حسب نیت اپنی' بہ وجہ اس کے کہ دل میں بہت جوش و خروش ہے اور نیز یہ خیال بھی ہے کہ رعیت چو بیخ است سلطان درخت' یہ فرمان بھی جاری کرتا ہوں کہ کل مسلمانوں کو جو میری قلمرو میں آباد ہیں' محصول معاف کرتا ہوں۔ احکام جاری کئے جاتے ہیں کہ کسی شہر' قصبے' سڑک' گلی' راہ یا بندرگاہ میں جہاں تک میری عملداری کا شمارا ہے ہرگز ہرگز نہ کوئی محصول لے اور نہ کوئی دے۔ ان احکام پر فوری عملدرآمد کیا جائے۔

اگر کوئی شخص ان راست احکام کے خلاف عمل کرے گا تو اس پر یہ جرم عائد ہوگا کہ اس نے ترمیم احکام کا عمد کیا۔ سپاہان نامدار فتح نصیب وصف شکن جو اس دولت کے زیر سایہ ہیں' کیا عربی' ترکی یا غیر ترکی' ہندی یا فارسی اور کل ملازمان صیغہ جات دیوانی اور فوج داری اور ہر ایک قوم کے پیرو انہیں لازم ہے کہ خدا کی رحمت پر بھروسا کریں' اس کی شکر گزاری اور اطاعت و عبادت میں تغافل نہ کریں' اور ان احکام کی پابندی سے ہرگز گریز و دریغ نہ کریں بلکہ فرمان کے احکام کو فرض عین سمجھ کر بہ دل و جان اس کی تعمیل کریں۔ اس کا ثمر نہ صرف دنیا بلکہ عقبیٰ میں بہتر اور برتر ہوگا۔ جس وقت فرمان مع مہر و دستخط سلطان مرتب ہو جائے' اس وقت کل امرائے دولت و ارا کین سلطنت اور جملہ خرد و کلاں اس پر عملدرآمد کریں۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی بابر خاموش ہو گیا۔ میر منشی نے بہ عجلت اٹھ کر تحریر کردہ فرمان

ملاحظے کے لئے پیش کیا۔ بابر نے اسے پڑھ کر دستخط کر دیئے۔ پھر اسی کے سامنے شاہی مہر فرمان پر لگائی گئی۔ محمد سلطان مرزا کو بابر نے حکم دیا کہ وہ اپنی نگرانی میں اس فرمان کی نقلیں کروائے' بابر سے دستخط کروا کر مہر لگوائے اور فرمان کو تمام مملکت میں بھجوائے۔ اس کے بعد بابر عصر کی نماز ادا کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ اذان کا وقت قریب تھا۔

بابر نے دہلی میں دس روز قیام کیا۔ اس عرصے میں اس نے تباہ شدہ ملک کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی اور جہاں جہاں فتنہ و فساد کی خبریں مل رہی تھیں' وہاں وہاں فوجیں بھیجتا رہا' مگر یہ صرف وہ علاقے تھے جو دہلی سے زیادہ مسافت پر نہیں تھے۔ اس کے علاوہ روانہ کی جانے والی فوجی ٹکریوں کی تعداد بھی کم تھی۔ اس دوران میں دہلی سے فوج میں نئی بھرتی بھی کی گئی۔

دہلی سے بابر نے آگرے کی طرف کوچ کیا۔ بابر جب وہاں پہنچا تو ہمایوں قلعہ آگرہ پر قبضہ کر چکا تھا۔ اسی قلعے میں ہمایوں کو وہ الماس بھی ملا تھا جسے سلطان علاؤالدین خلجی دکن پر حملہ کر کے لایا تھا۔ ہمایوں نے یہ الماس بابر کو بطور نذر اس وقت پیش کیا جب وہ قلعہ آگرہ میں آیا۔ بابر نے بیٹے کی نذر قبول کر لی اور جوہریوں سے اس کے وزن و قیمت کی تشخیص کرائی' لیکن وہ الماس اتنا انمول تھا کہ اس کی صحیح قیمت کا تعین نہیں ہو سکا۔ بعد میں یہ الماس' تین لاکھ پچاس ہزار نقرئی تنکہ (چاندی کے روپے) اور سر بمہر ایک خزانہ جو ابھی شمار نہیں کیا گیا تھا بابر نے ہمایوں کو دے دیا۔ محمد سلطان مرزا کو دو لاکھ نقرئی تنکہ' جواہر اور دوسرے نفیس آلات بخشے گئے۔

جب آگرے کا کل خزانہ بابر کے حضور پیش ہوا تو اس نے حکم دیا کہ اس میں سے مکہ' مدینہ' کربلا' نجف اشرف' مشہد مقدس کے سادات اور علماء کو نیز دیگر ممالک کے بزرگوں کو بھی حصہ رسدی روانہ کیا جائے۔ آگرے کے دوران قیام میں بھی بابر مختلف دور دراز علاقوں میں فوج بھیجنے اور نئی بھرتی کرنے سے غافل نہیں رہا۔

☆.....☆.....☆

کچھ ہی عرصہ بخیریت گزرا تھا کہ بابر سے ایک شب شہباز خان اندجانی کی ملاقات ہوئی۔ شہباز خان بھیس بدلنے میں ماہر تھا اس لئے کوئی اسے نہ پہچان سکا۔ اس نے خود کو دہلی سے آنے والا ایک قاصد ظاہر کیا۔

بابر عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوا تھا کہ اسے قاصد کی آمد سے مطلع کیا گیا۔ بابر نے قاصد کو فوراً طلب کر لیا۔ تسلیمات کے بعد قاصد نے تخلیے کی درخواست کی تو بابر چونک اٹھا۔ اس نے قاصد کی طرف غور سے دیکھا۔ قاصد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''تخلیہ!'' بابر بہ آواز بلند بولا۔

حریری پردوں اور ستونوں کی آڑ میں چھپے ہوئے مسلح محافظ آہستگی کے ساتھ وہاں سے رخصت ہو گئے۔

''قریب آ جاؤ!'' بابر نے مسکراتے ہوئے شہباز خان کو مخاطب کیا۔

شہباز خان بلا جھجک بابر کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔

''ایسی آخر کیا افتاد پڑ گئی شہباز خان کہ آج تمہیں خود آنا پڑ گیا؟ کہو ہم ہمہ تن گوش ہیں۔''

''اے میرے شاہ! ابھی عرض کرتا ہوں۔''

یہ کہہ کر شہباز خان نے سربمہر پیغام ایک طرف رکھ دیا۔ یہ پیغام تو صرف بابر تک پہنچنے کا ایک ذریعہ تھا۔ شہباز خان یہ نہیں چاہتا تھا کہ بابر سے اس کی ملاقات کا کسی کو علم ہو۔ بابر کے اردگرد بہت سے امراء ایسے تھے جو اسے پہچان سکتے تھے۔ ہمایوں اور محمد سلطان مرزا کیلئے بھی وہ اجنبی نہیں تھا۔ اسی سبب اس نے قاصد کا بہروپ بھرا تھا کہ کسی شناسا کی نظر پڑ جائے تو اسے شناخت نہ کر سکے۔ بابر نے بھی سربمہر پیغام کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ وہ بھی معاملے کی تہہ تک پہنچ چکا تھا اور اب اس کی سوالیہ نظریں شہباز خان کی طرف اٹھی ہوئی

تھیں۔ شہباز خان نے کسی تمہید کے بغیر اصل گفتگو شروع کر دی۔ ''ہندوستان والے گھبرا گئے ہیں کہ سرزمین مغلوں کے زیر اقتدار آ گئی تو تمام افغان سرداروں اور ہندو راجاؤں پر زندگی تنگ ہو جائے گی۔ راجہ یہ تشہیر کر رہے ہیں کہ ہندو مذہب خطرے میں ہے۔ اطراف و اکناف کے راجاؤں' مشرقی پنجاب کے لودھی سرداروں' میواتیوں اور سرکش زمینداروں نے آپس میں مراسلت کے بعد اتفاق رائے کر لیا ہے۔ وہ سب ایک وفد کی صورت میں رانا سانگا اور رانا چتوڑ کے پاس فریاد لے کر جانے والے ہیں کہ یہ ملک امیر تیمور کی اولاد کے قبضے میں آ گیا تو وہ پھر یہاں سے نہیں نکلے گی۔ اسی ملک کو ٹھکانا بنا لے گی۔ وہ ہماری قومی بنیادوں کو ڈھا دے گی۔ یہ بھوکے مغل اپنے وطن والوں کے پاس ہمارے ملک کا جو تحفہ روانہ کریں گے وہ ہماری بہو بیٹیاں اور ہمارے بیوی بچے ہوں گے۔ ہماری قومی غیرت و حمیت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے نفاق کو اتفاق میں تبدیل کر لیں اور ہمت سے کام لے کر اپنے جان و مال' عزت و آبرو پر نثار کر دیں۔ ایک خبر یہ بھی ملی ہے کہ رانا سانگا خود ملک کے عالی خاندان راجاؤں اور بادشاہ زادوں سے ربط ضبط قائم کر رہا ہے۔ اس نے تقریباً دو لاکھ راجپوت اور پٹھان سواروں کو جمع کر لیا ہے۔ دو ہزار جنگی ہاتھی' توپ خانہ اور دوسرا تمام سامان جنگ بھی اس کے پاس ہے۔''

شہباز خان نے دھیمی آواز میں اپنی بات ختم کی تو بابر نے پہلو بدلا اور بولا۔ ''ہمیں اندازہ تھا شہباز خان کہ تم بلا سبب خود نہیں آئے ہو گے یقیناً تم ہمارے لئے اہم خبریں لے کر آئے ہو۔ اللہ پر بھروسا رکھو وہ ہمیں کفار کے سامنے شرمندہ نہیں کرے گا۔''

پھر مزید کچھ دیر بابر اور شہباز خان کے درمیان دھیمی آواز میں گفتگو ہوتی رہی۔ بابر نے جب اسے رخصت کی اجازت دیدی تو وہ تسلیمات بجا لا کر خلوت خانے سے باہر نکل آیا۔ اٹھنے سے پہلے سربمہر سادہ پیغام اس نے اپنے ڈھیلے ڈھالے لباس میں چھپا لیا تھا۔

بابر کو جو اطلاعات شہباز خان کے ذریعے ملی تھیں چند ہی روز بعد ان کی تصدیق ہو گئی۔ رانا سانگا آگرے کی طرف کوچ کر چکا تھا۔ اس کے کوچ کی خبر آگرے پہنچی تو ہر بزم' ہر محفل میں تذکرے ہونے لگے۔ اس خبر کے آگرے پہنچنے سے پہلے تبدیلی آب و ہوا کی وجہ سے بیشتر مغل سپاہی اور اکثر امرا طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہو گئے تھے۔ منہ لگے امیروں نے خلوت میں بابر کو واپسی کیلئے آمادہ کرنا چاہا کہ حسب سابق وہ کابل لوٹ چلے۔ بابر ان کی باتیں سنتا تھا مگر سنی ان سنی کر کے ٹال دیتا تھا۔ اسی دوران میں بابر کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے عمال میں سے ایک نے کسی سے یہ کہا ہے کہ اگر میں بخیریت سندھ سے پار چلا

جاؤں تو لعنت ہے جو پھر ہندوستان کا رخ کروں۔ بابر نے اسے طلب کرلیا مگر وہ اپنی بات سے مکر گیا۔

''جس کا جی چاہے چلا جائے ہم منع نہیں کرتے۔'' بابر نے اس عالم سے کہا اور دوسروں نے بھی یہ سنا۔

پھر نہ وہ عالم، بابر کو چھوڑ کر گیا نہ کسی امیر نے دوبارہ کابل واپس چلنے کی رٹ لگائی۔

بابر نے جو کہ شاعر بھی تھا اس واقعہ سے متاثر ہو کر کچھ اشعار لکھے جن کا مطلب یہ تھا۔ ''اے بابر، خدا کا شکر ہے کہ جس نے تجھ پر فضل و کرم فرمایا۔ سندھ اور ہند کی حکومت تجھ کو عطا کی۔ اگر ہندوستان کی گرمی تجھے کوہستانوں کی یاد دلاتی ہے تو یہ بھی یاد کر کہ برف باری اور آواری گردی اس سے بھی بدتر ہے۔''

اسی اثنا میں بعض قابوچی افغان اور میواتی سردار جو مصلحت وقت کے سبب بابر سے آملے تھے خاموشی کے ساتھ راتوں رات آگرے سے نکل گئے۔ وہ اپنے اپنے علاقوں کی طرف چلے گئے۔ اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ گوالیار کی وراثت کے دعوے دار منکت رائے نے خان جہاں بندیلہ کے ساتھ گوالیار پر فوج کشی کر دی۔ تاتار خان قلعہ دار نے مدافعت کی وہ ابراہیم لودھی کا ملازم تھا۔ اس نے خود کو مجبور پا کر بابر کے پاس عرض داشت بھیجی کہ اگر بادشاہ سلامت اپنے کسی بھی آدمی کو بھیج دیں تو قلعہ اس کے سپرد کر دیا جائے۔

اس درخواست پر بابر نے اپنے ایک امیر رحمٰن داد خان کو اس مہم پر جانے کا حکم دیا۔ راجہ منکت رائے کو چغتائی کمک کی اطلاع ملی تو اس نے محاصرہ اٹھالیا۔ منکت رائے کے جاتے ہی تاتار خان اپنے عہد سے پھر گیا۔ اس نے قلعہ سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر گوالیار ہی کے ایک حقیقت آگاہ بزرگ شیخ محمد غوث کے مشورے اور مدد سے رحمٰن داد خان نے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ مجبوراً تاتار خان نے جان و آبرو بچانے کی خاطر تمام خزانوں اور ذخیروں کی چابیاں رحمٰن داد خان کے حوالے کر دیں اور اپنی بدعہدی کی معذرت کرنے لگا۔ رحمٰن داد خان نے اسے معاف کر دیا۔ وہ رحمٰن داد خان کو واسطہ بنا کر فتح نامہ اور راضی نامہ لے کر بابر کے حضور حاضری کیلئے روانہ ہو گیا۔

ادھر آگرے پہنچ کر تاتار خان، بابر سے ملا ادھر چتوڑ کے رانا کے قریب پہنچنے کی خبریں آنے لگیں۔ پھر اودے پور کا رانا سانگا بھی اپنی کثیر فوج لے کر وہاں پہنچ گیا۔ دشمنوں

کی پیش قدمی اور ہجوم و غلبے کی پے در پے اطلاعات نے قدیم و کہن سال بہادروں کے دل بھی ڈانواڈول کر دیئے لیکن بابر کے چہرے پر بلا کا سکون و اطمینان تھا۔ اس نے دشمن سے مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس کے حکم پر جاسوسوں کو دشمن کی خبریں لانے کیلئے روانہ کر دیا گیا۔ اسی کے ساتھ بیانہ پر بادشاہی پیش خیمہ قائم کر کے پڑاؤ ڈال دیا گیا۔ اب غنیم کے لشکر کی کمان رانا سانگا کے ہاتھ میں تھی۔

ایک مغل سردار عبدالعزیز ایک جماعت کو ساتھ لے کر ''قراولی'' پر گیا تھا، زخمی ہو کر واپس آیا۔ اس کی جماعت کے بہت سے سپاہی مارے گئے۔ قراولی اس جماعت کو کہتے ہیں جو اصل فوج سے آگے دشمن کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے بھیجی جاتی ہے۔ اس جماعت کے صرف چند سوار لٹے پٹے واپس آئے۔ ان لوگوں نے آ کر کافروں کی کثرت اور غلبے کا ایسا ڈھنڈورا پیٹا کہ خوف و ہراس پھیل گیا۔ بابر نے لشکر کے تمام سرداروں اور امرا کو جمع کر کے مجلس مشاورت منعقد کی اور ہر ایک کے ظرف و حوصلے کا اندازہ کرنے کیلئے رائے طلب کی۔ اکثر کی رائے یہی تھی کہ پنجاب اور کابل کی طرف کوچ کر دیا جائے۔ انہوں نے اپنی اس رائے کے حق میں دلیلیں بھی دیں۔ بابر نے سب کچھ بڑے صبر و سکون کے ساتھ سنا مگر اس کے چہرے کی سرخی بڑھتی گئی۔ پھر جب وہ بولا تو سننے والوں کو یوں لگا جیسے اس کی آواز میں شعلے لپک رہے ہیں۔ اس کے الفاظ بڑے ولولہ انگیز تھے۔ اس نے کہا۔ ''کیا یہی تمہاری دینی غیرت اور اسلامی حمیت ہے کہ جو ملک تم نے کوشش اور محنت کے بعد حاصل کیا، اسے کافروں کے خوف سے چھوڑ کر بھاگ جاؤ؟ کیا تمہارے دلوں سے شہادت کا جذبہ مفقود ہو گیا ہے۔؟''

بابر کی آواز بلند ہوتی گئی۔ ''یاد رکھو، اگر ہم کافروں پر غالب آ گئے تو غازی ہوں گے ورنہ ہمیں شہادت کا درجہ ملے گا۔ ہمارا نام شہیدوں میں شمار ہوگا۔ کیا یہ بات اس سے بہتر نہیں کہ ہمارا نام صرف بادشاہوں کی تاریخ میں آئے وہ بھی کفار کے بھگوڑوں والے لقب کے ساتھ۔''

بابر کے ان الفاظ نے ایران و توران (ترکی) سے آئے ہوئے بہادروں کے دل گرما دیئے وہ کافروں کے مقابلے میں جان لینے اور جان دینے پر آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے قرآن پاک کو ضامن بنا کر قسمیں کھائیں اور شیخ زین الدین کے سامنے توبہ کی، تمام گناہوں سے توبہ۔

غنیم تین کوس پر پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ بابری فوج نے آبادی سے نکل کر اور ایک کوس آگے بڑھ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ پہلے ہی دن سیر و تفریح کے طور پر بہادر نو جوانوں نے مخالفوں کے

لشکر کا گشت لگایا اور چند سپاہیوں کو قتل کر کے ان کے سر بطور تحفہ کاٹ لائے۔

دوسرے دن جیسے ہی سورج طلوع ہوا بابری فوج نے مزید ایک کوس تک پیش قدمی کی۔ ابھی لشکر ٹھیک سے قیام نہ کر پایا تھا کہ غنیم کی فوج کے دل بادل افق صحرا پر نمودار ہوئے اور ہاتھیوں کی عماریاں دور سے چمکنے لگیں۔

بابر نے دشمن کے مقابل میسرے پر سید خواجہ کو رکھا' میمنے پر ہمایوں کو مقرر کیا۔ ہمایوں کے زیر کمان بہادر اور تجربہ کار صف آراؤں کی ایک بڑی جماعت تھی۔ سید خواجہ کے ماتحت وہ سارے بہادر تھے جو محمد سلطان مرزا کے زیر کمان متعدد معرکے سر کر چکے تھے۔ چند ہزار سوار محفوظ فوج میں رکھے گئے تھے کہ جہاں ضرورت پڑے مدد کیلئے پہنچ جائیں۔ خود بابر نے قلب لشکر کی کمان سنبھال لی۔ قلب لشکر ہی میں اس نے محمد سلطان مرزا کو رکھا۔ ہر طرف جاں نثاروں نے پرے باندھ لئے بقیہ فوج بھی حسب ضرورت جابجا مقرر کر دی گئی۔

چار گھڑی گزرنے پر بابر نے اپنی فوج کو حرکت دی۔ تھوڑی ہی دیر میں دشمن کی اگلی صفیں راہ فرار اختیار کرتی نظر آئیں۔ راجپوت سپاہی پسپا ہو کر رانا کے گرد جمع ہو گئے۔ رانا نے میدان جنگ کی صورتحال دیکھی تو اپنی جان بچا کر نرغے سے باہر آیا اور گھوڑا دوڑاتا ہوا سلامت نکل گیا۔ مغلوب فوجی لاشوں کے ڈھیر میں چھپنے لگے اور قیدی بنا لئے گئے۔ اس فتح کی تاریخ ''فتح بادشاہ اسلام'' سے نکالی گئی۔ بابر نے خطبے میں اپنے نام کے ساتھ ''غازی'' کا اضافہ کر دیا۔

بابر نے میدان جنگ سے جلد کوچ کا حکم دیدیا تاکہ لاشوں کے تعفن سے مغل لشکر مکدر نہ ہو۔ وہاں سے بابر شکار کھیلتا ہوا میوات پہنچا جہاں اسے میواتیوں نے نذرانے پیش کئے۔ اس علاقے کا انتظام بھی بابر نے اپنے ایک سردار کے حوالے کر دیا۔ میوات ہی میں اس نے شہزادہ ہمایوں کو کابل روانہ کر دیا۔ اس علاقے کے کچھ سردار جو آئے دن فتنے برپا کرتے رہتے تھے بابر نے انہیں ان کے قصوروں کی پاداش میں قتل کرا دیا۔ محمد سلطان مرزا کو اس نے کچھ خصوصی ہدایات دے کر اودھ کے بندوبست کیلئے رخصت کیا اودھ ہی کے علاقے میں لکھنو بھی تھا جو اس وقت لکھنوتی کہلاتا تھا۔ بابر کے زمانے میں اودھ کے عامل (گورنر) یا حاکم کی بڑی اہمیت تھی۔ اودھ کی حیثیت ایک الگ صوبے کی تھی۔ بابر نے اسی لئے محمد سلطان مرزا کو یہاں کا حاکم مقرر کیا تھا۔ یہ واقعہ 1527ء کا ہے۔

(صوبہ اودھ میں تقریباً وہ سارا علاقہ شامل تھا جو اب اتر پردیش مشرقی صوبہ یو پی

اور اترانچل پردیش کہلاتا ہے پہلے اترانچل پردیش بھی یو پی ہی کا حصہ تھا۔)

محمد سلطان مرزا نے اودھ پہنچ کر وہاں کا دورہ کیا۔ دوسری جانب بابر نے میوات سے آگرہ پہنچنے کے فوراً بعد چندیری کا رخ کیا۔ چندیری کی فتح کے بعد اس علاقے کے تمام زمیندار' رائے اور راجہ بابر کے مطیع ہو گئے۔ ان کافروں نے مسجدوں اور خانقاہوں میں گھوڑے اور مویشی باندھ رکھے تھے۔ بابر کے حکم پر انہیں صاف کرا کے مرمت کرائی گئی۔ موذن اور خادم مقرر ہوئے۔ چندیری' اینتھوا' سارنگ پورا اور رائے سین میں خدا ترس حکام اور قلع داروں کو متعین کیا گیا۔ چندیری سے گوالیار اور پھر آگرہ واپس آنے کے بعد بابر کی ایک اور خفیہ ملاقات شہباز خان سے ہوئی۔

شہباز خان سے بابر کی ان ملاقاتوں کا آغاز برسوں پہلے کابل میں ہوا تھا۔ اس وقت تک بابر نے ہندوستان کی سرزمین پر قدم نہیں رکھا تھا۔ بابر اور شہباز خان کی پہلی خفیہ ملاقات مرغزار قورغان میں ہوئی تھی۔ یہ مرغزار قلعہ کابل کی جنوبی سمت میں دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ان ملاقاتوں کا علم بابر کے سوا کسی کو نہیں تھا۔

حالیہ ملاقات بھی ایسی ہی ملاقات تھی بابر اور شہباز خان کے درمیان خلوت میں کیا گفتگو ہوئی کسی کے علم میں نہیں آ سکی۔ اہل قلعہ کو تو یہ علم بھی نہیں تھا کہ گجرات کے ایک قصبے چمپانیر سے آنے والا وہ سیاہ فام شخص دراصل کون تھا جس نے اپنا نام قمر الدین بتایا تھا اور جسے بابر نے فوراً اذان باریابی دے دیا تھا۔

یہ بات کبھی کسی نے محسوس نہیں کی کہ اس ملاقات کے اگلے ہی روز بابر نے خود اپنے ہاتھ سے ایک فرمان لکھ کر دستخط و مہر کے بعد اودھ کے حاکم محمد سلطان مرزا کی طرف روانہ کیا تھا۔ شاہی قاصد دو سپاہیوں کے ساتھ اسی روز اودھ روانہ ہو گیا تھا اس دوران میں محمد سلطان مرزا دورہ کرتا ہوا ایودھیا پہنچ چکا تھا۔ شاہی قاصد کو یہ بات خود بابر نے بتائی تھی۔

ایودھیا اب صرف چند کوس کی مسافت پر تھا۔

اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جب شاہی قاصد آبادی کے قریب پہنچا تو اسے دور ہی سے حاکم اودھ کی خیمہ گاہ نظر آ گئی۔ جب وہ قریب پہنچا تو اس نے خیمہ گاہ سے ''پریوں'' کے ایک جھنڈ کو نکلتے دیکھا۔ حسین و متناسب جسموں کی ایک بہار اسے نظر آئی۔ دھانی اور اودی ساریوں میں حسینوں کا وہ غول ''پریوں کا جھنڈ'' ہی نظر آ رہا تھا۔ اس نے ان غزالان خوش خرام کے ساتھ ایک مہنت بھی دیکھا جس کا سر گھٹا ہوا اور آدھا جسم ننگا تھا۔ کان پر جنیو لپٹا ہوا

تھا۔ گھٹے ہوئے سر پر موٹی سی چوٹی تھی اور توند باہر کو نکلی ہوئی تھی رنگ کالا تھا۔ حوروں کے پہلو میں اس لنگور کو دیکھ کر شاہی قاصد نے برا سا منہ بنایا۔ ماہ وشوں کا وہ ہجوم آبادی کی طرف بڑھ گیا۔

خیمہ گاہ آبادی سے باہر لگائی گئی تھی۔ وسط میں محمد سلطان مرزا کا خیمہ تھا اور اردگرد اسکے متعلقین کے خیمے تھے۔ حاکم وقت سے جو شعبے متعلق ہوتے تھے ان کے ارکان بھی یہیں قیام کرتے تھے۔ قاصدوں کی آمد و رفت کا شعبہ بھی الگ تھا۔ اسی سے متعلق منشی ہوتے تھے۔ اس شعبے کی اہمیت خصوصی تھی۔ اسلئے ان کے ارکان کی سکونت حاکم کے قریب ہی ہوتی تھی کہ جانے کب عجلت میں طلب کرلیا جائے۔

خیمہ گاہ کے دائیں جانب وسیع و عریض ایودھیا شہر تھا۔ یہاں بلند و بالا عمارتیں بھی تھیں اور چھوٹے چھوٹے گھر بھی۔ مسجدیں بھی تھیں، مندر بھی، بودھوں (بدھ مذہب کے پیرو) کے استوپ بھی تھے اور جینیوں کے مندر بھی۔ یہ شہر ہندوستان کے قدیم شہروں میں سے ایک تھا۔ کبھی یہ بڑا ہنستا بستا شہر ہوتا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملوں کا آغاز کیا تھا۔ محمود غزنوی تو غزنی لوٹ گیا مگر اس کا ایک سردار فوج یہیں ہندوستان میں رہ گیا۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ یہ محمود غزنوی کے رشتے میں بھائی ہوتے تھے اور ان کا نام سالار محمد مسعود تھا۔ محمود کے ساتھ جنگ و جدال میں انہوں نے بڑے کارنامے دکھائے تھے۔ سو نام کے ساتھ غازی کا اضافہ بھی ہوگیا تھا۔ 999ء سے 1031ء تک محمود غزنوی ہندوستان پر حملے کرتا رہا اور بت شکن کہلایا، لیکن غازی مسعود کا مزاج اور طبیعت محمود سے ذرا مختلف تھی۔ ہندوستان ہی میں رہ جانے کے سبب ان کے رویئے میں مزید تبدیلی آئی۔ محمود کی کمان میں اودھ کا کچھ علاقہ مسعود ہی نے فتح کیا تھا۔ محمود نے یہ علاقہ انہیں دیدیا۔ اسی علاقے میں ایودھیا بھی تھا، مگر یہاں بہت تھوڑی آبادی تھی۔ غازی مسعود ہی نے دراصل اس چھوٹی سی بستی کو شہر بنایا۔ سالار غازی مسعود جب اس علاقے میں آئے تو ایک آدھ مندر تھا۔ پھر انکی تعداد بڑھتی گئی۔ ایودھیا کی حیثیت جب ایک شہر کی ہوگئی تو یہاں ہندو بھی آ بسے۔ علاقے کا حکمران صوفی منش تھا۔ اس نے رواداری اور اسلام کی بنیادی تعلیم کی روشنی میں وسیع القلبی کا مظاہرہ کیا۔ اسی کے نتیجے میں یہاں مسلمان، ہندو، بودھ، جینی سبھی مل جل کر رہنے لگے۔ یوں ایودھیا ایک مثالی شہر بن گیا جہاں مختلف مذاہب کے لوگ موجود تھے مگر رفتہ رفتہ مذہبی رواداری کی بنا پر یہاں ہندوؤں کی اکثریت ہوگئی اور انہوں نے پر پرزے نکالنے شروع کردیئے۔ اس

کا انجام سالار محمد مسعود غازی کی شہادت تھا۔ ہندوؤں نے انہیں شہید کردیا۔ ان کا مزار اسی علاقے کی بستی بہرائچ میں بنایا گیا کیونکہ سالار مسعود ایک نیک آدمی اور غریبوں کے خیرخواہ تھے۔ پھر یہ کہ انہیں شہید کیا گیا اس لئے مسلمان ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ سالار غازی سے مسلمانوں کی اسی عقیدت نے ان کے مزار کو مرجع خلائق بنادیا۔ وہاں ہر سال عرس ہونے لگا اور درگاہ قائم ہوگئی۔ سال کے سال جلوس بھی نکالا جانے لگا۔ سالار صاحب کو بالے میاں کے لقب سے بھی یاد کیا جانے لگا۔

محمود غزنوی کے بعد سلطان شہاب الدین غوری ہندو راجاؤں سے پنجہ آزمائی کرتا رہا۔ پھر 1192ء میں دہلی سلطنت کی باقاعدہ بنیاد پڑی اور قطب الدین ایبک ہندوستان کا فرمانروا ہوا۔ (قطب الدین ایبک کا انتقال لاہور میں ہوا اور یہیں اس کی تدفین عمل میں آئی۔ پرانی انارکلی سے اخبار مارکیٹ جاتے ہوئے ایک گلی میں قطب الدین ایبک کا مقبرہ ہے۔ مصنف) مسلمانوں کا یہ دور حکومت خلجی عہد اقتدار اور پھر تغلق، سید اور لودھی خاندانوں کے بعد مغلوں کے عہد تک پہنچا۔

تغلق خاندان کا آخری تاجدار فیروز شاہ تغلق تھا۔ 1375ء کا واقعہ ہے کہ وہ سالار غازی مسعود کے مزار کی زیارت کیلئے بہرائچ پہنچا۔ اس نے خواب میں سالار صاحب کو دیکھا تھا۔ وہاں اسے کچھ ایسی رسوم نظر آئیں جنہیں وہ خلاف شرع سمجھتا تھا۔ دہلی آکر اس نے فرمان جاری کردیا کہ آئندہ یہ رسوم ادا نہ کی جائیں۔ فیروز شاہ تغلق کا انتقال ہوگیا تو پھر یہ رسوم جاری ہوگئیں۔

ابراہیم لودھی کے باپ سکندر لودھی کے زمانے تک ایسا ہی رہا۔ ہر سال مئی یا جون کے مہینے میں سالار صاحب کی یاد میں جلوس نکلتا تھا۔ سکندر لودھی نے مختلف رسوم اور بہرائچ کے جلوس کو غیر اخلاقی افعال میں شمار کیا اور اسکی ممانعت کردی۔ اسی کے ساتھ بزرگان دین کے مزاروں پر عورتوں کے جانے پر بھی پابندی لگادی۔ اس کا بیٹا ابراہیم لودھی حکومت کے چکروں ہی میں اتنا پھنسا ہوا تھا کہ اسے اس طرف دھیان دینے کی مہلت نہ ملی۔

اس سے علاقے میں بسنے والے ہندوؤں نے فائدہ اٹھایا۔ جو مساجد و خانقاہیں خراب و خستہ حالت میں تھیں ان پر متعصب ہندوؤں نے دھیرے دھیرے قبضہ جمالیا اور پھر وہاں بودوباش اختیار کرلی۔ یہاں مسلمانوں کی آبادی ویسے بھی خاصی گھٹ گئی تھی۔ جو تھے انہوں نے شور شرابا کیا بھی مگر سنتا کون! جو سننے والے تھے اقتدار کی بندر بانٹ میں لگے ہوئے

نہ تھے۔ اُن کے نزدیک اہم معاملات کچھ اور تھے۔

یہاں مسلمانوں کے دورِ عروج کی کچھ دیگر تاریخی یادگاریں اور مزارات بھی تھے وہ بھی وقت کی گرد میں دب کر رہ گئے۔ ایودھیا کو برہمن نے اپنی سیاست کا مرکز بنالیا۔ وہ نصیحت آمیز کہانیاں جو صدیوں سے بلاتصدیق تھیں انہیں برہمنوں نے مذہبی رنگ دے دیا اور انہیں بڑھا چڑھا کر بیان کرنے لگے۔ افسانے حقیقت کہے جانے لگے۔

ہزاروں سال کے عرصے میں آبادیاں کہیں کی کہیں ہو جاتی ہیں۔ بستیاں اور شہر اجڑتے بستے رہتے ہیں۔ کسی مکان کی تعمیر کیلئے ایک جگہ کھدائی ہوئی تو کچھ پتھر وتھر بھی کے نکل آئے۔ برہمنوں کو موقع مل گیا۔ انہوں نے کہانیوں کے کرداروں کی جائے پیدائش اسی جگہ کو بتا دیا۔ یہ ایک ایسا شوشہ تھا کہ کم از کم ہندو تو اس پر آنکھ بند کر کے یقین لے آئے۔ رامائن پہلے ہی موجود تھی۔ اس کی نئی نئی تشریحات ہونے لگیں اس میں اضافے بھی کر لئے گئے۔

ایودھیا شہر میں برہمنوں نے باقاعدہ ایک جگہ کو رام کوٹ یا رام درگ کہنا شروع کر دیا۔ یہ سارا معاملہ اس زمانے میں صرف اس خوف کی پیداوار تھا کہ حکومت بہرحال مسلمانوں کی ہے۔ کہیں کوئی مسلمان حکمران انہیں اس علاقے سے نکال نہ دے۔

گھاگھرہ ندی کے سامنے ایک اونچی پہاڑی تھی۔ وہاں پتھر بھی بکثرت تھے۔ بدھ مذہب کے ماننے والوں نے وہاں کبھی اپنا استوپ (بدھوں کی عبادت گاہ) بنایا ہوگا۔ اس کے کچھ آثار وہاں تھے۔ اسی کے ایک سرے پر ان برہمنوں نے رفتہ رفتہ ایک مندر بنا ڈالا۔ اس مندر کے باہر والے حصے میں تھوڑی سی جگہ ہموار ملی تو وہاں ایک چبوترا بنا دیا۔ انہوں نے ''ہنر'' یہ دکھایا کہ مندر کی تعمیر ٹوٹے پھوٹے پتھروں سے کی اور یہ تعمیر بھی ادھوری چھوڑ دی۔ چبوترے کے قریب ہی ایسا ہی ایک اور شکستہ مندر بنا دیا۔ اس چبوترے کو انہوں نے بھگوان (جو پہلے صرف راجہ تھے) رام چندر جی کی جائے پیدائش کہنا شروع کر دیا۔ قریب ہی جو دوسرا مندر ادھورا چھوڑا تھا اسے سیتا مائی کی رسوئی (باورچی خانہ) بتانے لگے۔

ابراہیم لودھی کے اقتدار کا سورج غروب ہوا اور بابر نے ہندوستان میں مغل حکومت کی بنیاد رکھی تو ''رام جنم بھومی'' کے قصے کو ایک عرصہ ہو چکا تھا۔ اس عرصے میں برہمنوں نے ہندوؤں کے ذہنوں میں اس خیال کو پختہ کر دیا تھا کہ ایودھیا رام چندر جی کی جائے پیدائش ہے۔ ایودھیا میں تین مقبرے ایسے رہ گئے تھے جو ہندوؤں کی دست برد سے بچے رہے کیونکہ

اس وقت تک ان کی دیکھ بھال کرنے والے موجود تھے۔ انہی مقبروں کے طفیل ایودھیا شہر مسلمانوں کیلئے بھی زیارت کا سبب رہا۔ ان مقبروں میں سے ایک کی بابت یہ روایت چلی آ رہی تھی کہ وہ ''حضرت نوحؑ'' کا مقبرہ ہے۔

بابر کے دور میں ایک بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہی بھی تھے۔ بابر کی ان سے ملاقات ہوئی تو شیخ نے ان معاملات کی طرف اس کی توجہ مبذول کرائی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سکندر لودھی کے زمانے میں جو انتہا پسندانہ رویہ اپنایا گیا تھا اس سے شیخ خوش نہیں تھے۔ خود بابر بزرگانِ دین کی بڑی عزت و تکریم کرتا تھا۔ اسی کے ساتھ وہ مذہبی رواداری کا بھی قائل تھا۔ اس نے دیگر مذاہب کا احترام کرنا سیکھا تھا۔ وہ اسلام کی اصل روح سے آگاہ تھا۔ اس لئے متعصب نہیں تھا۔ اودھ کے معاملات خصوصاً ایودھیا ضلع پر اس کی نظر مرکوز تھی۔

اپنے مخبروں سے بابر کو یہ اطلاعات مل چکی تھیں کہ ہندوستان بھر کے بڑے بڑے شاطر ہندوؤں کا گڑھ ایودھیا شہر ہی بنا ہوا ہے۔ ایودھیا کو ہندو سیاست کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی اور اس سیاست کی باگ ڈور برہمنوں کے ہاتھ میں تھی۔ بابر ایک مطلق العنان حکمران تھا۔ وہ سیاہ و سفید کا مالک تھا اگر وہ چاہتا تو اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا اور ہندو برہمن سیاست کے اس گڑھ کو نیست و نابود کر دیتا مگر وہ تاریخ میں اپنا نام جابر و قاہر حکمرانوں میں شامل کرانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ مغل سلطنت کا بانی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شاعر بھی تھا جس کا دل گداز ہوتا ہے۔ وہ اعلیٰ ظرف اور انسان دوست شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے اسی لئے صبر و تحمل کا ثبوت دیا۔ یوں بھی وہ میدانِ جنگ میں اپنی برتری ثابت کر چکا تھا۔

اودھ کے حاکم محمد سلطان مرزا نے ایودھیا پہنچتے ہی بابر کو ایک پیغام بھیجا تھا۔ یہ پیغام ایودھیا میں ایک مسجد کی تعمیر کے متعلق تھا۔ وسط شہر میں ایک میدان تھا جو عموماً میلوں ٹھیلوں کے موقعوں پر ہی شہر والوں کے کام آتا تھا۔ ورنہ خالی پڑا رہتا تھا۔ حاکم اودھ کی تجویز یہ تھی کہ میلوں کیلئے شہر سے باہر کوئی جگہ مخصوص کر دی جائے اور اس میدان میں مسجد بنا دی جائے۔ میدان کے آس پاس مسلمانوں کے خاصے گھر تھے جنہیں نماز پڑھنے کیلئے بہت دور جانا پڑتا تھا۔

محمد سلطان مرزا کے نزدیک یہ کوئی ایسا اہم معاملہ نہیں تھا کہ بابر سے اس کی اجازت لی جاتی مگر جب اسے بابر نے اودھ کا حاکم بنا کر بھیجا تھا تو بطورِ خاص یہ ہدایت کی تھی کہ مذہبی امور میں کوئی قدم بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ اٹھایا جائے۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی

کہ بابر نہیں چاہتا تھا کہ حکمرانوں کے مذہب کو جبر کے طور پر نافذ کیا جائے۔ دوم یہ کہ رواداری اور میل ملاپ اس کے مزاج کا خاصہ تھا۔ وہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کے دلوں میں اسلام کی بابت غلط فہمی پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مزید برآں یہ کہ محمد سلطان مرزا امرد میدان ضرور تھا لیکن سیاسی اور مذہبی امور میں بابر کے نزدیک اسے تجربے اور تربیت کی ضرورت تھی۔

ایک نئی مسجد کی تعمیر وہ بھی ایسی جگہ جو عیار ہندوؤں کا مرکز بن گئی تھی کسی عجلت کی متقاضی نہیں تھی۔ بابر کے مخبر پہلے ہی سے اس علاقے میں سرگرم تھے جنہوں نے بابر کو علاقے کی پوری صورتحال سے آگاہ کردیا تھا۔ ان سے بابر نے کچھ استفسار بھی کیے تھے۔ ابھی تحقیق حال جاری تھی۔ بابر یہ سب کچھ محض اس لئے کر رہا تھا کہ کسی جھگڑے کی بنیاد نہ پڑے۔

ایودھیا کو برہمن' رام چندر جی کی جنم بھومی کہتے آئے ہیں' یہ بات بابر کے علم میں آ چکی تھی۔ اب وہ محل وقوع کے بارے میں جاننا چاہتا تھا کہ شہر ایودھیا میں برہمنوں نے کس جگہ کو اپنے اوتار کی جائے پیدائش مشہور کررکھا ہے! مسلمان بھی اس کی رعایا تھے اور ہندو بھی۔ ان دونوں کے درمیان وہ کوئی ناچاقی نہیں چاہتا تھا۔ ایودھیا میں کسی نئی مسجد کی تعمیر سے پہلے بابر کے خیال میں یہ ضروری تھا کہ جہاں مسجد تعمیر ہونے والی ہے اس جگہ پر ہندوؤں کا کوئی دعویٰ تو نہیں! برہمنوں کی کسی متوقع سازش کو بابر کس طرح کامیاب ہونے دیتا!

بابر کے کچھ قریبی امرا سے سلطان مرزا کے مراسم بھی تھے۔ جب مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں بابر کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تو سلطان مرزا نے ان امرا کو پیغامات بھیجے کہ موقع محل دیکھ کر بابر سے اس کا ذکر کریں اور یاددہانی کرادیں۔

ایک روز موقع پا کر ان امرا نے بابر سے ایودھیا میں مسجد کی تعمیر کا ذکر چھیڑ دیا۔ انہی میں سے ایک امیر نے یہ تجویز پیش کی کہ تعمیر ہونے والی مسجد بابر کے نام سے موسوم کی جائے۔

''اس کا نام بابری مسجد ہونا چاہئے۔'' دوسرے امیر نے کہا۔

''ناموں میں کیا رکھا ہے! ہاں یہ ضرور ہے کہ شناخت کے لئے ایسا ہو۔ خلق خدا کو معلوم ہو کہ ہمارے عہد میں یہ مسجد تعمیر ہوئی' ورنہ خانہ خدا تو خانہ خدا ہی ہوتا ہے۔ بندے کو یہ زیب نہیں کہ وہ اپنے نفس کی تسکین کیلئے خانہ خدا پر بھی اپنا نام کندہ کرائے۔'' بابر اپنے مزاج کے مطابق بولا' پھر کہنے لگا۔ ''ابھی یہ باتیں قبل از وقت ہیں۔''

بابر کا اتنا کہنا کافی تھا پھر کسی امیر کی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ اس باب میں مزید کچھ کہہ

سکتا یا بابر سے سوال کرتا کہ یہ باتیں قبل از وقت کیوں ہیں؟ ان میں سے کسی کو بھی یہ خبر نہیں تھی کہ بابر کا ''خفیہ محکمہ'' ایودھیا میں ہندو روایات کی تحقیق کررہا ہے اور اس تحقیق و جستجو کے کیا دور رس نتائج برآمد ہوں گے!

کچھ ہی روز بعد بابر نے اپنے قاصد کے ذریعے بہ دست خود ایک فرمان سلطان مرزا کی طرف روانہ کیا تھا۔ اس کا مقصد بھی محض رازداری تھا ورنہ یہ کام وہ میر منشی سے بھی لے سکتا تھا۔ اس عرصے میں بابر کا خفیہ محکمہ تحقیق کے گوہر رولتا رہا۔

☆......☆......☆

''بول بجرنگ بلی کی جے...... بول شری رام چندر جی کی جے!'' یاتریوں (زائرین) کی جے جے کار سے پہاڑی گونج رہی تھی۔ ایک دبلا پتلا پنڈت نسبتاً ایک بلند جگہ پر کھڑا ہوا یہ نعرے لگوا رہا تھا۔ یہ جگہ اس شکستہ مندر کے قریب تھی جسے سیتامائی کی رسوئی کہا جاتا تھا۔ یاتریوں میں زیادہ تعداد سادھوؤں کی تھی جن کے سر اور داڑھی کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ مندر کے درشن کرکے یاتری کہیں بھجن گا رہے تھے' کہیں نعرے لگا رہے تھے اور کہیں پوجا پاٹ میں مصروف تھے۔ زیادہ ہجوم اس چبوترے کے گرد تھا جسے رام چندر جی کی جائے پیدائش بتایا جاتا تھا۔

انہی یاتریوں میں مختلف عمر کی عورتیں اور نوجوان دوشیزائیں بھی تھیں۔ ایک سادھو جانے کیوں ان عورتوں اور دوشیزاؤں میں دلچسپی لے رہا تھا۔ جدھر بھی اسے عورتیں نظر آتیں کسی چھلاوے کی طرح وہاں پہنچ جاتا۔ دراز قد سادھو کے ہاتھ میں چمٹا تھا جسے بجا بجا کر وہ عورتوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیتا تھا۔ مگر اسکی بے چین و بے قرار نظریں کسی ایک چہرے پر زیادہ دیر نہیں ٹکتی تھیں۔

یہ پہاڑی جو رام کوٹ کہلاتی تھی اس سے اترنے کیلئے پتھروں کو کاٹ کر سیڑھیاں بنادی گئی تھیں دراز قد سادھو اب انہی سیڑھیوں کی طرف آرہا تھا۔ اس سے آگے کچھ فاصلے پر دو نوجوان لڑکیاں اور ایک متوسط عمر کی عورت جارہی تھی۔ وہ عورت ان لڑکیوں ہی کے ساتھ تھی۔

دونوں لڑکیاں خوب صورت تھیں مگر عورت ان دونوں سے کہیں زیادہ حسین تھی لڑکیوں کا حسن اس کے سامنے ماند پڑ گیا تھا۔ سانولی رنگت میں عجیب سی کشش تھی۔ وہ سفید ساڑھی باندھے ہوئے تھی اور جوڑے میں بیلے کے پھولوں کا ہار لپٹا ہوا تھا قد لمبا اور جسم اکہرا

تھا۔

وہ اپنے ساتھ چلنے والی دوشیزاؤں سے آہستہ آواز میں کہہ رہی تھی۔ ''دیکھو لو وہ آج بھی ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔''

لڑکیوں نے مڑ کر سادھو کو نہیں دیکھا اور ان میں سے ایک نے عورت کو مخاطب کیا۔ ''تو کیا ہوا رادھا جی ہم آج بھی اسے جل دے کر نکل جائیں گے۔''

''پر یہ منحوس ہی کیوں پالا جائے؟'' عورت کا لہجہ معنی خیز تھا۔ ''کیا کھبر وہ کون ہو؟ جرور کوئی گڑبڑ جان پڑتی ہے۔ میں آج بات کروں گی آچاریہ جی سے۔''

دراز قد سادھو کچھ فاصلے سے ان تینوں کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں اترنے لگا۔ درمیانی فاصلہ اتنا تھا کہ وہ اپنے بارے میں ہونے والی گفتگو سن نہیں سکا تھا۔ ابھی اس نے نصف سیڑھیاں طے کی ہوں گی کہ نیچے سے ایک جوگی اوپر چڑھتا نظر آیا۔ سادھو اسے دیکھ کر چونک اٹھا۔ جوگی سانولی عورت کے قریب سے بے نیازانہ گزرتا ہوا سادھو تک پہنچ گیا۔

سادھو کے پاس سے جب اس کا گزر ہوا تو وہ بڑبڑایا۔

''انکے پیچھے نہ جا تجھے دیکھ لیا گیا ہے۔'' پھر ''جوگی'' اوم ہری ہر کا جاپ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

سیڑھیاں اترتے اترتے رک کر سادھو نے زور سے چمٹا بجایا اور وہیں سیڑھیوں سے ذرا ہٹ کر ایک پتھر پر آسن جما کے بیٹھ گیا۔ اس بار سانولی عورت رادھا نے اسے مڑ کر ضرور دیکھا تھا اور اس کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

اسی شام وہ جوگی آبادی سے دور ایک کھنڈر میں کسی کی آمد کا منتظر تھا۔ جب شام کے سائے پھیل کر رات کی تاریکی میں مدغم ہونے لگے تو اس نے کھنڈر میں کسی کے قدموں کی چاپ سنی اور چوکنا ہو گیا۔ اس نے اپنے کاندھے پر پڑی ہوئی جھولی آہستگی سے اتار لی تھی۔ اور پھر جھولی میں موجود خنجر کے دستے تک اس کا ہاتھ پہنچ گیا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ آنے والا وہی ہوتا جس کا اسے انتظار تھا۔

''تم آ گئے؟'' قریب ہی سے ایک بھاری آواز آئی۔

''جی'' جوگی نے اس آواز کو پہچان کر فوراً جواب دیا اور اپنا ہاتھ جھولی کے اندر سے کھینچ لیا۔

''کارگزاری بیان کرو!'' اندھیرے میں وہی بھاری آواز پھر گونجی۔

''ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا۔ جو حلیہ اور خد و خال بتائے گئے تھے اس پر بڑی حد تک ایک سانولی عورت رادھا پوری اترتی ہے۔'' سادھو بتانے لگا۔ ''مگر وہ بہت چالاک معلوم ہوتی ہے۔ میں نے اس کے پیچھے اپنا ایک بندہ لگایا ہے لیکن وہ کھسک جاتی ہے۔ آج صبح رام کوٹ میں بھی ایسا ہی ہوا اور میں نے اس کا تعاقب رکوا دیا۔ ایک تو یہ کہ وہ کئی دن غائب رہ کر کہیں نظر آتی ہے اور پھر غائب ہو جاتی ہے۔ اس کا نام بھی رادھا ہے۔''

''وہ نام بدل بھی سکتی ہے کوئی اور خاص بات؟''

''آج اس کے ساتھ جو دو دوشیزائیں نظر آئی تھیں ان میں سے ایک کچھ دن پہلے اس وفد میں شامل تھی جو آچاریہ ہرگوپال' حاکم اودھ کے پاس لے کر گیا تھا۔''

''اب ان تینوں میں سے جو بھی جہاں دکھائی دے اس کی کڑی نگرانی کرو! تعاقب کیلئے آدمی اور حلیئے بدلتے رہو! آچاریہ ہرگوپال پر بھی نظر رکھو! ان دونوں لڑکیوں اور رادھا کے بارے میں تمہیں اختیار دیا جاتا ہے کہ ان کی زبانیں کھلوانے کیلئے ان پر ہاتھ بھی ڈال سکتے ہو' مگر اس طرح کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ اس کیلئے تم کیا طریقہ وضع کرو گے۔ یہ تم پر چھوڑا جاتا ہے اور یہ بھی کہ ان سے کیا معلوم کرو گے! ضروری ہوا تو بقیہ ہدایات تم تک پہنچ جائیں گی۔ خدا حافظ۔'' اسی کے ساتھ قدموں کی دور ہوتی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ جو کوئی بھی تھا واپس جا رہا تھا۔

جوگی وہیں بیٹھا رہا اور پھر خاصی دیر کے بعد اس کھنڈر سے نکلا۔

آج بھی حاکم اودھ محمد سلطان مرزا خلوت میں آچاریہ ہرگوپال سے گفتگو کر رہا تھا۔ آچاریہ ہرگوپال کی شخصیت نے اسے بہت متاثر کیا تھا۔ وہ یہ سن کر بہت متاثر ہوا تھا کہ آچاریہ ہرگوپال عربی' فارسی اور سنسکرت تینوں ہی زبانوں پر عبور رکھنے کے علاوہ ترکی زبان بھی جانتا تھا۔

سلطان مرزا کی تعلیم بس واجبی ہی سی تھی۔ اسے میدان جنگ سے کم ہی فرصت ملی تھی۔ یوں بھی اسے مطالعے کا شوق نہیں تھا۔ وہ قلم کا نہیں تلوار کا دھنی تھا۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ پڑھا لکھا دشمن زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ آچاریہ ہرگوپال نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ہندو دھرم دراصل اسلام ہی کی بنیادی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ جو عہد قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ اس رات دیر ہو چکی تھی اور سلطان مرزا کو نیند آنے لگی تھی۔ اس لئے اس نے آچاریہ سے کہا تھا کہ اس موضوع پر اگلی صحبت میں گفتگو ہوگی۔ چلتے چلتے آچاریہ نے کہا تھا کہ رام اور رحیم سب ایک

ہیں۔ ہر مذہب کی بنیادی روح ایک ہے۔

سلطان مرزا اتنا تو بہرحال سمجھتا تھا کہ ہر مذہب ایک نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو روئے زمین پر بسنے والے سارے انسان ایک مذہب کے ماننے والے ہوتے۔ بچپن سے اسے جو تعلیم دی گئی تھی اس کی روشنی میں اسے یہ علم بھی تھا کہ آسمانی کتابوں میں قرآن حکیم کے سوا سب میں تحریف کی گئی ہے۔ قرآن کے سوا کوئی اور آسمانی کتاب مستند و معتبر نہیں۔ اپنے مذہب کی بنیادی تعلیمات سے وہ آگاہ تھا۔ اسی وجہ سے آچاریہ کی بات اور دعویٰ اسے کھٹکا۔ اسی بنا پر آچاریہ سے متاثر ہونے کے باوجود وہ اس کا یہ دعویٰ تسلیم نہیں کر سکا تھا۔

آچاریہ سے آج اسی کی وضاحت اسے مطلوب تھی۔ اس وقت آچاریہ ہرگوپال' سلطان مرزا کے اس سوال کا جواب دے رہا تھا کہ بت پرستی کیسے شروع ہوئی اور کب سے؟ نیز یہ کہ اگر ہندو دھرم اسلام کی بنیادی تعلیمات کا نتیجہ ہے تو پھر بت پرستی کیوں کی جاتی ہے؟

آپ نے بڑا مشکل سوال کر دیا ہے پر میں اس کا جواب ضرور دوں گا۔ اس کیلئے مجھے بہت دور تک جانا پڑے گا۔" آچاریہ ہرگوپال کی آنکھوں میں عجیب سی چمک آ گئی۔

سلطان مرزا اسکی طرف متوجہ تھا۔

آچاریہ ذرا توقف سے کہنے لگا" حضرت آدمؑ کے بعد حضرت شیثؑ نبی ہوئے اور انہوں نے اپنی عمر کے آخری دور میں اخنوخ کو درس دیا۔ اخنوخ عربی نام ہے۔ اخنوخ ہی کو عبرانی زبان میں خنوخ یونانی زبان میں طرمیس اور قرآن عزیز میں ادریسؑ کہا گیا ہے۔

حضرت ادریسؑ جب اس دنیا سے چلے گئے تو ان کے سب فرزند باپ کے غم میں گریہ وزاری کرنے لگے۔ بہت سے دن اور برس یوں ہی گزرے۔ حضرت ادریسؑ کے پانچوں بیٹے بڑے حسین وجمیل اور عابد و صالح تھے۔ ساری قوم کو ان پانچوں سے بڑا لگاؤ تھا۔ ساری قوم ان کے دکھ میں برابر کی شریک تھی کہ ان کا باپ اٹھ گیا تھا۔ لوگ ان پانچوں کی مجلس سے اٹھ کر آتے تھے دیر تک انہی کی باتیں کرتے کہ ان کی باتوں میں بڑی تاثیر تھی۔ ان میں سے بڑے کا نام وَد تھا' اس سے چھوٹے کا سواع' تیسرے کا یغوث' پھر یعوق اور پانچویں کا نام نسر تھا۔ وہ پانچوں کافی دن جئے اور پھر باری باری وفات پا گئے۔ قوم کو ان سے بڑی محبت تھی۔ نبی کے بیٹوں کی جو محبت اور عزت لوگوں کے دلوں میں تھی اسی کے زیر اثر انہوں نے بڑی بڑی چٹانیں کاٹ کر انہیں مختلف شکلیں دیں بہت دن بڑے زور و شور سے یہ کام ہوتا رہا۔ پتھروں سے ابھرنے والی پہلی صورت کا نام نبی کے بڑے بیٹے کے نام پر وَد رکھا گیا۔ یہ صورت ایک

مرد کی تھی مگر حضرت ادریسؑ کے بڑے بیٹے سے اس کا چہرہ نہیں ملتا تھا۔ اس صورت میں خدا کی محبت کا نشان ٹھہرایا گیا اور پھر اسی کو دنیا کی پیدائش کا سبب بھی قرار دیا گیا۔ اس قوم نے یوں اپنے خیال میں خدا کی محبت کو دنیا کی پیدائش کا سبب سمجھا تھا۔ وَد کیوں کہ خود بھی خدا کی محبت میں سرشار رہتے تھے۔ اس لئے ان کی یہ صنعت اس صورت سے منسوب کر دی گئی جو ان کی یاد میں چٹانیں کاٹ کر بنائی گئی تھی دنیا میں یہ پہلی صورت یا شبیہ تھی۔"

"اس بات کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں یہ پہلا بت تھا' صورت یا شبیہ کا یہی مطلب تو ہوا نا!" سلطان مرزا مرعوب ہونے کے باوجود بولے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ بہرحال اتنا صاحب علم نہیں تھا کہ آچاریہ ہرگوپال نے سچ کے ساتھ ساتھ جہاں جھوٹ کی ملاوٹ کی تھی اسے گرفت میں لے سکتا۔

اب تک آچاریہ نے جو کچھ بیان کیا تھا اس میں بڑی ہوشیاری سے دو جگہ ڈنڈی ماری تھی۔ نبی کے بیٹوں سے قوم کی محبت تو درست تھی مگر اس محبت کو شیطان نے جو رنگ دیا یا لوگوں کو جو راہ سجھائی اور لوگ جس پر چل پڑے وہ راہ بدی کی تھی۔ آچاریہ کے بیان میں دوسری جگہ وہاں ڈنڈی ماری گئی تھی جہاں ایک بت کو خدا کی محبت کا نشان ٹھہرایا گیا خدا کے لئے کوئی نشانی ٹھہرانا اور اس کے آگے جھکنا یہ سب شیطان کی کارستانی تھی۔

سلطان مرزا کی بات سن کر آچاریہ کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا تھا' یوں جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ پھر بھی وہ مسکرایا اور کہنے لگا" صورت یا شبیہ کو آپ بت بھی کہہ سکتے ہیں بات ایک ہی ہے۔

سلطان مرزا نے نہایت فراست سے کہا" یہ ایک بات نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ صورت یا شبیہ نہیں اسے بت ہی کہا جائے گا آچاریہ جی! اب آپ آگے بیان جاری رکھیں۔"

آچاریہ مزید بحث میں پڑے بغیر اپنا گنجا سر ہلا کر پھر بولنے لگا" چٹانوں سے تراشی جانیوالی دوسری شکل عورت کی تھی۔ عورت کی اس شکل کو خدا کے ثبات و قرار کیلئے ضروری گردانا گیا۔ اس کا نام دوسرے بیٹے سواع کے نام پر سواع ہی رکھا گیا۔ یہاں ایک بات اور بتاتا چلوں کہ وہ لوگ بعد کے لوگوں کی طرح ماہر سنگ تراش نہیں تھے۔ انہیں تو بس اپنے پیاروں کی یادگاریں بنانی تھیں سو بنا دیں۔ سواع کیونکہ اپنے بھائی وَد کا دایاں بازو سمجھے جاتے تھے تو یوں سواع کی یادگار کو وَد کیلئے لازم قرار دیا گیا۔"

یہاں بھی آچاریہ درمیان میں ایک بات حذف کر گیا کہ ہندوؤں نے بعد میں اسی بت کو برہما کہا۔ سلطان مرزا تحقیق کے دریا کا شناور نہ تھا۔ لہٰذا حکمت کے ساتھ خاموش رہا۔

آچاریہ کا بیان جاری تھا۔ اب وہ تیسرے بت کی تخلیق کے بارے میں بتا رہا تھا۔ "تیسری شکل یا یادگار گھوڑے کی صورت پر بنی۔ اس کا چہرہ گھوڑے کا بقیہ جسم آدمی کا تھا۔ اس کا نام تیسرے بیٹے کے نام پر یغوث پڑا۔ اسے فریادیں سننے والا اور مشکل وقت میں کام بنانے والا خیال کیا گیا۔ یغوث اپنی زندگی میں لوگوں کے آڑے وقت پر کام آتے تھے اور ان کے دکھ درد سنتے تھے۔ سو یوں اس یادگار کے ساتھ یہی صفات لازم آ گئیں۔ حضرت ادریسؑ کے چوتھے بیٹے یعوق جب زندہ تھے تو لوگوں کو جو نقصان کسی عمل سے پہنچنے والا تھا اس سے انہیں قبل از وقت روک دیتے تھے کہ اے لوگو! یہ عمل نہ کرو اس سے تمہیں نقصان ہوگا۔ وہ بہت بہادر تھے اور لوگوں کو مختلف بلاؤں سے دور رکھتے تھے۔ بلائیں جو زمین کے سینے پر ہیبت ناک جانوروں اور مختلف شکلوں میں رینگتی تھیں تو جب یعوق کی یادگار بنائی گئی اس کی صورت شیر کی تھی۔ اسے نقصان سے دور رکھنے والا اور بلاؤں سے بچانے والا سمجھا گیا۔ پتھروں کو کاٹ کر بنائی جانے والی آخری اور پانچویں شکل سب سے چھوٹے مگر سب سے طاقتور بیٹے نسر کے نام پر رکھی گئی۔ کچھ کہتے ہیں یہ شکل کرگس کی جیسی تھی اور کچھ نے لکھا ہے بندر جیسی تھی۔ بندر سے اس کے چہرے کی مشابہت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ بعد میں اسی شکل کو ہم نے ہنومان جی بھی کہا۔ اس آخری شکل کو خدا کی طاقت وقوت کا مظہر جانا گیا۔"

اس کے بعد آچاریہ ہرگوپال اپنے علم کے زور پر سلطان مرزا کو مرعوب کرتا رہا۔

اب وہ روحانیت پر بول رہا تھا اور روحانیت کا وہ تصور پیش کر رہا تھا جو ویدوں سے اخذ کیا گیا تھا۔ آچاریہ کا خلاصہ کلام یہ تھا کہ اسلام حضرت آدمؑ سے چلا۔ دوم ہندو دھرم اور ہندو قوم اسلام کو سچا مذہب جانتی اور سمجھتی ہے۔ سوم یہ کہ ہندو مسلم سب ایک ہی خدا کے ماننے والے ہیں۔ اصل ایک ہے نام الگ الگ ہیں وغیرہ۔ بت پرستی کے آغاز کے بارے میں اس نے بتا دیا مگر بعد میں اصل واقعات سے یا تو دانستہ گریز کیا یا پھر اسے معلوم ہی نہیں تھے۔ اس نے یہ نہیں بتایا کہ بت پرستی کا آغاز ہوتے ہی شیطان کی بن آئی۔ ان بتوں کو سجدے گزارے جانے لگے۔ برس پر برس بیتے پر ان کے طور نہ بدلے۔ سامان عیش بھی تھا اور وہ خوش بھی تھے۔ پھر خدا سے غافل کیوں نہ ہو جاتے اعیش دنیا میں وہ آخرت کو ایسے بھولے کہ کوئی نیک بات ماننا تو الگ سننے کو تیار نہ ہوتے۔ بے خبروں کا وہ گروہ اپنے حال میں خوش اور اپنی کھال

میں مست اپنے اپنے بتوں کے متعلق فسانے گھڑتا اور ایک دوسرے کو سناتا۔ باپ مرتا تو بیٹے کے دل میں سیاہی بھر جاتا اور جب بیٹے کا وقت آتا تو وہ اپنے بعد آنے والوں کو تاکید کر جاتا کہ بتوں کی تعظیم میں کمی نہ آئے ورنہ بڑی تباہی آئے گی۔

سو یوں ہی ہوتا رہا۔ پھر وہ یہ بھی بھول گئے کہ ابتداء کہاں سے ہوئی تھی۔ انہیں بس یہ یاد رہ گیا کہ یہ تو ان کے پچھلوں کا وہی دین تھا جو ان کا ہے اور یہ کہ ساری خدائی انہی پانچ بتوں کی ہے۔

پھر وہ دن بھی آ گیا کہ انہی میں سے ایک نے کہا۔ "نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور میں اللہ کا رسول ہوں۔" یہ یشکر تھے۔ روشن آنکھوں اور نورانی چہرے کے مالک یشکر نے اپنی قوم پر اتنی بار نوحہ کیا کہ انکا نام ہی نوح پڑ گیا۔ سو یہ حضرت نوحؑ تھے جنہوں نے پہلی بار بت پرستی کو باطل قرار دیا اور اسے کفر کہا۔

کفر کا مطلب چھپانا اور کافر کا مطلب چھپانے والا ہے۔ یعنی جو حقیقت کو چھپائے سچ پر پردہ ڈالے۔ آچاریہ ہرگوپال بھی صاحب علم ہونے کے باوجود بہرحال کافر تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ سلطان مرزا اس کے علم سے مرعوب تو ہے لیکن اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہو رہا تو اس نے سلطان مرزا پر ایک اور حربہ آزمایا۔

وہ ایودھیا کی حسین ترین دوشیزاؤں کو ایک بہانے سے وفد کی صورت میں سلطان مرزا کے پاس لے گیا۔ بہانہ ہندوؤں کی ایک مذہبی رسم تھی۔ آچاریہ ہرگوپال نے کہا تھا کہ حاکم ہمارے دھرم (مذہب) میں دیوتا سمان (کی طرح) مانا جاتا ہے۔ بن بیاہی کنیائیں (لڑکیاں) رام کوٹ لے جا کر اس کی آرتی اتارتی ہیں (آرتی اتارنا پرستش ہی کا ایک حصہ ہے) سو یہ سب میری رہنمائی میں اس لئے آپ کو رام کوٹ لے جانے آئی ہیں اس پوتر (پاک) جگہ جہاں ہمارے اوتار (پیغمبر) کا جنم ہوا تھا۔ اس دوران میں آچاریہ کن انکھیوں سے سلطان مرزا کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا تھا اور اپنی دانست میں اس نتیجے پر پہنچ گیا تھا کہ اس کا حربہ کامیاب رہا ہے۔ سلطان مرزا نے آچاریہ ہرگوپال کی یہ پیشکش ٹھکرا دی تھی کہ وہ رام کوٹ جا کر کنواری کنیاؤں سے آرتی اتروائے گا۔ اس نے جواباً کہا تھا۔ "ہمارے مذہب میں کوئی بھی اوتار کی طرح نہیں ہوتا۔ میں اسی لئے آپ لوگوں کی اس رسم میں شرکت نہیں کر سکتا۔"

آچاریہ ہرگوپال بلا کا گھاگ تھا۔ اس نے بددل ہونے کے بجائے ایک نیا پینترا

بدلا اور سلطان مرزا سے کرشن جی اور ان کی گوپیوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ گوپیوں کے ذکر سے اس نے تخلیق کا قصہ اور پھر شیو جی کا بیان شروع کر دیا۔ مزید بے حجابی اور بے تکلفی کی خاطر اس نے ہندو دیو مالا کے اس تخلیق والے حصے کو تفصیل سے بیان کیا جس سے سلطان مرزا کے جذبات برانگیختہ ہوں۔

سلطان مرزا کی کیفیت دیکھ کر آچاریہ نے ایک اور وار کیا۔

''یہی تو ہمارا دھرم ہے۔''

سلطان مرزا حیران تھا کہ آچاریہ یہ کیا کہہ رہا ہے اسے ہرگز یہ اندازہ نہیں تھا کہ بات اس حد تک آگے بڑھ جائے گی مگر ابھی تو اسے مزید حیران ہونا تھا۔

''ہمارے دھرم کے مطابق کرشن مہاراج اوتار تھے اور بھگوان کے اوتار! اس جگ (دنیا) کی ہر چیز پر اپنا حق رکھتے ہیں۔ داس (خدمت گار) ہوں کہ داسیاں' مرد ہوں کہ عورتیں' بیاہی ہوں کہ بن بیاہی سب پر ان کا ادھیکار (اختیار) ہے سو اوتار ہونے کے ناطے برج کی گوپیوں پر بھی کرشن مہاراج کا ادھیکار تھا۔ گوپیاں انکی مرلی (بانسری) پر ناچتی تھیں اور اپنا سب کچھ ان پر ارپن' (ارپن' نثار) کر دیتی تھیں۔ آچاریہ' حاکم اودھ کو پرچار رہا تھا۔ ''دکسی راج کا راجہ یا حاکم ہمارے دھرم میں اوتار ہی جانا اور مانا جاتا تھا۔ سو اس کو بھی اپنی رعایا پر اوتار ہونے کے ناطے ایسا ہی ادھیکار ہے۔''

''یعنی اگر وہ چاہے تو اپنی رعایا میں سے کسی کو بھی اپنے تصرف میں لا سکتا ہے؟''

سلطان مرزا نے بظاہر انجان بنتے ہوئے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔

آچاریہ کی آنکھوں میں فتح کی چمک لہرانے لگی۔ مغلوں نے تو اودھ کو فتح کیا تھا' آچاریہ ہرگوپال نے حاکم اودھ کو فتح کر لیا تھا' پھر اسی رات آچاریہ نے اس فتح کا جشن منایا تھا۔ اس نے دیا (چراغ) بجھایا تو چونک اٹھا۔ ''ہرگوپال! تو دیئے کی جوت بجھا سکتا ہے پر میری آنکھوں کی جوت نہیں' جو اندھیرے میں بھی دیکھ لیتی ہے۔ اندھیرے میں جیسے کسی ناگن کی پھنکار سنائی دی۔

''دیوی!'' آچاریہ کے منہ سے ڈری ڈری آواز نکلی۔

''تو یہاں عیش کر رہا ہے اور تجھے نہیں معلوم کہ دشمن تیرا پیچھا کرتے ہوئے اس مندر تک بھی آ پہنچے ہیں۔ شاید تجھے یہ گھمنڈ ہے کہ وہ مندر کے اس تہہ خانے تک نہیں پہنچ سکیں گے۔''

آچاریہ آج واقعی اپنی فتح پر اتنا ہی خوش تھا کہ اس نے تعاقب کا خیال نہیں کیا تھا۔ پچھلے کچھ دنوں سے شک تو اسے بھی تھا کہ اس کی نگرانی ہو رہی ہے۔ یہ شک آج یقین میں بدل گیا تھا جسے اس نے ''دیوی'' کہا تھا' وہ غلط نہیں کہہ سکتی تھی۔ آچاریہ ہرگوپال نے بس ایک بار اس ''دیوی'' کی ہلکی سی جھلک دیکھی تھی یا پھر خود ''دیوی'' ہی نے اسے اپنا دیوانہ بنانے کیلئے جھلک دکھلائی تھی۔ آچاریہ تبھی سے اس کا دیوانہ ہو گیا تھا' مگر دیوانگی کے اظہار کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔ وہ ''دیوی'' کی طاقت سے واقف تھا۔ سارے ایودھیا پر اسی کی حکومت چلتی تھی۔

آچاریہ ہرگوپال کو بنارس سے یہاں بھیجا گیا تھا۔ پھر اسے اسی نظام کا ایک حصہ بنالیا گیا تھا جو ایودھیا کا زیر زمین نظام کہلاتا تھا۔ موجودہ ''دیوی'' ساتویں تھی۔ اس سے پہلے چھ اور ''دیویاں'' ایودھیا کی اس زیر زمین دنیا پر حکمرانی کر چکی تھیں۔

''دیوی'' کے مخبر ہندوستان بھر کے راجاؤں کے دربار میں تھے۔ ایودھیا ہی ایک ایسا مرکز تھا جو ہندو ریاستوں کو ایک دھاگے میں باندھے ہوئے تھا۔ راجاؤں کیلئے وہیں سے احکام جاری ہوتے تھے۔

اس شہر میں ہندوؤں کے بڑے بڑے ''دماغ'' جمع تھے اور ان دماغوں پر دیوی کی حکومت تھی۔ ایک دیوی اگر مر جاتی تھی یا اپنے دشمنوں کے ہتھے چڑھ کر ہلاک ہو جاتی تھی تو اس کی جگہ دوسری دیوی لے لیتی تھی جو پہلے ہی زیر تربیت ہوتی تھی اور دیوی کی نیابت کرتی تھی۔ دیوی یا اس کی نائبہ کا انتخاب یہی ''بڑے دماغ'' کرتے تھے۔ ان میں بڑے بڑے رشی منی ہوتے تھے۔

دیوی کو مذہبی درجہ حاصل تھا۔ اسے دنیا کے قدیم ترین بت سواع کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا۔ چٹانیں کاٹ کر بنائی جانے والی کسی عورت کی یہ پہلی مورتی تھی۔ ہندو عقائد کے مطابق سواع ہی کو برہما کہا جاتا تھا اور برہما ہی کو ہندو دنیا کا پہلا آدمی کہتے ہیں۔ عورت کی مورتی کو کب مرد کے بت میں تبدیل کر دیا گیا اس کا سراغ ہندو دیو مالا میں بھی نہیں ملتا۔

اس مذہبی حیثیت نے دیوی کے مقام کو بہت بلند کر دیا تھا۔ وہ کم ہی کسی کے سامنے آتی تھی اور اگر آتی بھی تھی تو اس کا چہرہ نقاب میں چھپا رہتا تھا۔ دیوی اگر مصلحتاً کسی کو اپنی جھلک دکھا دیتی تو وہ خود کو خوش قسمت سمجھتا۔ ہرگوپال بھی ایسے ہی خوش قسمتوں میں سے ایک تھا۔ دیوی کے حکم ہی پر وہ سلطان مرزا کے پیچھے لگا تھا اور اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا۔ اب

اسے یہ امید تھی کہ اس کا درجہ بڑھا دیا جائے گا اور وہ بھی ''بڑا دماغ'' کہلائے گا مگر ذرا سی غلطی نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ ابھی وہ دیوی سے اپنے ''کارنامے'' کی داد بھی نہیں لے پایا تھا کہ یہ افتاد پڑ گئی۔ ایسے میں اسے یہی سوجھا کہ دیوی سے اپنے قصور کی معافی مانگ لے اور اس نے ایسا ہی کیا۔

ایودھیا سے کوئی پچاس میل شمال مغرب میں ایک قدیم شہر سیت نہیت کے کھنڈرات تھے۔ یہ کھنڈرات راپتی ندی کے جنوب میں واقع ٹیلوں پر تھے اور یہ ٹیلے جنگلوں میں گھرے ہوئے تھے اس قدیم شہر کو گیارہویں صدی عیسوی میں سوم ونشی خاندان کے آخری راجہ سوہل دیو نے اپنا مستقر بنایا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دو چینی سیاحوں ہوان سیانگ اور پھر فاہیان نے بھی یہ کھنڈرات دیکھے تھے۔ اور مگدھ کے گپت سامراج میں یہ شہر پھلا پھولا تھا۔ گپت خاندان کے زوال کے ساتھ ساتھ 319ء میں اس شہر کا بھی زوال ہو گیا تھا۔

ان قدیم شہر کے کھنڈرات اور ان کے قریبی جنگلوں میں اس وقت بڑی سرگرمی نظر آ رہی تھی یہاں دو لاشیں ملی تھیں ایک لاش اس سادھو کی جس نے رام کوٹ میں سانولی رادھا اور دو دوشیزاؤں کا تعاقب کیا تھا۔ دوسری لاش اس جوگی کی تھی جسے ایودھیا شہر کے ایک قریبی کھنڈر میں آ جا رہیہ ہرگوپال کی نگرانی کا حکم ملا تھا۔ جنگل میں مناسب جگہ ان دونوں لاشوں کی تدفین کر دی گئی تھی۔ اب کھنڈرات اور قریبی جنگلوں کا گوشہ گوشہ چھانا جا رہا تھا۔

وہ دونوں جن میں سے ایک سادھو اور جوگی بنا ہوا تھا ہفتے بھر سے غائب تھے۔ ایودھیا اور اس کے نواحی علاقوں میں ایک ہفتے سے ان دونوں کو تلاش کیا جا رہا تھا۔ تلاش بسیار کے بعد آج ان کی لاشیں ملی تھیں جن سے تعفن اٹھ رہا تھا۔ شناخت کے بعد فوری طور پر انہیں دفنا دیا گیا تھا۔ لاشوں سے جو تعفن اٹھ رہا تھا اسی نے لاشوں تک پہنچنے میں مدد دی تھی۔

دوپہر کے وقت وہ گروہ لاشیں تلاش کرنے میں کامیاب ہوا تھا اور اب شام ہو رہی تھی۔ ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ گروہ کے نگران نے مشعلیں جلانے کا حکم دیدیا تھا۔ وہ سر سے پیر تک سیاہ لبادے میں چھپا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ بھی سیاہ نقاب ہی میں تھا۔ نگران نے اپنے ماتحتوں کو جو احکام دیئے تھے انہی کی روشنی میں سراغ لگانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

رات ہو گئی تو اس نے اپنے ماتحتوں کو روانگی کا حکم دیدیا مگر خود وہاں سے نہیں گیا۔ ان میں سے کسی کو علم نہیں تھا کہ ان کا نگران کہاں رہتا ہے۔ نگران کے احکام انہیں مختلف ذرائع سے مل جاتے تھے اور کبھی براہ راست بھی وہ ان تک پہنچ جاتا تھا۔ انہیں صرف یہ علم تھا

کہ کوئی طاقتور خفیہ ہندو تنظیم ایودھیا میں سرگرم عمل ہے اور ان کا نگران اس تنظیم کے گرد جالا بن رہا ہے! انہیں یہ بھی خبر نہیں تھی کہ مختلف افراد سے کیا کام لے رہا ہے۔ سیاہ لبادے میں ملبوس شخص کے ماتحت وہاں سے چلے گئے اور ہر طرف خاموشی پھیل گئی تو اس نے سیاہ لبادہ اتار دیا۔ نقاب بھی چہرے سے ہٹا دی۔ جلتی ہوئی مشعل کو اس نے ایک درخت کے دوشاخے میں پھنسا دیا۔ سانولی رنگت کا وہ شخص ہندوستانی ہی معلوم ہو رہا تھا اس کی کمر سے چمڑے کی جو پیٹی بندھی ہوئی تھی اس میں خنجر، جدھر، تلوار اور اسی وضع کے دیگر ہتھیار لگے ہوئے تھے۔ چھوٹا سا ایک ہتھیار جسے بندوق کی مختصر شکل کہا جا سکتا ہے خود اسی کی اختراع تھی اس میں بارود اور لوہے کی چھوٹی چھوٹی گولیاں تھیں اس کے چلنے سے دھماکہ بھی ہوتا تھا۔ یہ خطرناک ہتھیار بھی اس کے پاس تھا جسے اس زمانے کا جدید ترین ہتھیار کہہ سکتے ہیں۔ تیر اور کمان بھی اس کے پاس تھے۔ وہ اس طرح ہتھیاروں سے مزین تھا جیسے اسے کوئی معرکہ درپیش ہو۔ اس کے سینے اور پشت پر چہار آئینہ بندھا ہوا تھا۔ چمڑا لگے ہوئے یہ چار آہنی ٹکڑے تھے جن سے اس کے سینے اور کمر کی حفاظت ہو گئی تھی۔ پیروں میں ''موزہ آہنی'' تھا جن سے پیروں کی حفاظت مقصود تھی۔ اسی طرح ہاتھوں کی حفاظت کیلئے دستانہ آہنی تھا۔ سر پر دبلغہ بھی لوہے کا ہوتا تھا۔ اس سے چہرے، سر اور ناک کی حفاظت ہوتی تھی۔ اس کے گرد خوبصورتی کیلئے ایک بڑا رومال بندھا ہوا تھا جس کا کچھ حصہ شانے کی پشت پر لٹک رہا تھا۔ سیاہ لبادے کے نیچے بھی وہ جو لباس پہنے ہوئے تھا۔ سیاہ ہی تھا، شاید اس لئے کہ دور سے دیکھنے پر وہ تاریکی کا ایک حصہ معلوم ہو۔ آج کی شب اس کیلئے خوش بختی کی شب تھی کیونکہ وہ اپنے دشمن پر ہاتھ ڈالنے والا تھا۔ وہ لوگ جو ابھی یہاں سے لوٹے تھے، ان کے علاوہ بھی کچھ لوگوں کو وہ مختلف فرائض سونپ کر آیا تھا۔ اس نے اپنے دشمنوں کا سراغ لگا لیا تھا۔ بس ''ہانکنے'' کی دیر تھی۔ محض اپنے اطمینان کی خاطر اس نے اپنے ماتحتوں سے جنگل کا گوشہ گوشہ دکھوایا تھا کہ کہیں یہاں پہلے سے تو وہ لوگ موجود نہیں جن کا اسے ''شکار'' کرنا تھا ورنہ تو وہ پہلے ہی ایک نتیجہ اخذ کر چکا تھا۔ گزشتہ ایک ہفتہ اس نے محض اپنے گمشدہ افراد کی تلاش میں نہیں گزارا تھا۔ اسی ایک ہفتے کے دوران میں اس نے دشمن کے گرد بنے ہوئے جال کی ڈوریاں کھینچنا شروع کر دی تھیں اور اب نتیجے کا منتظر تھا۔

وہ اپنے خیالوں میں غرق ایک پیڑ کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کا مشکی گھوڑا ہنہنایا جسے اس نے قریبی درخت سے باندھ دیا تھا۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ قدموں کی چاپ اس نے سن لی تھی اور اس سے اندازہ لگایا تھا کہ آنے والا کوئی ایک فرد نہیں۔ اپنی جگہ سے اٹھ

کردہ ایک پیڑ کی آڑ میں ہوگیا۔ اس پیڑ تک مشعل کی روشنی نہیں پہنچ رہی تھی۔

ذرا ہی دیر بعد اسے معلوم ہوگیا کہ آنے والے اسی کے آدمی تھے جو اسی کی طرح مسلح تھے۔ ان کی تعداد بارہ تھی۔ اس نے جہاں دوشاخے میں مشعل نکالی تھی وہ سب وہیں جمع ہوگئے تھے۔ یہ نوواردوہ نہیں تھے جو یہاں سے اس کے حکم پر رات ہوتے ہی چلے گئے تھے۔

نوواردوں کو اس نے پیڑ کی آڑ ہی میں رہ کر ہدایات دیں اور وہ سب ایک سمت جنگل میں روانہ ہوگئے۔ مشعل اس نے وہیں دوشاخے میں اٹکی رہنے دی اور خود کچھ فاصلے پر اندھیرے میں روپوش ہوگیا۔

بہت دیر تک جنگل میں سناٹا رہا اور پھر اچانک ہی کہیں دور سے ملی جلی ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کچھ لوگ آہستہ قدمی سے چل رہے ہوں۔ سیاہ پوش نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔ اب اس کا رخ اسی سمت تھا جدھر پہلے ہی وہ اپنے آدمیوں کو روانہ کر چکا تھا۔ وہ جگہ زیادہ دور نہیں تھی۔ سیاہ پوش جلد ہی وہاں پہنچ گیا۔ جہاں زمین آدمیوں کو اگل رہی تھی۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ آٹھ مرد تھے' دو عورتیں تھیں جن کے آگے اور پیچھے چار چار مسلح افراد تھے۔ یوں ان کی کل تعداد اٹھارہ تھی۔ وہ سبھی گھوڑوں کی لگامیں تھامے ہوئے تھے۔ وہ ایک بڑی سی سرنگ کا دہانہ تھا جس سے نکل کر انہوں نے جنگل کی ایک سمت میں چلنا شروع کیا تھا۔ جلتی ہوئی مشعلیں ان کے ساتھ تھیں۔

آگے آگے جو حسین عورت چل رہی تھی اس کے چہرے پر نقاب تھی۔ اس کے دائیں اور بائیں اور آگے مسلح محافظ تھے۔ سب سے آگے جو محافظ تھا اس نے مشعل بھی اٹھا رکھی تھی۔ اسی طرح سب سے پیچھے آنے والے ایک محافظ کے ہاتھ میں بھی مشعل تھی۔ درمیان میں چلنے والے آٹھ افراد میں سے بھی ایک مشعل اٹھائے ہوا تھا۔

سرنگ سے نکل کر ابھی انہوں نے چند قدم کا فاصلہ ہی طے کیا ہوگا کہ اچانک فضا میں سیاہ پوش کی آواز گونجی ''بزن!''

اس کے ساتھ پیڑوں کی آڑ سے نکل کر آنے والوں نے اس مختصر سے قافلے کو گھیر لیا گھیرنے والے سیاہ پوش کے ساتھی تھے۔ ''دیوی!'' کوئی گھبرا کر چیخا۔

''مشعلیں پھینک دو!'' نقاب پوش عورت کی پرسکون آواز آئی۔ ''بکھر جاؤ!'' یہی وہ تھی جسے دیوی کہہ کر پکارا گیا تھا۔

وہ ''شکار کا حلقہ'' تھا۔ اسے توڑ کر نکل جانا آسان نہیں تھا۔ مسلح افراد نے اس حلقے

کو توڑنے کیلئے نبرد آزمائی شروع کر دی۔

☆......☆......☆

اس موقع سے فائدہ اٹھا کر دیوی اچھلی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوگئی۔ عین اس وقت ایک سنسناتا ہوا تیر اس کے گھوڑے کی پچھلی ٹانگ میں پیوست ہوگیا۔ دوسرے ہی لمحے ایک دھماکہ ہوا اور دیوی کا گھوڑا زخمی ہوکر زمین پر گرا۔ گھوڑے پر سوار دیوی لمحے بھر کو فضا میں نظر آئی اور پھر حیرت انگیز تیزی سے کسی ناگن کی طرح اندھیرے میں رینگ گئی۔

ہتھیاروں سے ہتھیاروں کے ٹکرانے کی جھنکار پیچھے رہ گئی۔ دیوی شکار کے حلقے سے نکلنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

ابھی وہ سرنگ کے دہانے تک پہنچی تھی کہ سیاہ پوش کی آواز گونجی۔ ''رک جا چھپا دیوی! آج فیصلے کی شب ہے تو بچ کر نہیں نکل سکتی۔''

دیوی نے کوئی جواب دیئے بغیر سرنگ کے دہانے میں چھلانگ لگا دی۔ اندھیرے کے باوجود اس کا ہیولہ سیاہ پوش کو صاف نظر آ گیا تھا۔ کافی دیر اندھیرے میں رہنے کی وجہ سے اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو چکی تھیں۔

سیاہ پوش نے بھی دیوی کے تعاقب میں جست بھری اور پھر سرنگ میں پہنچ گیا۔ سرنگ کافی دور تک ڈھلواں تھی۔ اس نے دیوی کو ڈھلان کے آخری سرے پر لڑھکتے ہوئے دیکھا۔ یہ امر اس کیلئے باعث حیرت تھا کہ سرنگ میں تاریکی نہیں تھی۔ جب تک وہ ڈھلان کے اختتام تک پہنچا دیوی اٹھ کر بھاگتی ہوئی خاصی دور نکل چکی تھی۔ سرنگ میں موجود متحرک روشنی کے ساتھ ہی گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز بھی قریب آتی جا رہی تھی۔

اٹھ کر کھڑے ہوتے ہی سیاہ پوش نے دیوی کو ایک بار پھر للکارا اور رکنے کو کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی نظر ان چار مسلح گھڑ سواروں پر پڑی جو آگے پیچھے گھوڑے دوڑاتے ہوئے تیزی سے دیوی کے قریب آتے جا رہے تھے۔

سیاہ پوش کی للکار کے جواب میں دیوی کا وحشیانہ قہقہہ بلند ہوا پھر اسکی آواز سرنگ میں گونجی۔ ''شہباز خان! یہ مالوہ نہیں ایودھیا ہے یہاں میری حکومت ہے۔'' لمحہ بھر خاموشی کے بعد دیوی کے منہ سے کسی انجانی زبان میں کچھ الفاظ نکلے مگر یہ الفاظ سیاہ پوش کیلئے نہیں تھے۔

یہ سمجھنے میں سیاہ پوش کو دیر نہ لگی کہ حفظ ماتقدم کے طور پر دیوی اپنے ان چاروں مسلح گھڑ سواروں کو سرنگ ہی میں چھوڑ گئی ہوگی۔ وہ اکیلا تھا اور گھوڑا بھی اس کے پاس نہیں تھا۔

سرنگ کی چوڑائی بس اتنی تھی کہ دو گھوڑے برابر برابر دوڑ سکتے تھے۔

دیوی کے قریب ایک گھڑ سوار رکا اور اس نے اپنا گھوڑا دیوی کے حوالے کر دیا۔ مشعل بھی اس نے دیوی کو دے دی اور اپنے دوسرے ساتھی کے گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ دو گھڑ سوار نہیں رکے تھے وہ لمحہ بہ لمحہ سیاہ پوش کے قریب تر آتے جا رہے تھے۔ انہیں صورتحال سمجھانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ انہوں نے دیوی کے الفاظ سن لئے تھے۔ دیوی نے انہیں جو حکم دیا تھا' وہ ہر حال میں اس کی تعمیل کرنا چاہتے تھے۔ یہ حکم سیاہ پوش کی موت تھا۔

گھڑ سواروں نے قریب آتے آتے سیاہ پوش پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ اگر وہ سر تا پا لوہے میں ڈوبا نہ ہوتا تو اس کا جسم تیروں سے چھلنی ہو جاتا۔ اس نے صرف اپنے چہرے کے کھلے حصے اور کلائیوں کو بچایا تھا۔ اس کیلئے سیاہ پوش نے اپنا رخ پھیر لیا تھا۔ اسی اثنا میں اس کے دشمن سر پر آ گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتا آہنی دستانے پر تلوار کی ضرب لگی وہ غالباً اپنی بہادری کے زعم میں اور اسے تنہا پا کر گھوڑوں سے کود گئے تھے۔

اس دوران میں سیاہ پوش کو صرف اپنی تلوار نکالنے کا موقع مل سکا تھا اور یہ بھی اس کیلئے بہت تھا۔ وہ اچھل کر پیچھے ہوا اور پھر ان دونوں پر ٹوٹ پڑا۔ دونوں کو جہنم رسید کرنے میں اسے زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔ اس عرصے میں بقیہ دو بھی وہاں پہنچ گئے۔ جو تیسرے گھوڑے پر سوار تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھ کر فرار نہیں ہوئے بلکہ ''جے بجرنگ بلی'' کا نعرہ لگا کر سیاہ پوش پر حملہ آور ہو گئے۔ انہوں نے بھی گھوڑے سے کودنے کی حماقت دہرائی تھی اور اس کے نتیجے میں اپنے اپنے سینے تھامے منہ کے بل گر پڑے تھے۔ ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر سیاہ پوش ایک گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑے کو سرپٹ سرنگ میں دوڑا دیا۔ گھوڑے پر سوار ہونے سے پہلے اس نے جلتی ہوئی ایک مشعل بھی زمین پر سے اٹھالی تھی۔

سیاہ پوش کو علم تھا کہ وہ سرنگ ایودھیا تک جاتی ہے۔ دیوی اگر ایودھیا تک پہنچ گئی تو پھر اس کا ہاتھ لگنا آسان نہیں ہوگا۔ وہ اسی لئے گھوڑے کی پسلیوں پر اپنے گھٹنوں کا دباؤ برقرار رکھے ہوئے تھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ جس گھوڑے پر وہ سوار ہوا تھا اچھی نسل کا تھا اس لئے رفتار لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

اس سرنگ کا دوسرا دہانہ ایودھیا میں گپتا گھاٹ کے قریب تھا۔ ہندوؤں کے نزدیک اس گھاٹ کی مذہبی حیثیت تھی۔ ہندو کہاوتوں کے مطابق یہیں پر سرجو ندی میں ڈوب کر رام چندر جی نے خودکشی کی تھی۔ اس کے نزدیک ایک استوپ تھا جس پر ہندوؤں نے

قبضہ کر لیا تھا اور وہاں سے گوتم بدھ کی مورتیاں ہٹا دی تھیں۔ ہندوؤں نے دعویٰ کیا تھا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں رام چندر جی کے زمانے میں رام کوٹ کی تعمیر کرتے ہوئے مزدور اور راج آرام کرتے تھے اور یہ دراصل رام کوٹ ہی کا حصہ ہے رام کوٹ کی تعمیر کرنے والے مزدور یہاں اپنی ٹوکریاں اور اوزار بھی رکھتے تھے۔

اسی استوپ کے بڑے تہ خانے میں دیوی اور اس کی نائبہ کا قیام رہتا تھا۔ صرف آٹھ بڑے گیانیوں کو اس کا علم تھا۔ کیونکہ وہ خود بھی یہیں رہتے تھے۔ یہ استوپ یا مندر دراصل ہندوؤں کی زیرزمین تنظیم کا مرکز تھا۔ اس کی ظاہری شکل استوپ ہی کی برقرار رکھی گئی تھی۔ اس کا مقصد دیکھنے والوں کو یہ دھوکا دینا تھا کہ یہ بودھوں کی عبادت گاہ ہے۔ سیاہ پوش کو دیوی کی تلاش میں اسی لئے اتنا طویل عرصہ لگا تھا۔ اس کے آدمیوں نے اس استوپ کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کیا تھا۔ مگر دیوی ایک خفیہ راستے کے ذریعے استوپ سے نکل کر سرنگ کے دہانے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ استوپ ہی کے اندر وہ مسلح گھڑ سوار تھے جو دیوی کا ''محافظ دستہ'' کہلاتے تھے۔ آٹھ بڑے گیانیوں اور اپنی نائبہ سمیت دیوی محافظ دستے کے ساتھ ایودھیا سے فرار ہوئی تھی۔ قدیم شہر سیت مہیت کے کھنڈرات سے ملحق جنگلوں میں پہنچ کر دیوی خود کو محفوظ کرنے کے علاوہ نئی مدافعتی حکمت عملی بھی مرتب کرنا چاہتی تھی۔ آچاریہ ہرگوپال کے ذریعے حاکم اودھ محمد سلطان مرزا کو تو اس نے قابو میں کر لیا تھا مگر اپنے دیرینہ دشمن شہباز خان اندجانی پر قابو نہیں پا سکی تھی۔ شہباز خان طویل عرصے سے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔

شہباز خان سے دیوی کا پہلا معرکہ مالوہ میں ہوا تھا۔ یہ اس وقت کی بات تھی جب بابر نے ہندوستان کی سرزمین پر قدم نہیں رکھا تھا۔ مالوہ پر سلطان محمود خلجی کی حکومت تھی۔ ہندوستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ گجرات کا فرماں روا سلطان مظفر شاہ تھا۔ شمالی ہند پر ابراہیم لودھی کی حکومت تھی۔ اور یہی حکومت دراصل سب سے بڑی تھی۔ راجپوتانہ میں مختلف ہندو راجہ حکمراں تھے۔

ساتویں دیوی جس کا نام چمپا تھا۔ ایودھیا سے بذات خود مالوہ گئی تھی اور وہاں اس نے مقامی راجپوتوں سے مل کر ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ دو مسلم ریاستیں گجرات اور مالوہ آپس میں ٹکرا جائیں۔ خلجی خاندان سے تعلق رکھنے والا سلطان محمود خلجی عضو معطل ہو کے رہ گیا تھا کیونکہ اصل اقتدار وزیر مملکت کے ہاتھ میں آ گیا تھا جو ہندو تھا۔ مالوہ کی فوج کی اصل

طاقت بھی راجپوت ہی تھے۔

چمپا جو مقصد لے کر مالوہ گئی تھی اس میں کامیابی کے قریب تھی کہ شہباز خان مالوہ پہنچ گیا۔ چمپا نے خود کو گجرات کی ایک مظلوم شہزادی ظاہر کیا تھا جس کے باپ کو مظفر شاہ نے مروادیا تھا۔

اس کہانی میں اتنی حقیقت ضرور تھی کہ سلطان مظفر شاہ نے اپنے ہی خاندان کے جس شخص کو قتل کرادیا تھا اس کی بیٹی کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ یوں چمپا ایک مظلوم مسلمان شہزادی قمرالنسا بن کر سلطان محمود خلجی کے محل میں داخل ہوگئی تھی اور اس نے سلطان کی بیٹی کو شیشے میں اتارلیا تھا۔ سلطان کے محل میں پہنچ کر چمپا کو سازش کا جال بننے میں بڑی آسانی ہوگئی تھی۔ جب شہباز خان چمپا کی حقیقت سے واقف ہوگیا تھا تو وہ مالوہ سے اس کی محبوبہ زہرہ کو قتل کر کے فرار ہوگئی تھی۔

یہی وہ وقت تھا جب شہباز خان کو واپس کابل پہنچنا تھا۔ بابر نے اسے فوراً طلب کرلیا تھا کیونکہ اس بار وہ ہندوستان پر فیصلہ کن حملہ کرنا چاہتا تھا۔

اس حملے سے پہلے بابر ہندوستان کے متعلق شہباز خان سے تفصیلی گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ بابر ہی کے ایما پر شہباز خان طویل عرصے سے ہندوستان میں تھا۔

ہندوستان میں کتنی خودمختار ریاستیں ہیں؟ ان ریاستوں کی فوجی قوت کتنی ہے؟ وہاں کے سیاسی حالات کیا ہیں؟ ہندوستان کی سب سے بڑی حکومت لودھی خاندان کے فرماں روا ابراہیم لودھی کے تعلقات دوسری خودمختار حکومتوں سے کیسے ہیں؟ خود فرماں روا کس قدر سیاسی بصیرت کا مالک ہے؟ ان تمام سوالوں کے جواب ہی کی خاطر بابر نے شہباز خان کو ہندوستان روانہ کیا تھا اور اس سے مسلسل رابطہ رکھے ہوئے تھا۔

شہباز خان اندجان کا رہنے والا تھا جو بابر کے وطن فرغانہ کے قریب تھا۔ وہ بابر کے ان رفیقوں میں سے ایک تھا جنہوں نے آخر وقت تک اس کا ساتھ دیا تھا۔ برے وقت میں جب بابر کے ہمراہ گنتی کے چند ساتھی رہ گئے تھے اور وہ اپنی جان بچانے کی خاطر کوہستانوں میں آوارہ گردی پر مجبور ہوگیا تھا تو ان میں شہباز خان اندجانی کا نام بھی شامل تھا۔

بے مثل ذہانت اور بہادری کے علاوہ شہباز خان حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک تھا۔ فن حرب میں تو وہ طاق تھا ہی مگر دیگر فنون میں بھی اسے کمال حاصل تھا۔ ایک ہنر اسکا یہ بھی تھا کہ وہ اپنے جسم کی رنگت تبدیل کرلیتا تھا۔ اس کیلئے وہ مختلف جڑی بوٹیوں سے غسل کرتا

تھا اور اسکا سرخ و سفید رنگ حسب ضرورت سانولا یا کالا ہوجاتا تھا۔ سراغ رسانی میں تو وہ حرف آخر تھا۔ بابر نے اسی لئے یہ محکمہ اس کے سپرد کردیا تھا۔ ہندوستان بھر میں بابر کے جتنے مخبر پھیلے ہوئے تھے۔ انکا نگران اعلیٰ یہی شہباز خان تھا۔ بابر کو شہباز خان ہی کے ذریعے ہندوؤں کی زیر زمین تنظیم کے بارے میں معلوم ہوا تھا جس کا مرکز ایودھیا تھا۔ شہباز خان اسی لئے بابر کی اجازت سے اس خفیہ تنظیم کی بیخ کنی کی خاطر ایودھیا آیا تھا۔ چمپا دیوی سے اپنی محبوبہ کے قتل کا بدلہ لینا ایک ضمنی معاملہ تھا۔

شہباز خان نے اپنے محکمے کے بہترین افراد کو ایودھیا میں جمع کرلیا تھا۔ اس کی اطلاعات کے مطابق مالوہ سے فرار ہوکر چمپا اپنی محفوظ پناہ گاہ یعنی ایودھیا پہنچ گئی تھی۔

ایودھیا آ کر ہی شہباز خان کو "دیوی" کی اصل قوت و طاقت کا اندازہ ہوا تھا۔ اسی دوران میں محمد سلطان مرزا حاکم اودھ بنا دیا گیا اور اودھ کا دورہ کرتا ہوا ایودھیا پہنچ گیا۔ پھر اس نے یہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ یہاں آ کر اس نے مسجد کی تعمیر کے بارے میں بابر سے اجازت طلب کی۔ بابر نے شہباز خان سے رابطہ قائم کیا۔ شہباز خان نے پیغام بھجوایا کہ یہ معاملہ تحقیق طلب ہے۔ اس کا سبب وہ ہندو روایات تھیں جو ایودھیا آ کر شہباز خان کے علم میں آئی تھی۔

ان روایات کے تحت ایودھیا' ہندوؤں کے اوتار رام چندر جی کا جائے پیدائش تھا۔ تحقیق و جستجو کا کام بابر نے شہباز خان کے سپرد کردیا۔ تبھی شہباز خان' رام کوٹ تک پہنچا۔ اس دوران وہ خود بھی ایک بار بابر سے ملا۔ اس ملاقات میں یہ طے پایا تھا کہ فوری طور پر مسجد کی تعمیر ضروری نہیں جب تک کہ تمام حقائق سامنے نہ آجائیں اور ہندوؤں کی خفیہ تنظیم پر ہاتھ نہ ڈال دیا جائے۔ شہباز خان نے بابر کو بتایا تھا کہ سازشی ٹولا صرف برہمنوں کا ہے ہندو عوام کا اس تنظیم سے کوئی تعلق نہیں۔

خود ایودھیا میں بسنے والے ہندو عوام برہمنوں کی سازش سے بے خبر ہیں وہ قصوروار نہیں ہیں۔

اسی ملاقات کے بعد بابر نے حاکم اودھ محمد سلطان مرزا کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر یہ فرمان بھیجا تھا کہ تاحکم ثانی نئی مسجد کی تعمیر نہ کی جائے۔ اسی فرمان کو پڑھ کر سلطان مرزا کے چہرے پر ناگواری کے اثرات نمایاں ہوگئے تھے۔ پھر جب آچاریہ ہرگوپال نے اس پر ڈورے ڈالنے شروع کئے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا تو شہباز خان نے دانستہ چشم پوشی سے کام لیا تاکہ سلطان مرزا کو بطور چارہ استعمال کیا جاسکے۔ شہباز خان اس میں کامیاب رہا

اور ''دیوی'' کے گرد جال بننے میں اسے وقت نہیں ہوئی۔ وہی دیوی اسے پھر جل دے کر نکل جانا چاہتی تھی۔ شہباز خان اسی لئے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا رہا تھا کہ دیوی کے دوبارہ ایودھیا پہنچنے سے پہلے اسے زیر دام لے آئے۔ یہ وہی تھی جس نے اس کی محبوبہ کو بھی قتل کیا تھا۔ بالآخر طویل سفر کے بعد اسے دیوی کی ایک جھلک نظر آ ہی گئی۔ پھر تو وہ عقاب کی طرح جھپٹا۔ دیوی جس گھوڑے پر سوار تھی وہ شاید تھک گیا تھا اور تیز رفتاری کا ثبوت نہیں دے رہا تھا۔

دیوی نے ایک بار مڑ کر اپنے تعاقب میں آتے ہوئے شہباز خان کی طرف دیکھا اور پہلی بار اس کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں ناچنے لگیں۔ ہنگامے کے دوران اس کے چہرے کی نقاب نہ جانے کہاں گر گئی تھی۔ اجلے چہرے پر تاریکی سی چھا گئی تھی۔ وہ غالباً سمجھ چکی تھی کہ بازی ہار چکی ہے۔

شہباز خان جب اس کے قریب پہنچا تو وہ اپنے گھوڑے کو روک چکی تھی اور مشعل ہاتھ سے پھینک دی تھی۔

''تم مجھے زندہ گرفتار نہیں کر سکو گے۔ شہباز خان!'' دیوی نے مڑ کر عجیب سے لہجے میں کہا۔ وہ زہر کھا چکی تھی مگر شہباز خان اس سے بے خبر تھا۔

''او رے بدروح! میں تجھے زندہ دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔'' شہباز خان نے یہ کہتے ہی تلوار نکال لی اور دیوی کی تنی ہوئی گردن پر بھرپور وار کیا۔

دیوی کی گردن کٹ کر دور جا گری اور کٹی ہوئی گردن سے خون کا فوارہ اچھلنے لگا۔

☆......☆......☆

ایودھیا میں بڑے پیمانے پر گرفتاریاں ہوئی تھیں۔ اس سے ہندو عوام ہراساں تھے۔ ایودھیا کے بڑے بڑے دماغ جن کی تعداد آٹھ تھی یہاں سے پچاس میل دور ایک قدیم شہر کے کھنڈرات میں موت کی نیند سلا دیئے گئے تھے۔ دیوی کی نائبہ بھی قتل کر دی گئی تھی اور دیوی کے محافظ دستے کا ایک فرد بھی زندہ نہیں چھوڑا گیا تھا۔ عیار برہمنوں کی خفیہ زیر زمین تنظیم جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دی گئی تھی۔

آچاریہ ہرگوپال، ساتولی رادھا اور ہر وہ مرد و زن پس دیوار زنداں تھا جس کا خفیہ تنظیم سے تعلق تھا اور خود حاکم اودھ محمد سلطان مرزا خوفزدہ تھا۔ مگر شہباز خان سے ملاقات کے بعد اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ معطل نہیں کیا جائے گا۔ شہباز خان ہی کے ایما پر اس نے ایودھیا

کے نمائندہ ہندوؤں کا ایک اجلاس طلب کیا تھا اور انہیں تسلی دی تھی کہ بے گناہ و بے قصور ہندو رعایا کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہوگی۔ اجلاس میں موجود خود ہندوؤں نے ہندو مسلم اتحاد کے دعوے کئے تھے اور حکومت وقت کو اپنی وفاداریوں کا یقین دلایا تھا۔

جس روز ایودھیا میں یہ اجلاس ہو رہا تھا اس سے ایک دن پہلے ہی شہباز خان آگرے کیلئے روانہ ہو چکا تھا۔ وہ بابر کو بذات خود ایودھیا میں پیش آنے والے واقعات سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ وہ بابر کو اپنی تحقیق و جستجو سے بھی مطلع کرتا کہ وسط شہر میں جہاں نئی مسجد تعمیر ہونے کی تجویز ہے اس جگہ سے خود ہندوؤں کی روایات کے مطابق رام چندر جی کی جائے پیدائش ''رام کوٹ'' خاصی دور ہے۔

شہباز خان تک یہ اطلاع بھی پہنچ گئی تھی کہ اس نئی مسجد کو بابر کے نام سے موسوم کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ وہ اس تجویز کے حق میں تھا کہ نئی مسجد ''بابری مسجد'' کہلائے۔

جس وقت شہباز خان آگرے کی حدود میں داخل ہوا تو شام ہو رہی تھی۔ اس وقت وہ حاکم اودھ کے قاصد کا بہروپ بھرے ہوئے تھا۔ قلعے میں پہنچتے ہی اس کے عملے کے افراد نے اسے تازہ ترین صورتحال سے آگاہ کیا اور وہ فکرمند ہو گیا۔ شہزادہ ہمایوں مرزا اس کی اولاد ہی کی طرح تھا۔

بابر کے حکم پر ہمایوں کچھ عرصہ پہلے کابل سے واپس آ گیا تھا اور مراد آباد کے ایک قصبے سنبھل میں تھا۔ قصبہ سنبھل میں ہمایوں شدید بیمار ہو گیا تھا اور بابر نے اسے اپنے پاس بلا لیا تھا۔ ہمایوں کی بیماری کے ساتھ ہی شہباز خان نے جو دلدوز خبر سنی تھی وہ بابر کے متعلق تھی۔

اس خبر کی تفصیل یہ تھی کہ جب ہمایوں حالت مرض میں سنبھل سے آگرے کے نواح میں پہنچا تو اس کی بیماری نے شدت اختیار کر لی اسے قلعے میں لایا گیا۔ طبیبوں نے بہت علاج معالجہ کیا۔ اپنی سی ہر کوشش کر لی مگر ہمایوں کو افاقہ نہ ہوا۔

ایک روز اس زمانے کے ایک فاضل آدمی امیر ابوالبقا نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے شہزادے کی زندگی کسی صدقے کی طالب ہے جس کے بغیر موت ٹل نہ سکے گی۔ اگر بادشاہ بسلامت ایسی کوئی چیز کہ اس سے زیادہ عزیز کوئی اور چیز نہ ہو جیتے پر قربان کر دیں تو امید ہے اللہ تعالیٰ شفا عطا فرما دے۔

اس پر ایک امیر نے تجویز پیش کی کہ وہ قیمتی الماس جو سلطان علاؤالدین خلجی کے جواہر خانے میں تھا اور جو آگرے کی فتح پر بابر کے ہاتھ آیا تھا، اسے صدقے میں دیدیا جائے

کہ کارگزار اسے فروخت کر کے اس کی قیمت مستحقوں میں تقسیم کر دیں۔

بابر نے جو یہ سنا تو بولا وہ پتھر کا ٹکڑا میری اور میرے بیٹے کی جان سے زیادہ عزیز اور قیمتی نہیں ہے۔ ہمایوں کے بعد اگر مجھے کچھ عزیز ہے تو وہ میری اپنی جان ہے اس لئے میں اس پتھر کے بجائے اپنے بیٹے پر اپنی جان ہی کو صدقہ کئے دیتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ اس نذرانے کو قبول فرما لے۔"

پھر بابر خلوت میں گیا اور اللہ کے حضور صدق دل سے دعا مانگی۔

اس نے دعا سے فارغ ہو کر تین مرتبہ بیٹے کے اطراف چکر لگایا۔ اس دوران وہ "برداشتم' برداشتم' برداشتم" کہہ رہا تھا مراد اس سے یہ تھی کہ میں نے اس کی بیماری اپنے سر لے لی۔

اسی دن کے بعد ہمایوں کی صحت کے آثار پیدا ہو گئے تھے اور بابر بیمار پڑ گیا تھا۔

شہباز خان کیلئے یہ خبر بڑی روح فرسا تھی۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ وہ بابر سے اگلے روز ملے گا۔ رات کو آرام کر لے گا کیونکہ اس نے طویل سفر کیا تھا' مگر اب اسے آرام کہاں تھا! اس کی روح بابر سے ملنے کیلئے بے چین ہو گئی تھی۔ اب اس نے سارا روپ بہروپ ختم کر دیا تھا اور پھر سے وہی شہباز خان بن گیا جو اپنی نوجوانی کے زمانے میں بابر کا دوست اور رفیق تھا۔

اس شب جب وہ بابر سے ملا تو آب دیدہ تھا۔ بابر اس وقت بستر پر تکیوں کے سہارے نیم دراز تھا اور ہمایوں کیلئے وصیت لکھوا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ جب وہ وصیت نامے کا آخری جملہ ادا کر چکا تو اس نے آنکھیں کھولیں اور پھر میر منشی کو قریب بلا کر وصیت نامے پر دستخط کر دیئے۔ اس سے پہلے بابر نے حسب عادت تحریر پر ایک نظر ڈال لی تھی پھر بابر ہی کے سامنے وصیت نامے پر اس کے نام کی مہر لگائی گئی۔ شہباز خان اس دوران میں دانستہ ایسی جگہ جا کر کھڑا ہو گیا تھا کہ فوری طور پر بابر کی نظر اس پر نہ پڑ سکے۔ شہباز خان وہ واحد شخص تھا جسے حضور شاہ میں باریابی کیلئے کسی اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔ اس وقت وہ کسی بہروپ میں نہیں تھا اس لئے اسے بادشاہ کی خلوت میں آنے سے نہیں روکا گیا تھا۔ بابر کو اسی لئے علم نہ ہو سکا کہ اس کے بستر کے دائیں جانب سرہانے دبے قدموں سے آ کر کون کھڑا ہو گیا ہے! اس سے شہباز خان کا مقصد محض یہ تھا کہ بابر وصیت نامہ مکمل کرا لے۔ آنسو بھری آنکھوں سے وہ بابر کے مضمحل اور بیمار چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

جب میر منشی کو بابر نے اشارے سے جانے کی اجازت دیدی اور طویل سانس لیا تو اس کی نظر اچانک شہباز خان پر پڑی۔ اسی کے ساتھ اس کے منہ سے نکلا۔ "تخلیہ!" اس حکم کے بعد محافظ اور وہاں موجود دیگر افراد رخصت ہو گئے۔

اب شہباز خان ضبط نہ کر سکا اور "اے میرے شاہ!" کہتا ہوا بابر کے قریب آ گیا۔ اس کے رخساروں پر آنسو ڈھلک آئے تھے۔

"یہ کیا شہباز خان؟ ہم زندگی میں پہلی بار تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ رہے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے شدت جذبات سے بابر کی آواز بھرا گئی تھی۔

دیر تک شہباز خان بابر کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے خاموش بیٹھا رہا۔ بابر بھی اس دوران میں مزید کچھ نہ بولا وہ اپنے دیرینہ رفیق کے جذبات سے اچھی طرح واقف تھا۔ پھر جب خود ہی شہباز خان نے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھ لئے تو بابر نے گفتگو شروع کی۔

بابر کے استفسار پر مختصراً شہباز خان نے ایودھیا کے واقعات بیان کر دیئے پھر بولا۔ "اے میرے شاہ! اپنے خادم کی ایک خواہش پوری کر دیں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی دلی خواہش بیان کر دی۔

"اگر تمہاری بھی یہی خواہش ہے کہ ایودھیا میں تعمیر ہونے والی مسجد ہمارے نام سے موسوم ہو اور بابری مسجد کہلائے تو ہماری طرف سے اجازت ہے۔ کاش ہم اس قابل ہوتے کہ خود اس مسجد کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھوں سے رکھتے جو ہمارے نام سے موسوم ہو رہی ہے۔" بابر کے لہجے میں بڑی حسرت تھی۔ ذرا توقف سے وہ پھر بولا۔ "سنو شہباز خان! ہماری بھی ایک خواہش ہے کہ ہم نہ سہی تو ہمارا رفیق خاص مسجد کی تعمیر کے وقت وہاں ضرور موجود ہو۔"

"حکم کی تعمیل ہوگی اے میرے شاہ!"

☆......☆......☆

ایودھیا شہر کے وسط میں رام کوٹ سے خاصے فاصلے پر بابری مسجد کی تعمیر ہو رہی تھی اس مسجد کی تعمیر میں ہندو اور مسلمان بھی حصہ لے رہے تھے۔ [illegible] محمد سلطان مرزا روزانہ ہی مسجد کا معائنہ کرنے آتا تھا۔ اسے علم ہو چکا تھا کہ بابر [illegible] علیل ہے۔ اس کے ساتھ اسے بابر کا یہ حکم بھی مل چکا تھا کہ بابری مسجد کی تعمیر جلد از جلد مکمل کی جائے۔ اسے مطلع کر دیا گیا تھا کہ شہباز خان بھی ایودھیا پہنچ چکا ہے وہ مسجد کی تعمیر کے وقت وہیں ہوگا۔

بابری مسجد کی تعمیر کے روزانہ معائنے کا ایک سبب یہ بھی تھا، مگر اب تک نہ شہباز خان اس سے ملا تھا نہ مسجد کے قریب اسے نظر آیا تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ محکمہ سراغ رسانی کا نگران اعلیٰ بابر کا رفیق خاص اور بہروپیا شہباز خان ان مزدوروں میں شامل ہوگا جو بابری مسجد کی تعمیر میں مصروف تھے۔ سلطان مرزا کے تو وہم و گمان میں یہ بات نہیں آ سکتی تھی۔

جس روز 1531ء میں بابری مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی اور اس میں پہلی بار "اللہ اکبر" کی صدا گونجی تو آخری مرتبہ بابر نے اس عالم رنگ و بو کو دیکھا اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اپنی ایک یادگار بابری مسجد کی صورت میں صفحہ ہستی پر چھوڑ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

مستقبل سے لوٹ کر جب میں زمانہ حال میں پہنچی تو عارج کو بدستور دوائیں کوٹتے دیکھا۔ یہ دوپہر کا وقت تھا اور بغداد کے گلی کوچوں میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔

"اے دینار! تو آخر اتنی گم صم کیوں ہے۔" عارج نے مجھے مخاطب کیا۔ "تو نے بھلا ایسا کیا دیکھا؟"

"میں نے اے عارج آنے والا ایک ایسا زمانہ دیکھا کہ جب ایک مسجد کی تعمیر کیلئے ایک مسلمان بادشاہ کو طویل عرصے انتظار کرنا پڑا۔ ہے نا حیرت کی بات!..... مگر شاید تو اس بات کو نہ سمجھ سکے۔" میں بولی۔

"بس رہنے دے اے دینار! کچھ باتوں کا نہ سمجھنا ہی اچھا ہوتا ہے مجھے بیٹھے بٹھائے تیری طرح دکھ پالنے کا کوئی شوق نہیں۔" عارج نے کہا۔

"ٹھیک ہے نہ پال دکھ اور لاعلم رہنے پر فخر کر مجھے کیا!"

"تجھے کسی طرح چین بھی ہے دینار! تیری ہاں میں ہاں ملاؤ تو ناخوش، اختلاف کرو تو تیرا منہ بن جائے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تجھے کس طرح خوش رکھوں!"

"بڑا ہی مظلوم ہے تو!" میں نے اظہار افسوس کیا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" وہ کہنے لگا۔ "نہ کوئی وعدہ، نہ امید پھر بھی....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کس بات کا وعدہ اور کیسی امید؟"

عارج نے ٹھنڈا سانس بھرا اور بولا۔ "کاش میں تیرے سوال کا جواب دے سکتا دینار!"

"کیا تجھے جواب دینے سے کسی نے روکا ہے؟"

"روکا تو نہیں..... لیکن....." عارج اپنی بات پوری نہ کر سکا۔

ہمارے درمیان اسی طرح کی نوک جھونک ہوتی رہی۔ اسی دوران میں خلیفہ المہدی اور اسکے وزیر یعقوب بن داؤد کا ذکر نکل آیا۔

"تو بتا دینار! کیا یعقوب اس کا اہل ہے کہ خلیفہ کا وزیر یعنی عہدۂ وزارت پر رہے؟ خلیفہ کے بعد وزیر ہی کا حکم چلتا ہے اور وہی مملکت کے سیاہ و سفید کا مالک ہوتا ہے..... سوچنے کی بات یہ ہے کہ....."

"عارج! میں تجھے بتا نہیں سکتی کہ اس وقت مجھے تیرے منہ سے سوچنے سمجھنے کی بات سنکر کس قدر خوشی ہو رہی ہے!"

میں نے عارج کی بات کاٹ کر مزید کہا۔ "یہ بھی بڑی عجیب سی بات ہے میرے لئے کہ تو اقتدار کے ایوانوں میں مسند نشین آدم زادوں کے بارے میں بھی اہل اور نااہل ہونے کا سوال اٹھانے لگا ہے۔"

"تو کیا میں سوچنا چھوڑ دوں دینار؟" وہ میرے لہجے کی شوخی بھانپ کر تپ گیا۔

"سوچنے ہی سے تو تیرا وجود قائم ہے۔"

"یعنی اگر میں نہ سوچوں تو نہ رہوں؟" عارج چڑ کر بولا۔

"ہاں عارج!..... تو سوچتا ہے اس لئے تو ہے۔"

"پتا نہیں تو کیا انٹ شنٹ باتیں کرنے لگی اور وزیر یعقوب کی بات بیچ میں ہی رہ گئی۔"

"تو بتا کیا چاہتا ہے؟..... تجھے اس آدم زاد سے کیوں نفرت ہو گئی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس لئے کہ وہ نفرت ہی کے قابل ہے..... منحوس کہیں کا!"

"تجھ پر بھی آخر یہ راز کھل ہی گیا کہ خلیفہ وقت کا وزیر بدعقیدہ ہے!" میں نے ہنس کر کہا۔ "لگتا ہے کہ تو اب اپنے کان کھڑے رکھتا ہے اور مطب میں آنے والے مریضوں کی باتیں دھیان سے سنتا ہے۔"

"دینار! لوگ کیا کہتے ہیں، ہم تو سنتے ہیں مگر اہل اقتدار نہیں سنتے!"

"بہت خوب عارج! تجھے تو اچھا خاصا بولنا آ گیا ہے۔"

"تو کیا تو مجھے عجمی سمجھ رہی تھی، یعنی گونگا اور بے زبان!..... میں عرب ہوں....."

زبان رکھنے والا۔"

"عرب ہونے پر نہ اترا کہ یہ تعریف بہت پہلے مٹائی جا چکی ہے...... سن کہ ہمارے پیغمبر آخرؐ نے کیا فرمایا تھا!...... کسی عجمی کو عربی پر اور کسی عربی کو عجمی پر فوقیت یا برتری حاصل نہیں۔ تو جانتا ہے کہ میرا تعلق بھی عرب کی سرزمین سے ہے لیکن مجھے اس پر غیر ضروری فخر نہیں ہے۔" میں نے عارج کو نرمی سے اپنا نقطہ نظر سمجھایا۔

"یہ تو خیر ٹھیک ہے، مگر...... وزیر یعقوب کی بات کو تو پھر باتوں میں اڑا گئی۔"

"اچھا یہ بتا کہ تجھے وزیر یعقوب کے متعلق کیا معلوم ہے؟" میں نے عارج سے سوال کیا۔

"موجودہ خلیفہ المہدی کے باپ المنصور نے وزیر یعقوب کو قید میں ڈال دیا تھا پھر وہ کیسے رہا ہوا تجھے خبر ہے تو یہ بھی یقینا جانتی ہوگی کہ اس آدم زاد یعقوب نے کس طرح خلیفہ کو شیشے میں اتار رکھا ہے!"

"مجھے کیا معلوم ہے، کیا نہیں اسے چھوڑ اے عارج! اپنی کہہ!" میں کہنے لگی۔

"میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ اگر یعقوب اس عہدے پر برقرار رہا تو مسلمانوں کی اس مملکت کیلئے اچھا نہ ہوگا۔"

"تیری اگر یہی مرضی ہے اے عارج تو پھر مجھے کوئی کرتب دکھانا ہی پڑے گا۔" میں مسکرائی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مطلبی، عیار، بدکردار وزیر یعقوب کا اثر ورسوخ مجھے بھی گراں گزرتا تھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ زیادتیاں کر رہا تھا۔ خلیفہ المنصور نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی یعقوب کو پابند سلاسل کیا تھا۔ موجودہ خلیفہ المہدی کو اس بات پر غور کرنا چاہئے تھا مگر اس نے یہ ضرورت محسوس نہ کی۔

آدم زادوں کے درمیان رہ کر میں نے ایک اور بات شدت سے محسوس کی تھی کہ انہیں کچھ سے کچھ بنانے میں وقت اور حالات کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ اسے تاریخ کا جبر بھی کہا جاسکتا ہے۔ عارج نے اہل و نااہل کا جو قصہ چھیڑا تھا تو ایک وزیر یعقوب ہی کیا، بہت سے صاحبان اقتدار اس پر پورے نہیں اترتے۔ خود خلیفہ المہدی، المنصور کا بیٹا نہ ہوتا تو اقتدار میں نہ آتا۔ اس میں المہدی کی اہلیت یا نااہلیت کو کوئی دخل نہ تھا۔ یہی تاریخ کا جبر ہے جو آدم زادوں اور کسی حد تک ہم جن زادوں کو بھی برداشت کرنا پڑتا تھا۔ اس جبر کو رضائے الٰہی کا نام

دینا بھی مناسب ہے۔

یہ کوئی ضروری نہیں کہ جو حکمرانی کر رہا ہو اس پر انگلی نہ اٹھائی جائے۔ انگلی اٹھانا تو الگ آدم زادوں کی تاریخ تو ہاتھ اٹھانے کے قصے بھی بیان کرتی ہے، سر قلم کئے جانے اور مسند نشین ہونے کا ذکر بھی اس میں آتا ہے۔

عموماً اقتدار کے نشے میں آدم زادوں کو منظر واضح نظر نہیں آتے اور وہ اپنے انجام کو بھول جاتے ہیں۔ ایسا ہی کچھ وزیر یعقوب کے ساتھ بھی ہوا۔ اس کے زوال کا ایک سبب میری ایک شرارت بھی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ وزیر یعقوب کی حرکات قبیحہ سے عام لوگ ہی نہیں خاص لوگ بھی تنگ تھے، مگر اس ڈھیٹ پر کوئی اثر ہی نہ ہوتا تھا۔ یعقوب نے خلیفہ کی کچھ کمزوریوں اور دلچسپیوں کا سراغ لگالیا تھا۔ مثلاً حسین و خوبصورت خواتین کے ذکر میں خلیفہ کو خصوصی دلچسپی تھی۔ خلیفہ سے خلوت میں یعقوب کا موضوع گفتگو عموماً یہی ہوتا تھا۔ وہ شکار کے قصوں اور شکار کھیلنے سے خلیفہ المہدی کو بڑی رغبت تھی۔

جب یعقوب نے سلطنت کے اہم عہدوں پر اپنے ہم خیالوں کو مقرر کر دیا تو خلیفہ کے خادمان قدیم اور آزاد غلاموں کو یہ امر شاق گزرا۔ وہ خلیفہ سے یعقوب کی شکایتیں کرنے لگے۔

خلیفہ مہدی ان کی شکایتوں کو اس طرح بظاہر توجہ سے سنتا کہ گویا ابھی ان کا ازالہ کر دے گا۔ شکایتیں کرنے والوں کو پکا یقین ہو جاتا کہ ان کی شکایتوں نے خلیفہ کے دل میں گھر کر لیا ہے۔ وہ اسی لئے آپس میں کہا کرتے کہ دیکھنا کل صبح کو ضرور یعقوب گرفتار ہو جائے گا مگر ایسا نہ ہوتا۔ صبح ہوتی اور یعقوب دربار خلافت میں حاضر ہوتا تو خلیفہ مہدی اس سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتا۔ چند آدم زاد ایسے بھی تھے جو اپنی خلوتوں میں اسے منافقت کا نام بھی دیتے۔ ان میں اتنی ہمت بہرحال نہ ہوتی کہ جان کی پروا نہ کرکے کھلے عام سچ بولنے کا خطرہ مول لیتے۔ آدم زادوں کی اکثریت مرنے سے ڈرتی ہے۔ موت کے اسی خوف سے ہر زمانے کے صاحبان اقتدار فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک دن انہیں بھی موت آدبوچتی ہے۔ یعقوب کے لچھن اب رفتہ رفتہ خلیفہ مہدی کے سامنے آتے جا رہے تھے۔ اس عرصے میں خلیفہ مہدی نے ایک باغی کو قتل کرنے کی غرض سے یعقوب کے حوالے کیا۔ یعقوب نے دانستہ رشوت کھا کر اسے رہا کر دیا۔ کسی نے خلیفہ تک یہ خبر پہنچا دی۔ خلیفہ مہدی کو

اس پر یقین نہ آیا اور بولا۔ ''ہم نہیں مان سکتے!''

''اگر امیر المومنین کی اجازت ہو تو اس شخص کو خدمت میں پیش کیا جائے۔'' مخبر نے کہا۔

''اجازت ہے۔'' خلیفہ بہ جبر و اکراہ بولا۔

پھر خلیفہ مہدی اس وقت حیران رہ گیا جب مذکورہ شخص کو اس کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

''وزیر یعقوب کو اسی وقت حاضر کیا جائے!'' خلیفہ نے حکم دیا۔

خلیفہ کا محافظ دستہ آناً فاناً گیا اور یعقوب کو کشاں کشاں لے کر آ گیا۔

اس بات پر یعقوب گھبرایا تو بہت کہ صبح ہی صبح یہ کیا افتاد آن پڑی اور اس فوری طلبی کی وجہ کیا ہے مگر خلیفہ سے بے تکلفانہ مراسم کے سبب وہ ہمت نہ ہارا اور سوچا کہ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں نے اس کی بے پروائی سے یہی نتیجہ اخذ کیا۔ خلیفہ نے یعقوب سے اس علوی کا حال دریافت کیا اور کہا۔ ''اسے تو تم نے قتل کر دیا ہوگا!''

''امیر المومنین کے حکم سے میں نے اسے قتل کر ڈالا۔'' یعقوب نے بے دھڑک جھوٹ بول دیا۔

خلیفہ مہدی کے حکم پر مذکورہ شخص کو ایک پردے کے پیچھے چھپا دیا گیا تھا۔ یعقوب کی دیدہ دلیری پر خلیفہ نے مخصوص اشارہ کیا۔

محافظ اس شخص کو پردے کے پیچھے سے نکال کر سامنے لے آئے۔

اب تو یعقوب کی حالت غیر ہو گئی مگر جلد ہی اس نے خود پر قابو پا کر اپنے قصور کی معافی چاہی اور بولا ''اے امیر المومنین! مجھے اس پر یوں ترس آ گیا تھا کہ اس کے بیوی بچوں کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں ...... لیکن امیر المومنین کے حکم کی تعمیل نہ ہونے پر یہ غلام انتہائی شرمندہ ہے اور اجازت طلب ہے کہ غلطی کے ازالے کا موقع عنایت فرمایا جائے۔''

خلیفہ مہدی نے یعقوب کو ''موقع'' دیدیا۔ اس نے نیام سے تلوار نکالی اور مذکورہ شخص کی گردن اڑا دی۔

''بہت خوب!'' خلیفہ نے اس پر اظہار پسندیدگی کیا۔

یوں یعقوب تعمیل حکم نہ کرنے پر بھی زندہ بچ گیا۔ میں تلملا کے رہ گئی۔ سبب یہ کہ یعقوب کو میں نے ہی اپنے اثر میں لے کر رشوت کے عوض اس علوی کو زندہ چھوڑنے پر اکسایا

تھا۔ میرا مقصد اس سے محض یہ تھا کہ یعقوب جیسے بدعنوان وزیر سے بغداد والوں ہی کی نہیں سب مسلمانوں کی جان چھوٹ جائے۔

مجھے اعتراف ہے کہ میرا یہ حربہ ناکام رہا۔ میرے ایما پر عارج نے ''مخبر'' کا کردار ادا کیا تھا۔ اس کے لئے اسے خلیفہ کے ایک مصاحب کے جسم پر قبضہ کرنا پڑا تھا۔ اس روز کہ جب یعقوب صاف بچ گیا' میں سخت جھنجلائی ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے میں عارج کی ایک بات پر گرم ہو گئی اور بولی۔ ''عارج! تو مجھے عقل کل کیوں سمجھتا ہے اور اس حقیقت کو کیوں نہیں مان لیتا کہ ہم جن زادوں کے مقابلے میں آدم زاد بہت چالاک ہیں۔ اس کے باوجود تو دیکھ' میں اس آدم زاد یعقوب کو چھوڑوں گی نہیں اور اسے قصر خلافت سے نکلوا کر دم لوں گی۔''

''دینار! تو اس طرح یہ بات کہہ رہی ہے جیسے یعقوب سے میری رشتے داری ہو!'' عارج جواباً کہنے لگا۔ ''تو جو چاہے اس کا حشر کر۔''

''اس معاملے میں اب میں تجھ سے مدد نہیں لوں گی اے عارج...... میں تن تنہا بھی اس آدم زاد یعقوب کے لئے کافی ہوں۔''

مجھے غصے میں دیکھ کر عارج نے چپ سادھ لی۔ ہر چند کہ میرا غصہ مصنوعی تھا مگر عارج رعب میں آ گیا۔ صنف مخالف آدم زادوں کی ہو کہ جنات کی صنف نازک پر اپنی برتری ضرور جتاتی ہے' خواہ یہ برتری تسلیم کی جائے یا نہیں۔ اپنی صنف والیوں کو اسی لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ محبت اپنی جگہ لیکن بے وجہ دبنے کی ضرورت نہیں۔ اس ''حق'' بات کے بعد میں اصل قصے کی طرف آتی ہوں۔

☆......☆......☆

ہوا یہ کہ حسب سابق یعقوب نے خلیفہ کی خلوتیں آباد کرنی شروع کیں۔ رات کو وہ دیر تک قصر خلافت میں رہتا۔ اسے خلیفہ مہدی کا مکمل اعتماد حاصل تھا۔ میں اس کی نگرانی کرتی رہی کہ وہ کب آتا ہے اور کب جاتا ہے اس کے لئے مجھے انسانی پیکر چھوڑنا پڑتا۔

ایک رات یعقوب دیر تک شکار کے قصے کہتا رہا۔ یہ قصے نصف شب تک چلے اور اس نے خلیفہ سے رخصت کی اجازت لی۔ خلیفہ کو بھی قصوں میں دلچسپی کے باوجود نیند آنے لگی تھی۔ وہ اپنی خواب گاہ میں جانے کو اٹھ کھڑا ہوا۔

یعقوب قصر خلافت کے اس حصے کی ایک عمارت سے باہر نکلا جو حصہ خلیفہ اور اس کے خاندان والوں کے لئے مخصوص تھا۔ میں نے اس عرصے میں یعقوب کے غلام پر نیند طاری کردی جو گھوڑے کے پاس مستعد کھڑا تھا۔ یعقوب آیا تو میں اس کے قریب موجود تھی لیکن وہ مجھے دیکھنے سے قاصر تھا۔ یعقوب کے معاملے میں اتنے عرصہ تک میں نے اس لئے انتظار کیا تھا کہ اسے جو ''حادثہ'' پیش آئے' غیر فطری معلوم نہ ہو۔ غلام جاگتا ہوتا تو گھوڑے پر چڑھنے میں یعقوب کی مدد کرتا' سو اسے میں نے سلا دیا۔ آدھی رات تک انتظار کرتے کرتے غلام کو بھی نیند آ سکتی ہے!..... غرض کہ غلام کی مدد کے بغیر یعقوب گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ میں نے یعقوب کے ذہن سے وہاں غلام کی موجودگی کو محو کر دیا۔ یعقوب ایک قیمتی چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ گھوڑے پر چڑھ کر وہ چادر سنبھالنے لگا۔

یہی وہ لمحہ تھا کہ جب میں نے اس کے گھوڑے کو بدکا دیا۔ نتیجہ یہ کہ یعقوب زمین پر آ رہا۔ اس کے ایک پیر کی پنڈلی ٹوٹ گئی۔

میرا کام ختم ہو چکا تھا۔ اس قصر خلافت سے نکل کر بغداد کے مغربی حصے کی طرف پرواز کر گئی۔ یہ بغداد کا وہی محلّہ حربیہ تھا جہاں میری سکونت تھی۔ بابل کے کھنڈرات کی طرف بھی ہمارا آنا جانا لگا رہتا تھا اور ہم صحراؤں کی خاک بھی چھانتے رہتے تھے۔ اس رات عارج

اسی مکان میں میرا منتظر تھا جو میں نے موسیٰ بن کعب سے خریدا تھا اور جہاں دن کے وقت صبح سے دوپہر' پھر شام سے رات گئے تک مریضوں کا ہجوم رہتا تھا۔ میری کوشش یہ ہوتی تھی کہ جو آدم زادیاں عشاء کے وقت تک مطب کی حدود میں داخل ہو جائیں انہیں ضرور دیکھ لوں ایسا ہی مردانے میں عارج کرتا تھا۔

بغداد کے علاوہ بھی اب ہماری شہرت کوفے' نجف' کربلا یہاں تک کہ موصل تک پھیل گئی تھی۔ مریض کو تو شفا سے مطلب ہوتا ہے' خواہ اس کے لئے اسے دور دراز ہی کا سفر کیوں نہ کرنا پڑے۔ فلوجہ کی آبادی بغداد سے زیادہ دور نہیں تھی' سو وہاں سے بھی بڑی تعداد میں مریض آنے لگے تھے۔ میں آدم زادوں کی خدمت کر کے خوش تھی' مگر یعقوب جیسے عیاروں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتی تھی۔

''کیا ہوا اے دینار تجھے واپسی میں آج بڑی دیر ہوگئی؟''

عارج مجھ سے مخاطب ہوا۔

''یہ نہیں پوچھے گا کہ کام ہوا یا نہیں!'' یہ کہتے ہوئے میں نے طبیبہ اطرو بہ کا انسانی پیکر اختیار کر لیا۔ انسانی پیکر اختیار کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عارج بھی ''آدمی'' بنا ہوا تھا۔ آدمی بننے کے الگ مزے ہیں جو مجھ سے زیادہ بہتر آدم زاد جان سکتے ہیں۔

مکان کے جس دالان میں ہماری سکونت تھی اس میں چراغ روشن تھا۔ دو بستر' دو بڑی چوکیوں پر بچھے تھے۔ انہی میں سے ایک پر عارج ''المعروف'' طبیب صارم بیٹھا تھا' آدمی بنا ہوا! میری بات کے جواب میں وہ کہنے لگا لگتا ہے کام ہوگیا ورنہ تو اس قدر خوش نظر نہ آتی کیا تو نے وزیر یعقوب کو مار ڈالا؟''

''نہیں'' میں نے انکار میں سر ہلایا' پھر بولی ''تم اسے مردہ ہی سمجھو!'' میں نے یعقوب کے گھوڑے کو بدکا کر پنڈلی ٹوٹنے کی بابت عارج کو بتا دیا۔

''مگر صرف پنڈلی ٹوٹنے سے کیا ہوگا اے دینار؟''

''یہی ذرا ذرا سی باتیں تو تیری سمجھ میں نہیں آتیں عارج!'' میں نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

''یہاں میرے بستر پر آ جا دینار! تا کہ تجھے زور زور سے نہ بولنا پڑے۔ تجھے یہ بھی خبر ہے کہ رات کے وقت سناٹے کی وجہ سے آواز دور دور تک سنائی دیتی ہے۔''

میں اس کی بات سن کر مسکرا دی اور اپنے بستر سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ''مجھے اپنے

پاس بلانے کیلئے تو اتنی لمبی کہانی کیوں سنا رہا ہے کہ رات کے وقت آواز دور دور تک جاتی ہے۔'' میں اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''تو کچھ کہہ رہی تھی اے دینار!''

''تو کہنے دے جب نا!......ادھر میں نے کچھ کہا' ادھر تو بول اٹھا۔'' ''کبھی کبھی تو اپنی ایسی باتوں سے مجھے بالکل بچہ معلوم ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''وہ تو میں ہوں' بچے سے زیادہ معصوم اور کون ہوسکتا ہے!''

''تو صارم کے بجائے تیرا نام معصوم علی کیوں نہ رکھ دیا جائے!''

''اب تو میرا مذاق ہی اڑاتی رہے گی کہ وزیر یعقوب کی پنڈلی توڑنے کا عقدہ حل کرے گی!''

''دیکھ پنڈلی میں نے نہیں توڑی بلکہ......''

''گھوڑا بدکنے اور اس کے زمین پر گرنے سے ٹوٹی ہے تو یہی کہنا چاہتی ہے نا!......کم سے کم مجھے تو جھانسا نہ دیا کر!''

''تو سن اے عارج! کہ یعقوب کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی کیا گل کھلائے گی۔'' میں بتانے لگی۔ ''چوٹ آجانے کی وجہ سے وزیر یعقوب' خلیفہ کے دربار میں حاضر نہ ہوسکے گا' نہ خلوت میں اسے خلیفہ کے پاس جانے کا موقع ملے گا پھر ہوگا یہ کہ وہ درباری جو یعقوب سے نالاں ہیں' ان کی بن آئے گی۔ خلیفہ کے بارے میں یہ بھی سنا گیا ہے کہ وہ کانوں کا کچا ہے' دوسرے یہ کہ اس کا مزاج گرم ہے وہ جلد برہم ہوجاتا ہے۔ ان تمام باتوں سے نتیجہ نکال اے عارج کہ وزیر یعقوب پر کیا گزرنے والی ہے!''

''یہ تو سیدھی سی بات ہے اے دینار کہ اچھی نہیں گزرے گی۔''

عارج کی بات ابھی پوری ہوئی تھی کہ مکان کے دروازے پر زوردار دستکیں سنائی دینے لگیں۔

''اس وقت کون ہوسکتا ہے!......کہیں کوئی گڑ بڑ تو نہیں ہوگئی! یوں آدھی رات کے بعد دروازے پر کون دستکیں دے سکتا ہے!'' میں بڑبڑائی' پھر عارج سے کہا۔ ''تو جاکر دیکھ! میں بھی آتی ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

اس سے پہلے کہ عارج یہ دیکھ کر آتا' آدھی رات کو دروازے پر دستک دینے والا کون ہے' خود میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ ابھی میں چند قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ کسی عورت کے

رونے کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ میں چونک اٹھی اور میرے قدم تیزی سے دروازے کی طرف اٹھنے لگے۔ وہ جو کوئی بھی تھی میرے خیال میں مدد کی مستحق تھی۔ اور اس نے بہ مجبوری ہی میرے مکان کے دروازے پر دستک دی تھی۔

عارج جب واپس آیا تو میں دھیمی آواز میں اس سے مخاطب ہوئی: ''تو دروازہ کھلا کیوں چھوڑ آیا اے عارج؟......نصف شب گزر چکی اور ایسے میں کوئی لٹیرا بھی ہمارے گھر میں داخل ہوسکتا ہے۔''

''وہ کوئی لٹیرا نہیں' ایک آدم زادی ہے دینار!'' عارج بھی آہستہ آواز میں بولا۔ ''وہ میری بچی کہہ کہہ کر روئے جارہی ہے!''

''لگتا ہے کہ اس کی بچی شدید بیمار ہے۔'' میں نے کہا۔ ''دیکھتی ہوں میں!......تو یہیں ٹھہر!''

''یہ شمع دان تو لے لے۔'' عارج بولا۔

''لا!'' میں نے ہاتھ بڑھا کر اس سے شمع دان لے لیا۔ پھر عارج تو وہیں کھڑا رہا اور میں چادر سنبھالتی ہوئی مکان کے دروازے پر پہنچ گئی۔ وہ عورت بھی چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ میں نے اس کے سراپا کا جائزہ لیا۔ اس نے اپنا چہرہ بھی خاصی حد تک چادر میں چھپا رکھا تھا۔ معلوم نہیں کیوں مجھے اس وقت خطرے کا احساس ہوا جب کہ بظاہر ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

''کون ہو تم؟'' میں نے اس عورت کو مخاطب کیا۔

''میں......میں یہیں اسی محلے میں رہتی ہوں اور''......وہ سسک اٹھی۔

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنی بچی کے بارے میں کچھ فکر مند ہو' میں نے کہا۔'' کیا تمہاری بچی بیمار ہے؟''

''ج......جی ہاں......اسے جانے کیا ہوگیا ہے۔ آنکھیں ٹھہر گئی ہیں اور......اور سر پیچھے کی طرف ڈھلک گیا ہے۔'' اس عورت نے روتے ہوئے رک رک کر بتایا۔

میرے سوالوں کے جواب میں اس نے اپنی بیمار بچی کی بیماری کے متعلق جو کچھ بتایا اس سے میں ایک ہی نتیجے پر پہنچی۔

''تمہاری بچی کو دماغی بخار لگتا ہے۔'' میں دھیرے سے بولی: ''فکر نہ کرو ٹھیک ہوجائے گی وہ میں اسے چل کر دیکھ لیتی ہوں۔''

''بچی کے پاس کون ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''اس کے بڑے بھائی کو چھوڑ کر آئی ہوں۔'' عورت نے جواب دیا۔

''تم اسی کو بھیج دیتیں یا بچی کو یہاں لے آتیں۔''

''دراصل بچی کی بگڑتی ہوئی حالت دیکھ کر میں گھبرا گئی تھی۔'' عورت نے بتایا۔ ''اگر میں گھبرا نہ جاتی تو اتنی رات کو یہاں دوڑی نہ آتی۔ نا وقت آپ کو زحمت دی' اس پر معافی چاہتی ہوں..... میرا بیٹا صرف دس برس کا ہے ورنہ اسی کو.....'' میں بول اٹھی..... ''کیا گھر میں کوئی مرد نہیں؟''

''کوئی ہوتا تو..... تو پھر مجھے آنے کی کیا ضرورت تھی!

میں بیوہ ہوں عورت دوبارہ رونے لگی۔

''رو مت!..... میں دواؤں کی صندوقچی لے کر آتی ہوں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

یہ حقیقت ہے کہ اس آدم زادی پر مجھے ترس آ گیا تھا۔ مجھے خطرے کا احساس اب بھی تھا مگر اس پر ہمدردی کا جذبہ غالب آ گیا۔ میں نے یہ بھی سوچا کہ وہ قابل رحم آدم زادی بھلا مجھے کیا نقصان پہنچا سکتی ہے۔

کوئی بھی مرض رات اور دن کا پابند نہیں' ایک طبیبہ کی حیثیت سے مجھے اس کا تجربہ تھا۔ رات کے وقت کسی کی طبیعت خراب ہو جائے تو وہ کہاں جائے! ظاہر ہے کہ طبیب ہی کے پاس دوڑے گا یا تیمار دار اسے طبیب کے پاس لے جائیں گے۔

کچھ ہی فاصلے پر عارج موجود تھا۔ میں اس تک پہنچی اور اسے حقیقت احوال سے آگاہ کیا۔

''تو اکیلی جائے گی اس آدم زادی کے ساتھ؟'' عارج کے لہجے میں قدرے فکرمندی جھلکنے لگی۔ اس کی آواز پست ہی تھی۔

''کیوں' کیا ہوا؟..... تو مجھے جانتا نہیں۔ میرا نام دینار ہے۔ میں کسی آدم زاد کے لئے لقمہ تر نہیں ہوں۔'' میں دھیمی مگر سخت آواز میں بولی۔ ''تو جا اور جلدی سے میری دواؤں کی صندوقچی لے آ۔'' پھر میں نے چند دواؤں کے نام جو دماغی بخار میں سودمند ثابت ہوتی ہیں۔ بتا کر اس سے کہا۔ ''ان دواؤں کو بھی صندوقچی میں رکھ دیجیو۔''

جلد ہی عارج لوٹ آیا۔ دواؤں کی صندوقچی اس کے ہاتھ میں تھی۔

''جلدی آ جائیو اے دینار!'' عارج مجھ سے بولا۔

''میں گھومنے پھرنے نہیں جا رہی' آ جاؤں گی مریضہ بچی کو دیکھ کر!'' میں نے کہا۔ ''ممکن ہے کہ اس کی طبیعت سنبھلنے تک مجھے وہاں رکنا پڑے' تجھے ہولنے کی ضرورت نہیں۔ یہ لے شمع دان اور دروازہ اندر سے بند کر لے۔'' میں دروازے کی طرف بڑھی۔

دواؤں کی صندوقچی اٹھائے کچھ ہی دیر بعد میں نے اپنے گھر سے باہر قدم رکھا۔

''خدا حافظ!'' عقب سے عارج کی آواز آئی۔

اس لمحے بھی مجھے خوف سا لگا۔ کوئی جیسے میرے اندر سے کہہ رہا تھا۔ نہ جا اے دینار!..... لوٹ جا اپنے گھر کی طرف۔ اسی خوف کی وجہ سے جواباً عارج کو ''خدا حافظ'' نہ کہہ سکی۔

میں نے اپنے پیچھے دروازہ بند ہونے کی آواز سن لی تھی۔

''ذرا تیز چلئے!'' عورت مجھ سے مخاطب ہوئی۔ ''کہیں میری بچی کو کچھ نہ ہو جائے!''

اس آدم زادی کو تو اپنی بچی کی پڑی تھی اور مجھے یہ خیال آ رہا تھا کہ میں بلاوجہ کیوں خوف زدہ ہوں! ہاں یہ ضرور ہوا کہ اس کے بات کرنے سے میرا دھیان بٹ گیا۔ میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔ ''کتنی دور ہے تمہارا گھر؟''

''بس یہیں قریب ہی ہے۔'' عورت نے جواب دیا۔ آپ کے سیبوں کا باغ جہاں ہے اسی کے پیچھے ہے میرا گھر۔''

میں اس پر چونک اٹھی اور بولی۔ ''مگر تم تو اس طرف نہیں جا رہیں!''

''ممکن ہے رات کے وقت مجھے راستہ یاد نہ رہا ہو..... آپ بتا دیں' کدھر چلنا ہے!''

''یہ تم کیسی فضول باتیں کر رہی ہو کہ تمہیں اپنا گھر ہی یاد نہیں!'' میری آواز میں قدرے سختی آ گئی اور یہ بتاؤ تمہیں میرے سیبوں کے باغ کا کس طرح پتا چلا؟''

''سبھی کو خبر ہے کہ وہ باغ آپ کا ہے۔ مجھے آپ کے ایک خادم سے یہ بات معلوم ہوئی تھی۔'' اس عورت نے مجھے گویا مطمئن کر دیا۔

''تو کیا تم میری توہ میں رہتی ہو؟''

''نہیں!..... آپ کو شاید اندازہ نہیں کہ پورے بغداد میں آپ کس قدر مشہور

ہیں! شہرت یافتہ لوگوں کے بارے میں بھی جاننا چاہتے ہیں..... آپ میری طرف سے بدگمان نہ ہوں طبیبہ صاحبہ!''

''چلو مان لیتی ہوں تمہاری بات...... لیکن میرے باغ کے پیچھے تو کوئی عمارت نہیں۔'' میں نے بحث کی۔

''تو نہ ہوگی۔ میں کیا کروں!'' اچانک اس عورت کا لہجہ بدل گیا۔

''کیا مطلب؟'' مجھے غصہ آ گیا۔ ''تم کیا مجھے بے وقوف سمجھ رہی ہو؟''

''تو کیا تم خود کو عقل مند سمجھتی ہو اے دینار؟''

''دینار!'' میں چکرا کر رہ گئی۔ میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

فوری طور پر مجھے یہی سوجھی کہ فرار ہو جاؤں۔ اس کے لئے مجھے انسانی پیکر چھوڑنا پڑتا۔ خطرہ میرے سامنے آ چکا تھا۔ اپنی پوری شدت کے ساتھ! ''کیوں' کیا تم میری زبان سے اپنا نام سن کر ڈر گئیں؟'' وہ خطرناک عورت مجھ سے کہنے لگی۔

خوف کی شدید لہر میرے پورے وجود کو لرزا کر گزر چکی تھی اور اب میری فطری قوت مدافعت جاگ اٹھی تھی۔ خطرے کے وقت وہ آدم زاد ہوں کہ جن زاد غیر ارادی طور پر اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی عموماً دو صورتیں ہوتی ہیں' پہلی یہ کہ راہ فرار اختیار کر لی جائے' دوسری صورت یہ کہ خطرے کا جم کر مقابلہ کیا جائے۔

میں نے یکے بعد دیگرے ان دونوں ہی تدبیروں پر عمل کیا۔ جب میں نے انسانی پیکر سے باہر نکلنا چاہا تو وہ خطرناک و پراسرار عورت زور سے ہنس پڑی۔ ''سن اے دینار!...... اے سردار اعصم کی بے وقوف بیٹی!...... میں نے تجھے اس انسانی پیکر میں قید کر دیا ہے تو لاکھ کوشش کرے اس قالب سے نہیں نکل سکتی!''

اس پراسرار عورت نے جو کچھ کہا' درست ثابت ہوا۔ اب یہ واضح ہو چکا تھا کہ مجھے میرے گھر سے باہر نکالنے کیلئے اس عورت نے اپنی بچی کی بیماری کا ڈھونگ رچایا تھا۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ممکن تھا کہ مجھے عارج کی مدد حاصل نہ رہے۔ میرے لئے سب سے زیادہ تشویش ناک بات یہ تھی کہ وہ پراسرار عورت وہ آدم زادی میری جان کے درپے ہو گئی تھی۔ لیکن اس وقت میں غلط خطوط پر سوچ رہی تھی۔ حقیقت کچھ اور ہی تھی۔ میرے تصور سے بھی زیادہ ہولناک! مجھے کچھ ہی دیر بعد اس کا علم ہو گیا۔ اس وقت میں خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہو چکی تھی۔

''مجھے میرا نام لے کر پکارنے والی اے آدم زادی! تو آخر مجھ سے کیا چاہتی ہے؟'' میں پرعزم آواز میں بولی۔ اس سوال سے میرا مقصد یہ تھا کہ اس کے ارادے واضح ہو جائیں۔ عموماً جنات کو آدم زاد مال و متاع حاصل کرنے کے لئے زیر دام لاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم جن زادوں کو اس لئے بھی غلام یا کنیز بنایا جاتا ہے کہ آدم زادوں کی بے جا نمود و نمائش کا شوق بھی پورا ہو جائے۔ وہ دوسرے اپنے ہی جیسے آدم زادوں کو رعب میں لے سکیں۔ اپنے متعلق یہ مشہور کر سکیں کہ ان کے قبضے میں کوئی جن زاد یا جن زادی ہے۔ یہ ''شوق'' عام طور پر آدم زادوں کو ہوتا ہے۔ میں اسی لئے حیران تھی کہ یہ آدم زادی کیوں اسی ''شوق فضول'' میں مبتلا ہو گئی۔

میرے سوال کا جواب دینے سے پہلے وہ آدم زادی دھیرے سے ہنسی۔ اس کی ہنسی بڑی چڑا دینے والی تھی۔ میرا بس چلتا تو اس کے ٹکڑے کر دیتی۔ کہنے لگی۔ ''تو پورا کر دے گی جو میں چاہوں؟''

''کوشش کروں گی۔'' میں نے محتاط الفاظ میں جواب دیا۔

''ایک جن زادی کوشش کرے گی!'' اس کی آواز میں طنز تھا۔ ''کیا جنات اتنے ہی بے بس ہوتے ہیں؟''

''ہاں جب انہیں کسی انسانی قالب میں قید کر کے نکلنے نہ دیا جائے۔'' میں جرأت سے بولی۔

میں اب اس کے ساتھ چلتی ہوئی اپنے باغ کے عقب میں آ چکی تھی۔

''تو نے کہا تھا دینار کہ یہاں کوئی عمارت نہیں۔ چاندنی رات میں تجھے وہ...... وسیع و عریض عمارت نظر آ رہی ہے؟''

میں جواب میں کچھ نہ بولی۔ میں حیرت سے اس عمارت کو دیکھ رہی تھی جسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''یہ تو طے ہے اے آدم زادی کہ تو نے مجھ جن زادی کو دھوکا دیا ہے اور تیری کوئی بچی بیمار نہیں۔ اب یہ بتا کہ تو پھر مجھے یہاں کس غرض سے لائی ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''تیرا اچار ڈالوں گی۔'' ایک بار پھر وہ زہریلی ہنسی میرے تن بدن میں آگ لگا گئی جو اس پراسرار عورت کی شاید عادت تھی۔

میں بڑی دیر تک اپنا غصہ ضبط کرتی رہی تھی اس نے جو ''اچار ڈالنے'' کو کہا تو خود پر

قابو نہ رکھ سکی۔ آخر میں جن زادی تھی! آگ سے میرے وجود کو تخلیق کیا گیا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ میرے ہاتھ میں جو دواؤں کی بھاری صندوقچی تھی' اسے میں نے فضا میں گھمایا اور اس شیطان صفت عورت کے سر پر دے مارا' پھر اسے سخت سست کہنے لگی۔

حملہ غیر متوقع تھا اس لئے سنبھلتے سنبھلتے وہ صندوقچی کی زد میں آ گئی۔ معلوم نہیں عین وقت پر کس طرح اسے میرے ارادے کا پتا چل گیا تھا۔ صندوقچی کی اچٹتی ہوئی ضرب نے بھی اسے چیخنے پر مجبور کر دیا۔

اب تک مجھے اس کا چہرہ نظر نہیں آیا تھا۔ اس کی بدحواسی سے میں نے فائدہ اٹھایا اور سر سے چادر گھسیٹ لی۔

بڑی ہی کریہہ الصورت تھی وہ۔ رنگ بھی گہرا سیاہ تھا۔

اپنے سر سے چادر گھسیٹے جانے پر اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے جیسے چنگاریاں نکلنے لگیں' بولی۔ ''اے دینار! میرے ساتھ گستاخی سے پیش آ کے تو نے اپنے حق میں اچھا نہیں کیا۔ سارہ ایسے لوگوں کو انتہائی سخت سزائیں دیتی ہے۔''

''کون سارہ؟..... کیا تیرا نام ہے سارہ؟''

''ہاں میں ہی سارہ ہوں اور تاریک براعظم سے یہاں آئی ہوں۔'' اس کا اشارہ افریقہ کی طرف تھا۔ حیرت انگیز طور پر چوٹ کھانے کے باوجود اس افریقی آدم زادی نے کسی فوری ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس نے بس اتنا کیا کہ دواؤں کی صندوقچی میرے ہاتھ سے چھین کر پھینک دی اور کہنے لگی۔ ''تو ابھی سارہ کو نہیں جانتی۔''

''اور جاننا بھی نہیں چاہتی۔'' میں نے بلا جھجک کہہ دیا۔

''وہ تو اے دینار تجھے جاننا ہی پڑے گا!''

''کوئی زبردستی ہے؟''

''ہاں..... کیوں کہ تو اس وقت زیر دست ہے۔''

اب میں اس کے ہمراہ ایک مکان کے دروازے تک پہنچ گئی تھی۔

اس مکان کے دروازے پر کھڑے ابھی مجھے چند لمحے ہوئے تھے کہ دروازہ خود بخود کھل گیا۔

''آ جاؤ اے سارہ اور اے دینار!'' اندر سے ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔ ''میں تم دونوں ہی کا منتظر تھا۔''

وہ آواز میرے لئے قطعی اجنبی تھی۔ معلوم نہیں وہ کون تھا اور مجھے کیسے جانتا تھا۔ میں نے کھلے ہوئے دروازے میں ہلکی سی روشنی دیکھی اس روشنی کا مخرج بھی میری آنکھوں سے پوشیدہ تھا۔

''چل اے دینار!'' سارہ نے میرا بازو پکڑ کر کہا۔

میں نے جھٹکے سے بازو چھڑانا چاہا مگر ناکام رہی۔

''تو نے دھوکے سے بس ایک بار ہلکی سی ضرب لگا دی' لیکن میں تیری طرف سے چوکنا ہو گئی ہوں۔ سیدھی طرح اندر چل ورنہ.....''

''ورنہ تو کیا کر لے گی؟'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

میری بات پوری ہوئی تھی کہ سارہ نے میرے انسانی قالب کو کسی ہلکے پھلکے کھلونے کی طرح اٹھا کر اس مکان کے کھلے ہوئے دروازے سے اندر پھینک دیا۔ غیر ارادی طور پر میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

سارہ نے میری بے بسی پر قہقہہ لگایا۔ اسی وقت پھر مردانہ آواز آئی۔ ''سارہ اس خوب صورت کھلونے کو یوں زمین پر نہ پھینک! یہ تو آنکھوں سے لگانے کے قابل ہے' سنبھال کے رکھنے کی چیز ہے۔''

ان الفاظ میں چھپی ہوئی طلب و خواہش کو میرے لئے سمجھ لینا دشوار نہ تھا۔

''سارہ! اسے ہمارے مہمان خانے میں پہنچا دے۔ اس کے آرام و آسائش کا تجھے پوری طرح خیال رکھنا ہے۔ تو جانتی ہے کہ دینار کو ہم نے اپنے لئے پسند کر لیا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے اے وہموش!..... تجھے شکایت نہ ہو گی۔'' سارہ بولی تو پہلی دفعہ مجھے اس بھاری آواز والے کا نام معلوم ہوا۔ میں اس عرصے میں اٹھ کر کھڑی ہو چکی تھی۔

''تو خود اپنے قدموں سے چل کر وہموش..... میرے آقا وہموش کے مہمان خانے تک چلے گی یا.....'' سارہ نے معنی خیز انداز میں اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ میری ہی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

اپنی مدافعت کرنا بہرحال میرا حق تھا۔ میں یوں آسانی سے ہار ماننے والی نہیں تھی۔ اس لئے میں نے نتیجے سے بے پروا ہو کر سارہ پر چھلانگ لگا دی۔ میں سمجھ چکی تھی کہ اچانک ہی کوئی قدم اٹھا کر سارہ سے نمٹا جا سکتا ہے۔ میرا کوئی ایسا فعل جو اس کیلئے غیر متوقع ہو' اسے نہ صرف حیرت زدہ کر سکتا ہو بلکہ اسکا شکست سے دوچار ہونا بھی ممکن ہو۔

وہ آدم زادی نہ رہتی تو اس کا سحر بھی ٹوٹ جاتا۔ میں اسے مار ڈالتی تو میرا فرار ہو جانا یقینی تھا۔ اس مکان کا دروازہ ابھی تک کھلا ہوا تھا۔ پھر یہ کہ انسانی قالب سے آزاد ہو کر دوبارہ مجھے زیر دام لانا ہنسی کھیل نہیں تھا۔ یہ ساری باتیں بڑی تیزی کے ساتھ میرے ذہن میں آئیں۔ اسی تیزی کے ساتھ ایک نتیجے پر پہنچ کر میں نے اس ''کلموہی'' یا کلو پری پر حملہ کر دیا۔ اس مرتبہ وہ دھوکا کھا گئی۔ میں اس کی پشت پر سوار تھی اور ''کلو'' کی گردن میرے ہاتھوں کی گرفت میں تھی۔

''نہیں اے دینار! اسے نہ مار! یہ میری بڑی خدمت گزار اور فرماں بردار کنیز ہے۔'' دہموش کی آواز سنائی دی۔ ''مگر اے چوہے! تو کس بل میں چھپا ہوا ہے!'' میں چیخ اٹھی۔

''تو ہمارے حضور میں گستاخی کی مرتکب ہو رہی ہے' دینار!'' دہموش اپنی بھاری آواز میں بولا۔ ''تیری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو مار دیا جاتا۔ ہم اسے زندہ نہ چھوڑتے..... تو سارہ کی گردن نہیں چھوڑ رہی تو پھر مجبوراً ہمیں دوسرا قدم اٹھانا پڑے گا۔''

دوسرے ہی لمحے میرے دماغ پر تاریک غبار سا چھا گیا اور پھر مجھے یاد نہیں کیا ہوا!

میں جب ہوش میں آئی تو خود کو ایک غار میں پایا۔ غار کے دہانے پر ایک مشعل روشن تھی۔ میرے سوا اس غار میں کوئی اور نہیں تھا۔ میں نے ذرا اور غور سے غار کا جائزہ لیا تو وہاں کسی آدم زادی یا آدم زادی کی ضروریات پوری کرنے کی تمام اشیاء موجود تھیں..... یہ کون سی جگہ ہو سکتی ہے؟ میں نے خود سے سوال کیا اور جواب مل گیا۔

بغداد شہر کے ایک جانب پہاڑ بھی تھا مجھے جس غار میں رکھا گیا تھا' انہی میں سے کسی پہاڑ کے اندر تھا۔

اس غار کا ایک حصہ ایسا تھا جہاں زمین ہموار تھی۔ اسی جگہ میرے لئے نرم و آرام دہ بستر بچھایا گیا تھا اور میں اسی بستر پر دراز تھی۔

نصف شب سے اب تک میرے ساتھ جو کچھ گزرا حیران کن ہی تھا۔ میرے ساتھ اب تک جو پراسرار واقعات پیش آئے تھے' یہ واقعہ ان سب سے مختلف تھا۔ آدھی رات کو میرے مکان کے دروازے پر دستک ہونا' ایک آدم زادی کا آنا اور اپنی بیمار بچی کو دکھانے کے بہانے مجھے اپنے ساتھ لے جانا اور پھر یہ سب جھوٹ ثابت ہونا۔ اس کے بعد پراسرار آدم زادی سارہ کا عجیب و غریب سلوک۔ وہ کسی دہموش کی کنیز تھی۔ مجھے زبردستی دہموش کا مہمان

بنایا جانا' یہ تمام باتیں مجھ جن زادی کیلئے حیرت ناک تھیں۔

اب یہ خیال میرے لئے سوہان روح بنا ہوا تھا کہ عارج بھی کہیں اس پراسرار جال میں نہ آ پھنسے۔

ظاہر ہے کہ میں واپس نہ پہنچی تو عارج میری تلاش میں نکل کھڑا ہوگا۔ پراسرار دہموش لازماً عارج سے واقف ہوگا کہ وہ میرے ساتھ ہی رہتا ہے۔ جس طرح اس نے سارہ کے ذریعے مجھے اغوا کیا تھا اس سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ عارج کو چھیڑنے سے گریز کر رہا ہے۔ اس کی طلب عارج نہیں' میں تھی۔ اس طلب کی راہ میں اگر عارج دیوار بننا چاہتا تو اسے نقصان اٹھانا پڑتا۔ یوں عارج کی طرف سے میرا فکرمند ہونا فطری امر تھا۔ میں نے سوچا' خدا کرے عارج مجھے نہ ڈھونڈے۔

اچانک غار کے دہانے کی طرف سے شیر کی دھاڑ سنائی دی تو میں اچھل پڑی۔ میں نے دہانے کی طرف دیکھا تو شیر نظر آ گیا۔ اسے غالباً میری حفاظت کیلئے رکھا گیا تھا۔

دہموش نام عموماً جنات میں کم ہی رکھا جاتا ہے مگر یہ بات میرے علم میں تھی کہ جنات کے ایک سربراہ کا نام دہموش تھا۔ یہ بادشاہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا کوئی تعلق لفظ ''وہم'' سے نہیں ہے۔ یہ حقیقت بھی میرے لئے فکر انگیز تھی۔ اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ میرے اغوا میں ایک پراسرار آدم زادی تو ضرور ملوث ہے لیکن اغوا کرانے والا ایک جن زاد ہے۔ یہ کوئی حیرت ناک بات نہیں تھی کہ افریقہ نژاد سارہ' دہموش کی کنیز تھی۔ جنات آدم زادیوں کو اپنی کنیز بنا سکتے ہیں۔

بہت سی آدم زادیاں خود یہ تمنا کرتی ہیں کہ کوئی جن ان پر عاشق ہو جائے۔ اس طرح وہ خود کو دوسری آدم زادیوں سے ممتاز و منفرد ثابت کر دیتی ہیں۔ اپنے عاشق جن کے ذریعے بے موسم کا پھل منگوا دینا' مال و زر کے ڈھیر لگوا دینا' نیز دولت مند بن جانا وغیرہ۔ خاص طور پر وہ آدم زادیاں جن کا تعلق پسماندہ غریب طبقے سے ہوتا ہے' ایسے خواب ضرور دیکھتی ہیں۔ انکی محرومیاں ہی انہیں ایسے خواب دکھاتی ہیں۔ سارہ کا تعلق کس طبقے سے تھا' میں بے خبر تھی۔ مجھے اپنے سلسلے میں فکر لاحق تھی کیونکہ میں کوئی آدم زادی نہیں جن زادی تھی۔ میں جان دے دیتی لیکن دہموش کی کنیز بننے پر آمادہ نہ ہوتی۔

بستر سے اٹھ کر میں نے اس غار کا جائزہ لیا تو مجھ پر ایک اور حقیقت منکشف ہوئی۔ مجھے ایک جانب دراڑ دکھائی دی۔ وہ دراڑ اتنی چوڑی تھی کہ آسانی کے ساتھ اس

سے گزرا جاسکتا تھا۔ میں اس میں داخل ہوکر ایک اور غار میں پہنچ گئی۔ غاروں کا وہ ایک سلسلہ تھا۔ مگر چوتھے غار میں گھستے ہی میرے قدم رک گئے۔ وہاں میں نے مسند پر قدیم عربی لباس زیب تن کئے متوسط عمر کے ایک فرد کو دیکھا۔

''دینار! مجھے یقین تھا کہ تو چین سے نہیں بیٹھے گی۔'' وہ مجھ سے کہنے لگا۔ ''یہاں اس غار تک تیرا پہنچ جانا میرے لئے غیر متوقع نہیں ہے۔ دیکھ لے تیری خاطر دہموش نے بھی انسانی قالب اپنا لیا......''

''تو... تو......ہی دہموش ہے؟......میری ہی طرح تیرا تعلق بھی جنات سے ہے؟'' میں بول اٹھی۔

''ہاں میں بھی جنات میں سے ہوں ......مگر تجھ میں اور مجھ میں فرق ہے اور......خیر چھوڑ! یہ بتا کہ تیرے عشق میں مبتلا وہ نوجوان جن زاد عارج تو تیرا پیچھا نہیں کرے گا؟'' اس نے اپنی مخصوص بھاری آواز میں پوچھا۔

''تو عارج کو کیسے جانتا ہے؟'' میں نے معلوم کیا۔

''عارج پر خاک ڈال دینار! یہ پوچھ میں تجھے کس طرح اور کب سے جانتا ہوں!''

اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ ناچنے لگی۔ اس کا چہرہ گول اور آنکھیں بڑی تھیں۔ رنگ سرخ و سفید تھا۔ چہرہ بالکل گول ہونا غیر فطری بات تھی۔ اسی سے میں نے قیاس کیا کہ وہ اہل ایمان میں سے نہیں۔ عالم سوما نے مجھے یہ بات بتائی تھی کہ ایسے جنات جو راہ راست پر نہ ہوں، جب انسانی پیکر اپناتے ہیں تو اس میں کوئی نہ کوئی غیر فطری بات آ جاتی ہے۔ پھر اس سے قبل کہ میں کوئی سوال کرتی، وہ کہنے لگا۔ ''دینار! مجھے تیرے بارے میں کیا کیا خبر ہے، یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ تو فی الحال یہ بتا کہ مجھ سے نکاح کرے گی؟''

دہموش کے اس سوال پر میرا پورا وجود جھن جھنا اٹھا۔ میرے دماغ میں چھناکے سے ہونے لگے۔

''میں تجھے اپنے متعلق دھوکے میں نہیں رکھوں گا دینار!'' وہ پھر بولنے لگا۔ ''میں مسلمان نہ سہی، اہل کتاب میں سے ضرور ہوں۔ تجھے بھی یقیناً خبر ہوگی کہ اہل کتاب سے نکاح جائز ہے۔''

''کیا بکواس کر رہا ہے تو؟'' میں بگڑ گئی۔

''اس میں بکواس کی کیا بات ہے اے دینار! ایک جن کا کسی جنیہ سے نکاح کرنا

کوئی عیب تو نہیں'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔ ''یوں بھی میری عمر زیادہ نہیں، صرف دو ہزار سال ہے۔''

''شرم کر کہ تجھے میرے مقابلے میں بوڑھا ہی کہا جائے گا۔ تیری عمر میرے سے دگنی ہے!'' میں نے کہا۔

''تو کیا ہوا! عمروں کا فرق نکاح میں حارج نہیں ہوتا۔'' وہ بدستور شیطنت پر آمادہ رہا، کچھ توقف سے کہنے لگا۔ ''میں یہودی ہوں، اس رسول کا ماننے والا کہ جس سے خداوند ہمکلام ہوا تھا۔ وہ رسول کہ جس کی پرورش فرعون کے گھر میں ہوئی اور وہ موسیٰ کہ جس نے دنیا کو نیکی اور بھلائی کا پیغام دیا۔''

''مگر کیا تیرے مذہب میں کسی کے ساتھ زبردستی نکاح کر لینے کو بھی جائز سمجھا جاتا ہے؟'' میں نے بحث کی۔

''میں نے ابھی تک تجھ سے زبردستی تو نہیں کی حالانکہ میں ایسا کر سکتا تھا۔''

''کسی کو اغوا کر لینا، کیا زبردستی نہیں؟'' میری آواز میں چبھن تھی۔

''لیکن یہ دیکھ کہ میں نے تیری رضامندی چاہی۔ میں اس لئے تو تجھ سے کہہ رہا ہوں، مجھ سے نکاح کر لے اے دینار!''

''نکاح کرنا تو بہت دور کی بات ہے، میں تیرے منہ پر تھوکوں گی بھی نہیں۔''

''پھر پچھتائے گی۔''

''یہ تو تجھے آنے والا وقت بتائے گا کہ کون پچھتاتا ہے! تو یا میں!'' میں بولی۔

''اس غلط فہمی میں نہ رہنا دینار کہ تو یہاں سے فرار ہو سکتی ہے یا وہ تیرا عاشق عارج تجھے یہاں سے نکال کر لیجا سکتا ہے۔ سن! یہاں آنے کا راستہ تو ہے، جانے کا نہیں۔ سارہ تجھ سے ملتی رہے گی جب بھی تو نکاح پر راضی ہو جائے اس سے کہہ دینا۔ شادی کے معاملے میں ہر دو فریق کی رضامندی کا میں قائل نہیں۔ تیرے ساتھ تو میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر رعایت کر رہا ہوں۔ چاندنی رات میں جب پہلی بار میں نے صحرا کی وسعتوں میں تیرے وجود کی خوشبو کو محسوس کیا تھا......تیری خوشبو سے میں مہک اٹھا تھا تو......اب تجھے کیا بتاؤں اے دینار!......یہ باتیں اس وقت اچھی معلوم ہوں گی جب تو میری بیوی بن جائے گی۔'' ان الفاظ کے ساتھ ہی مسند خالی ہو گئی۔ دہموش انسانی قالب ترک کر کے غائب ہو چکا تھا اور میں وہاں حیران پریشان کھڑی رہ گئی تھی۔

پھر غاروں کے اس سلسلے میں بہت دیر تک بھٹک کر اسی پہلے غار میں واپس آ گئی جہاں ہوش آیا تھا۔ میں بستر پر بیٹھ کر خبیث دہموش کی باتوں پر غور کرتے کرتے چونک اٹھی۔ اس نے کہا تھا کہ پہلی بار مجھے چاندنی رات میں محسوس کیا تھا۔ صحرا اور چاندنی رات ..... میں سوچنے لگی۔ بصرے سے بغداد کی طرف لوٹتے ہوئے برسوں پہلے ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ خلیفہ المنصور کا عہد تھا اور اس کے چچا عیسیٰ بن موسیٰ نے ایک خوب صورت کنیز فائقہ۔ محکمہ نظارت کے نگراں موسیٰ بن کعب کے تحفے میں بھیجی تھی۔ یہ وہی عیسیٰ ہے جو خلیفہ المنصور کا چچا اور خلافت کا دعویدار تھا۔ اس کا ذکر میری سرگزشت میں تفصیل کے ساتھ آ چکا ہے۔ عیسیٰ ان دنوں حاکم کوفہ تھا اور استخوانی چہرے والا بوڑھا سلیمان اس کا دست راست تھا۔ فائقہ کو نجف سے اسی نے اغوا کرایا تھا۔ اسی بوڑھے سلیمان کے متعلق عالم سوما نے کافر ہونے کا شبہ ظاہر کیا تھا۔ میں نے سوچا' دہموش اس کا اصل نام بھی ہو سکتا ہے۔' مزید یہ کہ وہ بہر حال اہل ایمان میں سے نہ تھا اس لئے انسانی قالب اختیار کرتے ہوئے اس کی شکل بگڑ گئی۔ استخوانی چہرہ' گول چہرے میں کیسے بدل گیا؟ یہ سوال آدم زادوں کے ذہنوں میں تو آ سکتا ہے ہم جن زادوں کے ذہنوں میں نہیں۔ ہم کوئی بھی انسانی قالب اپنا سکتے ہیں۔ وقت اور موقع محل کی مناسبت سے ہم اپنے انسانی چہرے بدلنے پر قادر ہیں۔ سو اگر بوڑھے سلیمان نے بھی ایسا کیا ہو تو باعث حیرت نہیں۔

''استخوانی چہرے والا بوڑھا سلیمان!'' سوچتے سوچتے میں بڑبڑانے لگی۔

''تو نے آخر مجھے پہچان ہی لیا اے دینار! میں وہی بوڑھا سلیمان ہوں۔ دیکھ وہ انسانی قالب!'' یہ کہتے ہیں بوڑھا سلیمان انسانی قالب میں ظاہر ہو گیا۔ یقیناً وہ میری نظروں سے اوجھل ہو کر میری نقل و حرکت کی نگرانی کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا۔ ''دینار! تیری ذہانت ہی نے تو مجھے تیرا گرویدہ بنا دیا ہے۔ میں اسی وجہ سے تو تجھے ہمیشہ کیلئے اپنا لینا چاہتا ہوں۔ میری اور بیویاں بھی ہیں مگر یقین کر کہ اگر تو بھی میری بیوی بن گئی تو سکہ تیرا ہی چلے گا۔ تو ہی میری سب سے لاڈلی بیوی ہوگی۔ سن اے دینار! میں نے برسوں یہ کوشش کی کہ تجھے بھلا دوں مگر ناکام رہا۔ تیرے وجود کی خوشبو ہی ایسی ہے جو دیوانہ بنا دے۔ میں تجھے بھول جانے ہی کی خاطر بغداد سے قاہرہ چلا گیا۔ فراعین کے وطن مصر میں بھی میرا جی نہ لگا اور دوبارہ عراق لوٹ آیا۔

کیا تجھے اب بھی میرے عشق کی صداقت کا یقین نہیں آیا دینار؟..... بول ناں خاموش کیوں بیٹھی ہے! دینار' تو میرا ایک ایسا خواب ہے جس کی تعبیر میں ضرور حاصل کروں گا!''

''اے خبیث' لعنتی بوڑھے! تیری یہ ناپاک خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی۔ میں کوئی آدم زادی نہیں جن زادی ہوں...... میں فائقہ نہیں دینار ہوں!''

''جانتا ہوں میں کہ تو بڑی قیمتی ہے' اس لئے تو تیری آرزو کی ہے۔'' وہ بے حیائی سے ہنس دیا۔ اس نے خبیث اور لعنتی کہے جانے کا قطعی برا نہیں مانا تھا اور نہ غصے میں آیا تھا۔

''تو بڑا ہی بے غیرت ہے اے دہموش!'' میں نے اسے مزید برا بھلا کہا۔

''تجھ جیسی جن زادی کو اپنی بیوی بنانے کی خاطر اگر گالیاں بھی کھانی پڑیں تو مجھے منظور ہے یہ سودا!''

میرا پارا چڑھنے لگا۔ غالباً اس نے بھی یہ بات محسوس کر لی اور میرے پاس سے چلا گیا۔

کسی آدم زاد کیلئے تو کسی جن زاد یا جنیہ کا نام معلوم کرنا مشکل ہو سکتا ہے مگر ہم جنات کے ساتھ ایسا نہیں۔ سو اگر دہموش نے میرا نام جان لیا تو اس پر مجھے حیرت نہ تھی۔ میرے لئے تو حیرت کا مقام یہ تھا کہ عرصہ دراز گزر جانے کے باوجود استخوانی چہرے والا بوڑھا سلیمان یا دہموش مجھے بھولا نہیں تھا۔

اس نے مجھ سے اپنے عشق کی جو کہانی بیان کی تھی مجھے اس پر بھی اعتماد نہ تھا۔ وہ میرے حصول کی خاطر کوئی بھی کہانی سنا سکتا تھا۔

اس کے بارے میں ایک بات البتہ طے تھی کہ وہ عام جنات سے کہیں زیادہ پراسرار قوتوں کا مالک تھا۔ دراصل جنات بھی سب ایک سے نہیں ہوتے۔ ان کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ اکثر روایات میں ہم جنات کی دس قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ مردہ' عفریت' اعوان' توابع' قرنا' عمار وغیرہ۔ بعض جنات فضا میں اور بعض صرف پانی میں رہتے ہیں۔ انہیں بھی جنات کی قسموں ہی میں شمار کیا جائے گا۔ ان کے علاوہ دو قسمیں شیاطین و ابلیس کی ہیں۔ اولاد ابلیس نہ صرف آدم زادوں کو نقصان پہنچاتی ہے بلکہ اہل ایمان جن زادوں کے لئے بھی خطرہ ہے۔ جنات کی قسمیں پراسرار قوتوں کے اعتبار سے یکساں نہیں مثلاً ایک عفریت کسی قردہ پر آسانی سے حاوی آ سکتا ہے۔

یہ ذکر میں نے اس لئے چھیڑا کہ لعنتی دہموش مجھے کوئی عفریت ہی لگتا تھا۔ ورنہ

میری قوتوں کو اس قدر آسانی کے ساتھ سلب نہ کر لیتا۔ جب میں اس نتیجے پر پہنچی تو ایک طرف شدید غصہ آیا' دوسری جانب اپنی بے بسی پر ملال ہوا۔

ذہنی تھکن سی محسوس ہوئی تو میں بستر پر لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔

"سو جا اے دینار!...... سو جا!..... اس طرح تیرے اعصاب کو سکون ملے گا۔" یہ نسوانی آواز سارہ کی تھی۔

وہ منحوس سیاہ فام آدم زادی نہ جانے کب میرے غار میں آمری تھی۔

"تو کون ہوتی ہے مجھے مشورے دینے والی! دفع ہو جا یہاں سے!" میں نے سارہ کو کھری کھری سنا دی۔

اس کی چڑانے والی ہنسی غار میں گونجنے لگی۔

"تجھے بچا لیا تیرے آقا داہوش نے ورنہ تو میں تیری گردن دبا دیتی۔"

یہ حسرت لے کر جانے کتنی آدم زادیاں اور جن زادیاں موت کی نیند سو چکی ہیں۔

ممکن ہے تو بھی میرے ہاتھوں ماری جائے۔ میں تجھ پر اس لئے ہرگز رحم نہیں کروں گی کہ تو میرے آقا کی پسند ہے۔" سارہ سخت آواز میں بولی۔

"اور اگر اس پر تیرے آقا نے تجھے الٹا لٹکا دیا پھر؟" میں نے بھی اسے چڑایا۔

"پاگل ہے تو!" وہ ہنس دی۔ "میرے آقا نے تجھ پر مجھے پورا اختیار دے دیا ہے کہ تجھے سیدھی راہ پر لانے کیلئے تیرے ساتھ جو چاہے سلوک کروں۔"

"تو شاید اس طرح مجھ سے گلا دبانے کا انتقام لینا چاہتی ہے۔"

"چاہتی ہے سے تیرا کیا مطلب ہے اے دینار' میں تو جب چاہوں تیرے انسانی قالب کی دھجیاں بکھیر سکتی ہوں۔"

"اے سارہ! بڑا بول نہ بول! ورنہ میری باری آ گئی تو تجھے کہیں امان نہیں ملے گی!"

"میں نے شرافت کا ثبوت دیتے ہوئے تجھے سو جانے کا مشورہ دیا تھا مگر تو اینٹھ گئی تو نتیجہ بھگت!"

سارہ کے بھدے سیاہ ہونٹوں کو میں نے تیزی سے حرکت کرتے دیکھا۔ یقیناً مجھے تکلیف پہنچانے کی غرض سے وہ کوئی شیطانی عمل پڑھنے میں مصروف تھی۔ میرے لئے اسے روکنا ممکن نہ تھا۔ میں نے اپنے دل کو تسلی دی اللہ مالک ہے جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ اگر تکلیف اٹھانا ہی بقدر کر دیا گیا ہے تو پھر کون روک سکتا ہے۔ میں بدستور بستر پر دراز رہی۔ ہاں اس

عرصے میں ایک بار پھر یہ کوشش میں نے ضرور کی کہ انسانی قالب سے نکل سکوں لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔

نامعلوم شیطانی عمل کے خاتمے پر سارہ نے میرے بستر کا چکر لگایا اور پھر مجھ پر زور زور سے پھونکیں ماریں۔ اس کے بعد وہ دور جا کر کھڑی ہو گئی۔ چند ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ میں اچھل کر بیٹھ گئی۔ میرے بستر پر اور اس کے اردگرد بڑے بڑے پہاڑی بچھو رینگ رہے تھے۔ یہ بچھو اسی شیطانی عمل کا نتیجہ معلوم ہوتے تھے جو سارہ نے کچھ لمحے پہلے تک پڑھا تھا۔

میں ان بچھوؤں سے بچنے کی خاطر بستر پر سمٹ سمٹا کر بیٹھ گئی' مگر کب تک بچتی! ایک بچھو نے ڈنک مار ہی دیا اور میرے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ پھر بچھو میرے جسم پر ڈنک مارتے رہے اور میں چیختی رہی۔ سارہ مجھے اس روح فرسا عذاب میں مبتلا دیکھ کر زور زور سے ہنس رہی تھی۔

اس طرح چیختے چیختے نڈھال ہو کر جانے کب میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی۔

میں ہوش میں آئی تو اس بھیانک رات کی صبح ہو چکی تھی۔ لیکن یہ صبح بھی میرے لئے نجات کا ذریعہ نہیں بن سکی تھی۔ غار کے دہانے کے ایک حصے میں روشن مشعل بجھ گئی تھی۔ یا بجھا دی گئی تھی۔ دہانے سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی۔

میرے جسم کے مختلف حصے نیلے پڑنے کے ساتھ ساتھ سوئے ہوئے تھے۔ اذیت اب بھی اتنی تھی کہ میں کراہنے لگی۔ میرے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ کبھی کوئی انسانی قالب یوں مجھے کرب و تکلیف میں مبتلا کر دے گا۔

میں غار میں اکیلی تھی اور میرے اطراف پہاڑی بچھوؤں کا گھیرا بھی نہیں تھا۔

انسانی قالب اختیار کرنے کے بعد ہم جن زادوں کی ضروریات بھی وہی ہو جاتی ہیں جو آدم زادوں کی ہوتی ہیں۔ اس دن پہلی بار مجھے معلوم ہوا کہ بھوک کیا ہوتی ہے! آدم زادوں پر اس وقت کیا گزرتی ہے جب وہ خالی پیٹ ہوتے ہیں اور انہیں روٹی نہیں ملتی۔ ہاں اس دن ظالم آدم زادی سارہ نے مجھے بھوکا پیاسا رکھا۔ مجھے جلانے کڑھانے کی غرض سے اس نے میرے ہی سامنے کھانا کھایا اور پانی پیا' بھوک اور پیاس کی شدت کے باوجود میری غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ سارہ سے کھانا یا پانی مانگتی۔

"اے دینار! تو واقعی بڑے صبر اور ہمت والی ہے کہ ایک لقمے کی خیرات بھی نہیں

مانگ رہی۔" سارہ مجھے چڑانے لگی۔

"ہاں میں تیری طرح کسی کی کنیز نہیں۔ تیرا آقا چاہے تو صبح شام تیری چاند پر جوتے مارے اور تو سر جھکائے کھڑی رہے۔ کنیزوں کو سر اٹھانے کی اجازت نہیں ہوتی۔" میں نے بھی اسے تپایا۔

معلوم ہوتا ہے ابھی تیرا جی نہیں بھرا تکلیف اٹھا کے!......کوئی بات نہیں" سارہ بولی۔ پھر اس نے کچھ بڑھ کر غار کے دہانے کی طرف ہاتھ پھیلا دیا۔ چمڑے کا ایک کوڑا فضا میں تیرتا ہوا آیا۔ اسے سارہ نے پکڑ لیا اور میری طرف بڑھتے ہوئے کہا۔" دینار! تو نے لازماً کسی افریقی سے مار نہیں کھائی ہوگی۔ اس کا لطف ہی الگ ہے۔"

قریب آتے ہی سارہ نے میرے جسم پر کوڑے برسانے شروع کر دیئے۔ وہ میرے جسم کو روئی کی طرح دھن رہی تھی۔ میں بھلا کب تک برداشت کرتی' ہوش و حواس سے بیگانہ ہوگئی۔

اجالے کے بعد پھر اندھیرا ہوگیا۔ مشعل جلنے لگی۔ مجھے کچھ ہی دیر پہلے ہوش آیا تھا۔ میرا سارا جسم پکے ہوئے پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ میں اب اس قابل بھی نہیں رہی تھی کہ اٹھ کر بیٹھ سکوں۔

اس رات ہوش اور بے ہوشی کی درمیانی کیفیت میں مجھے ایک چیخ سنائی دی۔ یہ چیخ سن کر میرا دل ڈوبنے لگا۔

"عارج" میری زبان سے بس اتنا ہی نکل سکا۔ وہ دل دوز چیخ عارج ہی کی تھی۔

اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ عارج بھی پراسرار دہموش کی گرفت میں آچکا ہے۔ اس احساس نے میری تکلیف و اذیت دگنی کر دی۔ میرے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ ہوا کہ عارج کس طرح زیر دام آ گیا۔ مجھے پہلی بار یہ معلوم ہوا کہ میں عارج سے کتنی شدید محبت کرتی ہوں۔ ایک تڑپ ایک اضطراب نے میرے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

پھر پے در پے عارج کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ اس پر یقیناً تشدد کیا جا رہا تھا اور اسکا سبب مجھ سے اس کا تعلق ہی ہوسکتا تھا۔ دہموش رقابت میں اس کی جان بھی لے سکتا ہے۔ اس خیال نے مجھے اور بے چین کر دیا۔ عارج کو دہموش نے پہلے نظر انداز کر دیا تھا لیکن اب معاملہ مختلف نوعیت اختیار کر گیا تھا۔ ایسی صورت میں کہ جب عارج میرے وجود کی خوشبو کا تعاقب کرتا ہوا اس جگہ پہنچ جاتا اسے قید کیا جانا کوئی حیران کن بات نہ تھی۔ میرا قیاس یہی تھا

کہ پہلے تو عارج نے میری واپسی کا انتظار کیا ہوگا اسکے بعد میری تلاش میں نکل پڑا ہوگا۔ فوری طور پر وہ مجھ تک پہنچنے میں کیوں کامیاب نہیں ہوا تھا؟ اس سوال کا جواب سارہ اور دہموش کی پراسرار قوتیں تھیں۔ ان کی مرضی کیخلاف عارج بھلا مجھ تک کیسے پہنچ جاتا!

میری حالت اس قابل نہیں تھی کہ بستر سے اٹھ بھی سکتی۔ یہ سب ملعونہ سارہ کی کارستانی تھی۔ کچھ بعید نہیں تھا۔ کہ وہ ذلیل آدم زادی جس نے مجھ پر انتہائی تشدد کیا تھا خود بھی یہودی ہولی۔ دہموش تو اپنے بارے میں بتا ہی چکا تھا کہ یہودی ہے۔ میں مسلمان تھی اس لئے وہ مذہبی تعصب کی بنیاد پر بھی مجھ سے انتقام لے سکتا تھا۔

معاً میں نے دہموش کی مخصوص بھاری آواز سنی اور چونک اٹھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔" سن رہی ہے دینار" اس احمق عارج کی چیخیں' جسے تیری خاطر اپنی جان کی پروا بھی نہیں۔ وہ چاہتا تو تھوڑی بہت پٹائی کے بعد بھاگ جاتا مگر نہیں بھاگا۔ میری مرضی نہیں تھی کہ اسے قید کر لیتا لیکن کیا کرتا!......اب تو ہی اسے سمجھا کہ یہاں سے فرار ہوجائے وہ برابر والے غار میں ہے۔" دہموش' بوڑھے سلیمان کے قالب میں تھا۔

"کس طرح؟......میں تو اٹھ بھی نہیں سکتی۔" میں بولی' پھر شکایت کی۔" تیری لعنتی کنیز سارہ بڑی ظالم ہے جس نے میری یہ حالت بنا دی...... جب کہ تو...... تجھے میرے عشق کا دعویٰ ہے!" میں نے اس کے استخوانی چہرے پر نگاہ ڈالی۔

"عشق اپنی جگہ' نافرمانی کی سزا الگ۔" دہموش نے کہا اور دھیرے سے ہنسا' پھر کہنے لگا۔" سارہ نے میرے ایما ہی پر تیری دھنائی کی تھی۔"

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل کمینہ تو ہے!"

"میں نے بھلا اپنے کمینے پن سے کب انکار کیا ہے!" یہ کہتے ہوئے وہ میرے قریب آ کے بولا۔" تو واقعی بڑی اذیت میں لگتی ہے۔ میں ابھی تجھے اس اذیت سے نجات دلاتا ہوں تو پھر اسی طرح ہو جائے گی اے دینار جیسی کہ اس وقت تھی جب سارہ کے ساتھ اپنے مکان سے چلی تھی ......ٹھیک ہے نا!" اس کے استخوانی چہرے پر موجود پتلے پتلے سفاک ہونٹوں پر عجب سا غیر فطری تبسم رقص کرنے لگا۔

چند ہی لمحوں بعد مجھے یوں لگا کہ جیسے کسی سبز غبار نے میرے وجود کو اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میرا انسانی قالب اپنی پہلی حالت پر آنے لگا۔ دہموش غائب ہوگیا۔

جب میری جسمانی اذیت ختم ہوگئی تو میں اٹھی اور برابر والے غار میں پہنچ گئی۔ وہاں سارہ کو دیکھ کر مجھے غصہ آیا۔ عارج بھی اس وقت میری طرح انسانی قالب میں تھا۔ اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے میں نے سارہ کو مخاطب کیا۔ ''رک جا اے آدم زادی!''

وہ عارج پر کوڑے برسا رہی تھی۔ اس کا ہاتھ میری بات سن کر رک گیا' کہنے لگی میرا آقا تجھے بتا چکا ہے کہ کیا چاہتا ہے۔ تو اسے سمجھا دے اے دینار کہ یہ آئندہ ادھر کا رخ نہ کرے ورنہ.... اس نے دھمکی دی اسے مار ڈالوں گی۔''

مصلحت کے تحت میں نے ضبط سے کام لیا اور بولی۔ ''اس کی نوبت نہیں آئے گی سارہ..... عارج یہاں سے چلا جائے گا مگر غار کے دہانے پر تو پہرا ہے!''

''وہ پہرا اب صرف تیرے لئے ہے عارج کیلئے نہیں'' سارہ نے کہا'' تجھے میں صبح ہونے تک کی مہلت دیتی ہوں۔''

''عارج کو سمجھانے کی خاطر؟'' میں نے وضاحت چاہی۔ ''اسے سمجھانے اور میرے آقا سے نکاح کرنے پر رضامندی کیلئے۔'' میں خاموش رہی۔

''تیری خاموشی کو میں رضامندی تصور کرتی ہوں۔'' سارہ کہنے لگی۔ پھر وہ مجھے اور عارج کو اسی غار میں چھوڑ کر چلی گئی۔ عارج اور میں طویل عرصے تک ایک دوسرے کے ساتھ رہ چکے تھے۔ جب ہمارے درمیان رشتہ محبت استوار ہوا تو طبیب ہامہ بن ہیم کی موجودگی ہمیں اکثر گراں گزرتی۔ اس کے موجود ہوتے ہم جو کہنا چاہتے ایک دوسرے سے نہ کہہ پاتے۔ پھر یہ کہ کوئی اور ہماری باتیں نہ سمجھ سکے' ہم نے اشاروں کی ایک ایسی زبان ایجاد کرلی تھی جسے ہم دونوں کے سوا جن زاد نہ سمجھ پاتا۔ اب جب سے ہم بابل کے کھنڈرات کو چھوڑ کر بغداد میں آبسے تھے تو اشاروں کی اس زبان کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔

سارہ کے وہاں سے جاتے ہی عارج نے مخصوص اشارہ کیا تو میں چونک اٹھی۔

''اے دینار! میری بات دھیان سے سن!'' اس نے مجھ سے اشارے کی زبان میں کہا۔

''تو کہہ اے عارج! میں سن رہی ہوں۔'' میں بھی اشاروں میں بولی۔

''میں جان بوجھ کر یہاں پھنسا ہوں۔ مجھے اس کی تاکید عالم سوما نے کی تھی۔'' عارج نے خاموشی کی زبان میں بتایا۔

''عالم سوما!..... ''میں حیران رہ گئی۔'' اسے کس طرح پتا چلا کہ میں.....''

''اسے کشف ہوا تھا کہ تو کسی خطرے میں ہے۔''

''پھر؟'' میں نے سوال کیا۔

''وہ خود میرے پاس آیا اور ..... فی الحال تفصیل چھوڑ اور اس نے جو عمل بتایا ہے جان لے۔''

''اس عمل کے پڑھنے سے کیا ہوگا اے عارج؟''

''تو اس انسانی قالب سے نکل سکے گی۔'' عارج نے جواب دیا۔ ''عالم سوما نے یہ ہدایت بھی کی ہے کہ ہم یہاں سے فرار ہو کر سیدھے اس کے پاس بابل کے کھنڈرات میں پہنچیں۔''

''جلدی سے اس عمل کے الفاظ بتا!..... میں بولی۔

اشاروں کی زبان ہمارے کام آئی۔ عارج نے دیر نہیں کی میں نے عمل کے الفاظ عارج کے ساتھ پڑھے اور پھر ہم دونوں ہی انسانی قالبوں سے نکل آئے۔

مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ میں اس طرح غاروں کے اس سلسلے سے نکل کر بھاگی تھی جیسے موت میرا پیچھا کر رہی ہو۔

لمحوں میں ہم بغداد سے بابل کے کھنڈرات تک پہنچ گئے۔

عالم سوما ہمیں وہاں اپنا منتظر ملا۔

''آؤ تم دونوں ادھر!'' عالم سوما نے ہمیں ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کے پاس بٹھا دیا۔ ''اے دینار!'' عالم سوما مجھ سے مخاطب ہوا۔

''فوری طور پر یہ ضروری ہے کہ تجھے اس عفریت کی نظروں سے چھپا دیا جائے۔ عارج کو بھی اب اس کے سامنے نہیں آنا چاہئے۔''

عالم سوما نے یہ کہہ کر ہمارے گرد ایک حصار کھینچ دیا۔

نصف شب سے زیادہ دیر ہوچکی تھی۔ عالم سوما تہجد کی نماز پڑھنے لگا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ تہجد کے نفل پڑھ کر ہی تفصیلی گفتگو کرے گا۔ میں اس سے بہت سی باتیں پوچھنا چاہتی تھی میں نے اس کا اظہار بھی کیا تھا۔

''سوما تو تہجد پڑھنے لگا اے عارج! تو بتا کہ جب میں واپس نہیں آئی تو کیا کیا تو نے؟'' میں عارج سے مخاطب ہوئی۔

''جب تو نہ لوٹی تو میں نے بغداد کا ایک ایک گوشہ چھان مارا مگر ناکامی ہوئی۔

دوسرے روز بعد نماز مغرب عالم سوما میرے پاس آیا اور جیسا کہ میں تجھے بتا بھی چکا ہوں اسے کشف ہوا تھا کہ تو خطرے میں ہے۔'' عارج نے تفصیل سے میری بات کا جواب دیا۔

''سوما ہی نے مجھے بتایا کہ تو کہاں ہے! اس نے اپنے علم کے ذریعے تیرا پتہ چلا لیا تھا۔ اس کی تاکید پر میں غاروں کے اس سلسلے میں داخل ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ سوما اس سے قبل مجھے عمل کے الفاظ بتا چکا تھا۔ غاروں کے باہر موجود پہریدار جنات نے کئی بار مجھے مار بھگا دیا مگر میں نہ مانا......''

''اور آخر کار تجھے قید کر لیا گیا۔'' میں نے عارج کی بات پوری کر دی۔

''ہاں......میں یہی چاہتا تھا تا کہ تو ملے تو تجھے علم کے الفاظ بتا سکوں۔

''لیکن تیری میری ملاقات نہ ہوتی تو؟'' میں نے سوال کیا۔

''اس عفریت نے جب تجھے سارہ کے ذریعے اغوا کرایا تو اسے تیرے بارے میں سب کچھ پتہ ہوگا۔ یہ بھی کہ......کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں تجھ سے ملاقات تو ہونی ہی تھی... مجھے قید کر کے تجھے ضرور آگاہ کیا جاتا......اور یہی ہوا نا؟''

عارج سے میں اس وقت تک باتیں کرتی رہی جب تک سوما نے تہجد کے نفل نہ پڑھ لئے۔

''مجھے جس بات کا خوف تھا وہی ہوا دینار!'' عالم سوما مجھ سے کہنے لگا۔

''کیسا خوف؟'' میں نے دریافت کیا۔

''یہ کہ بغداد میں کہیں وہ عفریت تیرے پیچھے نہ لگ جائے جسے تو نے بصرہ سے واپسی میں دیکھا تھا۔ میں نے پہلے یہ سوچا تھا کہ وہ کافر جن زاد ہوگا۔ مگر جب کشف ہوا تو اس کی حقیقت کھل گئی۔'' سوما نے بتایا۔ ''مجھے ڈر ہے کہ وہ تجھے آسانی سے برداشت نہیں کرے گا۔''

عالم سوما کو فکر مند دیکھ کر میں بھی تشویش میں مبتلا ہوگئی۔ میں وہ تکلیف و اذیت نہیں بھولی تھی جس سے مجھے گزرنا پڑا تھا۔ اسی بنا پر میں نے سوما سے معلوم کیا۔ ''تو ہی بتا کہ ہم کیا کریں اے سوما؟''

''کچھ عرصے کیلئے اس عفریت کی نظروں سے اوجھل ہو جاؤ تم دونوں۔'' عالم سوما بولا......یہاں ان کھنڈرات میں تمہیں اس وقت تک کوئی خطرہ نہیں جب تک حفاظتی حصار میں ہو۔''

''لیکن...... یہ تو......یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی کہ ہم یہاں قید ہو کے رہ جائیں'' میں نے کہا۔

''اس کے علاوہ ایک اور بھی صورت ہے مگر......عارج کو بھی چالیس دن تک وہی عمل کرنا پڑے گا جو تو کر چکی ہے اے دینار! دوسرے زمانوں اور جہانوں میں جانے کا عمل!''

''مگر اس سے کیا حاصل؟ ہم جس لمحے ماضی یا مستقبل کے سفر پر روانہ ہوں گے واپسی اسی لمحے میں ہوگی۔'' میں نے اعتراض کیا۔ ''ہم تیرے کہنے کے مطابق طویل عرصے اس عفریت کی نظروں سے کس طرح اوجھل رہیں گے؟''

اس مسئلے کا بھی ایک حل ہے۔'' عالم سوما نے میری آس بندھائی۔

میں اسی لمحے میں واپس نہ آؤں بلکہ اپنی مرضی کے مطابق زمانے اور وقت کا تعین کر سکوں اس کیلئے مجھے گیارہ روز تک ایک عمل کرنا تھا۔ اس عمل سے متعلق سوما نے یہ بھی بتایا کہ میں خاموش تماشائی کے بجائے کسی بھی عہد میں فعال کردار ادا کر سکوں گی۔'' میں یہ سن کر فوراً وہ گیارہ روزہ عمل کرنے پر آمادہ ہوگئی۔

''پھر بھی اے دینار! تجھے انتظار کرنا پڑے گا۔'' سوما نے کہا۔

''کس کا انتظار؟''

''وقت گزرنے کا۔'' سوما نے جواب دیا۔ ''عارج کو بھی تو یہاں خطرے کا سامنا ہے۔ سو یوں اکیاون روز ہوئے۔ یعنی یوں سمجھ کہ ایک ماہ اور اکیس روز! گیارہ روز والا عمل بھی عارج کو کرنا پڑے گا۔''

طے پایا کہ آیندہ شب سے عارج پہلے چالیس روز پھر گیارہ روزہ والا عمل کرے گا۔ اس عرصے میں ہم دونوں کو حفاظتی حصار میں رہنا تھا۔ عالم سوما نے اگلے دن صبح یہ بندوبست کر دیا کہ بغداد سے ہماری غیر حاضری کے سبب خلق خدا کو پریشانی نہ ہو۔ دو جنات انسانی قالب میں میرے مطب پہنچے۔ انہوں نے میرا اور عارج کا روپ اختیار کر رکھا تھا۔ ان میں سے ایک طبیب صارم اور دوسرا طبیبہ اطردبہ بن گیا۔ یہاں میں یہ بتاتی چلوں کہ جنوں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ عورت بن سکتے ہیں۔

غرض کہ ان دونوں جن زادوں نے خدام کا حساب کرنے کے ساتھ یہ اعلان بھی کر دیا کہ طبیب و طبیبہ کچھ عرصے کیلئے مصر جا رہے ہیں اب مصر سے ان کی واپسی ہی پر مطب کھلے گا۔

کبھی کبھی وقت بڑی تیزی سے گزرتا محسوس ہوتا ہے اور بعض مرتبہ تو یوں لگتا ہے جیسے وقت رک سا گیا ہو۔ سو وہ ایام بھی ایسے ہی تھے۔ اکیاون دن گزر گئے تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

''عارج! اگر تو نے بھی میری طرح چالیس روز والا عمل میرے ساتھ پہلے کرلیا ہوتا تو اتنا وقت نہ لگتا۔'' میں نے کہا۔

''چل اب چھوڑ اے دینار! جو ہوا سو ہوا۔ مجھے تو یہ خوشی ہے کہ ہم کسی اور زمانے میں بھی ساتھ رہیں گے۔'' عارج بولا' پھر پوچھا۔

''مستقبل میں چلنے کا ارادہ ہے یا ماضی میں؟''

''میں نے مستقبل کے ایک تاجدار بابر کو اپنے بیٹے ہمایوں کیلئے جان دیتے دیکھا تھا۔ عارج! چل ہم ہمایوں کے زمانے میں چلتے ہیں' میں دیکھوں تو سہی کہ اس نے اپنے عظیم باپ کا نام روشن کیا یا ڈبو دیا!...... اور سن! تم اس زمانے کے کسی نوجوان کے جسم میں داخل ہو جاؤ اور میں کوئی نوجوان آدم زادی تلاش کرلوں گی۔ میں اس آدم زادی کے جسم میں رہوں گی۔''

''مگر دینار' یہ خیال رکھیو کہ انسانی قالب اختیار کر لینے پر بھی ہم آدم زادوں کی طرح ایک دوسرے سے مل سکیں۔''

ہم نے پوری طرح مستقبل کی منصوبہ بندی کرلی اور مغل تاجدار ہمایوں کے عہد میں پہنچ گئے۔ وہ رات کا وقت تھا۔

پھر عارج نے پہل کی۔ اس نے ایک نوجوان کے جسم پر قبضہ کرلیا میں ایک کنیز دل آرام کے جسم میں داخل ہوگئی جو مغل دربار کے ایک اہم عہدیدار خان زماں کے حرم میں تھی۔ اس کا سبب وہ نوجوان شاہم بیگ تھا' عارج نے جس کے جسم کو رہنے کیلئے پسند کیا تھا۔ یہ تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ واقعات کے تسلسل کی خاطر میں پہلے شاہم بیگ کا ذکر کروں گی۔

عارج کو ساتھ لے کر میں 164 ہجری کے عراق سے چلی اور 943 ہجری کے ہندوستان میں پہنچ گئی۔ یہ سینکڑوں صدیوں یعنی 779 سال کا سفر تھا جو ایک لمحے میں طے ہوگیا۔ پہلے بھی ایک بار مجھے یہ تجربہ ہو چکا تھا تب میں اور اب میں فرق صرف یہ تھا کہ اس وقت میں محض خاموش تماشائی تھی اور تنہا یہ سفر کیا تھا' اب صورتحال مختلف تھی۔ اس کا ایک سبب تو عارج تھا اور دوسری بڑی وجہ وہ گیارہ روز کا عمل تھا جس کی وجہ سے مجھے مزید پراسرار قوتیں

حاصل ہوگئی تھیں۔

مجھے عارج انتہائی خوفزدہ سا معلوم ہوا۔

''تمہارے وجود میں سنسناہٹ ہورہی ہے نا؟'' میں نے عارج سے کہا۔

''ہاں دینار!...... پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔'' عارج ڈری ہوئی آواز میں بولا۔

''پہلے کبھی تو نے اتنا طویل سفر بھی نہیں کیا۔ چند لمحے بعد یہ کیفیت ختم ہو جائے گی۔ میں نے عارج کو سمجھایا۔

عارج نے خود پر قابو پالیا۔ ہم دونوں نے ایک ساتھ سفر شروع کیا تھا اس لئے یکساں کیفیت سے ہمکنار تھے۔ میرے وجود کی سنسناہٹ تھمی تو میں نے عارج کی طرف دیکھا۔ ہم جنات اس وقت تک ایک دوسرے کو دیکھنے پر قادر ہوتے ہیں جب تک کوئی اندھیرے کی چادر نہ اوڑھ لے۔ عارج میری سوال طلب نظروں کے جواب میں بولا۔ ''اب میں ٹھیک ہوں...... لیکن یہ جگہ تو عجب ہے یہاں کیا صحرا نہیں ہیں؟''

''پہلی بات تو اپنے دماغ میں یہ بٹھا لے عارج کہ یہ عراق نہیں ہندوستان ہے۔ ہم جس زمانے سے یہاں آئے ہیں وہ صدیوں پیچھے رہ گیا ہے۔ یہ وہ دوسری بات ہے جو تجھے یاد رکھنی ہے۔ تیسری بات یہ سن کہ اس ملک میں بھی صحرا ہیں مگر ان کا رقبہ عرب کے مقابلے میں بہت کم ہے میری باتیں تیری سمجھ میں آئیں؟''

''ہاں آگئیں تیری باتیں سمجھ میں۔'' عارج نے کہا۔ ''یہ بتا کہ جس طرح ہم یہاں آگئے ہیں تو کیا وہ عفریت اس جگہ نہیں پہنچ سکتا جس کی نظروں سے اوجھل ہونا ہمارا مقصد ہے؟''

''نہیں وہ عفریت یہاں تک ہمارے تعاقب میں نہیں آسکے گا۔'' میں بولی۔ ''ہمارے سوا کسے خبر ہے کہ ہم کہاں ہیں۔''

''اور اگر اپنی پراسرار قوتوں کو کام میں لاکر اس نے ہمارا سراغ لگالیا تو!۔''

''تو دیکھا جائے گا۔'' میں نے کہہ دیا۔

''مزید احتیاط بھی تو برتی جاسکتی ہے دینار!۔''

''وہ کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''میں کسی آدم زاد کے جسم میں گھس جاؤں اور تو......۔''

''کسی آدم زادی کا جسم اپنے لئے منتخب کرلوں یہی کہنا چاہتا ہے تو اے عارج؟''

"ہاں اے دینار!" اس نے اقرار کیا۔

"ایسا کرتے ہیں اے عارج کہ پہلے ہم اس مغل باشاہ ہمایوں کو تلاش کرتے ہیں' وہ کہاں ہے! اس کے بعد تو کسی آدم زاد کے جسم میں گھس جائیو۔ رہا میرا معاملہ تو ضروری نہیں کہ فوری طور پر میں بھی ایسا ہی کروں۔"

"تو پھر دینار! تو...... تو کہاں رہے گی۔"

"گھبرامت عارج! تو مجھے اپنے آس پاس ہی پائے گا لیکن یہ جان لے کہ بغیر اشد ضرورت کے میں مداخلت نہیں کروں گی اور نہ ہی تو مجھ سے یہ امید رکھیو کہ میں ہر وقت تیرے قریب رہوں...... یہ بتا اے عارج کہ تو بڑا کب ہوگا؟"

میں نے اسے چھیڑا تو اس کا منہ بن گیا۔ میں یہی چاہتی تھی کہ وہ اعتدال پر آجائے۔ اس کے ذہن سے عفریت وہموش کا خوف نکل جائے' دوسرے یہ کہ نئے زمانے اور ایک نئی سرزمین پر آ کر اسے اجنبیت محسوس نہ ہو۔

"چل دینار تو کہاں چل رہی تھی؟...... کون خلیفہ تھا وہ۔"

"خلیفہ نہیں بادشاہ۔" میں نے تصحیح کی۔ "اس زمانے میں اور اس سرزمین پر خلیفہ نہیں بادشاہ ہوتے ہیں۔"

"ایک ہی بات ہے۔" اس نے اپنی خجالت چھپانے کی خاطر کہا۔

"ایک بات نہیں۔ خلیفہ اور بادشاہ میں فرق ہوتا ہے اے عارج!"

"اچھا چل مان لیا ہوگا فرق!" وہ بیزار آواز میں کہنے لگا۔ "اب چلنا ہے اس بادشاہ کے پاس؟"

"تو تو اس طرح کہہ رہا ہے جیسے اس بادشاہ سے میری رشتہ داری ہے!" میں ہنسی۔ "ضروری نہیں کہ بادشاہ سے ملا ہی جائے۔"

"تو جان دینار!" عارج نے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑالی۔ میں اپنے ساتھ عارج کو لئے بہت جلد ہندوستان کے اس علاقے میں پہنچ گئی جو احمد آباد کہلاتا ہے۔ (یہ وہی احمد آباد ہے جہاں پچھلے دنوں مسلم کش فسادات ہوئے ہیں۔ مصنف)

مغل بادشاہ بابر کے بیٹے محمد ہمایوں کے زمانے کا ذکر کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً میں ہمایوں کی سوانح بیان کردوں اس کے ساتھ یہ بھی کہ میں جب عراق سے ہندوستان پہنچی تو ہمایوں کن حالات سے نبرد آزما تھا۔

ہمایوں ایک نیک نفس اور عالی ہمت مغل بادشاہ تھا۔ اس کا آغاز مایوس کن لیکن انجام شاندار تھا۔ ہمایوں نے ہمیشہ پھول بکھیرے اور کانٹے چنے۔ مگر اس کی بہار' خزاں کی آغوش ہی میں پروان چڑھتی رہی۔ وہ بار بار ناکامیوں کے دریا میں ڈوبا مگر ہر بار اپنے زور بازو سے سطح پر ابھر آیا۔

ہمایوں کی ولادت کابل میں 914 ہجری کو ہوئی۔ 937 ہجری میں بمقام آگرہ وہ اپنے باپ بابر کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ وہ بڑا با اخلاق اور باذوق بادشاہ تھا۔ البتہ عیش ونشاط سے اسے خاص شغف رہتا تھا۔ غلام اور کنیزیں خریدنا اوران کی ذہانت ولیاقت کے مطابق سلوک کرنا بھی ہمایوں کا ایک وصف تھا۔ اس کے علاوہ وہ اپنے خادموں کو بھی ان کی خدمت کا صلہ دینے میں بخل سے کام نہیں لیتا تھا۔ کسی بادشاہ کا خادم خاص ہونا بڑے مرتبے کی بات سمجھی جاتی تھی۔ امرائے دربار بھی ان خادموں کی بڑی عزت کرتے اور کام نکلتے تھے۔ جو بادشاہ کے قریب ہوتے تھے۔ عارج نے جس نوجوان آدم زاد شاہم بیگ کے جسم پر تصرف حاصل کیا دراصل وہ ہمایوں کا خادم خاص ہی بنا' مگر خاص جدوجہد کے بعد! یہ ذکر آگے آئے گا۔ میں نے عارج کو یہ تاکید کردی تھی کہ وہ خود کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دے' بحیثیت شاہم بیگ!

تخت نشینی کے بعد ہمایوں نے اپنے بھائیوں کے ساتھ بڑا عادلانہ سلوک کیا۔ پورے ملک ہندوستان کو اس نے تمام بھائیوں میں تقسیم کردیا۔ پنجاب کیونکہ کابل کے قریب تھا اس لئے وہ مرزا کامران کو دیدیا۔ مرزا ہندال کیونکہ ہمایوں کے ساتھ ہی رہتا تھا اس لئے اسے میوات کا علاقہ دیا۔ سنبھل اور اس کے توابعات مرزا عسکری کے نام واگزار کر دیئے۔ ہمایوں نے تو بھائیوں کے ساتھ یہ سلوک کیا مگر انہوں نے خانوادہ تیموری کے دامن پر داغ لگا دیا۔ مغلوں کا جدامجد تیمور لنگ ہی تھا۔ اسی سبب یہ خانوادہ تیموری کہلاتا تھا۔

ابتدائے حکومت ہی سے ان بھائیوں نے اپنے بڑے بھائی ہمایوں کی مخالفت شروع کردی اور شیر شاہ کے ساتھ ربط ضبط بڑھانے لگے جو بعد میں شیر شاہ سوری کے نام سے جانا پہچانا گیا۔ شیر شاہ نے بابر کے زمانے ہی سے بنگال میں بغاوت کردی تھی حالانکہ خود وہ بہار کے ایک علاقے سہرام کا رہنے والا تھا۔ مرزا کامران کو بابر کے زمانے ہی سے سرہند' قندھار اور انکے توابعات (ملحقہ چھوٹے دیہات' قصبات اور آبادیاں) کی حکومت مل گئی تھی۔ ہمایوں نے ان میں پشاور اور لغمان کا بھی اضافہ کردیا۔ اس ضمن میں ابھی فرمان واحکام تیار

ہو ہی رہے تھے کہ معلوم ہوا مرزا کامران باپ کی تعزیت اور بھائی کی تخت نشینی کی مبارکباد دینے کا بہانہ کرکے کابل سے نکل گیا ہے اور پنجاب و دہلی کا ارادہ رکھے ہوئے ہے۔ اس پر بھی ہمایوں نے مرزا کامران کی جسارت کو نظرانداز کر دیا اور مذکورہ علاقوں کے پروانے روانہ کر دیئے۔ ناچار مرزا کامران واپس ہو گیا مگر بعد میں بھی اس نے کسی موقع پر بھائی کی مخالفت ترک نہ کی۔

سلطان حسین مرزا کا پوتا محمد زمان مرزا' ہمایوں کا چچازاد تھا۔ بعض چغتائی امیروں کی مدد سے اس نے بھی شورش برپا کر دی مگر اسے جلد ہی گرفتار کر لیا گیا۔ محمد زمان مرزا کلام پاک پر قسم کھانے کے باوجود اپنی شرپسندیوں سے باز نہیں آیا تھا اس لئے اسے اور سلطان حسین مرزا کے نواسے محمد سلطان کو بھی قید میں ڈلوا دیا گیا۔ محمد سلطان بھی محمد زمان مرزا کے ساتھ ہمایوں کے خلاف سازش میں شریک تھا۔ ہمایوں نے ان دونوں کو اندھا کر دینے کا حکم دیدیا۔

میں نے اس بات کا کھوج بھی لگایا کہ آخر آنکھوں میں سلائیاں پھروا کر مغل بادشاہ اپنے عزیزوں کو اندھا کیوں کرا دیتے تھے؟ پہلے مغل فرماں روا نے اپنی ہی سلطنت کیلئے جو نظام حکومت وضع کیا تھا اور جسے زبانی احکام کی روشنی میں مرتب کیا گیا تھا اس میں یہ قانون بڑی اہمیت کا حامل تھا کہ کوئی بھی معذور شخص خواہ اس کا تعلق شاہی خاندان ہی سے کیوں نہ ہو' حکمران نہیں بن سکتا۔ اسی وجہ سے آنکھوں میں سلائیاں پھروانے کی سزا مغلوں میں عام ہوئی۔ یوں گویا مغل حکمراں اپنے عزیزوں کے قاتل نہیں کہلاتے تھے۔ یہ الگ بات کہ کسی سے اس کی بصارت چھین لینا بھی درندگی ہے۔

ذکر تھا ہمایوں کے باغیوں کا! یہ باغی ہمایوں کے خاندان ہی سے تھے۔ ان لوگوں کے خیرخواہ وفادار ہر جگہ ہوتے تھے جو ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتے تھے کہ شاہی خاندان کے کسی فرد سے مراسم پیدا کر سکیں تاکہ وقت پڑنے پر وہ فرد ان کے کام آ سکے۔ محمد سلطان اور محمد زمان مرزا کے بہی خواہ پس دیوار زنداں بھی موجود تھے۔

☆......☆......☆

قلعہ بیانہ میں نواز خان شاہی خاندان کے افراد کو سزائیں دینے پر مقرر تھا۔ نواز خان کو جب پتہ چلا کہ اسے کن دو افراد کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنی ہیں تو وہ دو دلا ہو گیا۔

ایک طرف حکمران وقت مغل تاجدار ہمایوں کا حکم تھا' دوسری جانب یہ لالچ کہ ہر دو افراد میں سے اگر کوئی ہمایوں کی جگہ تخت نشین ہو گیا تو عیش ہو جائیں گے۔ آئندہ اس کے گھرانے کی کئی نسلیں فکر معاش سے آزاد ہو جائیں گی۔ زندگی بچانے یا معذوری سے بچا لینے والوں کو شاہی خاندان والے اتنا ہی نوازتے تھے۔ سو نواز خان کو بھی یہی امید بندھ گئی۔ اس نے محمد سلطان اور محمد زمان مرزا کی آنکھوں میں اس طرح سلائیاں پھیریں کہ پردہ بصارت محفوظ رہا۔ بہرحال یہ دونوں بیانہ کے قلعے میں محبوس رہے۔ بعد میں ان دونوں نے قلعے والوں کو ہموار کر لیا اور سازباز کر کے قلعے سے نکل آئے۔ محمد زمان مرزا تو احمد آباد اور گجرات (ہندوستان) کی طرف چلا گیا اور محمد سلطان نے قنوج کی راہ لی۔ قنوج میں اس نے ایک لشکر جمع کیا اور ہمایوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ ان باغیوں نے مل کر شرقی حدود میں کچھ علاقے پر اور احمد آباد پر قبضہ کر لیا۔ ان اطلاعات کی بنا پر ہمایوں کیلئے گجرات کی طرف فوج کشی ناگزیر ہو گئی۔

ہمایوں دونوں باغیوں کو نیچا دکھانے میں کامیاب رہا۔ جب وہ احمد آباد سے اپنے دارالحکومت آگرہ کی طرف لوٹ رہا تھا تو اسے تخت نشیں ہوئے چھ سال گزر چکے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ میں عارج کے ہمراہ عراق سے ہندوستان پہنچی۔

اس وقت ہمایوں کا لشکر احمد آباد سے آگرہ کی جانب کوچ کر رہا تھا کہ عارج نے ایک نوجوان آدم زاد کو دیکھ کر مجھ سے کہا۔ "دینار! میں تو اس نوجوان کے جسم میں پناہ لے لیتا ہوں کیا خبر عفریت داہوش سے اس طرح نجات مل جائے!۔"

عارج اس قدر گھبرایا ہوا تھا کہ میں نے اسے ایسا کرنے سے نہیں روکا۔ عارج کو میں نے اس نوجوان آدم زاد کے جسم میں داخل ہوتے دیکھا۔

کچھ ہی دیر کے بعد عارج اس انسانی قالب میں مجھے مضطرب نظر آیا۔ سپاہیوں نے اسے لشکرگاہ کے اطراف منڈلاتے ہوئے پایا تو پکڑ لیا۔ عارج نے جلد بازی کی تھی مگر خطرے کی کوئی بات نہیں تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ اس نوجوان آدم زاد کے جسم سے نکل آتا۔ اس نوجوان آدم زاد کے بارے میں گمان کیا گیا کہ وہ ہمایوں کے بھائی مرزا عسکری کا کوئی مخبر ہے۔

صبح دم مغل فوج اس منزل سے پھر آگرے کی طرف کوچ کرنے والی تھی۔ ہمایوں جلد از جلد آگرے پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اسے مرزا عسکری کی منافقت کا علم ہو چکا تھا۔ میں اپنی

پراسرار قوتوں کو بروئے کار لا کر بہت سی باتیں معلوم کر چکی تھی۔

اس وقت حالات کچھ ایسے ہی تھے کہ ہر شخص کو شک و شبے کی نظر سے دیکھا جا رہا تھا۔ ایسے حالات میں وہ بھی ایک پہر رات گزر جانے کے بعد اس نوجوان آدم زاد کا لشکر گاہ کے قریب پایا جانا شکوک و شبہات کا سبب ہوا۔ کسی کو کیا خبر تھی کہ وہ غلطی اس نوجوان آدم زاد کی نہیں بلکہ گھبرائے ہوئے ایک جن زاد عارج کی حماقت کا نتیجہ تھی۔ اگر ان مغل سپاہیوں کو پتا چل جاتا کہ جس نوجوان کو انہوں نے مخبر کے شبے میں پکڑا ہے اس کے اندر ایک جن چھپا ہوا ہے تو غش کھا جاتے۔

جو دستے رات کے وقت لشکر گاہ کی نگرانی پر مامور تھے' انہی میں سے ایک دستے کے سپاہیوں نے نوجوان کو پکڑا تھا۔ اب وہ باندھ کر اس نوجوان کو بہادر خان کے خیمے کی طرف لے جا رہے تھے۔ میری ہدایت کے مطابق عارج نے بحیثیت شاہم بیگ خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ ورنہ کسی ایسے آدم زاد کو باندھ لینا آسان نہیں جس کے جسم پر ایک جن زاد نے قبضہ کر لیا ہو۔ عارج نے کسی طرح کی مزاحمت نہیں کی' میں اس پر نگاہ رکھے ہوئے تھی۔

بہادر خان تمام حفاظتی دستوں کا سربراہ تھا۔ اس کا حکم تھا کہ کوئی بھی مشتبہ فرد پکڑا جائے تو اسے فی الفور اور براہ راست اس کے سامنے پیش کیا جائے۔

بہادر خان کا خیمہ کیونکہ شاہی خیمہ گاہ سے متصل تھا اور رات کے وقت بغیر اجازت اس طرف کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا اس لیے کئی جگہ پوچھ گچھ ہوئی۔ حقیقت حال جاننے کے بعد حفاظتی دستے کے سپاہیوں کو آگے جانے کی اجازت مل گئی۔

لشکر گاہ میں ہر طرف مشعلیں روشن تھیں۔ جو سپاہی پہرے پر متعین تھے انہیں نزاکت وقت کا پورا احساس تھا۔ ان میں سے کوئی اپنی جگہ سے غیر حاضر نہیں تھا۔

قیدی نوجوان کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے' پشت پر! اس کے علاوہ ایک رسی اس کی کمر میں بھی پڑی تھی۔ نوجوان کا چہرہ فق تھا اور آنکھوں میں حلقے پڑے تھے۔ آنکھیں دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی نشہ کرتا ہو۔ بالوں میں گرد' لباس بوسیدہ اور پابرہنہ وہ نوجوان قابل رحم نظر آ رہا تھا' مگر مغل سپاہی جانتے تھے کہ ایسے ہی مظلوم نظر آنے والے خطرناک بھی ہوتے ہیں۔ مخبر کسی بھیس اور کسی حال میں بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ اسی لئے اس نوجوان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برت رہے تھے۔ یہ تھا اس انسانی قالب کا حلیہ جس میں عارج نے عفریت داہوش سے خوف کھا کر پناہ لی تھی۔

عارج پر بھی خوب گزری تھی۔ عالم جنات میں اسے ایک عفریت نے قیدی بنا لیا تھا اور اب سینکڑوں صدیوں کا سفر کر کے وہ پھر پکڑا گیا تھا۔ اس مرتبہ وہ نادانستگی میں پھنسا تھا۔

نقاہت کی وجہ سے وہ نوجوان آدم زاد چلتے چلتے لڑکھڑا جاتا تو سپاہی اسے دھکے دے دے کر آگے بڑھنے پر مجبور کر دیتے۔ نوجوان کا بایاں رخسار قدرے سوجا ہوا تھا اور نچلا ہونٹ بھی پھٹ گیا تھا۔ میں اس سے بے خبر نہیں تھی۔ یہ اس تفتیش کا نتیجہ تھا جو لا حاصل رہی۔ غلطی دراصل سپاہیوں کی تھی کہ انہوں نے نوجوان کی حالت پر غور کیے بغیر اسے مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ عارج نے بڑے صبر و تحمل کا ثبوت دیا۔ انسانی قالب پر ہونے والا تشدد عارج ہی کو برداشت کرنا پڑا تھا۔ عارج نے اپنے' یعنی اس انسانی قالب کے متعلق بڑی مشکل سے صرف یہ بتایا کہ وہ کوئی چور اچکا یا اٹھائی گیرا نہیں ہے۔

''میں بھوکا پیاسا ہوں اور...... اور میں اس قابل نہیں کہ زیادہ دیر گفتگو کر سکوں۔''

سپاہیوں نے اسے حیلہ سمجھا۔ انہوں نے نوجوان کو مزید زدوکوب کیا۔ سپاہی اور بھی بدگمان ہو گئے۔ اب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ ضرور کوئی مخبر ہے ورنہ اپنی بیگناہی میں کچھ تو کہتا۔ آخر وہ کہتا بھی کیا! عجلت میں وہ اس نوجوان کا صرف نام معلوم کر سکا تھا۔

پھر سپاہیوں نے یہی فیصلہ کیا کہ اس نوجوان کو بہادر خان کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ بہادر خان بہت سخت گیر مشہور تھا۔ خان زماں کا بھائی ہونے کی وجہ سے فوج میں اس کا بڑا دبدبہ تھا۔ میں معلومات حاصل کرتی جا رہی تھی۔

سپاہی جب مشتبہ نوجوان کو لیے بہادر خان کے خیمے تک پہنچے تو پہریداروں نے انہیں روک لیا۔ بڑی مشکل سے وہ اس پر راضی ہوئے کہ بہادر خان تک ان سپاہیوں کا پیغام پہنچا دیں کیونکہ خیمے کے اندرونی حصے میں محفل ناؤنوش جمی ہوئی تھی۔

لشکر صبح کوچ کرنے والا تھا اور کوئی بھی خبر نتیجہ خیز ثابت ہو سکتی تھی۔ بہادر خان اسی لیے نشے کی ترنگ کے باوجود مشتبہ نوجوان کے بارے میں سن کر فوراً کھڑا ہو گیا۔ حاضر باشوں میں سے کسی نے یہ مشورہ بھی دیا کہ مشتبہ نوجوان کو فی الحال سپاہیوں کی تحویل ہی میں رہنے دیا جائے اور صبح اس معاملے کی تفتیش کی جائے مگر بہادر خان نے اس مشورے کو قبول نہ کیا۔

مجھے جب یہ معلوم ہوا کہ عارج کو انسانی قالب میں بہادر خان کے سامنے پیش کیا جائے گا تو اس کے خیمے میں پہنچ گئی تھی۔

رنگ میں بھنگ پڑ جانے سے بہادر خان کچھ جز بز تو ہوا تھا اور اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے تھے لیکن اس موقع کو وہ ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میری توجہ اب کے ذہن پر تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر مشتبہ نوجوان واقعی مرزا عسکری کا مخبر ہے تو اس سے بہت کچھ پتا کیا جا سکتا ہے۔ یوں بہادر خان اپنی کارکردگی دکھا کر اپنے بھائی خان زمان کی نظر میں سرخروئی کے خواب دیکھنے لگا' جاگتی آنکھوں کے خواب!

خان زمان ہمیشہ اسے لتاڑتا رہتا تھا کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا ہے اور کوئی ایسا کام نہیں کرتا کہ خان زمان کی عزت اور وقار میں اضافہ ہو۔

میں جو باتیں بیان کر رہی ہوں' مجھے بہادر خان کے ذہن پر توجہ دینے سے معلوم ہوئیں۔

خان زمان کی خواہش تھی کہ وہ خود جس طرح ترقی کرتا ہوا اعلیٰ منصب تک پہنچ گیا ہے' اس کا بھائی بہادر خان بھی اسی طرح شاہی تقرب حاصل کرے مگر بہادر خان کو عیش و نشاط ہی سے فرصت نہ تھی۔

مغل افواج کی سپہ سالاری خان زماں کیلئے قابل فخر تھی' لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ پانسا پلٹتے دیر نہیں لگتی۔ یہی بات وہ کئی مواقع پر بہادر خان سے بھی کہہ چکا تھا۔ وہ کہتا' اگر ایسے میں سگا بھائی بھی کسی بڑے منصب پر ہو تو پلا بھاری رہتا ہے۔ بہادر خان نے اپنی دانست میں کئی بار یہ کوشش کی تھی کہ کچھ کر گزرے لیکن اس کی قسمت ہی ساتھ نہیں دیتی تھی۔

مشتبہ نوجوان کے متعلق جان کر جانے کیوں اسے یہ محسوس ہوا کہ شاید اس بار تقدیر اس پر مہربان ہو گئی ہے۔ وہ اس لیے خیمے کے بیرونی حصے میں پہنچ گیا اور پہریداروں کو حکم دیا کہ سپاہیوں کو حاضر کیا جائے۔

سپاہی اس بے حال نوجوان آدم زاد کو لے کر خیمے میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے نوجوان کو دھکا دے کر آگے بڑھا دیا اور خود مؤدب پیچھے کھڑے ہو گئے۔ بہادر خان نے نوجوان کو بغور دیکھا' پھر سپاہیوں سے بولا۔ "تم لوگ جا سکتے ہو' اسے یہیں چھوڑ جاؤ!"

بہادر خان کے حکم پر سپاہی الٹے قدموں خیمے سے باہر نکل گئے۔ اب خیمے کے بیرونی حصے میں بہادر خان اور اس نوجوان کے سوا کوئی نہیں تھا۔ خیمے کے اندرونی حصے میں بھی خاموشی چھا گئی تھی۔ غالباً حاضر باشوں نے معاملے کی نوعیت کا اندازا کر لیا تھا۔ خیمے کے در پر جو مسلح پہریدار متعین تھے' وہ بھی ایک جگہ کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کے قدموں کی چاپ سنائی

نہیں دے رہی تھی۔ خیمے کا پردہ گرا ہوا تھا۔ جو لوگ خیمے کے اندرونی حصے میں تھے' ان کی حیثیت بہادر خان کے مصاحبوں کی سی تھی۔ بہادر خان کو ان کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ تھا کہ نوجوان سے اگر کوئی کام کی بات معلوم ہوئی تو غیروں کے کان تک پہنچ جائے گی۔ وہ اسی لیے مطمئن نظر آ رہا تھا۔

انسانی قالب میں عارج سر جھکائے بہادر خان کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ میں چاہتی تو بہادر خان کی بہادری کا بھرم لمحے بھر میں توڑ دیتی' اس کا نشہ ہرن کرنا بھی میرے لیے معمولی بات تھی' مگر میں نے صبر کیا کہ مصلحت وقت کا یہی تقاضا تھا۔

بہادر خان' عارج کے قریب پہنچ گیا' پھر بھی عارج کی حالت میں کوئی تغیر نہ ہوا۔ عارج نے جو انسانی قالب اپنایا تھا' انتہائی خراب و خستہ حالت میں تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اب زیادہ دیر اپنے پیروں پر کھڑا نہ رہ سکے گا۔

بہادر خان' نوجوان آدم زاد کی کیفیت بھانپ گیا۔ یہ جاننے کیلئے کہ اس نے صحیح قیاس کیا ہے اور یہ کہ نوجوان مکر نہیں کر رہا' وہ آگے بڑھا۔ دوسرے ہی لمحے نوجوان کے سر کے بال بہادر خان کی مٹھی میں آ گئے۔ نوجوان کا چہرہ اوپر اٹھ گیا۔ گرفت سخت تھی۔ نوجوان کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے ہونٹ لرزے مگر وہ کچھ کہہ نہ سکا۔

بہادر خان سمجھ گیا کہ اس کا اندازہ غلط نہیں ہے۔ اس نے سر کے بال چھوڑ دیئے۔ نوجوان کا سر پھر جھک گیا۔ بہادر خان نے پہریداروں کو آواز دی۔ دو پہریدار فوراً ہی خیمے کا پردہ اٹھا کر اندر داخل ہو گئے۔

"اسے برابر والے خیمے میں لے جا کر ملازمین کے سپرد کر دو۔" بہادر خان پہریداروں سے مخاطب ہوا۔ "یہ بھوکا پیاسا ہے۔ اسے صرف اتنا ہی کھانا دیا جائے کہ یہ بولنے کے قابل ہو سکے ورنہ سو جائے گا۔ جب یہ اپنے حواس میں آ جائے تو اسے دوبارہ ہمارے حضور میں پیش کیا جائے۔" یہ کہہ کر بہادر خان خیمے کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا۔

دونوں پہریداروں نے نوجوان کو سنبھال لیا جو اب گرنے کے قریب تھا۔

بہادر خان خیمے کے اندرونی حصے میں پہنچا تو حاضر باشوں نے اسے گھیر لیا۔ میں اس کے ساتھ ساتھ تھی۔

"حضور فکرمند نظر آتے ہیں۔" ان میں سے ایک بولا۔

"ہاں۔" بہادر خان نے گاؤ تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا اور اس نوجوان خدمتگار

کو قریب آنے کا اشارہ کیا جو ساقی بنا ہوا تھا۔ خدمتگار نوجوان اس کا اشارہ سمجھ گیا۔ اس نے خیمے کے پردے سے لگی ہوئی ایک خوبصورت چوکی سے صراحی اٹھائی اور بہادر خان کے سامنے رکھا ہوا خالی ساغر بھر دیا۔ بہادر خان نے اس نوجوان خدمتگار کی طرف نظر بھی نہ اٹھائی۔

وہ نوجوان خدمتگار پھر مودب اپنی جگہ جا کھڑا ہوا۔

بہادر خان نے ساغر اٹھایا اور ہلکا سا گھونٹ لے کر اسے قالین پر رکھ دیا۔

حاضر باشوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ وہ صرف تین افراد تھے۔ ان کے ساغر بھی خالی ہو چکے تھے مگر وہ موقع شناس اور بہادر خان کے مزاج آشنا تھے۔ انہوں نے بہادر خان کو خاموش دیکھ کر خود بھی سکوت اختیار کر لیا۔

بہادر خان کی شکن آلود پیشانی سے ظاہر تھا کہ وہ کسی مسئلے پر غور کر رہا ہے۔ ایسے میں وہ کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ تینوں اسی لیے باری باری اجازت لے کر رخصت ہو گئے۔ نوجوان خدمتگار اب بھی اسی طرح اپنی جگہ کھڑا تھا جیسے پتھر کا بت ہو۔ کافی دیر بعد بہادر خان نے اس کی طرف نگاہ اٹھائی اور مخصوص انداز میں ہاتھ بلند کیا۔ اس کے تمام خدمتگار اور ملازمین اشاروں پر چلتے تھے۔ نوجوان خدمتگار نے صراحی اٹھا کر ایک نقشیں طشت میں رکھی' پھر ساغر اٹھائے اور انہیں بھی سلیقے کے ساتھ طشت میں رکھ دیا۔ پھر وہ طشت اٹھائے خیمے سے نکل گیا۔

میں اب تک اس لیے بہادر خان کے خیمے ہی میں تھی کہ عارج کے انسانی قالب کو آخر کار وہیں آنا تھا۔ اس کیلئے مجھے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ نوجوان ساقی خیمے سے نکلا ہی تھا کہ ایک پہریدار اندر آ گیا۔ اس نے آ کر بتایا کہ مشتبہ نوجوان اپنے حواس میں آ چکا ہے' حکم ہو تو اسے حاضر کیا جائے۔

بہادر خان ایک دم پہلو بدل کر بیٹھ گیا اور بولا۔ ''ہاں! اسے لے آؤ۔''

پہریدار واپس ہو گیا۔ جب وہ پلٹا تو اس کے ساتھ مشتبہ نوجوان بھی تھا۔

میں یہ دیکھنے کی متمنی تھی کہ اس انسانی قالب میں عارج کو قرار آ جائے۔

عارج جس نوجوان کے جسم میں تھا' اس کے ہاتھ اب بھی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ اس کی حیثیت بہرحال ایک مجرم کی سی تھی۔

بہادر خان نے پہریدار کو جانے کا اشارہ کیا۔ پہریدار چلا گیا تو بہادر خان نے اس نوجوان کا بغور جائزہ لیا۔ نوجوان کے چہرے پر اب بھی دہشت برس رہی تھی۔ اس کی عمر بیس

برس سے زیادہ معلوم نہیں ہوتی تھی۔ اس کے سرخ و سفید رنگ اور چہرے کے نقوش سے ظاہر تھا کہ وہ کشمیری ہے۔

یہی وہ لمحہ تھا کہ جب مجھے خطرہ محسوس ہوا۔ بہادر خان کا ہاتھ اپنی کمر سے بندھی ہوئی تلوار کے دستے پر تھا۔ میں نے سوچا کہ سوال کرنے کی صورت میں عارج اس انسانی قالب کے متعلق کچھ نہ بتا پائے گا۔ اس بنا پر بہادر خان کا غصے میں آ جانا یقینی امر تھا۔ پھر یہ بھی ممکن تھا کہ اچانک وہ اس نوجوان کی گردن اڑا دیتا۔ اس انسانی قالب میں ہونے کی وجہ سے عارج بھی مارا جاتا اور میں دیکھتی رہ جاتی۔ اسی خطرے کے پیش نظر میں نے عارج کو مخاطب کیا۔ ''اے عارج! اس قالب سے باہر آ جا۔''

میری آواز صرف عارج کیلئے تھی۔ کوئی آدم زاد اسے سننے کا اہل نہیں تھا۔

''مگر کیوں دینار؟'' عارج نے اشاروں کی زبان میں پوچھا۔

''بحث نہ کر! تیری زندگی خطرے میں ہے۔ اس انسانی قالب کو فی الحال چھوڑ دے۔'' میں نے جواب دیا۔

عارج اس انسانی پیکر سے نکل آیا۔ اسی کے ساتھ وہ نوجوان آدم زاد بے ہوش ہو گیا۔ بہادر خان نے پہریداروں کو پکارا جو جلد ہی بے ہوش نوجوان کو ہوش میں لے آئے۔ وہ کھوئی کھوئی سی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

بہادر خان کے مختلف سوالوں کے جواب میں نوجوان نے جو روداد بیان کی' وہ بڑی دردناک تھی' لیکن اس روداد کا بہادر خان پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ اس کے برعکس وہ کچھ جھنجلا سا گیا۔ اسے سخت مایوسی ہوئی تھی۔ اس بار بھی قسمت اسے دغا دے گئی تھی۔ اسی جھنجلاہٹ میں وہ بولا۔ ''ضروری تو نہیں کہ تو سچا ہو!۔''

نوجوان اس کے قدموں میں گر پڑا اور رونے لگا۔

بہادر خان اپنے دل کو جھوٹی تسلیاں دے رہا تھا کہ یہ فریب بھی ہو سکتا ہے۔ کیا خبر یہ نوجوان جھوٹا ہو اور میری ہمدردیاں حاصل کرنے کیلئے ڈھونگ رچا رہا ہو۔ اس کے باوجود بہادر خان کا ذہن نوجوان کی داستان پر یقین کر چکا تھا۔ قلب و ذہن کے اسی تضاد کی وجہ اس نے نوجوان کو پہریداروں کے حوالے کر دیا اور حکم دیا کہ نوجوان کو نگرانی میں رکھا جائے۔ آگرہ پہنچ کر اس کے بیان کی تصدیق کر لی جائے گی۔

معاً عارج مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''اے دینار! تو نے تو کہا تھا میری زندگی کو خطرہ ہے'

مگر......"

"اب خطرہ ٹل چکا ہے۔" میں بول اٹھی۔ "تو چاہے تو دوبارہ اس کے جسم میں داخل ہو جا۔" میں نے یہ بات اس لیے بھی کہہ دی کہ کہیں عارج پر دوبارہ اس عفریت کا خوف غالب نہ آ جائے جس کی نظروں سے اوجھل ہونے کی خاطر ہم عراق کے شہر بغداد سے ہندوستان آئے تھے۔

عارج فوراً راضی ہو گیا کہ اس نوجوان آدم زاد کے جسم میں دوبارہ پناہ حاصل کر لے جس کی داستان الم وہ بھی جان چکا تھا۔

"دینار! تو بھی کسی آدم زادی کو ڈھونڈ لے اپنے لیے۔" عارج نے مشورہ دیا۔

"ابھی مجھے یہ ضرورت محسوس نہیں ہوئی عارج!" میں نے کہا۔ "تو میری فکر نہ کر۔"

"تو پھر تیری فکر کون کرے گا؟" عارج کہنے لگا اور میں اس کی بات سنی ان سنی کر گئی۔

دوسرے دن صبح ہمایوں کے لشکر نے اس منزل سے کوچ کیا تو وہ نوجوان بھی ساتھ تھا جس نے بہادر خان کو اپنا نام شاہم بیگ بتایا تھا۔ عارج نے دوبارہ اس کے جسم میں پناہ لے لی تھی۔

شاہم بیگ کو فکر تھی کہ کہیں وہ زندگی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے اس لیے اپنے بارے میں بہادر خان سے کچھ نہیں چھپایا تھا، صرف اس خیال سے کہ اس کی گلوخلاصی ہو جائے۔ میں اس کی روداد حیات سن کر بہت متاثر ہوئی۔

شاہم بیگ دس سال کی عمر سے اب تک دربدر بھٹک رہا تھا۔ اس عرصے میں اس کی زندگی کئی بار خطرے میں پڑی مگر وہ کسی نہ کسی طرح بچ کر نکل گیا۔ ممکن ہے اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوتا اگر عارج نے اس کے جسم میں پناہ نہ لی ہوتی۔ بھاگتے بھاگتے وہ بھوک سے بے حال نہ ہو جاتا تو کبھی لشکر کا رخ نہ کرتا۔ اس غریب آدم زاد نوجوان کو کیا خبر تھی کہ ایک جن زاد اس کے جسم میں داخل ہو جائے گا۔ حالات و وقت کا جبر ہم جن زادوں اور آدم زادوں کیلئے یکساں ہے۔

بہادر خان کے ذہن پر توجہ دینے کے علاوہ شاہم بیگ کے حالات زندگی جاننے کی خاطر میں نے ایک اور ذریعہ بھی استعمال کیا تھا۔ یہ ذریعہ خود شاہم بیگ ہی تھا۔ جب میں نے عارج کی زندگی کو خطرے میں محسوس کیا تھا تو اس سے شاہم بیگ کا انسانی قالب چھوڑ

دینے پر اصرار کیا تھا۔ عارج، شاہم بیگ کے جسم سے نکل آیا تھا۔ اس کے بعد مجھے شاہم بیگ کا ذہن پڑھ کر بہت سی باتوں کا علم ہو گیا تھا۔ شاہم بیگ کے بارے میں یہ سب معلوم کرنے کا سبب عارج تھا۔ آئندہ وہ انسانی قالب عارج کے استعمال میں رہنا تھا۔ اب بھی شاہم بیگ کو وہ رات یاد تھی جب وہ اپنے گھر سے بھاگا تھا۔ اگر وہ نہ بھاگتا تو قتل کر دیا جاتا کیونکہ اس نے اپنے باپ کے قاتلوں کو دیکھ لیا تھا جن میں اس کی ماں بھی شامل تھی۔ اس رات ایک گھٹی گھٹی سی چیخ سن کر شاہم بیگ کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے آنکھ کھلتے ہی جو کچھ دیکھا۔ ایک خواب سا معلوم ہوا۔ اس کی پہلی نظر اپنی ماں پر پڑی جو اس کے باپ کے منہ میں کپڑا ٹھونس رہی تھی۔ ماں کے قریب ہی وہ شخص کھڑا تھا جسے شاہم بیگ چچا کہتا تھا۔ اس شخص کے ہاتھ میں کھلا خنجر دیکھ کر شاہم بیگ اور بھی سہم گیا۔ اس کا خوف کچھ کم ہوا تو دیکھا اس کے باپ کو چارپائی سے باندھ دیا گیا ہے۔ شاہم بیگ کو چارپائی کے دوسری جانب بھی ایک شخص کھڑا نظر آیا جو اجنبی تھا۔ اس کے ہاتھ میں بھی خنجر تھا۔

شاہم بیگ خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا لیکن جب دو کھلے خنجر باپ کے سینے میں اترے تو وہ چیخ اٹھا۔ قاتل اس کی طرف جھپٹے۔ اس کی ماں نے قاتلوں کو روکنا چاہا مگر وہ نہ رکے۔ شاہم بیگ کی چارپائی دریچے کے قریب بچھی تھی۔ وہ دریچے سے کود کر چیختا ہوا بھاگا۔ اسے بس اتنا ہوش تھا کہ اگر قاتلوں کے ہاتھ آ گیا تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

جب تک اس میں بھاگنے کی طاقت رہی وہ بھاگتا رہا اور پھر نڈھال ہو کر گر پڑا۔ اس کے اندر اور باہر ہر طرف تاریکی پھیل گئی۔ ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک چشمے کے کنارے پڑے دیکھا۔ سورج کی کرنیں اس کے جسم میں نیزوں کی طرح اتر رہی تھیں۔

گزری ہوئی شب کا ہولناک واقعہ یاد آتے ہی وہ پھر بھاگ اٹھا۔ وہ اتنا نا سمجھ نہیں تھا کہ اپنی ماں کو بے گناہ تصور کرتا۔ باپ کے قتل میں اس کی ماں کی منشا بھی تھی ورنہ وہ قاتلوں کا ساتھ نہ دیتی۔

اس وقت شاہم بیگ بچہ تھا۔ وہ قتل کی وجہ نہیں سمجھ سکا، لیکن اب ایسا نہیں تھا۔ جسے اس کے باپ نے دوستی میں اپنے گھر پناہ دی تھی، وہ دوست، دشمن ثابت ہوا تھا۔ قصور اس کی ماں کا بھی ہوگا جس نے اپنے شوہر کے دوست کو اتنی ڈھیل دی کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔

جب شاہم بیگ اُسے چچا کہتا تو وہ بہت خوش ہوتا اور اپنی بڑی بڑی مونچھوں پر تاؤ دے کر عجیب سے انداز میں مسکراتا۔ دس سال پہلے کی یہ بات شاہم بیگ کو کل کی سی لگتی تھی۔

قریہ قریہ بستی بستی وہ بھاگتا ہی رہا۔ وقت کی بے رحم ساعتوں کا سفر جاری رہا اور وہ کشمیر کے مرغزاروں سے نکل کر شمالی ہندوستان پہنچ گیا۔ پیٹ کا دوزخ بھرنے کیلئے اس نے کہیں بھیک مانگی، کہیں محنت مزدوری کی اور کہیں اسے اپنا ضمیر بھی سستے داموں بیچنا پڑا۔

شاہم بیگ نے اس جانکاہ سفر میں زندگی کے وہ وہ روپ دیکھے کہ حیران رہ گیا۔ وہ رشتوں کو محترم سمجھتا تھا مگر اب اس کی رائے بدل گئی تھی۔ کسی نے اسے اپنا بیٹا بنایا، کسی نے بھائی، کسی نے اسے بے سہارا سمجھ کر سہارا دیا، مگر ہر جگہ اور ہر بار کسی بھی شکل میں رشتوں کی قیمت وصول کی گئی۔

مجبوراً شاہم بیگ بھی انہی جیسا ہو گیا۔ درندوں کے درمیان جینے کیلئے اسے بھی درندہ بننا پڑا۔ اب وہ بھی رشتوں کی قیمت وصول کرتا اور لوگوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتا۔ گزشتہ سال بھر سے وہ ایک زمیندار کے گھر میں سکون و آرام سے رہ رہا تھا۔ تقدیر کی گردش ہی تھی کہ زمیندار نے اسے اپنے بہنوئی کی حیثیت سے قبول نہیں کیا۔ یہ اتنی بڑی جسارت تھی کہ زمیندار نے اپنی بہن کی گردن اڑا دی مگر شاہم بیگ بچ کر بھاگ نکلا۔

زمیندار کے آدمیوں نے شاہم بیگ کا پیچھا کیا اور اس کیلئے وہ موت کے فرشتے بن گئے۔ اگر شاہم بیگ جنگل میں نہ گھس جاتا تو اس کا بچنا محال تھا۔ شاہم بیگ ایک رات زمیندار کے آدمیوں کو غچہ دے کر جنگل سے بھی نکل بھاگا۔ بھوک پیاس سے اس کا برا حال تھا۔ اسی عالم میں وہ اس طرف نکل آیا جہاں مغل لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ یوں وہ ایک پھندے سے نکل کر دوسرے پھندے میں پھنس گیا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اسے پتہ بھی نہ تھا کہ اسے پھنسانے والا اب کے ایک جن زاد ہے۔

مغل لشکر کے ساتھ ساتھ میں بھی آگرہ پہنچ گئی۔

"اے دینار! اب کیا ہوگا؟" خلوت میسر آتے ہی عارج مجھ سے کہنے لگا۔ "اس کم بخت بہادر خان کے حکم پر مجھے یہاں ڈال دیا گیا ہے۔ معلوم نہیں اس کا مقصد کیا ہے۔"

"تو اس طرح یہ بات کہہ رہا ہے عارج کہ جیسے مجھے کوئی اطلاع دے رہا ہو۔" میں بولی۔ "زنداں ہی میں ایسے آدم زادوں کو ڈالا جاتا ہے جن پر کوئی الزام ہو۔ یہاں آرام سے رہ! تجھے اور کیا چاہئے، الگ کوٹھڑی ملی تو ہوئی ہے۔ رہی مقصد کی بات تو جو آدم زاد صاحب اقتدار ہوتے ہیں، ان کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے ..... کسی طور بڑے سے بڑے عہدے پر پہنچنا۔

اقتدار کے بھی مختلف درجے ہیں۔ تجھے بھی یہ باتیں معلوم ہیں۔ پھر بھی یاد دہانی کرا دیتی ہوں مثلاً ہم جس زمانے سے آئے ہیں، وہاں اقتدار اعلیٰ خلیفہ المہدی کے پاس ہے۔ اس کا حکم عراق ہی میں نہیں پوری عرب دنیا میں چلتا ہے۔ وہ بغداد میں بیٹھ کر لوگوں کی قسمتوں کے فیصلے کرتا ہے، خلیفہ کے بعد اس کے وزیر کا حکم چلتا ہے، پھر درجہ بدرجہ یہی اقتدار شہر کے کوتوال تک پہنچ جاتا ہے۔ کوتوال اپنا اختیار استعمال کرتے ہوئے غریب آدم زادوں..... اپنے ہی جیسوں کو الٹا لٹکوا دیتا ہے..... اور....."

"بات ہو رہی تھی بدبخت بہادر خان کی تو نہ جانے کیا قصہ سنانے لگی!" عارج بول اٹھا۔ "تو جو باتیں کر رہی ہے، ان سے تو ایسا لگ رہا ہے کہ مجھے کم عقل سمجھتی ہے۔"

"وہ تو خیر تو ہے عارج۔" میں نے اسے بتایا۔

"میں کم عقل ہوں؟" غصے میں اس کی آواز تیز ہو گئی۔

"یہ تو نہ بھول کر تو اس کوٹھڑی میں اکیلا ہے۔ کسی پہریدار یا محافظ نے تجھے اس طرح باتیں کرتے سن لیا تو زنداں کے بجائے تیری جگہ کہیں اور ہو گی اس لیے اپنی آواز دھیمی رکھا کر!..... میں تو کسی کو نظر آؤں گی نہیں البتہ تجھے بڑبڑ کرتے دیکھا....."

عارج نے منہ بناتے ہوئے میری بات کاٹ دی، بولا۔ "زنداں کے بجائے تو مجھے اب اور کہاں بھجوائے گی؟"

"میں تجھے کہیں نہیں بھجوا رہی بلکہ تو خود اپنی حرکتوں کے نتیجے میں یہاں پہنچا ہے اور اب اگلی منزل..... چل چھوڑ تو برا مان جائے گا۔"

"کہہ دے..... کہہ دے نا کہ میری اگلی منزل پاگل خانہ ہے!" عارج نے کسی چڑچڑے لڑاکا شوہر کی طرح کہا۔

مجھے ہنسی آ گئی۔

"ہنس لے..... خوب ہنس لے میرے حال پر..... اچھا بھلا بابل کے کھنڈرات میں رہتا تھا..... نہ وہاں کوئی خوف تھا نہ خطرہ، مگر تیرے عشق میں پہلے بغداد جا کے رہنا پڑا اور اب صدیوں صدیوں بھٹکنا پڑ رہا ہے۔"

"تو نہ کرتا عشق!..... حکیم ہامہ نے تو تجھ سے نہیں کہا تھا کہ مجھ سے عشق لڑا۔"

"اے دینار! عشق لڑایا نہیں جاتا بلکہ خود سے خود لڑ جاتا ہے۔"

"اچھا بس کر! ... ہر وقت کتاب عشق کھول کر نہ بیٹھ جایا کر! ... میں چلی۔"

"کہاں؟ ... کیا مجھے یہاں اکیلا چھوڑ جائے گی؟"

"تو دودھ پیتا بچہ تو ہے نہیں کہ میرے بغیر نہ رہ سکے۔ مجھے ذرا آگرے کی سیر تو کرنے دے۔ گھوموں گی پھروں گی تبھی اس زمانے کے بارے میں کچھ معلوم ہوگا!"

"اچھا جا دینار!" عارج نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ "میرا بھی اللہ مالک ہے..... لیکن جلد لوٹ آئیو!"

میں کچھ نہ بولی اور زنداں سے نکل آئی۔

چند ہی روز میں مجھے بہت کچھ پتہ چل گیا۔ کچھ باتیں میں نے عارج کے استفسار پر اسے بتا دیں، کچھ مصلحتاً گول کر گئی۔ مثال کے طور پر یہ بات میں نے عارج کو نہیں بتائی کہ بہادر خان اسے زنداں میں ڈلوا کر بھول گیا ہے۔

زنداں میں سبھی طرح کے قیدی تھے، چور اچکے، بدمعاش، غنڈے، قاتل، لٹیرے، باغی، سرکش اور بیگناہ! اس سے قطع نظر کہ یہ آدم زاد سزا کے مستحق تھے یا نہیں، یہ بات بہرحال قابل غور تھی کہ انہیں ایسا کس نے بنایا؟ کوئی بدمعاش ہو کر باغی، بدمعاشی اور بغاوت پر کیوں آمادہ ہوتا ہے؟ ایک روز انہی سوالوں پر عارج سے میری گفتگو ہوئی۔

میں نے عارج سے کہا "اے میرے شاہم! تو یہاں اکیلا ...۔"

"میں شاہم نہیں عارج ہوں۔" وہ بول اٹھا۔

"تو جب تک اس جسم میں ہے عارج میں تجھے شاہم ہی کہوں گی..... مجھے شاہم کہنا اچھا لگتا ہے۔" میں نے کہہ دیا حالانکہ میرا ارادہ یہ نہیں تھا۔ "سچ؟" وہ خوش ہو گیا۔

آدم زاد ہوں کہ جن زاد صنف نازک بڑی آسانی سے انہیں شیشے میں اتار لیتی ہے۔ رہا عارج تو وہ پہلے ہی سے خاصا شیشے میں اترا ہوا تھا۔ اس کیلئے تو بس ذرا سا اشارہ کافی ہوتا تھا۔

عارج کو دراصل میں اس کوٹھڑی سے نکال کر عام قیدیوں کے درمیان پہنچانا چاہتی تھی تاکہ اس کا دل لگا رہے اور وہ ہر وقت میرے ہی لیے نہ ہمکتا رہے۔ اس کیلئے یہ ضروری تھا کہ وہ خود کو شاہم بیگ ہی سمجھنے لگے۔ بالکل اسی طرح جیسے وہ بغداد میں حکیم صارم بن گیا تھا۔ اس وقت بھی میں نے اس سے کہا تھا کہ ابھی تو تیرے نہ جانے کتنے نام بدلیں گے

عارج! اب وہ بات حقیقت بن گئی تھی۔ دو ایک دن میں اسے مشق کراتی رہی کہ وہ پوچھنے پر اپنا نام شاہم بیگ ہی بتائے۔

جب عارج گھاٹ پر آ گیا تو میں نے اس سے مطلب کی بات کہہ دی۔

"پھر میں تجھ سے کیسے باتیں کیا کروں گا اے دینار؟...... یہاں تو ہمارے سوا کوئی اور نہیں مگر میں عام قیدیوں کے ساتھ رہا تو ...۔"

"انسانی قالب میں رہ کر شاید تیری عقل خبط ہو گئی ہے۔ تو بار بار کیوں یہ بات بھول جاتا ہے کہ ہم جنات ہیں، آدم زاد نہیں! ہمیں بھلا باتیں کرنے سے کون روک سکتا ہے!... تیرے دماغ میں کیا ہے؟ میرے لیے کیا سمجھنا مشکل ہے؟ کبھی کبھی تو مجھے جن زاد کے بجائے کوئی غبی قسم کا آدم زاد معلوم ہونے لگتا ہے۔" میں بولی۔

"اس بہانے تو مجھے غبی کہہ رہی ہے؟"

"نہیں نا!..... تو تو بڑا عقل مند ہے۔ میرا شاہم ہے، بے وقوف کیسے ہوگا!"

پھر عارج اس کوٹھڑی سے نکلنے پر آمادہ ہو گیا۔ داروغہ زنداں کو الو بنانا میرے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ پہلے تو میں نے اس بھاری ڈیل ڈول والے محکم خان کو زنداں کے دورے پر راضی کیا، پھر اسے عارج کی طرف متوجہ کر دیا۔

"اس قیدی کا کیا نام ہے؟" محکم خان نے اپنے ماتحت سے پوچھا۔

اس کا ماتحت تھوڑا نہیں، اچھا خاصا باؤلا تھا، جواب میں بولا۔ "حضور اس کا کوئی نہ کوئی نام یقیناً ہوگا۔"

"یہ سیدھی سی بات تو مجھے بھی معلوم ہے بے وقوف آدمی!" داروغہ زنداں محکم خان کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ اس کے چہرے سے غصے کا اظہار ہو رہا تھا۔ قدرے توقف سے اس نے پھر اپنا سوال دہرایا۔ وہ کوٹھڑی کے سلاخوں دار دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ نائب داروغہ زنداں نے جب "فرد زندانیاں" پاس نہ ہونے کا عذر کیا تو محکم خان نے غصہ ضبط کرتے ہوئے عارج کو مخاطب کیا۔ "کون ہو تم؟"

"آدمی ہوں جناب!" عارج نے جواب دینے میں دیر نہ کی۔

"وہ تو میں دیکھ ہی رہا ہوں کہ تم آدمی ہو کوئی جن بھوت نہیں۔ میرا مقصد تمہارا نام پوچھنا تھا۔"

"تھا سے مراد ماضی ہے...... یعنی کہ اب آپ کا مقصد میرا نام پوچھنا نہیں!"
عارج بھی اسے گھسنے لگا۔

"نام بتا اپنا!" محکم خان کے صبر کا پیمانہ چھلک ہی اٹھا۔

"خادم کو شاہم بیگ کہتے ہیں۔"

"تجھے الگ کوٹھڑی میں نہیں رکھا جا سکتا اس لیے کہ تو کوئی خاص قیدی نہیں۔" محکم خان نے گویا حکم سنا دیا۔

"خاص قیدی کیسے ہوتے ہیں داروغہ جی؟..... کیا ان کے سینگ ہوتے ہیں؟"

عارج میری پڑھائی ہوئی پٹی پر عمل کر رہا تھا۔

"بکواس نہ کر ورنہ الٹا ٹانگ دوں گا ابھی!...... اب میں نے بڑے بڑے ٹیڑھے قیدیوں کو سیدھا کر دیا' تو کس گنتی شمار میں ہے!۔" یہ کہتے ہی محکم خان بلند آواز میں اپنے نائب سے بولا۔ "اس شاہم بیگ کے بیچ کو ابھی اور اسی وقت سے نکال کر عام قیدیوں......"

"جناب! میرے بیچ کو نہیں بلکہ مجھی کو وہاں بھیجا جائے۔" میری شہ پر عارج نے کہہ دیا۔

پھر کیا تھا' اللہ دے اور بندہ لے! عارج سے تو وہ کچھ نہ بولا کہ مزید بے عزتی نہ ہو البتہ اپنے ماتحت عملے پر برس پڑا۔

عارج کو اسی وقت کوٹھڑی سے نکالا گیا اور کشاں کشاں آدم زادوں کی بھیڑ میں پہنچا دیا گیا۔ عارج نے شاہم بیگ بن کر وہاں بہت کچھ دیکھا اور سنا۔ اسے زندگی کے کچھ نئے تجربے ہوئے۔ ان تجربوں میں مشاہدے کی حد تک میں بھی شامل رہی۔ جو باتیں عارج کو آدم زادوں کے بارے میں معلوم نہیں تھیں' ان کا علم بھی ہوا۔ اس کے علاوہ اس زمانے کے سیاسی حالات بھی پتہ چلے۔ اقتدار کیلئے کس طرح ایک آدم زاد اپنے ہی بھائی کا دشمن بن جاتا ہے مجھے اس کی مزید آگہی ہوئی۔ رشتوں کا احترام یہاں بھی نہ تھا۔

مرزا کامران' مرزا عسکری اور مرزا ہندال' بادشاہ وقت کے سگے بھائی تھے پھر بھی بادشاہ کے خلاف سازشیں اور بغاوتیں کرتے رہتے تھے۔ میرے نزدیک ان آدم زادوں اور شاہم بیگ میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ ایسی صورت میں بھلا ان سرکشوں کے ذہنوں میں کسی صاحب اقتدار کی حیثیت کیا ہوتی جو پس دیوار زنداں تھے۔

میرے لیے حیران کن امر یہ تھا کہ عارج بھی ان "باغیوں" اور "گستاخوں" کے درمیان رہ کر خاصا بے باک ہو گیا تھا۔ ایک دن خلوت میں مجھ سے کہنے لگا۔ "بادشاہ کا جو بت میرے ذہن میں تھا' اب ٹوٹ چکا ہے۔"

"کیسے معلوم؟" میں نے اسے چھیڑا۔

"اس میں معلوم ہونے کی کیا بات ہے۔ کیا بادشاہ' کیا فقیر سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ کوئی عیب سے پاک نہیں۔"

وہ کہنے لگا۔ اس کی آواز میں تقریر کرنے یا وعظ کہنے والوں جیسا جوش تھا۔ "اب بھی دیکھ لو کہ مجھے مرزا عسکری کا مخبر سمجھ کر ہی پکڑا گیا تھا اور میں اسی الزام میں شاہم بیگ کا پیکر اپنا کر قید کاٹ رہا ہوں۔"

"اے عارج! تجھے اور اس زنداں میں رہنے والے تیرے ان 'باغی' ساتھیوں کو بہت سے حقائق کا علم نہیں۔" میں سنجیدگی سے اسے سمجھانے لگی۔ "مجھے جن باتوں کا پتا چلا ہے تو نہیں جانتا۔"

"تو بتائے گی دینار! تبھی تو جانوں گا۔"

"اس شرط پر بتاؤں گی کہ تو اپنے قیدی ساتھیوں سے یہ باتیں نہیں کرے گا۔"

"مجھے تیری شرط منظور ہے' بتا! میں اپنے ساتھی آدم زادوں کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔" عارج نے یقین دلایا۔

مغل تاجدار ہمایوں کے متعلق اس عرصے میں جو حقائق میرے علم میں اب تک آئے تھے' ان سے میں نے عارج کو آگاہ کر دیا۔ اس طرح عارج کو معلوم ہو گیا کہ وہ کیا حالات تھے جن کے سبب شاہم بیگ کو مرزا عسکری کا مخبر سمجھ لیا گیا۔ اس غلط فہمی کا پورا پس منظر میں نے بیان کر دیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ چمپانیر کی فتح کے بعد گجرات کے چند اور سرکشوں کو مغلوب کر کے ہمایوں احمد آباد آ گیا۔ ہمایوں کی احمد آباد آمد کی وجہ میں پہلے ہی بتا چکی ہوں۔

اپنے دشمنوں سے برسرپیکار ہوئے ہمایوں کو چھ سال گزر گئے تھے' لیکن ابھی تک اسے سکون کا سانس لینا نصیب نہیں ہوا تھا۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو اس کی عمر 23 سال تھی اور اب وہ 29 سال کا ہو چکا تھا۔ احمد آباد کو مرزا عسکری کے سپرد کر کے ہمایوں نے قلعہ آسیر

برہان پور کی تسخیر کا ارادہ کیا۔ ابھی اس نے تین چار منزل بھی کوچ نہیں کیا تھا کہ احمد آباد سے متعلق اسے تشویشناک خبریں ملیں۔ احمد آباد کے امیروں میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ دشمنوں کو احمد آباد پر حملے کا موقع مل گیا۔ مرزا عسکری نے بھی منافقت برتی۔ وہ خود احمد آباد میں بغاوت کی سازشیں کر رہا تھا۔

مرزا عسکری کے منصوبے جب پورے نہ ہوئے تو وہ احمد آباد کو دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر آگرہ چلا گیا۔ یہ خبریں ملتے ہی ہمایوں نے برہان پور کے بجائے آگرہ کا رخ کیا۔ یہ تمام باتیں مجھے آگرہ آنے سے پہلے اتنی تفصیل کے ساتھ معلوم نہیں تھیں۔ قصہ مختصر یہ کہ ہمایوں کو علم تھا کہ مرزا عسکری اپنے مخبروں کے ذریعے اس کے لشکر کی نقل و حرکت پر نظر رکھتا تھا۔

ہمایوں یہ نہیں چاہتا تھا کہ مرزا عسکری کو اس کے ارادے کی تبدیلی کا پتہ چل جائے۔ وہ اسی لیے متواتر کوچ کر رہا تھا۔ ہمایوں اس بار مرزا عسکری کو معاف کرنے کے حق میں نہ تھا۔ جو علاقہ اس نے بڑی سعی و کاوش اور محنت کے بعد حاصل کیا تھا، مرزا عسکری کے سبب ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اسی بنا پر ہر طرف بڑا خلل و انتشار پھیل گیا۔ ہمایوں ہی کے حکم پر لشکر کے اطراف قیام کے دوران میں سخت حفاظتی انتظامات ہوتے تھے۔ اگر کسی طرح مرزا عسکری کو یہ معلوم ہو جاتا کہ ہمایوں آگرے آ رہا ہے تو وہ وہاں سے فرار ہو جاتا۔ قسمت کے مارے شاہم بیگ، یعنی "جناب عارج" کو اسی لیے مرزا عسکری کا مخبر سمجھ لیا گیا۔

مجھ سے سب کچھ سننے کے بعد عارج منہ بنا کر کہنے لگا۔

"اور دینار تیرے چہیتے بادشاہ ہمایوں نے گھامڑ پن بھی تو دکھایا۔"

"باغیوں کے ساتھ رہ کر تو بھی تھوڑا تھوڑا باغی ہوتا جا رہا ہے عارج! حکمران وقت کی شان میں گستاخی!...... اگر کسی کو یہ ہوا لگ گئی کہ تیرے خیالات اس قدر باغیانہ ہیں تو بادشاہ تیرے انسانی پیکر کی لاش میں بھس بھروا دے گا۔"

"وہ کیوں!" عارج کی تیوریوں پر بل نظر آنے لگے۔

"بس شوق ہے یہ حکمرانوں کا کہ وہ باغیوں کی کھالوں میں بھس بھروا دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ باغی بھی کبھی کبھی تخت و تاج کے مالک ہو جاتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"یہ کی نا تو نے بات!" عارج نے خوشی کا اظہار کیا۔ ذرا دیر چپ رہ کر عارج پھر

بولا۔ "جو اصل مجرم تھا، یعنی ہمایوں بادشاہ کا سگا بھائی مرزا عسکری، اسے تو معاف کر دیا گیا اور ہم جیسے بے گناہوں کو ناحق رگیدا جا رہا ہے۔ میں اسی کو تو گھامڑ پن کہہ رہا تھا۔ میں جس انسانی پیکر میں ہوں، یہ حالات کا ستایا ہوا ایک تو جوان ہے اور......"

"اور تو نے بھی اس نوجوان شاہم بیگ کے ساتھ کون سی بھلائی کی ہے!" میں نے عارج کی بات کاٹ دی۔ "بتا کیا یہ شرافت ہے کہ تو نے اس کے جسم پر قبضہ کر رکھا ہے؟"

"یہ مجبوری ہے۔"

"کس کی مجبوری؟ تیری یا شاہم بیگ کی؟" میں نے گویا چٹکی لی۔

"چل اسے تو میری مجبوری سمجھ لے دینار!" عارج نے پر ڈال دیے، پھر پرعزم آواز میں کہنے لگا۔ "تو دیکھتی رہیو دینار، میں شاہم بیگ کو ترقی و عروج کی انتہائی منزلوں تک لے جاؤں گا۔ میں اس انسانی پیکر میں رہنے کا حق ادا کر دوں گا۔ تو مجھے شاہم کہہ رہی تھی نا تو...... تو مجھے بھی اچھا لگ رہا تھا۔"

"بہک مت!...... میری بات گرہ میں باندھ لے کہ ہر عروج کو ایک روز...... ایک نہ ایک روز زوال دیکھنا پڑتا ہے۔ پھر بھی اگر تو اس انسانی پیکر کو عروج تک لے بھی گیا تو شاہم بیگ کو اس کا فائدہ نہیں ہو گا۔ مزہ تو کرے گا، شاہم بیگ نہیں۔"

"دیکھ دینار! ہم ہمیشہ تو یہاں نہیں رہیں گے۔ ہمیں بغداد تو واپس جانا ہی ہو گا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مجھے یہ انسانی قالب چھوڑنا پڑے گا۔ اس وقت یہ آج کا بے بس ولاچار نوجوان خود کو کسی بڑے منصب پر پائے گا۔"

"تقدیر کے کھیل بڑے عجیب ہوتے ہیں عارج! کیا خبر اس وقت کیا ہو...... خیر میں کوشش کرتی ہوں کہ تیرے انسانی پیکر کو قید سے رہائی مل جائے۔ اس طرح تو نے جس عزم کا اظہار کیا ہے، شاید اس کی تکمیل ممکن ہو۔"

"ہاں دینار! مجھے شاہم بیگ کی حیثیت سے اس زنداں میں رہتے تین مہینے سے زیادہ ہو گئے۔ اب یہاں میرا جی گھبرانے لگا ہے۔" عارج کہنے لگا۔

"عارج! اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ تو اس قالب کو چھوڑ کر کہیں اور چمپت ہو جائے۔ یہ کچھ مناسب نہیں ہو گا۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" عارج نے صفائی پیش کی۔ "میں تو اس کم ذات کی

شکایت کر رہا ہوں جس کا نام بہادر خان ہے۔''

''تو پھر باغیانہ باتیں کرنے لگا!''

''پھر تو ہی کہہ دینار کہ میں کس سے فریاد کروں'' عارج بولا۔ ''رہا یہ جسم تو مجھے اب اس سے محبت ہوتی جا رہی ہے۔ میں اسی کے اندر رہوں گا۔ تو کسی طرح مجھے...... یا یوں سمجھ کہ میرے انسانی پیکر شاہم بیگ کو یہاں سے نکال!''

''ٹھیک ہے...... اگر تیرا دل یہاں گھبرانے لگا ہے تو میں تجھے یہاں سے اسی قالب میں نکال لے جاؤں گی۔''

''کیا کرے گی تو دینار اس کیلئے!'' عارج نے پوچھا۔

''تجھے یہ جلد ہی معلوم ہو جائے گا...... میں چلتی ہوں۔'' میں یہ کہہ کر وہاں مزید نہیں رکی۔

جلد ہی میں نے یہ بندوبست کر دیا کہ عارج قید سے نکل آئے، مگر دانستہ اس سلسلے میں اسے کچھ نہ بتایا۔ یہ الگ بات کہ میں اس سے زیادہ دور نہیں تھی۔ بوجوہ میں نے عارج کی نظروں سے چھپے رہنے کی خاطر اندھیرے کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ میں نے عارج کے دماغ پر توجہ دی تو اندازہ ہوا' عارج وسوسوں اور اندیشوں میں گھرا ہے۔

عارج کو یہ نہیں بتایا گیا کہ قید خانے سے اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے اور کیوں؟ قید خانے سے نکلنے کے باوجود وہ مسلح سپاہیوں کے نرغے میں تھا۔ اس کی ہمت نہ ہوئی کہ سپاہیوں سے کچھ پوچھتا۔ وہ گھوڑے پر سوار شاہم بیگ کے انسانی قالب میں پریشان سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں مسلح گھڑ سوار تھے۔ گھڑ سواروں کو آتے دیکھ کر سامنے آنے والے ایک طرف ہو جاتے۔

☆......☆......☆

عارج کیلئے آگرہ ایک نیا شہر تھا۔ بغداد اور آگرے میں صرف ایک قدر مشترک تھی۔ مقامات اور صدیوں کا فرق ہونے کے باوجود دونوں شہروں کی حیثیت دارالحکومت کی تھی۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہ خلیفہ المہدی اور ہمایوں دونوں ہی مسلمان حکمران تھے۔ قید کے دوران میں عارج نے مجھ سے آگرہ شہر سے متعلق بہت سے قصے سنے تھے۔ وہ شاہم بیگ کے انسانی پیکر ہی میں رہا تھا جبکہ میرا معاملہ مختلف تھا۔ میں سارے شہر میں منڈلاتی پھرتی

تھی۔

یہی وجہ تھی کہ عارج گھوڑے پر سوار ادھر ادھر نظر ڈالتا آگے بڑھتا رہا۔ اس کے ذہن میں بڑا تجسس تھا کہ دیکھو اب کیا گزرتی ہے؟

مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے گھڑ سوار' عارج کو لیے ایک بڑی سی حویلی کے پھاٹک میں داخل ہو گئے۔ حویلی کی شان و شوکت دیکھ کر عارج حیران سا ہوا۔ شام ہو چکی تھی اور حویلی میں فانوس روشن کیے جا رہے تھے۔ گھڑ سوار اسے حویلی کے ایک حصے میں لے گئے۔ وہاں پہلے ہی سے زرق برق کپڑوں میں ملبوس خواصیں اور خدمتگار کھڑے تھے۔ انہی میں سے ایک خواجہ سرا آگے بڑھا اور اس نے عارج کے گھوڑے کی لگام تھام لی۔ گھڑ سوار واپس ہو گئے۔

پھر عارج کے ساتھ جو کچھ ہوا اسے حیرت زدہ کرنے کیلئے کافی تھا۔ اسے گلاب کی پتیاں ملے ہوئے پانی میں غسل کرایا گیا۔ پانی معطر تھا۔ عارج کے انسانی پیکر پر کئی روغن ملے گئے۔ حجام سر کے بالوں کی تراش خراش پہلے ہی کر چکا تھا۔ ایک مشاطہ نے اس کے بال سنوارے۔ اسے ریشمی لباس پہننے کو دیا گیا۔

جب آئینہ عارج کے روبرو لایا گیا تو خود اسے اپنی صورت اجنبی سی لگی۔ اس کے سامنے اب کوئی اور ہی شاہم بیگ کھڑا تھا۔ حیرت کے سبب وہ چپ تھا۔ اس عرصے میں اسے صرف اتنا ہی بتایا گیا تھا کہ وہ بہادر خان کے حضور میں پیش ہونے والا ہے۔ خواجہ سرا اسے بہت دیر تک ادب و آداب اور بہادر خان کے مزاج سے آگاہ کرتا رہا۔ جتنی کنیزیں' خواصیں' غلام اور خدمتگار تھے' سبھی میں عارج کا انسانی پیکر یکتا نظر آ رہا تھا۔ خواجہ سرا اس کی طرف سے مطمئن ہو گیا تو اسے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔

میں یہاں ایک بات کی وضاحت کرتی چلوں کہ آدم زاد مسلمان حکمرانوں میں سے بہت سوں کو غلام خریدنے کا شوق رہا ہے۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں میں محمود غزنوی کے ساتھ اس کے ایک غلام ایاز کا نام کا بھی آتا ہے۔ اسی طرح ایک اور مسلمان فرمانروا شہاب الدین غوری کو بھی یہ شوق تھا۔ ہندوستان پر طویل عرصے تک انہی غلاموں کی حکومت رہی ہے۔ یہ الگ بات کہ انہیں ان کے آقاؤں نے آزاد بھی کر دیا تھا۔ خاندان غلاماں کی فہرست میں قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش بھی آتے ہیں۔ سو اسی روایت کو مغل

تاجداروں نے بھی برقرار رکھا۔

بلاشبہ مغلوں کا ذوق جمال اعلیٰ درجے کا تھا۔ کوئی بھی مغل حکمران اپنے آس پاس کسی بدصورت کنیز، خواص، غلام یا خدمتگار د خادم کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ یہی مزاج مغل امراء کا تھا۔

مسلمان فرمانرداؤں سے حسد رکھنے والوں، انہیں بدنام کرنے والے متعصب یہودیوں اور عیسائیوں نے اس غلام پسندی کو مختلف نام دیئے ہیں۔ مغلوں کے ذوق جمال کو بیمار ذہنیت قرار دیا ہے جبکہ حقیقت اور بے راہ روی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ میری اس وضاحت کی وجہ شاہم بیگ ہے جو بے حد خوبصورت تھا اور جس کے جسم میں عارج نے پناہ لی تھی۔ یہاں ایک اور بات بھی سمجھنے کی ہے کہ ہم جن زاد خواہ کسی بھی آدم زاد کے جسم پر قبضہ کرلیں، اس جسم کے فطری تقاضوں اور عادات واطوار کو پوری طرح نہیں بدل سکتے۔ فطرت جو ہر شے میں اپنا ظہور کرتی ہے، اسے بدلنا ممکن نہیں۔ عارج اسی بنا پر پریشان تھا۔ سو شاہم بیگ کے جسم میں عارج نے پناہ تو لے رکھی تھی مگر اس سے غیر ارادی حرکات سرزد ہوتی رہتی تھیں۔

اس وقت بھی شاہم بیگ کے قالب میں اس کا قلب زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ عارج کو اس کے قلب و ذہن پر ایک حد تک ہی تصرف حاصل تھا۔

حویلی کے اس حصے سے نکلتے ہی عارج کو مزید حیرت ہوئی۔ وہ سنگ مرمر کے بے داغ فرش پر چل رہا تھا۔ خواجہ سرا کے ساتھ وہ ایک خواب کے سے عالم میں چلتا رہا اور چونکا اس وقت جب خواجہ سرا نے اسے ٹوکا۔ ایک محرابی دروازے میں داخل ہوتے وقت اس کا پاؤں حریری پردے میں الجھ گیا تھا۔

"ہوش نہ کھوؤ، حدود آداب شروع ہو گئی ہیں۔" خواجہ سرا نے عارج کو شاہم بیگ سمجھ کر ڈانٹا۔ میں خاموشی سے یہ تماشا دیکھتی اور اپنی ہنسی ضبط کرتی رہی۔ عارج اتنا ہی ہونق نظر آ رہا تھا۔

خواجہ سرا کے ٹوکنے پر عارج سنبھل گیا اور آہستگی سے اپنا پیر حریری پردے سے نکال لیا۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا جس میں اس کے پاؤں دھنستے جا رہے تھے۔ عارج

سے کچھ ہی فاصلے پر سامنے ایک اور دروازہ نظر آ رہا تھا۔ عارج نے اس طرف نگاہ اٹھائی۔ اس دروازے کے دائیں بائیں ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے۔ وہ پردے اٹھے ہوئے تھے۔ دونوں طرف انہیں خوبصورت ڈوریوں سے باندھ دیا گیا تھا۔ ان دونوں ہلال نما پردوں کے درمیان ایک اور پردہ پڑا تھا جس نے اندر کے منظر کو چھپا لیا تھا۔ خواجہ سرا اس دروازے پر عارج کو چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ ذرا توقف سے خواجہ سرا کی آواز آئی۔ "وہ غلام در خدمت پر حاضر ہے۔ حکم ہو تو اسے پیش کیا جائے۔"

جواب میں ایک آشنا آواز ابھری۔ "ہاں اسے لے آؤ۔"

خواجہ سرا باہر آیا اور عارج کا بازو تھام کر اسے اندر لے گیا۔ اندر پہنچ کر خواجہ سرا نے اسے آگے کر دیا اور خوب ادب سے ہاتھ باندھ کر چند قدم پیچھے کھڑا ہو گیا۔ خواجہ سرا کی ہدایت کے مطابق عارج تین بار جھک کر آداب بجا لایا۔ وہ شاہم بیگ کا کردار بڑی خوبصورتی سے ادا کر رہا تھا۔ کسی کو گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ آدم زاد نوجوان شاہم بیگ نہیں ایک جن زاد عارج ہے۔ کسی جن سے عموماً یہ توقع نہیں کی جاتی کہ پراسرار قوتیں حاصل ہونے کے باوجود ایک آدم زاد کے سامنے آداب وتسلیمات کی بجا آوری کیلئے جھک جائے گا، مگر عارج مصلحتاً ایسا کر رہا تھا۔ اسے شاہم بیگ کے جسم میں ابھی مزید رہنا تھا۔

سامنے ہی مسند پر بہادر خان بیٹھا تھا۔ عارج کو قید خانے سے رہائی دلانے کیلئے میں نے اسی کو استعمال کیا تھا۔ اس کے ذہن میں، میں نے یہ بات بٹھا دی تھی کہ عارج کا انسانی پیکر یعنی شاہم بیگ ایسی صفات کا حامل ہے جو اعلیٰ درجے کے غلاموں اور خدمتگاروں میں ہوتی ہیں۔

بہادر خان سے ذرا فاصلے پر ایک اور شخص دوزانو بیٹھا نظر آ رہا تھا۔

"سبحان اللہ!" معاً بہادر خان کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی۔ شاہم بیگ کا بظاہر اس کے ذوق جمال پر پورا اترا تھا۔

ہر چند کہ خواجہ سرا نے نظر جھکائے رکھنے کو کہا تھا مگر عارج اس ہدایت پر عمل نہ کر سکا۔ کچھ دیر سکوت طاری رہا۔ وہ براہ راست بہادر خان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بہادر خان کی نظریں بھی اس پر تھیں۔

عارج کے انسانی قالب شاہم بیگ کو دیکھ کر بہادر خان مبہوت سا دکھائی دے رہا

تھا۔

"سبحان اللہ!" بہادر خان پھر بول اٹھا' یوں جیسے اسے ہوش آ گیا ہو۔ پھر بہادر خان نے اسے مخاطب کیا۔ "کیا تو واقعی وہی پابرہنہ اور خاک بسر نوجوان ہے جس نے ہمیں اپنی داستان الم سنائی تھی؟"

"جی..... جی ہاں حضور! یہ وہی غلام ہے۔" عارج نے خواجہ سرا کی ہدایات کو ذہن میں دہراتے ہوئے ادب سے جھک کر جواب دیا۔ میری توجہ عارج پر تھی کہ کہیں اس سے غلطی نہ ہو جائے۔ ذرا سی غلطی سے کھیل بگڑ جاتا اور عارج کو شاہم بیگ کا جسم چھوڑنا پڑتا۔ کسی اور آدم زاد کے جسم کو اپنا "گھر" بناتے ہوئے ہم جنات کو بھی بڑی مشکل ہوتی ہے۔ انسانی قالب میں گھٹن' حبس' اندھیرا اور گرمی ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ جنات طویل عرصے تک ایک ہی انسانی پیکر میں رہ سکیں۔

ایسی صورت میں اگر عارج کو شاہم بیگ کا جسم راس آ گیا تھا تو یہ اچھی بات تھی۔ کسی اور قالب میں وہ شاید اس قدر سکون و آرام سے نہ رہ پاتا۔

"تو نے اپنا کیا نام بتایا تھا؟" بہادر خان نے عارج کو مخاطب کیا۔

"شاہم بیگ حضور!" عارج نے اطمینان سے جواب دیا۔

"شاہم!" بہادر خان بڑبڑایا' پھر دائیں جانب بیٹھے ہوئے شخص سے بولا۔ "دیکھا احمد یار خان' ہم نہ کہتے تھے کہ وہ ایک ناتراشیدہ ہیرا ہے!"

یہ بات بہادر خان کے دماغ میں ڈالنے والی میں ہی تھی ورنہ تو وہ شاہم بیگ کو بھول بھال گیا تھا۔

دوزانو بیٹھے ہوئے شخص نے بہادر خان کی تائید میں کہا۔ "حضور دیدہ ور ہیں' بجا ارشاد فرمایا تھا حضور نے! خادم کو تو اس کا پہلے ہی یقین تھا۔"

بہادر خان تاسف سے بولا۔ "بس ہمیں مہلت ہی نہیں ملی کہ اس کا دھیان آتا۔ آج تم نے احمد آباد کا ذکر چھیڑ دیا تو خیال آ گیا۔"

احمد یار خان کو بھی میں نے ہی یہ ذکر چھیڑنے پر اکسایا تھا' مگر وہ اس حقیقت سے لاعلم تھا۔ اس رات جب عارج' شاہم بیگ کے جسم میں داخل ہونے کے بعد پکڑا گیا تھا تو احمد یار خان بھی انہی حاضر باشوں میں سے ایک تھا جو بہادر خان کے خیمے میں تھے۔ میں اسے

بھولی نہ تھی۔

مغل لشکر آگرہ کی طرف کوچ کرتے ہوئے ایک منزل پر ٹھہرا ہوا تھا۔ احمد آباد کا ذکر کرتے ہوئے بظاہر احمد یار خان کے منہ سے یوں ہی ایک مخبر کا نام نکل گیا تھا۔ اس مخبر کی گردن مار دی گئی تھی۔ اس پر الزام ثابت ہو گیا تھا کہ وہ مرزا کامران کا مخبر ہے۔ یہی موقع تھا جس سے میں نے فائدہ اٹھایا اور بہادر خان کو یاد دہانی کرا دی کہ مرزا عسکری کا مخبر ہونے کے الزام میں ایک بے قصور نوجوان سزا بھگت رہا ہے۔

آگرہ آنے کے بعد بہادر خان واقعی یہ بھول گیا تھا کہ کسی بے گناہ کو اس نے قید میں ڈال رکھا ہے۔

احمد یار خان نے بہادر خان سے اپنی تعریف سنی تو پھول گیا۔ بولا۔ "حضور کچھ بھولیں تو بھولیں مگر حضور کے خادم سب کچھ یاد رکھتے ہیں۔ اگر حضور کو خود اس کا دھیان نہ آ جاتا تو یہ خادم بس عرض ہی کرنے والا تھا۔"

بہادر خان اس چاپلوسی سے خوب واقف تھا اس لیے طرح دے گیا اور عارج کی طرف پھر نگاہ اٹھائی' کہنے لگا۔ "ہم تجھے اپنی خدمت کا شرف بخشنا چاہتے ہیں' بول اس پر خوش ہوا!"

"یعنی بندہ..... حضور..... حضور کی خدمت میں....." عارج نے ظاہر کیا کہ وہ مرعوب ہو گیا ہے' ہکلانے کا مقصد یہی تھا۔

"ہاں۔" بہادر خان بولا اور پیچھے کھڑے ہوئے خواجہ سرا کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ جب خواجہ سرا قریب پہنچ کر ادب سے جھکا تو بہادر خان نے دھیمی آواز میں کچھ ہدایات دیں۔ ان ہدایات کا لب لباب عارج کی تربیت اور آرام و آسائش سے تھا۔

خواجہ سرا اقراری انداز میں سر ہلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر اس نے بہادر خان کا دایاں ہاتھ بلند ہوتے دیکھ کر عارج کو چلنے کا اشارہ کیا۔ عارج واپسی کیلئے مڑنے ہی والا تھا کہ خواجہ سرا نے اس کا بازو تھام لیا اور سرگوشی کی۔ "حد ادب!"

عارج کو خواجہ سرا نے ہدایت دی تھی کہ بہادر خان کے پاس سے اسے الٹے قدموں واپس جانا ہے۔

اس شب عارج کو بہادر خان کی محفل کا ساقی بنایا گیا۔ یاران محفل نے بہادر خان:

کے انتخاب کی خوب خوب داد دی۔

"یہ ہیرا تو تاج شاہی کی زینت بننے کے قابل ہے۔" کسی نے کہا۔

کوئی بولا کہ بہادر خان اسے اپنے بھائی خان زماں کی خدمت میں دے کر اس کا دل جیت سکتا ہے۔

عارج سب کچھ سنتا اور محسوس کرتا رہا۔ میں اسے پہلے ہی آگاہ کر چکی تھی کہ کس طرح بہادر خان کو ہموار کیا ہے! کبھی عارج نے سوچا بھی نہ تھا کہ آدم زادوں کے درمیان رہ کر ایسی صورتحال بھی پیش آ سکتی ہے۔

میں خلوت میں عارج سے ملتی رہی اسے سمجھاتی رہی کہ شاہم بیگ کے جسم میں رہنا ہے تو وہ سب خدمت کے تقاضے پورے کرنے ہوں گے جن کی توقع شاہم بیگ سے اس جیسے دوسرے آدم زاد کرتے ہیں۔

چند ہی روز میں عارج نے اپنی خدمت گزاری سے بہادر خان کو گویا اپنا مطیع بنا لیا۔ بہادر خان کی حویلی سے نکل کر اب عارج کی شہرت خان زماں کی حویلی تک پہنچ گئی تھی۔ عارج نے بھی نئے زمانے' نئے حالات اور ماحول کو بڑی خوبی احسن سے اپنا لیا تھا۔ اس نے بہادر خان کے یہاں آنے جانے والوں سے بھی راہ و رسم بڑھالی۔ ان میں چھوٹے بڑے سبھی تھے۔

تین ہی ماہ کے مختصر عرصے میں عارج نے اپنا رنگ جمالیا۔ اس میں شاہم بیگ کی فطری خصوصیات کو بھی دخل تھا۔ عارج اگر چاہتا بھی تو ان خصوصیات کو نہیں بدل سکتا تھا۔ یہ خصوصیات مثبت نہیں منفی تھیں۔

شاہم بیگ کو سارے ہتھکنڈے اور داؤ پیچ پہلے ہی آتے تھے کہ اپنے جیسے دوسرے لوگوں کو کس طرح بے وقوف بنایا جا سکتا ہے۔ یہ خصوصیات عارج کو بھی اس قالب کے توسط سے ملیں۔ شاہم بیگ کی روح پہلے ہی بیمار تھی' ضمیر پہلے ہی کچل دیا گیا تھا' پھر اسے منافقت' محسن کشی اور سازباز سے کیا عار ہوتی۔

جلد ہی عارج کو شاہم بیگ کی ان منفی و ناگزیر خصوصیات کا پوری طرح علم ہو گیا۔ اس نے ایک شب مجھ سے گلہ کیا۔ "دینار! یہ آدم زاد نوجوان تو عجب نکلا۔ مجھے بتا میں اس کی فطری عادات پر کیسے قابو پاؤں؟"

"تجھے آخر قابو پانے کی تکلیف کیا ہے اے عارج! تو نے شاہم بیگ کے جسم کو اپنایا ہے تو اس کی فطری خصوصیات کو بھی قبول کر۔" میں اسے سمجھانے لگی۔ "سن! جس خاک سے شاہم بیگ کا خمیر اٹھا ہے' وہ خاک اب اس سے تقاضا طلب ہے کہ جو کچھ دنیا نے اسے دیا ہے' لوٹا دیا جائے۔ اے عارج! نہ گھبرا کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔"

پھر عارج وہی کرتا رہا جو میں کہتی رہی۔ میں نے یہ بات بھی محسوس کر لی تھی کہ بہادر خان کی حویلی میں بھی اب عارج کا جی نہیں لگتا تھا۔ یکسانیت آدم زادوں ہی کو نہیں ہم جنات کو بھی گراں گزرتی ہے۔ بہادر خان اسے حویلی سے نکلنے نہیں دیتا تھا۔ اس کے باوجود حویلی سے باہر کی ایک ایک خبر اسے مل جاتی۔ حویلی میں اس کا سکہ چلتا تھا اور سارے ہی ملازمین اس کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگے رہتے تھے۔ اسے بادشاہ سے متعلق خبروں کی کھوج رہتی۔ بادشاہ کو کیا پسند ہے! کیا ناپسند؟ وہ کس بات پر خوش ہوتا ہے کس سے ناخوش؟ اس کے پسندیدہ رنگ کون سے ہیں' وہ کون سی خوشبو پسند کرتا ہے؟ وہ کس مزاج کا ہے اور اس کے کیا مشاغل ہیں؟ غرض کہ وہ ایک ایک بات کرید کرید کر پوچھتا اور اسے گرہ میں باندھ لیتا۔ وہ شاہم بیگ کو بادشاہ وقت تک پہنچانا چاہتا تھا۔

بادشاہ کی شخصیت میں عارج کی دلچسپی بہادر خان سے بھی چھپی نہ رہ سکی۔ وہ ایک دن عارج پر خفا ہو گیا' غصے میں کہنے لگا۔ "شاہم! اپنی اوقات سے آگے نہ بڑھ ورنہ منہ کے بل گر پڑے گا۔"

میں وہیں موجود تھی۔ عارج کو میں نے زیر لب مسکراتے دیکھا' پھر اس نے پرسکون آواز میں کہا۔ "حضور کو اس نمک خوار کی طرف سے کسی نے ورغلایا ہے۔ ورنہ یہ در چھوڑ کر کہیں اور جانے سے حضور کا یہ غلام مر جانا بہتر سمجھتا ہے۔ حضور کے پیروں کی خاک خادم کیلئے آنکھوں کا سرمہ ہے۔"

بہادر خان کے چہرے کا تناؤ ختم ہو گیا اور وہ نرم لہجے میں بولا۔ "تو پھر کیا بات ہے جو تو ظل سبحانی کی جستجو میں لگا رہتا ہے؟"

"کیا حضور ظل سبحانی کے مزاج آشنا نہیں ہیں؟"

"ہاں ہیں! ہیں کیوں نہیں' ہم سے زیادہ ظل سبحانی کا مزاج دان کون ہو گا۔" بہادر خان کا سینہ فخر سے پھول گیا' بولا۔ "مگر تجھے اس سے کیا؟"

'' اگر حضور کے غلام بھی اس سے آگاہ ہوں تو حضور کی عزت میں چار چاند لگیں گے۔ لوگ کہیں گے حضور کے غلام بھی ذہانت و فراست میں کسی امیر سے کم نہیں۔ عارج نے بہادر خان کو بے وقوف بنایا۔

'' تو بہت ہوشیار ہو گیا ہے شاہم' اور مجھے اس سے ڈر لگتا ہے۔'' یہ کہہ کر بہادر خان اسے سمجھانے لگا کہ وہ ادھر ادھر کی باتوں پر کان نہ دھرا کرے۔

بہادر خان' عارج کو اپنی دانست میں سمجھا کر چلا گیا تو میں نے اپنے اوپر سے اندھیرے کی چادر اتار دی۔ میں ظاہر ہوئی تو عارج بولا۔ '' دینار! میں اب اس حویلی میں نہیں رہوں گا بلکہ بہتر یہ ہے کہ میں بغداد لوٹ جاؤں۔ زیادہ سے زیادہ یہی تو ہو گا کہ وہ عفریت مجھے مار ڈالے گا تو مار ڈالے!''

'' ارے ارے' یہ تو کیا کہہ رہا ہے اے عارج؟'' میں اس کی بات سن کر پریشان ہو گئی۔

'' ٹھیک کہہ رہا ہوں میں اے دینار! مجھے مر جانے دے۔'' عارج کے لہجے میں اداسی تھی۔

'' اے عارج! مجھے بتا تو سہی کہ آخر تجھے ہوا کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔ مجھے اندازہ ہونے لگا کہ حقیقت وہ نہیں جو عارج ظاہر کر رہا ہے۔

'' ایسی زندگی کا بھلا کیا فائدہ جو تیرے بغیر گزرے دینار!'' عارج نے سرد آہ بھری۔

'' میں تجھ سے جدا کب ہوں'' میں نے بھی اسے '' غوطہ'' دیا۔

'' تیری انہی باتوں نے تو مجھے مار رکھا ہے۔'' عارج کو عشق کا شدید دورہ پڑا تھا۔ ایسے عالم میں اداسی غالب آ ہی جاتی ہے۔ اس مسئلے کا مجھے ایک ہی حل سوجھا جو میں نے عارج پر ظاہر کر دیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے کہا۔ '' مجھے منظور ہے۔ بتا بادشاہ وقت تک پہنچنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟''

'' مجھے لگتا ہے عارج کہ یہ تو نہیں شاہم بیگ بول رہا ہے۔''

'' مجھ میں اور شاہم بیگ میں فرق بھی کیا ہے؟'' عارج بولا۔

'' تو پھر سن کہ بادشاہ ہمایوں تک پہنچنے کی راہ کس طرح تو ہموار کر سکتا ہے!'' میں

نے کہا۔ '' اس کیلئے تجھے ملا پیر محمد کو سیڑھی بنانا ہو گا۔'' عارج میری بات توجہ سے سننے لگا۔

اسی رات میرے ایما پر عارج' احمد یار خان سے ملا جو دراصل بہادر خان کے مخالف گروہ کا آدمی تھا۔

بڑی مشکل سے عارج نے احمد یار خان کو رام کیا۔ وہ بڑا گھاگ' عیار اور منافق آدم زاد تھا۔ ایک طرف تو وہ بہادر خان سے ملتا رہتا' دوسری جانب اس کے مخالف گروہ سے ساز باز رکھتا۔ حقیقتاً وہ ملا پیر محمد کا آدمی تھا اور ملا پیر محمد کو دربار میں بڑی عزت حاصل تھی۔ میں نے عارج کو اسی لیے یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ ہمایوں تک پہنچنے کی خاطر ملا پیر محمد پر جال پھینکے۔

بہادر خان اور سپہ سالار خان زماں دونوں بھائی' بادشاہ ہمایوں کے وزیر بیرم خان کے گروہ میں شمار ہوتے تھے۔ ملا پیر محمد بیرم خان کے مخالف گروہ کا سرغنہ سمجھا جاتا تھا۔ ملا نے دربار کے دوسرے بااثر امیروں کو اپنا ہم نوا بنا لیا تھا۔ حالات ایسے تھے کہ ہمایوں امیروں کے درمیان نفاق نہیں چاہتا تھا۔

امیروں کے دونوں ہی گروہوں میں ایسے افراد تھے جنہوں نے ہمایوں کیلئے بڑی قربانیاں دی تھیں۔ کسی گروہ کو بددل کرنا اسے مقصود نہ تھا۔ یوں بھی پے در پے تلخ واقعات اور ناموافق آب و ہوا نے ہمایوں کے مزاج پر برا اثر ڈالا تھا۔ اسے کابل کی آب و ہوا راس تھی۔ اسی سبب ہندوستان آ کر وہ بیمار رہنے لگا تھا۔ آگرہ آنے پر بھی وہ کچھ چڑچڑا رہتا تھا۔

ہمایوں کے مزاج کی تیزی و تلخی کو کم کرنے کی غرض سے اور خود اپنے مفادات کی تکمیل کیلئے بعض بدخواہوں نے اسے افیون کھانے کی لت ڈال دی۔ رفتہ رفتہ وہ افیون کا عادی ہو گیا۔ افیون کی پینک میں اس کے زیادہ تر اوقات خلوت میں گزرنے لگے اور دربار داری چھوٹ گئی۔ ظاہر ہے کاروبار حکومت پر اس کا اچھا اثر نہیں ہوا۔ ان حالات میں ہمایوں کے مخالفوں کو خوب کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔

یہ آدم زاد بھی خوب ہیں کہ اپنے ہی محسنوں کو اذیت پہنچانے اور ان کی مخالفت کرتے ہوئے انہیں ذرا شرم نہیں آتی۔ ملا پیر محمد بھی ایسے ہی بے شرموں میں سے تھا۔ خان خاناں بیرم خان کا وہ مخالف ملا پیر محمد خود خان خاناں ہی کا پروردہ تھا۔

دکن کا وہ بوڑھا عالم جلا وطن ہو کر بھٹکتا بھٹکتا خان خاناں بیرم خان کی خدمت میں آیا اور کتب خانے کا داروغہ مقرر ہو گیا۔ خان خاناں ہی کے ذریعے دربار میں اسے امارت کا

منصب مل گیا تھا۔ اب وہی ملا خان خاناں کے خلاف تھا۔ وہ اپنے محسن کے مخالفوں کا ہم پیالہ ہم نوالہ بنا ہوا تھا۔ وہ نا صرف خان خاناں کے خلاف بادشاہ کے کان بھرتا رہتا بلکہ اس کے حلیفوں کو بھی نیچا دکھانے کا کوئی موقع نہ چھوڑتا۔ شاہم بیگ کے بارے میں اس نے بھی سنا اور پھر ایک تیر سے دو شکار کرنے کا فیصلہ کیا۔ شاہم بیگ کو اگر وہ اپنے توسط سے بادشاہ کی خدمت میں دے دیتا تو خوشنودی حاصل ہوتی اور دوسری طرف بہادر خان تلملا کر رہ جاتا۔

ابتدا میں مجھے یہ غلط فہمی تھی کہ میں نے عارج کے ذریعے اس محسن کش پر کمند پھینکی ہے' مگر پھر پتہ چلا کہ حقیقت اس کے برعکس ہے وہ تو خود شاہم بیگ کی فکر میں تھا۔ غلاموں' خدمت گاروں اور خوبصورت کنیزوں کو عہدوں اور مناصب کیلئے صدیوں پہلے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ سینکڑوں صدیاں آگے پہنچ جانے کے باوجود میں نے اسی سیاست کا مشاہدہ کیا اور مجھے اس پر دکھ ہوا۔

ملا پیر محمد کے اشارے پر احمد یار خان' شاہم بیگ (عارج) کو جان کر پر چار رہا تھا۔ جب اس نے عارج کی مرضی بھی پائی تو معاملہ گویا آسان ہو گیا۔ پھر بھی اس نے بڑے صبر اور احتیاط سے کام لیا کہ کہیں بہادر خان اس کی طرف سے بدک نہ جائے۔ ایک شب وہ شاہم بیگ کو حویلی کے عقبی دروازے سے نکال لے گیا اور ملا پیر محمد کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ اسے خبر نہیں تھی کہ جسے وہ شاہم بیگ سمجھ بیٹھا ہے وہ ایک جن ہے' عارج!۔

عالموں سے ہم جنات بھاگتے ہیں' لیکن انہی علماء سے جو باعمل ہوں' جن کے دل میں کوئی کھوٹ نہ ہو اور جو اپنے محسنوں کو دھوکا نہ دیں۔ ملا پیر محمد ان صفات کا حامل نہ تھا۔ مجھے اسی لئے اس سے کوئی خوف محسوس نہیں ہوا۔ ان عالموں کے علاوہ عاملوں یعنی کوئی عمل پڑھنے کا عمل بالکل الگ ہے۔ یہ فریبی' جھوٹے اور دغاباز بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کی ایک مثال بصرہ شہر کا ''حضرت جی'' ہے میں اس کا ذکر پہلے کر چکی ہوں' سو کھلا یہ کہ سچ مچ کے عالموں سے ہماری ہوا خراب ہوتی ہے اور جعلیوں کو ہم اپنی انگلیوں پر نچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ذکر تھا ملا پیر محمد کا جو جعلی ہونے کے باوجود بڑا ''کائیاں بالک'' تھا۔ اس کی عمر مشکل سے ساٹھ سال ہو گی۔ بالک ہندی زبان میں بچے کو اور کائیاں چالاک کو کہتے ہیں۔ ہم جنات کے نزدیک سو سال تک کی عمر کے آدم زاد اسی بنا پر بالک ہی کہلاتے ہیں۔ سو اس ''چالاک بچے'' ملا پیر محمد نے عارج کو دیکھ کر اپنی دستار درست کی' بولا۔ ''بہت خوب۔''

''خادم اپنی جان پر کھیل کر اسے بہادر خان کی حویلی سے نکال کر لایا ہے۔'' احمد یار خان نے اپنی کارکردگی کی داد چاہی۔

پیر محمد مسکرایا۔ ''ہم جانتے ہیں۔ تمہیں تمہاری خدمت کا صلہ ضرور ملے گا۔''

احمد یار خان نے جھک کر کہا۔ ''حضور کی نظر کرم ہی خادم کی محنت کا صلہ ہے۔''

ملا پیر محمد اس کی بات سنی ان سنی کر کے بولا۔ ''تم نے اس کے متعلق جو کچھ کہا تھا احمد یار خان' ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب یہ یہاں سے واپس نہیں جائے گا۔''

عارج اب تک خاموش کھڑا ہوا تھا' چند لمحے بعد بول اٹھا۔ ''یہ غلام بھی بارگاہ عزت مآب میں کچھ عرض کرنے کی اجازت کا خواستگار ہے۔''

ملا پیر محمد نے رعونت سے کہا۔ ''اجازت ہے۔''

عارج سنبھلا اور احتیاط سے بولا۔ ''یہ غلام بھی واپس جانے کا آرزومند نہیں بلکہ حضور کے در کی گدائی کا طالب ہے۔''

یہ فقرہ سن کر ملا پیر محمد نے عارج کے انسانی قالب شاہم بیگ کو غور سے دیکھا۔ اس وقت عارج پر شاہم بیگ کی منفی فطرت غالب تھی۔ ایک بے ضمیر کی نگاہیں دوسرے بے ضمیر سے ملیں۔ ایک محسن کش نے دوسرے محسن کش کو دیکھا اور پہچان لیا۔

کچھ توقف کے بعد ملا پیر محمد نے شاہم بیگ کو مخاطب کیا۔ ''ہم تمہاری لیاقت اور سوجھ بوجھ سے بہت خوش ہوئے۔ اگر تم ہمارے وفادار رہے تو اس کا صلہ پاؤ گے ورنہ پچھتاؤ گے۔ اس بات کو گرہ میں باندھ لینا کہ ہم قصورداروں کو معاف کر دینے کے عادی نہیں ہیں۔ ہماری وجہ سے تم جن بلند درجات پر پہنچنے والے ہو اسے ہمیشہ نظر میں رکھنا۔ جو چلنا سکھاتا ہے' جو بلندی تک پہنچاتا ہے' وہ راہ کھوٹی بھی کر سکتا ہے اور بلندی سے گرا بھی سکتا ہے۔ اسے ہماری دھمکی نہ جاننا' ہم نے جو کچھ کہا ہے حقیقت پر مبنی ہے اور وقت آنے پر تمہیں خود اس کا تجربہ ہو جائے گا۔''

میری پوری توجہ عارج پر تھی جسے شاہم بیگ کی منفی عادات نے مغلوب کر رکھا تھا۔ شاہم بیگ کے اندر ایک پیکار جاری تھی۔ اگر عارج کو اس قالب میں نہ رہنا ہوتا تو شاہم بیگ کے سارے کس بل میں چند لمحوں میں نکال دیتی۔ میری مجبوری عارج تھا' میری مجبوری اور شاید میری زندگی بھی۔

ملا پیر محمد کی بات کے جواب میں عارج نے انتہائی لجاجت اور خاکساری سے اپنی فرماں برداری کا اظہار کیا۔ آج تک اس سے ایسی باتیں بہادر خان نے کبھی نہیں کی تھیں۔ یہ بوڑھا گدھ بہادر خان سے قطعی مختلف تھا۔

عارج کے اظہار فرماں برداری کے بعد ملا پیر محمد بولا۔ ''ہمیں بہادر خان جیسا نہ سمجھنا۔ ہم مطلوب تو ہو سکتے ہیں' طالب نہیں' ہمیں یقین ہے نوجوان کہ تم ہماری بات کی تہ تک پہنچ گئے ہو گے۔''

عارج واقعی ''بوڑھے'' کی بات تک پہنچ گیا۔ اس نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ ملا پیر محمد زاہد خشک ہے۔

وہ شب عارج نے ملا پیر محمد کی حویلی میں بسر کی اور پھر صبح ہوتے ہی اس کا ''خواب'' پورا ہو گیا۔

میں نے اس رات عارج کو ہمایوں کے بارے میں بہت سی نئی باتیں بتائی تھیں۔ اس لئے وہ بہت خوش تھا۔

ہمایوں کو ستاروں کے علم سے بڑا گہرا شغف تھا اور یہ بات اب عارج کو بھی معلوم تھی۔ ہفتے کے ساتوں دن ہمایوں' اس کے امراء اور خاص متعلقین اسی رنگ کا لباس پہنتے جو رنگ اس دن سے منسوب ہونے والے ستارے کا ہوتا تھا۔ لباس کے انتخاب میں عارج نے میرے ایما پر اس کا خیال رکھا۔ اس نے اپنے انسانی قالب کو بھی اس خوشبو میں بسایا جو ہمایوں کو عزیز تھی۔ وہ اسی دن کیلئے کئی روز سے تیاری کر رہا تھا۔ جب وہ پوری طرح کیل کانٹے سے لیس ہو کر ملا پیر محمد کے پاس پہنچا تو وہ آدم زاد بوڑھا اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

ملا پیر محمد نے عارج کی ذہانت کا اعتراف کرنے میں بخل میں کام نہ لیا' مگر اس اعتراف کا بھی ایک الگ انداز تھا۔

''اے شاہم بیگ!'' ملا پیر محمد' عارج سے مخاطب ہوا۔ ''تو وہ فتنہ ہے جس سے ظل سبحانی کا بچنا بھی محال ہے۔''

عارج یہ توصیفی کلمہ سن کر مسکرایا اور کہا۔ ''حضور یہ کہہ کر غلام کی عزت افزائی کر رہے ہیں۔''

ادھر تو ملا پیر محمد' عارج کو ساتھ لے کر شاہی محل کی طرف روانگی کی تیاریاں کر رہا تھا'

ادھر بہادر خان کا صدمے سے برا حال تھا' خود ملا پیر محمد کے کہنے پر احمد یار خان نے یہ اندوہ ناک خبر صبح ہی صبح اسے پہنچائی تھی۔ ملا پیر محمد بہادر خان کو ذہنی اذیت میں مبتلا کرنا چاہتا تھا اور یہ مقصد پورا ہو گیا تھا۔

بہادر خان کو ''شاہم بیگ'' کی بے وفائی پر تو ملال تھا ہی' مگر زیادہ صدمہ یہ تھا کہ خود اس نے ایک سنہری موقع گنوا دیا۔ وہ خود ''شاہم بیگ'' کو لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور یوں اس کا تقرب حاصل کر لیتا۔ یہ سوچتے ہوئے بہادر خان بھول گیا کہ وہ ملا پیر محمد نہیں ہے۔

بہادر خان تڑپا اور تلملاتا رہا۔ عارج سے متعلق میں ہر آدم زاد پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ ایک جن زادی کیلئے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا کہ لمحوں میں کہیں اور پہنچ جائے۔

بہادر خان چشم تصور سے ملا پیر محمد ''شاہم بیگ'' کو ہمایوں کے رو بہ رو دیکھتا رہا۔ حقیقتاً بھی عارج اور ملا پیر محمد دونوں اس وقت ہمایوں کے سامنے باادب کھڑے تھے۔

ہمایوں نے افیون کی پینک میں ہونے کے باوجود عارج کے انسانی پیکر کو نظر بھر کر دیکھا۔ ملا پیر محمد پہلے ہی ''شاہم بیگ'' کا قصیدہ پڑھ چکا تھا۔ ''ظل سبحانی! یہ بڑا باادب خدمتگار ہے۔ حضور اسے اپنی خلوت میں باریابی کی اجازت مرحمت فرمائیں گے تو ضرور اسے اپنے خادم خاص کا منصب عطا کر دیں گے۔''

''ہم اسے اپنی خدمت میں قبول کرتے ہیں۔'' ہمایوں نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی آواز نشے کے سبب بوجھل تھی۔

عارج کا دل مسرت و شادمانی سے دھڑکنے لگا۔ اسے منزل مل گئی تھی۔ وہ اپنے انسانی قالب کو اسی ''بلندی'' تک تو پہنچانا چاہتا تھا۔ دراصل بلندی و پستی کے معیار آدم زادوں کے نزدیک مختلف ہیں۔ ہم جنات کا ان سے متفق ہونا چنداں ضروری نہیں۔ عارج کی خوشی درحقیقت اس کی نہیں تھی۔ شاہم بیگ کی فطرت اس پر حاوی تھی۔ اس کے سامنے ہندوستان کا تاجدار آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ وہ جس کی زبان سے ادا ہونے والا ہر لفظ قانون کا درجہ رکھتا تھا۔ سینکڑوں صدیوں کا فرق اپنی جگہ مگر دنیائے عرب میں خلیفہ المہدی کا حکم بھی قانون کا درجہ رکھتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ بغداد کی ایک قریبی آبادی فلوجہ میں کچھ ''باغیوں'' نے شرارت کی۔ خلیفہ کے علم میں جب یہ بات آئی تو وزیر ابو عبداللہ ''باغیوں'' کی سرکوبی کے

احکام دے چکا تھا۔

خلیفہ المہدی جہاں بعض معاملات میں سخت گیر مشہور تھا' وہیں رحم دل بھی تھا۔ شرپسندوں کیلئے وہ سخت گیر اور بے گناہوں کیلئے سپر تھا۔ اپنے طور پر خلیفہ المہدی نے ان ''باغیوں'' کے متعلق تفتیش کرائی تو پتا چلا کہ وہ لوگ بے گناہ ہیں۔ ان کا قصور حاکم فلوجہ کی نظر میں یہ تھا کہ وہ اپنے بنیادی حقوق کیلئے صدائے احتجاج بلند کررہے تھے۔

پھر اس سے پہلے کہ ان ''باغیوں'' کی سرکوبی کے وزارتی احکام پر عمل ہوتا' خلیفہ المہدی کا حکم فلوجہ پہنچ گیا۔ خلیفہ المہدی کے نزدیک وہ ''باغی'' حق پر تھے۔ سو انہیں سزا کے بجائے انعام واکرام سے نوازا گیا۔

یہ واقعہ میں نے اس لیے بیان کیا کہ اس کی چشم دید گواہ ہوں۔ خلیفہ المہدی یا کسی بھی آدم زاد حکمران سے میری کوئی رشتہ داری نہیں رہی کہ میں ناحق اس کی رحم دلی کے قصے سناتی پھروں۔ مغل تاجدار ہمایوں کو بھی میں نے جس حال میں دیکھا' بیان کردیا۔

ہندوستان کے فرماں روا ہمایوں نے ''شاہم بیگ'' کو شرف قبولیت بخش دیا' یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اس پر میں نے عارج کو مبارکباد دی۔

''مگر دینار' تیرے بغیر تو شاہی محل میں بھی میرا دل نہیں لگے گا۔'' عارج کہنے لگا۔

''کیا تیرے لیے شاہی محل میں کنیزیں' خواصیں اور خادمائیں نہیں؟'' میں نے دانستہ چبھتی آواز میں کہا۔

''لیکن تجھ سا کوئی کہاں۔''

''کوئی بھی کسی جیسا نہیں ہوتا' پاگل نہ بنا مجھے اے عارج!...... شاہم بیگ کے جسم میں رہ کر تو بگڑتا جارہا ہے۔''

''دینار! یہ ذمے داری بھی تو تجھی پر عائد ہوتی ہے۔''

''نہیں!'' میں نے انکار کردیا۔ ''اس عفریت دہموش کے خوف سے تیری ہی تو عقل ماری گئی تھی تو ہی تو لپک کر شاہم بیگ کے جسم میں گھس گیا تھا۔''

''خیر اب جو ہوگیا' اسے بدلا تو نہیں جاسکتا۔'' عارج نے کہا۔ ''مجھے کسی آدم زاد کے اندر تو پناہ لینی تھی!۔''

''یہ کوئی ضروری نہیں تھا۔ اس کا ثبوت میں خود ہوں۔ ابھی تک میں کسی آدم زادی

کے جسم میں نہیں اتری' پھر بھی اللہ کے فضل سے آزاد گھوم رہی ہوں۔ اس عفریت نے اب تک میرا کچھ نہیں بگاڑا جبکہ تو بھی جانتا ہے کہ اس کی اصل دشمنی مجھ سے ہے' تجھ سے نہیں۔''

''غلط!''

''وہ کس طرح اے عارج!''

''اس عفریت کی اصل دشمنی مجھ سے ہے...... تجھے تو وہ دل و جان سے چاہتا ہے۔'' عارج نے بھی جوابی کارروائی کی۔ ''اس کا رقیب میں ہوں...... میں!''

عارج نے یہ بات سینے پر ہاتھ مار کے اس طرح کہی میری ہنسی چھوٹ گئی۔

''کیوں ہنس رہی ہے تو؟''

''تیری حماقت پر!...... کیا رقیب ہونا بھی کوئی فخر کی بات ہے؟''

''میرے لیے ہے فخر کی بات!''

''پھر بول میں کیا کروں! اچھا اب تو سوجا! کیا خبر تیرا آقا ہمایوں صبح ہی صبح تجھے طلب کرلے!...... ایک بات تجھے بتاؤں اے عارج! حکمرانوں کے ساتھ رہنا تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔ تجھے بے حد چوکنا رہنا ہوگا۔'' میں اسے دیر تک سمجھاتی رہی۔

عارج کو سمجھانے بجھانے ہی کا یہ اثر تھا کہ ہمایوں جیسے متین اور سنجیدہ بادشاہ کا دل اس نے خدمت گزاری سے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ کچھ عرصہ عارج شب و روز دل و جان سے ہمایوں کی خدمت کرتا رہا' مگر پھر آزمائش میں پڑ گیا۔ اس کے انسانی قالب میں دوبارہ ایک جنگ چھڑ گئی تھی۔ شاہم بیگ کی فطری کج روی نے پر پرزے نکالنے شروع کردیے تھے۔ عارج بے بس نظر آنے لگا۔ شاہم بیگ کی سرشت رنگ لانے لگی۔

☆......☆......☆

اصل سے خطا نہیں کم اصل سے وفا نہیں اور شاہم بیگ کم اصل تھا۔ اس نے جن امراء اور منصب داروں سے تعلقات بڑھائے ان میں بہادر خان کا بھائی اور مغل افواج کا سپہ سالار خان زمان پیش پیش تھا۔

ایک شاہم بیگ ہی کیا، اگر کوئی بلی کا بچہ بھی حکمران وقت ہمایوں کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا تو یہ لالچی آدم زاد اس کے آگے پیچھے بھی اپنی اپنی دمیں ہلاتے نظر آتے۔ شاہم بیگ تو پھر آدم زاد تھا۔

امراء کو ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی ''ہوس'' نے جیسے دیوانہ کر دیا۔ جسے دیکھو ''شاہم، شاہم'' کی رٹ لگاتا۔ اسی وجہ سے شاہم بیگ کا دماغ اور خراب ہو گیا۔ امراء کے درمیان اس ''مقابلے'' سے اس نے پورا فائدہ اٹھایا۔

ایک روز میں نے عارج سے بات کی۔ ''بہت ہو گیا اے عارج! تو نے اپنی بہت کر لی، بہتر ہے کہ اب تو شاہم بیگ کو حد سے تجاوز نہ کرنے دے۔'' میری آواز میں ناگواری تھی۔

''میں تو خود تنگ ہوں دینار! تو ہی کوئی ایسی تدبیر بتا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔''

عارج کی بات سن کر مجھے غصہ آنے لگا۔ میں نے سوال کیا۔ ''تو سانپ ہے یا لاٹھی؟''

''دونوں ہی سمجھ لے مجھے!'' عارج کی آواز اس لمحے مجھے بدلی بدلی سی لگی۔

مجھے گمان بھی نہ تھا کہ زندگی کبھی کوئی ایسا دن بھی دیکھنا پڑے گا جب عارج پر شیطان اس قدر غالب آ جائے گا۔ کہتے ہیں کہ غصہ اور عشق دونوں عقل خبط کر دیتے ہیں۔ سو میری عقل بھی کہیں گھاس چرنے چلی گئی۔ میں نے یہ سوچا ہی نہیں کہ عارج پر وہ آدم زاد

بھاری پڑ رہا ہے جس کے جسم کو جن زاد عارج نے اپنا عارضی ٹھکانا بنالیا ہے۔ اس کے بجائے عارج سے میں خفا ہوگئی۔

''اے عارج! تو جو چاہے کر، میری طرف سے تجھے پوری آزادی ہے۔'' میں اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے بولی۔

''تو کتنی اچھی ہے دینار!'' عارج نے کہا۔

دوسرے لمحے میں نے اندھیرے کی چادر اوڑھ لی اور ہمایوں کے شاہی محل سے نکل آئی۔ میں خود کو بہت خالی خالی سا محسوس کر رہی تھی جانے کب میں روتے لگی۔

''وہ...... وہ کیا...... کیا سمجھتا ہے!...... میں کیا اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی!'' میں بڑبڑائے جا رہی تھی۔

مجھے خبر نہیں کہ کب تک میری یہی کیفیت رہی۔ کئی روز تک میں نے عارج کو دیکھا تک نہیں۔ پھر مجھے خیال آیا، دیکھوں عارج کو بھی میری کمی کا احساس ہے یا نہیں۔

میں یہی دیکھنے کیلئے ہمایوں کے محل میں داخل ہوئی۔ اندھیرے کی چادر میں اب بھی میرا وجود عارج کی نظروں سے اوجھل رہا۔ ہمایوں کے حکم پر محل ہی کا ایک حصہ عارج کے انسانی قالب شاہم بیگ کی سکونت کیلئے وقف کر دیا گیا تھا۔

عارج کو اب شاہی مقربوں میں شامل کر لیا گیا تھا۔ اس کی حیثیت کے پیش نظر بہادر خان نے تعلقات دیرینہ کا واسطہ دے کر عارج سے دوبارہ رسم و راہ پیدا کر لی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ عتاب شاہی سے بچنا چاہتا تھا۔ عارج اس کیلئے کسی بھی بری گھڑی آنے کا سبب بن سکتا تھا۔

شاہم بیگ کو میں نے عارج پر غالب دیکھا۔ میرا عارج اپنے انسانی پیکر میں ایسا گم ہوا تھا کہ مل ہی نہیں رہا تھا۔ سو میں نے عارج کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ پھر بھی میں نے اس کے انسانی پیکر کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھی۔

☆......☆......☆

شاہم بیگ اپنے برے وقت کے دوستوں اور دشمنوں کو بالکل نہیں بھولا تھا مگر اس کے دوست کم اور دشمن زیادہ تھے۔ اس نے دوستوں کو خوب خوب نوازا اور دشمنوں سے بھرپور انتقام لیا۔ کسی کی کھال کھنچوا دی، کسی کو برسر عام کوڑے لگوائے، کسی کی گردن مروا دی، کسی کو قید کرا دیا اور کسی کو اتنا ذلیل و رسوا کیا کہ اس نے خودکشی کر لی۔ شاہم بیگ کے انہی [illegible]

میں وہ بوڑھا زمیندار بھی تھا جس کے ہاتھوں قتل ہوتے ہوتے وہ بچ کر بھاگا تھا' پھر بھوکا پیاسا مغل سپاہیوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔

سنبھل کا عبدالرحمٰن بھی شاہم بیگ کو یاد تھا جو غریب ہونے کے باوجود دل کا غنی تھی۔ ایک موقع پر عبدالرحمٰن نے اس کی جان بچائی تھی اور اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔ اس کے دوستوں میں بس ایک عبدالرحمٰن ہی رہ گیا تھا جس سے اب تک ملاقات نہ ہو سکی تھی۔

شاہم بیگ آج کل بہت مصروف شب و روز گزار رہا تھا۔ لگتا تھا کہ عارج کو اس نے مغلوب کرنے کے بعد اپنے قالب میں قیدی بنا لیا تھا یا اسے بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا۔ عارج سے اب میرا کوئی رابطہ نہیں تھا۔ میں اس سے ناراض تھی اور اپنوں ہی سے ناراض ہوا جاتا ہے۔ مجھے ناراضی کا حق تھا۔

اپنے مصروف شب و روز کی وجہ سے نہ تو خود وہ سنبھل جا سکا نہ اپنا کوئی قاصد بھیج کر اسے آگرے بلوا پایا۔ جو لوگ شاہم بیگ کے انتقام کا شکار ہوئے۔ ان میں سے بالواسطہ کچھ کی پہنچ امراء تک بھی تھی۔ شاہم بیگ کی شکایتیں وہاں تک تو پہنچ گئیں مگر بادشاہ تک نہ پہنچیں۔ کوئی امیر' بادشاہ کے مزاج شناس خادم خاص کی دشمنی مول لینے پر آمادہ نہ ہوا۔

اس سے شاہم کا حوصلہ اور بڑھ گیا۔ وہ اب محل سے نکل کر بے روک ٹوک جہاں چاہتا آتا جاتا۔ وہ شہزادوں کی سی زندگی گزار رہا تھا۔ اب اس کی آمد و رفت سپہ سالار افواج خان زماں کی حویلی میں بھی پہلے کی نسبت بڑھ گئی تھی۔ خان زماں کا خیال تھا کہ بادشاہ ہمایوں تک کوئی بات پہنچانے یا خود پہنچنے کیلئے شاہم بیگ سے زیادہ کوئی اور ''مختصر راستہ'' نہیں۔ شاہم کی آمد کا بڑا سبب خان زماں کی ایک حسین کنیز دل آرام تھی۔ دل آرام نہایت خوبصورت' نوجوان و نوخیز کنیز تھی۔ اب تک شاہم بیگ صرف دو تین بار ہی اس کی جھلک دیکھ پایا تھا۔ اس حسین اور نازک اندام کنیز پر شاہم بیگ کا دل آ گیا تھا۔

یہ ایسا معاملہ تھا جو مجھ سے برداشت نہ ہوا۔ آدم زادیاں بھی اپنی محبت میں کسی کو حصے دار بنانے پر آمادہ نہیں ہوتیں۔ میں نے بہرحال ایک فیصلہ کر لیا جبکہ یہ مشکل فیصلہ تھا۔

ہر چند کہ عارج سے میں انتہائی خفا تھی مگر یہ کس طرح گوارا کر لیتی کہ کوئی آدم زادی اسے اچک لے جائے اور میں جن زادی ہونے کے باوجود تلملاتی رہ جاؤں۔ میں نے سوچا' کچھ بھی سہی عارج تھا تو اسی انسانی قالب میں جسے دوسرے آدم زاد' بادشاہ ہمایوں کا خادم خاص شاہم بیگ کہتے تھے۔

مغل افواج کا سپہ سالار خان زماں بہادر اور شجاع آدمی تھا۔ اس کی مردانگی اور دلیری کے افسانے زبان زد خاص و عام تھے مگر اس کی زندگی کا ایک کمزور پہلو بھی تھا وہ بلا کا حسن پرست تھا۔ اس کی حسن پرستی مریضانہ حد تک جا پہنچی تھی۔ اس کا تصور حسن سب سے الگ اور عجیب تھا۔ وہ اپنی دانست میں بڑی بے لاگ اور کھری باتیں کرتا مگر یہ ساری باتیں اس کی مریضانہ ذہنیت کی غماز ہوتیں۔ وہ کھلتے پھولوں' دھنک اور دیگر مظاہر قدرت کی مثالیں دیتا' یہاں تک کہ یونانی عظیم فلسفی ارسطو کے تصور حسن پر بحث کرنے لگتا۔ خان زماں بہت پڑھا لکھا شخص تھا۔ اس کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ شاید ہی کوئی امیر دربار اس کی علمیت کے سامنے ٹک پاتا۔

شاہم بیگ اس کی صحبت میں یہ باتیں سنتا تو ان کی گہرائی پر غور کیے بغیر فوراً تائید کرتا۔ اہل محفل میں کسی کی مجال نہ ہوتی کہ شاہم بیگ کی تائید کے بعد کچھ کہتا۔

ہر اہل علم کی طرح خان زماں کو بھی علم کی ناقدری اور سامع نہ ہونے کا گلہ رہتا۔

بہ امر مجبوری ہی لوگ خان زمان کی باتیں سنتے' وہ بھی اس وقت جب خان زماں سے کوئی کام نکلوانا ہوتا۔ خان زماں کے پیچھے یہی لوگ کہتے' وہ بڑی ہی گاڑھی باتیں کرتے ہیں۔ ان سے تو اللہ ہی بچائے۔

کوئی کہتا۔ ''یار۔ے صاحب! اگر میرے بیٹے کی ترقی کا معاملہ نہ ہوتا تو حضور خان زمان کی محفل میں ایک پل نہ بیٹھتا۔''

''یہ آدمی اتنی باتیں کرتے کرتے تھکتا نہیں!'' کوئی حاسد امیر اپنی رائے دیتا۔

ان تمام افراد کے برعکس شاہم بیگ' خان زماں کا بہترین سامع ثابت ہوتا۔ دوسرے آدم زاد' خان زماں کی تقریر سنتے سنتے اونگھنے لگتے مگر کیا مجال جو شاہم بیگ پلک بھی جھپکا لیتا۔

اس پر خلوت میں خان زماں' شاہم بیگ سے کہتا۔ ''شاہم! ہمیں خبر ہے کہ تم سے اچھا کوئی اور سامع نہیں' تمہی..... صرف تمہی ہماری باتیں سمجھتے ہو۔ باقی جو لوگ یہاں آتے ہیں سب جاہل اور خود غرض ہیں۔ ہماری تعریف کر کے وہ ہم سے اپنے اپنے کام نکلوا لیتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ہمیں ان کی خود غرضیوں کی پہچان ہے..... لیکن تم..... تم شاہم بے حد ذہین ہو..... اور کیوں ذہانت نہ ہو تم میں..... آخر ظل سبحانی کے چہیتے خادم ہو۔''

''سب غبی ہیں' تم ذہین ہو شاہم۔'' یہ الفاظ شاہم بیگ کی سماعت میں گونجتے

رہتے۔ غبی ہو کر ذہانت کی سنزل جانا شاہم بیگ کیلئے سودمند ثابت ہوئی۔

ایک روز شاہم بیگ موقع پا کر ایسے وقت خان زماں کی حویلی میں گیا کہ خان زماں وہاں نہ ہو۔ خان زماں اس وقت بادشاہ کے پاس تھا' وہاں سے اس کی واپسی کا جلد امکان نہ تھا۔

میں سب کچھ معلوم کر چکی تھی۔ شاہم بیگ بھی باخبر تھا۔

خان زماں کے علاوہ دیگر امراء کو بھی بادشاہ نے طلب کر لیا تھا۔ جنید برلاس کے انتقال کی اطلاع ہمایوں کو آج ہی ملی تھی۔ وہ شرقی علاقے کے بندوبست پر مامور تھا۔ اس نے پٹھانوں کی ایسی سرکوبی کی تھی کہ اس کے ہوتے کسی پٹھان کو سر اٹھانے کی ہمت نہیں تھی۔

جنید برلاس کی موت کے بعد شیر شاہ فتنہ و فساد برپا کر سکتا تھا اور ہمایوں اسی کو روکنا چاہتا تھا۔ اس نے اسی لیے امیروں کو طلب کیا تھا کہ اس ضمن میں ان سے مشاورت کر سکے۔

ہمایوں کا خادم خاص ہونے کی وجہ سے شاہم بیگ تمام ملکی حالات سے واقف رہنے لگا تھا۔ اسے ایک ایک پل کی خبر رہتی تھی کہ ہمایوں کب اور کیوں کسی امیر سے ملا اور کب وہ کیا اقدام اٹھانے والا ہے۔ امراء کی ایسی مجالس میں حاضری سے شاہم بیگ کو مستثنیٰ قرار دے دیا گیا تھا جن میں ملکی امور سیاست زیر بحث آئیں۔ خود امراء بھی ایسی مجلسوں میں شاہم بیگ کو دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے اور یہ بات ہمایوں سے چھپی نہ تھی۔ وہ ایسے مواقع پر خود شاہم بیگ کو ٹال دیتا۔ یہی وجہ تھی کہ شاہم بیگ بڑے اطمینان سے خان زماں کی حویلی پہنچ گیا۔ وہ دل آرام سے کلام کرنے کا منتظر و آرزومند تھا۔ اس کیلئے یہ موقع بڑا غنیمت تھا۔

شاہم بیگ کو خبر نہ تھی کہ وہ مست ناز' عشوہ و ادا کے ہزار پیکاں لیے ایسے ہی موقع کی منتظر تھی۔

یہی وہ لمحہ تھا کہ جب میں دل آرام کے جسم میں اتر گئی۔ اول اول توقع کے مطابق مجھے گھٹن محسوس ہوئی مگر جلد ہی مجھے قرار آ گیا۔ اس کا سبب یہی تھا کہ دل آرام کا جسم بڑا لطیف تھا۔

طویل عرصے کے بعد عارج اور میں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے' مگر اس طرح جیسے دو اجنبی ہوں۔ آشنائی کی خوشبو اجنبیت کے کرب کو ختم کر دیتی ہے لیکن اسی وقت جب دونوں طرف شعلہ عشق لپک رہا ہو۔ عشق میں دوری نہیں ہوتی' مگر اب ہمارے درمیان شاہم بیگ اور دل آرام کے انسانی قالب تھے۔

شاہم بیگ کی آمد کے بارے میں جب مجھے خبر ہوئی تو میں نشست گاہ کی چلمن سے لگ کر کھڑی ہو گئی' نہ صاف چھپتی تھی نہ سامنے آتی تھی۔ باریک چلمن کے پیچھے ایک شعلہ سا فروزاں تھا۔ شاہم بیگ نے چلمن پر نگاہ جما دی۔ وہ دیوانوں کی طرح ایک ٹک' ایک ہی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

پھر میں ہی عارج سے دل آرام بن کر مخاطب ہوئی۔ عارج نے جو آواز سنی وہ میری نہیں دل آرام کی ہی تھی۔ اسے گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ دل آرام کے بدن میں میں آرام کر رہی ہوں۔

''حضور! عزت مآب عالی مرتبت خان زمان اس وقت حویلی میں تشریف نہیں رکھتے۔'' میں نے نرم آواز میں بتایا۔

''ہمیں معلوم ہے۔'' عارج نے شاہم بیگ کی آواز میں کہا۔ ''مگر کیا ہماری پذیرائی خان زمان کی موجودگی سے مشروط ہے؟''

میں فوراً بولی۔ ''کنیز ہر خدمت کیلئے حاضر ہے۔''

میں نے محسوس کر لیا کہ دل آرام کی شیریں آواز سن کر عارج کی سماعت میں شہد سا گھل گیا ہو گا۔

''ہمیں پہلے ہی خبر تھی کہ اس وقت حضور خان زماں کہاں ہوں گے۔'' عارج سنبھل کر بولا۔ ''ہم اسی لیے اس وقت آئے تھے۔ ہمیں ان سے نہیں کسی اور سے ملنا ہے۔''

''تو حکم دیں' میں خبر کر دوں۔''

''جو خود ہماری خبر سے بے خبر ہے' اسے خبردار کرنے سے حاصل بھی کیا۔''

عارج کا معنی خیز جملہ سن کر میں سوچ میں پڑ گئی۔ کہیں اسے پتا تو نہیں چل گیا کہ دل آرام کے اندر کون بول رہا ہے۔

''اگر حضور اخفا ضروری نہ سمجھیں تو بتا دیں کہ وہ بے خبر کون ہے؟'' میں نے عارج سے دانستہ یہ سوال کیا۔

''وہ بے خبر......'' عارج نے سرد آہ کھینچی' یوں جیسے اس کے سینے میں کوئی تیر ترازو ہو۔ ''وہ......وہ بے خبر تم......تم ہو دل آرام!''

یہ سن کر میں نے سکون کا سانس لیا' وہ پہچان نہیں سکا تھا۔

ابھی میں کچھ کہنے ہی والی تھی کہ کسی کے قدموں کی چاپ ابھری۔

عارج بھی غالباً یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس سلسلے میں خان زماں کو کچھ علم ہو۔

وہ ایک حبشی غلام تھا جو نشست گاہ کے دروازے کے سامنے سے گزرا تھا۔ ہوا سے نشست گاہ کے دروازے پر پڑا ہوا پردہ بار بار اٹھ رہا تھا۔

عارج نے پردہ اٹھنے کی وجہ ہی سے اس حبشی غلام کی جھلک دیکھ لی تھی۔

جب قدموں کی آواز بالکل معدوم ہو گئی تو میں بولی۔ ''کنیز اجازت چاہتی ہے مبادا کوئی کچھ سن لے۔''

یہ الفاظ ادا کرتے ہی میں نے عارج کے دماغ پر توجہ دی وہ سوچ رہا تھا۔ ''دل آرام صرف اخفائے راز چاہتی ہے۔''

''اگر تمہیں کسی کے کچھ سن لینے کا خوف ہے تو خلوت کا بندوبست بھی کیا جا سکتا ہے۔ بس ذرا تمہیں ہمت سے کام لینا پڑے گا۔'' وہ جلدی سے ترغیبی لہجے میں بولا۔

مجھے ناشائستگی محسوس ہوئی۔ میرا جی چاہا کہ اسے ڈانٹ دوں اس بدتمیزی پر۔ پھر اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ چاہنے کے باوجود میں ایسا نہ کر سکی۔

یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ میں گھبرا گئی۔

وہی جو عارج کو ہو چکا ہے' کوئی جیسے میرے وجود میں سرگوشی کرنے لگا۔ تجھ پر اے دینار کنیز دل آرام کی جسمانی کمزوریاں غالب آ رہی ہیں' دل آرام کا انسانی قالب شاہم بیگ کے قالب پر فدا ہو چکا ہے۔

اس انکشاف نے مجھے لرزا دیا۔ میں بھی اس آزمائش سے دوچار ہو چکی تھی جس سے عارج گزر رہا تھا۔ پھر بھی میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے عارج کی بات کے جواب میں کہہ دیا ''نہیں!'' اسکے ساتھ ہی میرے انسانی قالب میں بھی معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔ آدم زاد کو اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے' جنات کو نہیں۔ اسی سبب آدم زاد ہم جنات پر غالب آ جاتے ہیں۔ میرے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔ کنیز دل آرام کا جذبہ عشق قوی تھا' سو میں بے بسی محسوس کرنے لگی۔ میں کہنا کچھ چاہتی' زبان سے کچھ نکلتا۔ اس پر بھی عارج کو بے راہ روی اور گناہوں کی دلدل میں دھنسنے سے بچانے کیلئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ میں دل آرام کے انسانی قالب کو نہ چھوڑتی۔ میں نے ایک فیصلہ کر لیا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

خبر نہیں مجھے کیا کہنا تھا' جو الفاظ بے اختیار میری زبان پر آئے۔ یہ تھے۔

''آپ... آپ کو حضور... کنیز کی جانب سے شاید... شاید کوئی... کوئی غلط فہمی ہو گئی۔ نیز

یہ مقصد ہر...... ہرگز نہیں تھا۔''

''اچھا تو پھر ہم چلتے ہیں۔'' عارج یہ کہتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ میں' خان زماں سے خوفزدہ ہوں۔

''کہیں حضور اس کنیز سے خفا تو نہیں ہو گئے؟'' میں بولی۔

عارج نے چلمن سے نظر ہٹا کر اپنی دانست میں پانسا پھینکا۔ ''ہاں ہم تم سے خفا تو ہیں۔''

''کنیز معافی کی خواستگار ہے۔''

''معافی کی صرف ایک صورت ہے۔'' عارج چلمن کی طرف دیکھ کر مسکرایا' پھر مجھے خاموش دیکھ کر بولا۔ ''درمیان سے حجاب اٹھا دو۔''

وہ قدم قدم اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میرے لیے باعث مسرت یہ بات تھی کہ بہر صورت اب بھی میں ہی اس کی منزل تھی' خواہ ایک آدم زاد کنیز دل آرام کی صورت ہی میں سہی۔ عارج کو بھٹکنے سے بچانے کا یہی ایک راستہ تھا کہ میں دل آرام کے قالب میں رہ کر اسے الجھائے رکھوں۔

واقعہ دراصل یہ ہوا تھا کہ عارج اور میں' انسانی قالبوں کے جیسے اسیر ہو کر رہ گئے تھے۔ ایک عفریت سے زندگی محفوظ رکھنے کیلئے ہم نے ان انسانی قالبوں میں روپوشی اختیار کر لی تھی ورنہ ان سے باہر نکل آنا ہمارے لیے دشوار نہ تھا۔ سو یوں گویا ہم حالات کے جبر کا شکار تھے۔ ان انسانی قالبوں کی منفی صفات و عادات کو بھی ہمیں برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔

عارج کی ترغیب کے باوجود میں بے حس و حرکت چلمن سے لگی کھڑی رہی تو اس کی ہمت اور بڑھ گئی۔ وہ تیز قدمی سے آگے بڑھا اور چلمن اٹھا دی۔

''یہ...... یہ آپ..... آپ حضور!'' میں ہکلا کے رہ گئی۔

عارج اب میرے بہت قریب تھا۔ میں تو اس کے وجود کی مخصوص خوشبو محسوس کر رہی تھی لیکن طویل عرصے تک شاہم بیگ کے انسانی قالب میں رہنے کے بعد عارج اس کا اہل بھی نہیں رہا تھا کہ میرے وجود کی خوشبو کو پہچان لے۔ کوئی دیوانہ یا مخبوط الحواس شخص رشتے میں کسی کا کچھ بھی لگتا ہو' مگر اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنی بیوی یا بیٹی کو پہچانے' زیادتی ہے۔ ایسے لوگ قابل نفرت نہیں' قابل رحم ہوتے ہیں۔

میں اس پر ندامت محسوس کرنے لگی کہ عارج سے خفا ہو گئی تھی۔

اس وقت عارج میرے سامنے ایک آدم زاد کنیز دل آرام کا عاشق بنا کھڑا تھا۔

میری پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔

"تم..... تم دل آرام' واقعی قرار دل و جاں ہو۔" عارج کی آواز جذبات سے بوجھل تھی۔ "کاش تم..... تم ہمارے لیے ہوتیں۔"

اب میں اسے کیسے بتاتی کہ اسی کیلئے تھی۔

وہ مجھے دل آرام جان کر کہے جا رہا تھا۔ "خان زمان یقیناً تمہارے قابل نہیں ہے۔" اگر میں نے عارج کو اپنے انداز و اطوار سے یہ یقین نہ دلا دیا ہوتا کہ اس پر ریجھ گئی ہوں تو خلوت کے باوجود وہ یہ بات نہ کہتا۔

میں نے عارج کی بات کے ردعمل میں خود کو خوفزدہ ہی ظاہر کیا۔ میں ادھر ادھر دیکھنے لگی جبکہ اب وہاں کوئی نہیں تھا۔

"کیا بات ہے' تم بہت ہراساں نظر آ رہی ہو؟" عارج میرے چہرے پر نظر جمائے ہوئے بولا۔ "ذرا نگاہ تو اٹھاؤ! ایک بار ہی سہی' ہم تمہیں جی بھر کے دیکھ تو لیں کہ پھر بھی یہ موقع نصیب ہو نہ ہو۔" یہ کہتے ہی عارج کا ہاتھ آگے بڑھا۔ وہ میرا ہاتھ تھامنا چاہتا تھا۔

میں تیزی سے پیچھے ہٹ گئی اور دانستہ لرزیدہ آواز میں بولی۔ "کوئی کسی بھی لمحے یہاں آ سکتا ہے۔ خدا کیلئے آپ کنیز کا اتنا سخت امتحان نہ لیں۔"

عارج نے چلمن چھوڑ دی اور کہا' "دل آرام! ہم اپنے دل سے مجبور ہو گئے تھے اور یہ ہماری عمر کا تقاضا بھی ہے۔ ہم نے پہلی بار اپنے اندر کسی کیلئے اتنی شدت محسوس کی تھی' اس لیے ہوش کھو بیٹھے تھے۔ تاب نظارہ ہوئی تو ہم بھی کوئی موقع نکال کر آئیں گے۔ خدا حافظ اے قرار شاہم۔" پھر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

میں نے بھی جواب میں اسے "خدا حافظ" کہا۔ عارج نے آواز سنی تو مڑ کر دیکھا۔ میں جان بوجھ کر چلمن کا پردہ اٹھائے کھڑی تھی۔ ہماری نگاہیں ملیں مگر ان میں فرق تھا ایک نگاہ ہوس تھی اور دوسری نگاہ عشق۔ میں تو اس کی نظریں پہچان گئی مگر وہ نہ جان سکا کہ اسے اس محبت سے پکارنے والا کون ہے۔

پھر میں نے چلمن گرا دی اور عارج نشست گاہ سے نکل گیا۔

میں کنیز دل آرام کے قالب سے نکل آئی۔ اب مجھے ہر وقت عارج پر نظر رکھنا تھی۔ دیوانہ دیوانہ ہی ہوتا ہے اور لاعلمی میں اپنی جان بھی دے سکتا ہے۔ اپنے سینے میں خود

اپنے ہاتھوں سے خنجر بھی اتار سکتا ہے۔

میری ذمے داری اب پہلے کی نسبت بڑھ گئی تھی۔

میں خان زمان کی حویلی سے دل آرام کا قالب چھوڑ کر شاہی محل میں پہنچ گئی۔ عارج وہیں گیا تھا۔ اسے میں نے محل کے اسی حصے میں دیکھا جو اس کیلئے مخصوص تھا۔

عارج نے اپنے ایک خدمت گار کو طلب کر کے پوچھا۔ "امراء کا اجلاس ختم ہوا یا نہیں؟"

اس کے ایک خادم نے آ کر کچھ ہی دیر میں اطلاع دی۔ "اجلاس ابھی ختم ہوا ہے اور...... اور حضور......"

پھر خادم نے جو کچھ بتایا اسے سن کر عارج کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"ملا پیر محمد" وہ بڑبڑایا۔ "مگر کیوں؟...... وہ بوڑھا گھاگ مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟"

یہ وہی ملا پیر محمد تھا جس نے عارج کو شاہی محل تک پہنچایا تھا۔ مجھے ملا پیر محمد کے وہ الفاظ یاد آ رہے تھے جو اس نے کبھی عارج سے کہے تھے۔ "جو بلندی تک پہنچاتا ہے..... بلندی سے گرا بھی سکتا ہے۔"

اسی شب عارج کو ملا پیر محمد سے ملنا تھا۔ خادم نے یہی اطلاع دی تھی۔ یہ ملاقات بعد نماز عشا ملا پیر محمد کی حویلی میں ہوئی تھی۔ یہ شام کا وقت تھا۔ عارج نے جب سے شاہم بیگ کا انسانی قالب اپنایا تھا اور اس کی آمد شاہی محل میں ہوئی تھی' وہ غروب آفتاب کے بعد طلوع جام کا عادی ہو چکا تھا۔ اس کے خدمت گاروں نے یہ بندوبست شروع کر دیا۔ ان میں کنیزیں بھی تھیں اور غلام بھی' مگر یہ سبھی زیادہ عمر کے نہیں تھے۔ جوان اور خوبصورت! بادشاہ نے اسے بڑی مراعات دے رکھی تھیں۔ وہ امراء سے زیادہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا تھا اور صرف اس بنا پر کہ بادشاہ کا خادم خاص اور مزاج داں تھا۔ ایک جن زاد ہونے کی حیثیت سے عارج میں فطری طور پر کچھ ایسی صلاحیتیں تھیں جو کسی آدم زاد میں ہونا ممکن نہیں تھا۔ شاہم بیگ کے جسم میں اگر عارج نے اپنا گھر نہ بنایا ہوتا تو یہ مشکل ہی ہوتا کہ شاہم بیگ' بادشاہ کے اس قدر قریب پہنچ جاتا۔

عارج اور شاہم بیگ کی فطری صفات ایک دوسرے سے ٹکراؤ کے باوجود یکجا تھیں اور بلاشبہ یہ بڑی عجیب سی بات تھی۔ میرے خیال میں کہیں کوئی کمی ضرور تھی جو عارج اور میں

اس زمانے میں آ کر آدم زادوں کے جسموں پر مکمل قبضہ نہیں کر پا رہے تھے۔ اس کی وجہ عالم سوما ہی بتا سکتا تھا جو ہم سے سینکڑوں صدیوں پیچھے رہ گیا تھا۔ عرصہ، وقت اور مقام دونوں ہی بدل گئے تھے۔ میں اس لئے حیران تھی کہ ان کے ساتھ ہی عارج بھی بدل گیا تھا۔ مجھے اس کی مجبوری کا علم ہو گیا تو میرا رویہ رحم لانہ ہونے کے ساتھ محتاط بھی ہو گیا۔ عارج پر کڑی نظر رکھنے کی ضرورت تھی۔

محل میں آنے کے بعد عارج کا مزاج بدل گیا تھا۔ اس کی خوش مزاجی جیسے کہیں کھو گئی تھی۔ ممکن ہے یہ بدمزاجی حالات کا تقاضا اور شاہم بیگ کی منفی صفات کا اثر ہو۔ بادشاہ سے قربت کے سبب وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا' ہاں پیر محمد سے اب بھی نظر بچا جاتا تھا۔ اس بوڑھے گھاگ آدم زاد نے عارج سے پہلی ملاقات میں جو کچھ کہا تھا' میں بھولی نہیں تھی۔

پیر محمد کے علاوہ خان خاناں بیرم خان کے سامنے بھی وہ زیادہ نہ پڑتا کیونکہ خود بادشاہ ہمایوں' بیرم خان کی بڑی قدر کرتا تھا۔ ملا پیر محمد اور خان خاناں کے سوا وہ اور کسی سے نہ دبتا تھا۔ سپہ سالار خان زماں سے مراسم کے بعد عارج اور بھی شیر ہو گیا۔ خان زماں بھی بیرم خان ہی کا پروردہ تھا۔ اس منصب تک اسے بیرم خان ہی نے پہنچایا تھا۔ یہ بات بھی عارج کو معلوم ہو چکی تھی۔ وزیر شاہ' بیرم خان کا چہیتا اور ہمایوں کا بااعتماد سپہ سالار پڑھا لکھا' سنجیدہ' بردبار اور متین خان زمان' عارج کے سامنے آ کر جیسے اپنی حیثیت بھول جاتا تھا۔ وہ اپنی عالمانہ گفتگو سننے والے عارج کی بڑی قدر کرتا۔ اس کے علاوہ اسے ہمیشہ یہ خیال بھی رہتا کہ براہ راست ہمایوں تک کوئی بات پہنچانے کا آسان ترین ذریعہ عارج ہی ہے۔ خان زمان اس انسانی کمزوری سے بھی آگاہ تھا کہ ادنیٰ و اعلیٰ سبھی لوگ اپنی خوشامد' تعریف اور چاپلوسی سے خوش ہوتے ہیں۔ عارج کو اپنے قابو میں رکھنے کیلئے اس نے یہی گر اپنایا۔ ایک طرف تو وہ مغل افواج کا سربراہ تھا' دوسری جانب ایک خادم کی قصیدہ خوانی کرتا تھا۔ خان زماں کے مزاج و طبیعت کی اس دورخی نے عارج کا دماغ خراب کر دیا تھا۔ شاید ہی کوئی دن ایسا ہوتا کہ خان زماں اس سے نہ ملتا۔

آج بھی عارج کو توقع تھی کہ اجلاس ختم ہوتے ہی خان زماں اس کے پاس دوڑا آئے گا۔ اسی کے ساتھ عارج کو ملا پیر محمد کی طرف سے بھی فکر تھی مگر اس فکر کو وقتی طور پر اس نے غرق مے ناب کر دیا۔

خان زماں کے بارے میں عارج کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ ادھر عارج کو ملا پیر

محمد کا پیغام ملا ادھر ذرا ہی دیر بعد خان زماں آ گیا۔ عارج نے اسے مسند پر اپنے پہلو میں بٹھایا اور پھر اپنے ہاتھ سے اس کیلئے ساغر میں آتش سیال انڈیلی۔ اس وقت خان زماں کے چہرے پر تردد و فکر کے آثار تھے۔ عارج تاڑ گیا کہ امراء کے اجلاس میں کوئی ایسی بات ضرور ہوئی ہے جو خان زماں کیلئے فکرمندی کا سبب ہے۔ عارج یہ سبب معلوم کرنا تو چاہتا تھا لیکن احتیاط کے ساتھ۔ مجھے اس پر حیرت تھی کہ عارج رموز مملکت میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ بغداد کے قیام میں اس نے کبھی ان معاملات میں دلچسپی نہیں لی تھی۔

عارج مجھ سے کہتا' اے دینار! ہم جن زادوں کو اس سے کیا کہ آدم زادوں کا خلیفہ کون ہے اور کسے خلیفہ یا مسلمانوں کا حکمران ہونا چاہئے! مگر عراق سے ہندوستان آ کر اس کا رویہ ہی بدل گیا تھا اور اس کی وجہ میں جان چکی تھی۔ یہ سب عارج کے انسانی پیکر شاہم بیگ کی عادات و اطوار اور خصلت و فطرت کا اثر تھا۔

اب عارج اس قدر چالاک و ہوشیار ہو گیا تھا کہ رموز مملکت میں اپنی دلچسپی کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتا۔ وہ باتوں باتوں میں کام کی باتیں معلوم کر لیتا اور کسی کو گمان بھی نہ گزرتا کہ اس نے کتنی اہم باتیں ہمایوں کے خادم خاص کو بتا دی ہیں۔ خان زماں نے ساغر اٹھا کر ایک گھونٹ لے لیا تو عارج نے حقیقت حال معلوم کرنے کی غرض سے بات چھیڑی۔

"حضور کچھ فکرمند نظر آتے ہیں۔" عارج نے خان زماں کو مخاطب کیا۔

"ہم تم سے پہلے بھی کئی بار کہہ چکے ہیں شاہم کہ کم از کم تم ہمیں حضور نہ کہا کرو۔" خان زماں لہر میں آ گیا۔ "ہمیں صرف خان کہا کرو۔"

"حکم کی تعمیل غلام کا فرض ہے مگر کیا یہ حد ادب سے تجاوز نہ ہو گا؟"

"حد ادب!" خان زماں آہستہ سے ہنسا۔ "حد ادب اوروں کیلئے ہے شاہم' تمہارے لیے نہیں۔"

"غلام واقف ہے، حضور..... خان سے قرب خاص کے سبب ہی روئے پر جلال پر فکرمندی دیکھ کر خود بھی یہ غلام فکرمند ہو گیا تھا۔"

"تم ہماری فکرمندی کی وجہ جان کر کیا کرو گے شاہم! یہ اور معاملات ہیں۔" خان زمان نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ "تمہیں خبر ہے کہ ظل سبحانی ان دنوں کتنے پریشان ہیں۔ ایک بار شیر خان ہاتھ آ جائے تو سکون کا سانس ملے۔ آج کل اس نے رہتاس گڑھ کے علاقے میں فتنہ و فساد مچا رکھا ہے۔ مخبروں سے خبر ملی ہے کہ وہ اب بنگال کی طرف روانہ ہونے والا ہے۔"

خان زماں نے یہ کہہ کر ساغر اٹھالیا۔

عارج اپنی تمام تر جناتی صفات اور ذہانت کے باوجود ان باتوں پر تبصرہ کرنے کا اہل نہ تھا۔ اس لیے وہ دوبارہ خان زماں کے بولنے کا منتظر رہا۔ خان زماں نے ساغر خالی کر دیا تو عارج نے اسے پھر بھر دیا اور بولا۔ ''آپ نے بجا فرمایا خان کہ یہ اور معاملات ہیں مگر ظل سبحانی اور آپ سے لگاؤ کے سبب ان سے غلام کا بھی واسطہ ہے۔''

''اسی واسطے کے سبب تو ہم تمہیں بتانے آئے ہیں شاہم کہ ظل سبحانی نے آگرہ سے کوچ کا فیصلہ کرلیا ہے۔''

''کہاں؟'' عارج بے چین ہو گیا۔

''ظل سبحانی اس وقت آگرہ سے کوچ کریں گے جب شیر خان بنگال کی طرف روانہ ہو جائے گا۔ ظل سبحانی' شیر خان (شیر شاہ سوری) کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر قلعہ چنار پر قبضے کا قصد رکھتے ہیں اور یہ قدم نہایت دانشمندانہ ہے۔'' پھر خان زمان عارج کو شیر خان کے بارے میں بتانے لگا۔ عارج نے کوئی دلچسپی نہ لی وہ تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

شیر خان جو بعد میں شیر شاہ سوری کہلایا' اس کے متعلق میں بتاتی چلوں۔ وہ ہندوستان کا حکمران بھی رہا۔ بہار کے ایک قدیم شہر سہسرام کا وہ جاگیردار تھا۔ اپنی قوت و لیاقت' ذہانت اور دلیری کی وجہ سے وہ رفتہ رفتہ ترقی کرتا گیا اور بالآخر مغلیہ حکومت کے لئے سب سے بڑا خطرہ بن گیا۔ اس نے ہمایوں اور اس کے بھائیوں کے نفاق سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس کے ساتھ غیور اور بہادر پٹھان تھے جو ہندوستان پر مغلوں کی حکومت کا حق تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ مغل باہر سے آئے ہیں اور انہیں واپس اپنے وطن چلا جانا چاہئے۔ ہمایوں کے حوصلہ مند باپ اور پہلے مغلیہ تاجدار بابر نے جس مضبوط و مستحکم حکومت کی بنیاد ڈالی تھی' اس کے ستون لرزنے لگے تھے۔ شیر خان کی صورت میں ہمایوں نے ایک بڑے خطرے کو محسوس کرلیا تھا۔ خان زمان کا خیال درست تھا۔ حالات کے پیش نظر ہمایوں نے بالکل صحیح فیصلہ کیا تھا۔

خان زمان کو بھی جلد اندازہ ہو گیا کہ عارج' شیر خان کے ذکر میں دلچسپی نہیں لے رہا۔ تیسرا ساغر ختم کرنے کے بعد اسے اب ہلکا ہلکا نشہ ہونے لگا تھا۔

اسی وجہ سے جب عارج نے اس کے ساغر میں مزید شراب انڈیلنے کیلئے صراحی اٹھائی تو وہ بولا۔ ''شاہم! کاروان شوق و مستی کو ذرا آہستہ لے چلو' ایسا نہ ہو کہ ہمارے قدم

لڑکھڑا جائیں۔''

عارج اس کا اشارہ سمجھ گیا۔ اس نے صراحی رکھ کر کہا۔ ''خان کا غلام بھی تو اس کارواں میں شامل ہے' وہ بھلا کب یہ گوارا کرے گا کہ خان کے قدموں میں لغزش آئے۔''

''خود کو غلام نہ کہا کرو شاہم! غلام تو ہم ہیں' اپنی خواہش کے غلام! تم تو بس شاہم ہو شاہم! ہاں وہ لغزش کے باب میں تم نے کیا کہا؟..... لغزش تو آدمی کی سرشت میں داخل ہے ورنہ جنت کیا بری تھی!''

میری توجہ خان زمان اور عارج دونوں کے ذہنوں پر تھی۔ عارج سمجھا کہ خان زمان بہکنے لگا ہے اس لئے بولا۔ ''خان کو آج بہت جلد سرور ہو گیا!''

خان زمان اس کی بات سن کر مسکرایا۔ ''ہاں شاہم! کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کبھی تو بغیر پئے ہی نشہ ہونے لگتا ہے۔ نشے کا تعلق دراصل آدمی کے مزاج سے ہے۔ شراب میں کیا رکھا ہے۔''

''خان کی باتوں سے دماغ میں روشنی سی ہونے لگتی ہے۔''

عارج نے اسے بانس پر چڑھایا۔ تعریف خان زمان کو بھی پسند تھی۔

''ممکن ہے ہماری باتیں تمہارے لیے روشنی ہوں شاہم' لیکن کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو ان باتوں کو سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔'' خان زمان کے بعد شاہم بیگ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ خان زمان پھر بول اٹھا۔ ''ہاں ایک بات تو رہ گئی۔''

''ارشاد!'' عارج مؤدب آواز میں بولا۔

خان زمان نے پہلو بدل کر کہا۔ ''جہاں تک ہمارا خیال ہے ظل سبحانی تمہیں بھی ساتھ لے چلیں گے۔ جب سے تم آگرہ میں ہو' ایسا موقع نہیں آیا۔ تم گھبرا نہ جانا' تمہارا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ خود ہماری بھی یہی خواہش ہے کہ تم ساتھ چلو۔''

''اس بارے میں فیصلہ تو ظل سبحانی کریں گے' غلام تو حکم کا بندہ ہے۔'' عارج ہوشیاری سے بولا۔

''درست کہا تم نے۔'' خان زمان کہنے لگا اور پھر رخصت ہو گیا۔

اس عرصے میں عارج نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ اسے ڈھونڈنے حویلی پہنچا تھا۔ امراء کے اجلاس سے عارج نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا تا کہ خان زمان کو کوئی اور شبہ نہ ہو۔ صنف نازک کے معاملے میں کیا آدم زاد اور کیا جنات' کیا غریب کیا امیر سبھی حساس ہوتے

ہیں۔ عارج بھی یہ بات جانتا تھا۔ صنف نازک کیلئے کوئی شرط نہیں۔ وہ کوئی کنیز بھی ہو سکتی ہے۔ دل آرام ایک کنیز ہی تو تھی' میں جس کے جسم میں اتری تھی۔

تجربات نے عارج کو بہت محتاط کر دیا تھا۔ وہ عیب تو کرنا چاہتا تھا مگر ہنر کے ساتھ۔ اسے دل آرام کی خواہش تو ضرور تھی مگر اس قیمت پر نہیں کہ خان زمان سے بگاڑ ہو جائے۔ اب وقت ہو گیا تھا کہ عارج شاہی محل سے چل دیتا۔ اس نے معلوم کرا لیا تھا کہ ہمایوں خلوت میں ہے۔ ایسے میں اس کے پاس کوئی نہیں جا سکتا تھا' خواہ اس کے خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں۔ عموماً ایسا اس وقت ہوتا جب ہمایوں کسی معاملے پر غور و فکر کرتا اور اسے کوئی فیصلہ کرنا مقصود ہوتا۔

شاہی محل سے نکل کر عارج' ملا پیر محمد کی حویلی پہنچا تو اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ میں' عارج کے ساتھ ساتھ ہی تھی۔

ملا پیر محمد نشست گاہ میں داخل ہوا تو عارج بطور احترام اٹھ کر آداب بجا لایا۔

"ادھر بیٹھ جاؤ!" ملا پیر محمد نے اپنی مسند کی طرف بڑھتے ہوئے عارج کو مخاطب کیا۔

"جی حضور!" عارج بولا اور جب ملا پیر محمد مسند نشیں ہو گیا تو کچھ فاصلے پر جا بیٹھا۔ یہ وہی جگہ تھی جس کی طرف ملا پیر محمد نے اشارہ کیا تھا۔ مسند کے قریب نہ بٹھانے کا مطلب اظہار خفگی ہی تھا۔

"ہم نے تمہیں صرف یہ کہنے کو بلایا ہے کہ تم اتنے اونچے نہ اڑو' جو تمہارے پر کاٹنے پڑیں۔" ملا پیر محمد کے لہجے میں رعونت تھی۔

"غلام کچھ سمجھا نہیں حضور!" عارج نے نرمی سے کہا۔

"سمجھتے ہو! تم سب سمجھتے ہو! تمہیں خبر ہے کہ ہمارے بدخواہ کون ہیں! ایک حد میں رہ کر ان سے رابطہ رکھو ورنہ....." ملا پیر محمد نے اپنی بات معنی خیز انداز میں ادھوری چھوڑ دی۔

پھر اس سے پہلے کہ عارج اپنی صفائی میں کچھ کہتا' ملا پیر محمد اپنی مسند سے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔

"اب تم جا سکتے ہو۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ تمہیں اس ضمن میں تاکید کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہم یہ بھی واضح کر دینا بہتر سمجھتے ہیں کہ ہمارے آدمی شاہی محل میں بھی ہیں جو تمہاری نقل و حرکت پر نظر رکھتے ہیں۔"

عارج خاموش کھڑا رہا اور ملا پیر محمد نشست گاہ کے اندرونی دروازے کی طرف بڑھ

گیا۔ ملا پیر محمد کے مسند سے اٹھتے ہی عارج بھی احتراماً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

شاہی محل واپس آ کر کچھ دیر تو فکرمند رہا' پھر اس نے اپنے ذہن کو پرسکون رکھنے کی خاطر خان زمان کی خوبصورت کنیز دل آرام کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ میں اس کے قریب ہی تھی اور جو کچھ وہ سوچ رہا تھا' مجھے خبر تھی۔ ملا پیر محمد کے انتباہ نے اس پر اثر تو کیا تھا مگر خان زمان کی باتوں نے اسے زیادہ فکرمند کر دیا تھا۔

یقیناً عارج بزدل نہیں تھا مگر وہ رزم اور بزم کا فرق بخوبی جانتا تھا۔ وہ اسی وقت کھٹک گیا تھا جب خان زمان نے آگرہ سے کوچ کی خبر سنائی تھی اور اسے ہمایوں کے فیصلے سے آگاہ کیا تھا۔ وہ محض ذاتی مفاد کی خاطر رموز مملکت سے دلچسپی رکھتا تھا۔ ان معاملات کو وہ اپنے مفاد میں استعمال کرتا رہتا تھا' مغل لشکر شیر شاہ پر بھاری پڑتا یا شیر شاہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاتا' عارج کو اس سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ کیا بہادر خان نے اسے زنداں سے نکالتے ہوئے اپنا مفاد نہیں سوچا۔ ہر چند کہ اس کیلئے میں نے راہ ہموار کی تھی لیکن بہادر خان کی غرض بھی اس میں تھی۔ ملا پیر محمد کون سا معصوم تھا؟ اس نے بھی تو خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر عارج کے انسانی پیکر شاہم بیگ کو بادشاہ کی خدمت میں دے دیا تھا اور بادشاہ؟ کیا وہ بے غرض تھا؟ کیا شیر شاہ اور ہمایوں کے اپنے اپنے مفادات نہیں تھے؟

ان حالات میں عارج نے بھی اپنے لیے ہی سوچا۔ اس کی نظر میں مغل لشکر کے ساتھ جانا بے سود تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر میں لشکر کے ساتھ کوچ نہ کروں تو اس دوران میں دل آرام کو رام کر سکتا ہوں۔ اسی نکتے پر وہ دیر تک سوچتا رہا۔ خان زمان لشکر کے ساتھ چلا جاتا اور یوں اس کا راستہ صاف ہو جاتا۔ پھر کوئی دھڑکا نہ رہتا مگر دل آرام کے حصول میں بادشاہ کا حکم رکاوٹ بن سکتا تھا۔ اسے خان زمان کی نہیں بادشاہ کی فکر تھی۔ اگر ہمایوں اسے ساتھ چلنے کا حکم دے دیتا تو پھر کچھ نہ ہوتا۔ دل آرام بھی نہ ملتی اور دربدر مغل لشکر کے ساتھ بھٹکنا پڑتا۔

بادشاہ درمیان میں نہ ہوتا تو وہ بہت جلد کوئی فیصلہ کر لیتا لیکن یہ معاملہ نازک تھا اور اسے نزاکت ہی سے نمٹایا جانا ضروری تھا۔ ہمایوں سے قریب ہونے کے سبب عارج اس کے مزاج سے آگاہ تھا۔ میں بھی جانتی تھی کہ ہمایوں حالات کا شکار ایک ایسا آدم زاد حکمران ہے جس نے بدخواہوں کے مشورے پر افیون کھانا تک قبول کر لیا تھا۔ وہ چھوٹے سہاروں کا عادی ہو گیا تھا۔ غلام' کنیزیں اور خدمتگار بھی جھوٹے سہارے ہی تھے۔ یہ بھی ہمایوں کی عادت بن

گئے تھے۔ خاص طور پر عارج کی خدمت گزاری سے ہمایوں بہت خوش تھا۔ وہ مجبوراً ہی ایسا کر سکتا تھا کہ عارج کو اپنے ساتھ نہ لے جاتا۔

حقائق کے اس صحیح تجزیے نے عارج کو پریشان تو کیا مگر اسے ایک نئی راہ بھی سجھا دی۔ اس نے فیصلہ کیا وہ ہمایوں کو اس پر مجبور کر دے گا کہ اسے آگرے میں چھوڑ جائے۔ یہ بڑی عجیب بات تھی کہ ایک مطلق العنان بادشاہ کیلئے عارج نے ایسا سوچا مگر یہ اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات ہے کہ اس نے ایسا کر دکھایا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ کوئی آدم زاد نہیں ایک جن زادہ تھا۔ اس کی اگر کوئی مجبوری تھی تو محض یہ کہ وہ اپنے انسانی پیکر سے باہر آنے میں خطرہ محسوس کرتا تھا۔ سو اس نے ایک ایسی تدبیر پر عمل کیا کہ اسے شاہم بیگ کا انسانی پیکر نہ چھوڑنا پڑے اور کام بھی نکل جائے۔

عارج کو خان زمان سے یہ تو معلوم ہو ہی چکا تھا کہ ہمایوں لازماً آگرے سے کوچ کرے گا لیکن وہ کب کوچ کا حکم صادر کرے گا اس کا انحصار شیر شاہ کی بنگال روانگی پر تھا۔ وہ وقت آنے سے پہلے ہی عارج مناسب بندوبست کر لینا چاہتا تھا تاکہ موقع پر پچھتانا نہ پڑے۔ وہ باخبر تھا کہ شاہی مقرب ایک دوسرے پر نظر رکھتے ہیں اور وہ بھی شاہی مقربوں میں سے تھا۔ اسے ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا پڑتا تھا تاکہ کسی کو بادشاہ کے کان بھرنے کا موقع نہ مل سکے۔

یہ بڑی ہی عجیب صورتحال تھی کہ جو عرصہ دراز تک حکیم رہ چکا تھا اور حکمت جس کی گھٹی میں پڑی تھی، وہ جو بغداد میں طبیب کی حیثیت سے بڑی شہرت رکھتا تھا، آج وہی کسی طبیب کی تلاش میں تھا۔ اگر وہ اپنے انسانی قالب سے نکلنے پر آمادہ ہو جاتا تو کوئی مشکل پیش نہ آتی۔

پہلے اسے شاہی طبیبوں کا خیال آیا مگر اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ ان میں کوئی اس قابل نہیں تھا کہ اسے رازدار بنایا جا سکتا۔ موقع سے فائدہ اٹھانے سے کوئی نہ چوکتا۔ اگر راز کھل جاتا تو بادشاہ کی خفگی لازمی تھی۔ یہ خفگی در اندازوں کی شہ پا کر کوئی بھی صورت اختیار کر سکتی تھی۔ عارج کے انسانی پیکر شاہم بیگ کی جان کے لالے بھی پڑ سکتے تھے۔ پھر عارج کو اس زمانے میں قیام کیلئے کوئی اور انسانی قالب تلاش کرنا پڑتا۔ کوئی ضروری نہیں تھا کہ کسی نئے انسانی قالب میں عارج کو قرار آ ہی جاتا۔

شاہم بیگ کی جان بچانے کی عارج کے پاس ایک ہی راہ تھی کہ اس نے بادشاہ کو

مجبور کرنے کیلئے جو کچھ سوچا تھا، اس کی کسی کو ہوا بھی نہ لگنے دیتا۔ اس نے یہی کیا۔

ابھی زیادہ رات نہیں گزری تھی۔ اس کے خیال میں یہ بڑا مناسب وقت تھا۔ محل میں اس کی غیر موجودگی کو زیادہ محسوس نہ کیا جاتا۔ اسے جلد ہی لوٹ آنا تھا تاکہ ہمایوں اپنی خلوت سے باہر آنے کے بعد اسے طلب کرے تو وہ غیر حاضر نہ ہو۔ طلبی کے وقت کا بھی اسے علم تھا۔ ہمایوں عموماً اسے سونے سے پہلے طلب کرتا۔ وہ ہمایوں کے پیر دباتا رہتا، اس وقت تک کہ ہمایوں سو نہ جاتا۔ وہ اتنی احتیاط اور خاموشی کے ساتھ ہمایوں کی خواب گاہ سے باہر آتا کہ بعض اوقات تو محافظ دستے کے سپاہی بھی چونک اٹھتے۔

وہ کافی غور و خوض کر چکا تھا اور اب عمل کی ضرورت تھی، اسی لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ کسی کو اس نے کچھ نہ بتایا اور محل سے نکل آیا۔ دن کا وقت بھی اس کام کیلئے مناسب نہیں تھا۔ آگرہ شہر کے گلی کوچے اس کے دیکھے بھالے تھے۔ جلد ہی وہ شہر کے ایک مشہور طبیب کے گھر تک پہنچ گیا۔ اس نے گھوڑے کو تھپکی دی اور رکاب میں پیر رکھ کر نیچے اتر گیا۔

طبیب یہ سن کر گھبرا گیا کہ بادشاہ وقت ہمایوں کا خادم خاص خود آیا ہے۔ بادشاہ سے تقرب کے سبب وہ بہت مشہور ہو گیا تھا۔ اس کے مظالم کی داستانیں بھی لوگوں میں عام تھیں۔ ان داستانوں کا تعلق عارج کے انسانی پیکر شاہم بیگ سے تھا۔

بوڑھا طبیب اتنا بدحواس ہوا کہ ملازم سے یہ کہنے کے بجائے کہ بادشاہ کے خادم خاص کو نشست گاہ میں بٹھائے، خود باہر کی طرف ننگے پاؤں دوڑا۔ گھر کے دروازے پر بہترین پوشاک پہنے اور اپنے گھوڑے کی لگام تھامے عارج انسانی قالب میں بڑی تمکنت سے کھڑا تھا۔ طبیب تین بار اس کے سامنے جھک کر آداب بجا لایا اور پھر لپک کر گھوڑے کی لگام تھام لی۔ بوڑھے طبیب کی بدحواسی پر عارج مسکرایا اور بولا۔

"غالباً یہ فرض آپ کے ملازم کا ہے، وہ کہاں گیا؟" عارج نے یہ کہتے ہوئے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی۔

ملازم ڈر کے مارے اندر ہی رہ گیا تھا۔

بوڑھے طبیب نے عارج کی بات کے جواب میں کہا۔ "بجا ارشاد فرمایا حضور نے!" پھر وہ غصیلی آواز میں ملازم کو پکارنے لگا۔ ملازم دوڑتا ہوا گھر سے نکلا اور طبیب اس پر برس پڑا۔ "خبیث! تو کہاں مر گیا تھا؟"

ملازم ہکلانے لگا۔

وقت کم تھا۔ عارج نے مداخلت کی اور ملازم سے کہا۔ ''پہلے اندر جا کے نشست گاہ کا دروازہ کھولو پھر یہاں ہمارے گھوڑے کی لگام تھام کر کھڑے ہو جاؤ کیونکہ ہم یہاں زیادہ دیر نہیں رکیں گے اور فوراً ہی واپس جائیں گے۔''

ملازم نے حکم کی تعمیل میں دیر نہ کی۔ طبیب کے ہمراہ عارج نشست گاہ میں آ بیٹھا۔

''ہم نے آپ کی بڑی شہرت سنی ہے' اسی لیے خود چل کر آپ کے در تک آئے ہیں۔'' عارج نے گفتگو شروع کی۔

اظہار خاکساری میں بوڑھا باریش طبیب صرف دانتوں کی نمائش کر کے رہ گیا۔ کچھ نہ کچھ کہنے کی کوشش کے باوجود اس کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا۔ وہ عزت دار آدمی تھا اور آج تک کسی ایسے امتحان میں نہ پڑا تھا۔

طبیب کو خوش دیکھ کر عارج پھر بولا ''اس وقت ہم آپ کے پاس ایک ضرورت سے آئے ہیں لیکن رازداری شرط ہے۔'' یہ کہتے ہوئے عارج نے طبیب کے چہرے پر نظر گاڑ دی۔

یہ سن کر کہ بادشاہ کا خادم خاص اس کے پاس کسی کام سے آیا ہے' طبیب کی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی اور اس نے کہا۔ ''غلام رازداری کا وعدہ کرتا ہے۔''

عارج نے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ وہ جھجکتا ہوا قریب آ بیٹھا۔ پھر عارج نے دھیمی آواز میں اس سے اپنا مدعا بیان کیا۔ اس دوران میں طبیب ہونق بنا بار بار اپنا سر ہلاتا رہا۔ خود ایک طبیب ہونے کے باوجود عارج نے دانستہ ان دواؤں کا نام نہیں لیا جو اسے مطلوب تھیں۔ مصلحت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ اس نے بس اشارہ کر دیا کہ مقصد کیا ہے۔

''ہم نے آپ سے جو طلب کیا ہے' اس کی حاجت بذات خود ہمیں نہیں۔ ہمارا ایک رفیق مشکل میں ہے اور ہم اس کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں اتنی ہمت نہیں کہ خود یہ قدم اٹھا سکے مگر ہم اس معاملے میں اپنا نام آنا پسند نہیں کرتے۔ ہم نے اسی لیے آپ سے رازداری کا وعدہ لیا ہے۔ غالباً آپ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ افشائے راز کی صورت میں آپ کس مشکل سے دوچار ہو جائیں گے!'' عارج نے بڑے مہذب پیرائے میں طبیب کو دھمکی دی اور طبیب کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ یہ دیکھ کر عارج نے مزید کہا۔ ''اب یہ فرما دیں کہ ہمیں اپنے در سے مایوس لوٹائیں گے یا......'' عارج نے معنی خیز انداز میں اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

طبیب بہ دقت بولا۔ ''غلام ابھی نسخے لکھ کر حاضر ہوتا ہے۔'' پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کانپتے قدموں سے گھر کے اندر چلا گیا۔

میں نے اس معاملے میں مداخلت نہیں کی۔ عارج جو کچھ کر رہا تھا میری توقع کے مطابق ہی تھا۔ اگر اسے حصول مقصد میں کوئی دشواری پیش آتی تو میں اس کی مدد کرتی' مگر اسے بھی خبر نہ ہوتی کہ مدد کرنے والی میں ہوں۔ ہمایوں کے ساتھ میدان جنگ کا رخ کرنا عارج کیلئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ میرے نزدیک عارج کا آگرے ہی میں رہنا بہتر تھا۔

ذرا دیر میں طبیب لوٹ آیا۔ اس نے دو نسخے عارج کی طرف بڑھا دیئے اور کہنے لگا۔ ''نشان زدہ نسخہ پہلے استعمال کرایئے گا اور دوسرا نسخہ کم از کم ایک ہفتے کے بعد۔''

عارج کی تیوریوں پر بل پڑ گئے' بولا۔ ''مگر ہم نے تم سے کاغذ کے یہ پرزے تو طلب نہ کیے تھے!''

طبیب نے سٹپٹا کر کہا۔ ''جی... بجا ارشاد فرمایا۔''

''ابھی کسی عطار کے پاس جاؤ اور اپنی نگرانی میں دونوں نسخے بندھوا کر لاؤ۔ اس وقت تک ہم یہیں تمہاری نشست گاہ میں بیٹھے ہیں۔'' عارج کا لہجہ بدل گیا۔

بوڑھے طبیب نے اسی میں اپنی عافیت جانی کہ فوراً تعمیل حکم کرے۔ وہ عارج کی توقع سے پہلے ہی دونوں نسخے بندھوا کر لوٹ آیا۔ ان دونوں پڑیوں میں ایک پڑیا نشان زدہ تھی۔ دونوں پڑیاں عارج کے حوالے کر کے طبیب نے ترکیب استعمال بتائی اور خاموش ہو گیا۔

عارج نے چند طلائی سکے طبیب کی طرف اچھال دیئے اور اٹھتا ہوا بولا۔ ''یہ تمہارا معاوضہ نہیں انعام ہے۔''

''بڑا احسان' بڑی نوازش!'' طبیب کھڑا ہو کر عارج کے سامنے جھک گیا۔

یہ آدم زاد صاحب اقتدار اپنے ہی جیسوں کے آگے اسی طرح جھکتے ہیں اور اشرف المخلوقات ہونے پر بھی فخر کرتے ہیں۔ انتہائی عاجزی کے باوجود بوڑھا طبیب دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ بادشاہ کے خادم خاص کی صورت میں اس پر جو بلا نازل ہوئی ہے' جلد از جلد دفع ہو جائے۔ آخر اس کی دعا قبول ہوئی اور عارج تیزی سے گھوڑا دوڑاتا ہوا گلی سے نکل گیا۔ طبیب اس وقت زیر لب لاحول پڑھ رہا تھا۔

اس واقعے کے دوسرے ہی دن سے عارج' خان زمان کی حویلی میں زیادہ آنے

جانے لگا۔ اس نے ملا پیر محمد کی تاکید و نصیحت اور دھمکی کو ذہن سے جھٹک دیا تھا۔ یوں بھی نشے میں بے خوفی ہوتی ہے، خواہ یہ نشہ شراب کا ہو یا عشق و ہوس کا۔ عارج کو بھی نشہ تھا، دل آرام کے حسن کا نشہ۔

☆.....☆.....☆

عارج نے خان زمان کو یہ لارا دیا کہ اب شاہی محل میں اس کا جی نہیں لگتا۔ مغل افواج کا سپہ سالار خان زمان یہ سمجھا کہ کسی وقتی جذبے کے تحت یہ بات کہی گئی ہے۔ اس پر خان زمان نے خوشی کا اظہار کیا اور بولا۔ "شاہم! تم شاہی محل میں رہو کہ ہماری حویلی میں ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ ہم اس حویلی کا ایک حصہ تمہارے لیے مخصوص کر دیتے ہیں، تم جب چاہو یہاں آ جاؤ۔ آج سے یہ حویلی ہماری نہیں تمہاری ہے۔"

یوں تو خان زمان خود بھی بادشاہ کے خادم خاص سے مراسم رکھنا چاہتا تھا مگر بوجوہ میں نے بھی "کام" دکھایا تھا۔ میں نے خان زمان کے دماغ میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ جب تک بادشاہ کے خادم خاص سے اس کے اچھے تعلقات رہیں گے، مخالفین کی چالوں کا توڑ باآسانی ہوتا رہے گا۔ عارج یہی چاہتا تھا کہ خان زمان کی حویلی میں آمدورفت بلا روک ٹوک جاری رہے۔

اس دن کے بعد سے عارج کا یہ معمول ہو گیا کہ خان زمان حویلی میں ہوتا نہ ہوتا، وہ وہاں ضرور جاتا۔ دل آرام کے حصول کی خاطر وہ بڑے صبر و تحمل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

اسی دوران میں ایک بار پھر مجھے دل آرام کے جسم میں اترنا پڑا۔ عارج کو خلوت میں دل آرام سے ملنے کا موقع مل گیا۔

عارج نے مجھے دل آرام سمجھ کر کہا۔ "کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہم تم سے کتنی محبت کرتے ہیں؟"

"کنیز کو اندازا ہے۔" میں نظریں نیچی کر کے بولی، پھر جذباتی لہجے میں کہا۔ "کنیز بھی تو حضور کے عشق میں دیوانی ہے۔" یہ عین ممکن تھا کہ دینار کی حیثیت سے شاید میں کبھی عارج سے اظہار عشق نہ کر پاتی۔ ایک آدم زادی کے جسم میں داخل ہو کر البتہ میرے اندر اس قدر حوصلہ پیدا ہو گیا۔ اس کا بڑا سبب میرا انسانی پیکر بھی تھا۔

☆.....☆.....☆

دل آرام واقعی عارج کے عشق میں مبتلا ہو چکی تھی حالانکہ یہ بھی فریب نظر تھا۔ دل

آرام کے روبرو عارج نہیں بلکہ اس کا انسانی قالب شاہم بیگ ہوتا۔ سرخ و سفید رنگ والا وہ کشمیری نوجوان شاہم بیگ، دل آرام کو پسند آ گیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وہ جس کیلئے پاگل ہوئی جا رہی ہے، کوئی آدم زاد نہیں ایک جن زاد ہے۔ جسم شاہم بیگ کا ضرور ہے مگر اس پر عارج کا قبضہ ہے۔

عموماً جب صنف نازک اپنی محبت کا اظہار کر دے تو آدم زاد ہوں کہ جن زاد "بہکیا" جاتے ہیں، مگر موقع محل کی نزاکت کے سبب عارج نے خود پر قابو رکھا اور مجھ سے کہنے لگا۔ "دل آرام! فی الحال احتیاط برتو!"

دل آرام اور میں، ہم دونوں ہی اپنے عشق میں سچے تھے اس لیے اپنے محبوب کی ہدایت پر پورا عمل کیا۔ ہم دور ہی دور سے عارج کے انسانی پیکر کو دیکھ لیتے مگر حتی الامکان قریب آنے سے گریز کرتے۔ دل آرام کا جسم میرے لیے گویا ایک "عارضی گھر" تھا۔ میں جب چاہتی اس میں داخل ہو جاتی جب ضرورت نہ سمجھتی باہر نکل آتی۔ میرے لیے یہ تجربہ بڑا انوکھا اور دلچسپ تھا کہ عارج اور میں دونوں ہی آدم زادوں کے جسموں میں رہ کر ایک دوسرے کے بے حد قریب تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ میں تو حقیقت سے واقف تھی، عارج بے خبر تھا کہ وہ دل آرام کو نہیں، مجھے "زیر دام" لانے کی کوشش کر رہا ہے، دینار کو دھوکا دینا چاہتا ہے۔

☆.....☆.....☆

ہفتہ بھر نہ گزرا تھا کہ وہ خبر آ گئی جس کا ہمایوں کو بے چینی سے انتظار تھا۔ بااعتماد مخبروں نے اطلاع دی کہ شیر شاہ بنگال روانہ ہو چکا ہے۔ اسی دن کا عارج بھی منتظر تھا۔ وہی ہوا جس کا اسے یقین تھا۔ ہمایوں نے اسے خادم خاص کی حیثیت سے ساتھ چلنے کا حکم دیا اور اس نے سر تسلیم خم کر لیا۔ دو روز بعد جمعہ کے دن علی الصبح مغل لشکر کو آگرے سے کوچ کرنا تھا۔ جمعے کے دن کو مبارک جان کر ہمایوں نے کوچ کا حکم دیا تھا۔ اس سے پہلے بھی عموماً مسلمان حکمران کسی مہم کا آغاز کرتے تو وہ جمعے ہی کا دن ہوتا۔ روایتاً لشکر کے کوچ کی خاطر اسی دن کو منتخب کیا جاتا تھا۔ یہ گویا عمل کا دن تھا۔

لشکر کے کوچ کی تمام تیاریاں ایک روز پہلے ہی مکمل ہو گئیں اور اسی دن ہمایوں کو اپنے خادم خاص کے متعلق ایک تشویشناک خبر ملی۔ ہمایوں کا خادم خاص شاہم بیگ خارش کے عارضے میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ہمایوں کے استفسار پر شاہی طبیبوں نے اسے بتایا کہ خادم خاص کو

صحت یاب ہونے میں کم از کم دو ہفتے لگ جائیں گے کیونکہ مرض شدید ہے۔ طبیبوں نے یہ بھی کہا کہ اس دوران میں اس کو اپنی خدمت میں نہیں رکھنا چاہئے' یہ بیماری اڑ کے لگتی ہے۔ یوں ہمایوں' عارج کو آگرے ہی میں چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ بوڑھے طبیب کا پہلا نشان زدہ نسخہ کارگر ثابت ہوا۔ بادشاہ تو نہیں خان زمان اس حالت میں بھی عارج کو دیکھنے آیا۔ طبیبوں کی ہدایت کے مطابق عارج کے دونوں ہاتھوں پر ریشمی کپڑا لپٹا ہوا تھا۔ مقصود یہ کہ عارج خارش کی وجہ سے اپنا جسم نہ کھجائے' اس سے مرض بڑھنے کا اندیشہ تھا۔

عارج واقعی سخت اذیت میں تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ اپنے انسانی قالب کو ادھیڑ کر رکھ دیتا۔ دوا استعمال کرنے سے پہلے اسے خبر نہ تھی کہ اتنی تکلیف ہوگی۔ دوسرا نسخہ بوڑھے طبیب کی ہدایت کے مطابق ایک ہفتے کے بعد استعمال کرنا تھا اور ابھی پہلا ہی دن تھا۔ عارج نے گزشتہ شب ہی دودھ سے وہ سفوف نگلا تھا۔ صبح وہ سو کر اٹھا تو اس کے جسم پر ددوڑے پڑے ہوئے تھے اور ان میں خارش تھی۔ اس نے جسم کھجایا تو خارش اور بڑھ گئی۔ دوپہر ہوتے ہوتے اس کا برا حال ہو گیا۔

شاہی طبیبوں کو خبر ہوئی تو خود ہی دوڑے دوڑے آئے۔ انہوں نے جو دوائیں دیں' عارج نے استعمال نہیں کیں' ہاں جسم پر وہ مرہم مل لیا جس سے قدرے سکون ہو گیا تھا۔ طبیبوں نے پھر بھی ہدایت کی کہ وہ اپنے ہاتھوں پر ریشم کا کپڑا لپیٹ لے۔ اس کے خاص ملازمین کے سوا کسی کو ملنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ قدم احتیاطاً اٹھایا گیا تھا کہ کہیں سارے محل میں یہ بیماری نہ پھیل جائے۔

دوسرے دن صبح ہمایوں مغل لشکر کو ساتھ لے کر قلعہ چنار کی تسخیر کیلئے روانہ ہو گیا۔ خان خاناں بیرم خان' خان زمان ملا پیر محمد اور دیگر تمام اہم منصب رکھنے والے اس کے جلو میں تھے۔ آگرہ شہر کے بندوبست کی غرض سے اس نے صرف ایک با اعتماد مصاحب و مقرب شیخ بہلول کو چھوڑا تھا۔ اس کی انتظامی صلاحیتوں اور وفاداری پر ہمایوں کو یقین تھا۔ دارالحکومت میں کسی ایسے ہی فرد کی موجودگی ضروری تھی۔

وہ ایک ہفتہ عارج نے بڑی تکلیف میں گزارا۔ اسی عرصے میں' مجبور ہو کر عارج' شاہم بیگ کے جسم سے باہر نکل آیا۔ یہ رات کا وقت تھا اور محل میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ میں اس سے زیادہ دور نہیں تھی مگر اندھیرے کی چادر اوڑھ رکھی تھی کہ عارج مجھے نہ دیکھ سکے۔ عارج کو میں نے محل سے نکلتے دیکھا اور اس کے پیچھے ہو لی۔ عفریت دہموش کا

خطرہ بہرحال تھا جس کے خوف سے عارج اب تک شاہم بیگ کے انسانی قالب سے نہیں نکلا تھا۔

عرصہ دراز کے بعد عارج کو انسانی قالب کی "قید" سے نجات ملی تھی۔ وہ اسی لیے پرواز کرتا ہوا۔ شہر سے باہر آ گیا۔ یہی وہ لمحہ تھا کہ میں اس کے قریب پہنچ گئی۔ مجھے شرارت سوجھی۔ میں' عفریت دہموش کی آدم زاد کنیز سارہ کی آواز میں اس سے مخاطب ہوئی۔ "اے جن زاد عارج! اے جن زادی دینار کے عاشق! تو اگر چاہے بھی تو مجھ سے نہیں بھاگ سکتا!"

میری توقع کے عین مطابق عارج ڈر گیا۔ اس نے کانپتی آواز میں کہا۔ "اے سا...... سارہ! تو...... تو آدم زادی ہو کر بھی کس...... کس طرح میرے تعاقب میں یہاں...... یہاں تک آ گئی۔"

"یہ میں نہیں صرف میری آواز ہے۔" میں بدستور سارہ کی آواز میں بولی۔ "تجھے میں یہ بتانے اور جتانے کی خاطر سینکڑوں صدیوں کا سفر کر کے اس زمانے تک آئی ہوں مگر خود کو ظاہر نہیں کر سکتی کہ بہرحال آدم زادی ہوں۔"

"تو مجھ...... مجھ سے کیا...... کک...... کیا چاہتی ہے سارہ؟" عارج بڑی مشکل سے بول رہا تھا' اس پر خوف غالب تھا۔

"یہ کہ تو اس جن زادی دینار کو بھول جا جسے میرے آقا نے اپنے لیے پسند کر لیا ہے۔"

اس پر عارج گم صم سا ہو گیا' پھر بڑبڑایا۔ "دی...... دینار...... وہ تو نہ جانے کہاں گئی...... کہاں چلی گئی وہ؟"

"ایسا لگتا ہے کہ تجھے اس زمانے میں چھوڑ کر دینار کسی اور عہد میں چلی گئی ہے۔ وہ تیری وفادار نہیں۔"

"غلط!" عارج پریقین آواز میں کہنے لگا۔ "دینار مجھ سے بے وفائی نہیں کر سکتی۔؟"

"جب تو اس سے بے وفائی کر کے ایک خوبصورت کنیز دل آرام کی آرزو کر سکتا ہے تو دینار سے وفا کی امید کیوں رکھتا ہے؟"

عارج پھر خاموش ہو گیا۔ چند لمحے بعد اس نے کہا۔ "اے سارہ! تجھے اگر یہ پتا ہے کہ...... کہ دل آرام کی تمنا مجھے ہے تو پھر یہ بھی جانتی ہو گی کہ میں نے جو انسانی قالب اپنایا تھا

وہ…… وہ اسے دل آرام کو پا لینے کی ہوس تھی' مجھے نہیں…… اور سن! تو نے جس طرح مجھے ڈھونڈ لیا' کیا دینار کو تلاش نہیں……''

میں نے عارج کی بات کاٹ دی۔ ''تجھے اس معاملے میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ یہ معاملہ میرے آقا اور دینار کا ہے۔''

''اے سارہ! تجھے تیرے آقا کی قسم! مجھے بتا دے کہ دینار کہاں ہے؟''

''یقین کر کہ مجھے نہیں معلوم۔ تو ایسا کر کہ اس زمانے میں رہ اور عیش کر! اگر تو نے یہاں سے کہیں اور جانا چاہا تو وہ تیری زندگی کا آخری دن ہوگا۔ میں چلی۔''

عارج خاصی بلندی پر ٹھہرا ہوا تھا۔ میں اگر چاہتی تو خود کو اس پر ظاہر کر دیتی' اپنے اوپر سے اندھیرے کی چادر اتار دیتی' لیکن ایسی صورت میں مجھے عارج کو سب کچھ بتانا پڑتا۔ وہ لطف جاتا رہتا جو اجنبی بن کر اس سے ملتے رہنے میں تھا۔ آدم زادی دل آرام کا جسم میرے لیے عارج سے نا صرف قریب رہنے کا ذریعہ تھا بلکہ اس میں اور بھی مصلحتیں کارفرما تھیں۔ میں جن کا ذکر پہلے کر چکی ہوں۔ ان میں عارج کو بے راہ روی سے بچانا سب سے بڑی مصلحت تھی۔

یہ جان لینے کے بعد کہ سارہ نے اس کا سراغ لگا لیا ہے' عارج اس نتیجے پر پہنچا کہ شاہم بیگ کے انسانی قالب سے باہر نہ آتا تو شاید ایسا نہ ہوتا۔ اسی بنا پر اس نے دوبارہ شاہم بیگ کے جسم میں پناہ لے لی۔

پہلے نسخے کا اثر ختم ہوا تو عارج کی طبیعت سنبھل گئی۔ اس نے ایک ہفتہ گزرتے ہی دوسرا نسخہ استعمال کر لیا تھا۔ تین دن کے اندر اندر وہ مکمل صحت یاب ہو گیا۔

غسل صحت کرتے ہی اس نے خان زمان کی حویلی کا رخ کیا۔ شاہم بیگ کی صفات بد اس پر دوبارہ غالب آ گئی تھیں۔ دل آرام کے حصول میں اب گویا کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

حویلی کا جو حصہ صرف اس کیلئے مخصوص تھا وہاں خدمتگاروں کا ہجوم ہو گیا۔ خان زمان انہیں شاہم بیگ کیلئے خصوصی ہدایات دے کر گیا تھا۔

عارج نے وہاں سے تمام خدمت گاروں کو رخصت کا حکم دیا اور بولا۔ ''فی الحال ہماری خدمت کیلئے صرف ایک کنیز کافی ہے۔''

اس ہجوم میں دل آرام بھی تھی جس کے جسم پر اب میرا قبضہ تھا۔ عارج نے مجھے

رک جانے کا اشارہ کیا۔ بقیہ غلام اور کنیزیں چلی گئیں۔ عارج کیلئے گویا آج فتح کا دن تھا۔ وہ اس فتح کے جوش میں میری طرف بڑھا۔ میں نے نظریں جھکا لیں۔ عارج نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر مجھے مسند کی طرف کھینچتا ہوا لے گیا۔ میں اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔

عارج کو انسانی قالب میں خود سے اتنے قریب دیکھ کر میں نے اپنی پلکوں کی چلمن گرا لی۔ پھر غالباً دل آرام کے انسانی قالب کا اثر تھا کہ معاً میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مجھے خود بھی اس پر حیرانی ہوئی۔ آنکھوں کے آنسو رخساروں پر پھسل گئے۔

اس پر عارج بے قراری سے بولا۔ ''کیا ہوا تمہیں دل آرام؟ کیا ہماری جسارت نے تمہارے دل کو ٹھیس پہنچا دی؟ یقین کرو کہ ہم اس وقت اپنے قابو میں نہیں ہیں۔ تمہاری خاطر ہم نے بڑا دکھ جھیلا۔ یہ دن بڑی مشکل سے دیکھنا نصیب ہوا ہے۔''

میں نے آنکھیں کھول دیں اور بھاری آواز میں بولی۔ ''یہ خوشی کے آنسو ہیں حضور! کنیز کو خبر مل گئی تھی کہ حضور کس ابتلا میں مبتلا تھے۔ حضور کو صحت یاب دیکھ کر کنیز اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکی۔ کنیز حضور کی صحت یابی پر مبارکباد پیش کرتی ہے۔''

عارج نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا کہ میں سمٹ کر ایک طرف ہو گئی۔

''کیا تم ہمارے جذبات عشق کا امتحان لے رہی ہو دل آرام؟'' عارج نے کہا۔

''معاف کیجیے گا حضور! عشق و ہوس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔''

''مگر تم ہمیں عرض شوق سے کیوں روکنا چاہتی ہو؟''

''شوق بہر رنگ رقیب سرو ساماں ہوتا ہے حضور! اور کنیز یہ نہیں چاہتی۔''

''تم ہمیں باتوں میں نہ بہلاؤ دل آرام! صاف صاف کہو' کیا تمہیں ہمارے عشق پر بھروسہ نہیں؟''

''اگر حضور اسی کو عشق کہتے ہیں تو گستاخی معاف' کنیز اس سے اتفاق نہیں کرتی۔ کنیز کی نظر میں تو یہ بڑا افضل جذبہ ہے' پستیوں سے بلندیوں کی طرف سفر! جسم کی آلودگی سے قطع نظر روحانی سکون کا ذریعہ! حیوان اور انسان کے درمیان واضح فرق! حیوان عشق نہیں کرتے۔'' میں کہتی رہی۔ دل آرام کے بارے میں اب تک مجھے بہت کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ میں نے اسی کی روشنی میں اپنی بات جاری رکھی۔ مجھے ایک کنیز کی حیثیت اور مرتبے کا پوری طرح احساس تھا سو بولی۔ ''مجھے بھی حیوان بنا دیا گیا تھا۔ میں نے اس پر صبر کیا۔ کہتے ہیں کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے اور یہی ہوا۔ مجھ پر حضور کی نظر کرم اٹھی اور میں حیوان سے انسان بن

گئی۔ کابل سے آگرہ تک قدم قدم پر مجھے حیوان ملے جنہوں نے میرے اندر موجود حیوان کو بڑی غذا فراہم کی اور میرے انسان کو نیم جاں کر دیا۔"

"یہ تم کیا قصہ لے بیٹھیں دل آرام؟ ہم تمہاری باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔"

"یا حضور سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔"

"تم کچھ بھی کہو ہمارا تصور عشق خیالی نہیں ہے۔" عارج پھر بہکنے لگا۔

"حضور نے شاید عشق کی گہرائی کو سمجھنا نہیں چاہا۔ عشق تو وہ دولت ہے کہ پھر کسی دولت کی تمنا نہیں رہتی۔"

"ہوگا۔" عارج کی آواز میں بیزاری تھی۔ "ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ "

ابھی عارج کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ میں اچھل پڑی۔ یہی حال عارج کا بھی ہوا تھا۔

"قتل ہو گیا قتل ہو گیا۔" ایک تیز گھبرائی ہوئی نسوانی آواز سنائی دی تھی۔

"کس کا قتل ہو گیا؟ کون قتل ہو گیا؟" عارج اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

مغلیہ افواج کے سپہ سالار خان زمان کی حویلی میں کسی کو قتل کر دیا جانا یقیناً غیر معمولی بات تھی۔

ان لمحات کی سنسنی خیزی اپنی جگہ لیکن میں یہ نہیں بھولی کہ جن زادی ہوں اور ایک آدم زادی دل آرام کے قالب میں ہوں۔ مجھے عجلت سے کام نہیں لینا چاہئے اور میں نے یہی کیا۔ عارج نیام سے تلوار نکال کر دروازے کی طرف دوڑا۔ میں البتہ بظاہر خوفزدہ سی حویلی کے اس حصے سے نکل کر باہر آ گئی۔

کچھ ہی دیر میں یہ عقدہ کھل گیا کہ قتل ہونے والی ایک نوجوان کنیز تھی۔ اس کا قصور محض یہ تھا کہ وہ حویلی سے فرار ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کوشش میں وہ ایک حبشی غلام کے ہاتھوں ماری گئی جو خان زمان کے حرم کی نگرانی پر مقرر تھا۔ مقتولہ کنیز کے بارے میں مزید یہ معلوم ہوا کہ اسے کہیں سے اغوا کیا گیا تھا۔ خان زمان کے ایک نائب فوجی افسر نے خوشنودی کی خاطر اسے خان زمان کو پیش کر دیا تھا۔ یہ تفصیلات جان کر مجھے بغداد کی فائقہ یاد آ گئی جس نے اپنی تقدیر سمجھ کر موسیٰ بن کعب کے حرم میں رہنا قبول کر لیا تھا۔ مقتولہ کنیز نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ اس کی کئی وجوہ تھیں۔ ان میں سے بڑی وجہ اس کا نوجوان شوہر تھا جو مقتولہ سے محبت کرتا تھا۔ اس کی محبت میں اتنی شدت تھی کہ وہ ہر حال میں اپنی بیوی کو قبول کرنے پر

آمادہ تھا۔ اسی نے جان پر کھیل کر حویلی کے ایک خادم کو راضی کیا کہ وہ مقتولہ تک اس کا پیغام پہنچا دے۔ خادم کے ذریعے کچھ دنوں سے نامہ و پیام جاری تھے۔ اپنی بیوی کے عشق میں گرفتار اس نوجوان کو یاد نہ رہا کہ وہ ہاتھیوں سے گنے چھین رہا ہے۔ خادم ایک طرف تو اس نوجوان سے مال توڑتا رہا، دوسری جانب اپنی جان کے خوف سے حویلی کے نگران کو کنیز کے متوقع فرار سے آگاہ کر دیا۔ حویلی کے نگران نے ایک حبشی غلام کو حکم دے دیا کہ اگر مذکورہ کنیز فرار ہونا چاہے تو اس کی گردن مار دی جائے۔ کنیز کو فرار کرنے کی "سازش" میں ملوث نوجوان کے قتل کا بھی حکم ہوا۔

وہ دیوانہ عاشق جو اپنی بیوی کے انتظار میں حویلی کے اردگرد منڈلا رہا تھا، اس کے جسم کو بھی تیروں سے چھلنی کر دیا گیا۔

یہ واقعہ بڑی تیزی سے رونما ہوا۔ حصول معلومات کی خاطر میں دل آرام کے قالب سے نکل آئی تھی تاکہ اپنی جناتی صفات کو بروئے کار لا سکوں۔ عارج کو قابو سے بے قابو ہوتے میں کیسے دیکھ لیتی اس لیے اسے گہری نیند سلا دیا۔

یوں تو جن زاد بھی جن زادیوں کیلئے پاگل ہو جاتے ہیں اور شر ان میں بھی ہے، مگر آدم زاد تو ہم جنات سے بھی دو قدم آگے ہیں۔ کنیزوں، خواصوں، خادماؤں وغیرہ کی خرید و فروخت کا سبب یہی ہے۔

میں نے جس کنیز کے انسانی قالب کو اپنایا تھا، اس کی کہانی بھی بڑی دردناک تھی۔ اس کی داستان حیات بھی شاہم بیگ سے زیادہ مختلف نہیں تھی۔ دل آرام نے بھی بہت دھکے کھائے تھے۔ زندگی نے اس کے ساتھ بھی بڑا عجیب کھیل کھیلا تھا۔

دل آرام ایک عزت دار گھر کی بیٹی تھی۔ اس کی پیدائش ایک افغان گھرانے میں ہوئی۔ اس نے ٹھیک طرح ہوش بھی نہ سنبھالا تھا کہ یہ گھر اجاڑ دیا گیا اور اسی کا گھر کیا، بستی کے تقریباً سارے ہی گھر اجڑ گئے۔ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب کابل پر بابر کا چچا زاد ناصر مرزا حکمرانی کر رہا تھا۔ بابر لڑتا بھڑتا کابل پہنچا تو سلطان ناصر مرزا نے اسے اپنے اخلاص و اطاعت کا یقین دلایا۔ اس کے بعد بابر نے یوسف زئی افغانوں کی سرکوبی کیلئے مختصر سی ایک جمعیت کے ساتھ ان کے علاقوں پر حملہ کیا۔ اس لڑائی میں تین ہزار افغان قتل ہوئے۔ اس کے علاوہ بکثرت عورتیں اور بچے پکڑ لیے گئے۔

قتل ہونے والوں میں دل آرام کے دو بھائی بھی تھے۔ لڑائی کے دوران میں اس

کی ماں یا تو ماری گئی یا بچ کر بھاگ گئی۔ اس کا کوئی سراغ نہ ملا۔ دل آرام دوسرے قیدی بچوں کے ساتھ زنداں میں ڈال دی گئی۔

بابر اس علاقے کو فتح کر کے اپنے ایک امیر خواجہ کلاں کے سپرد کر گیا تھا۔ خود بابر اب ہندوستان پر حملے کا قصد رکھتا تھا۔ ایک روز خواجہ کلاں نے زنداں کا معائنہ کیا تو ایک بھولی بھالی خوبصورت بچی اسے بہت پسند آئی۔ یہ دل آرام تھی۔ اس نے وہاں سے دل آرام کو کابل بھیج دیا۔ کابل میں اس کا ایک عزیز بے اولاد تھا۔ خواجہ کلاں نے سوچا کہ وہاں دل آرام کی پرورش بہتر طور پر ہو جائے گی۔ خواجہ کلاں کا خیال تھا کہ دل آرام جوان ہو جائے گی تو وہ اسے اپنے عزیز سے واپس لے لے گا' مگر ایسا نہ ہو سکا۔ نوجوانی ہی میں اس کے دامن پر داغ لگا دیا گیا۔ خواجہ کلاں کے عزیز نے اسے ''مال غنیمت'' جانا۔

دل آرام کو اسی دوران میں معلوم ہوا کہ اس کی ماں زندہ ہے اور وہ ہندوستان کی طرف بھاگ گئی ہے۔ وہ گھر سے فرار ہو گئی۔ پھر وہ مختلف لوگوں کے ہتھے چڑھتی رہی مگر اس نے ہندوستان پہنچنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس وقت دل آرام کو معلوم نہ تھا کہ ہندوستان کتنا بڑا ملک ہے۔ وہ ایک عرصے تک بھٹکتی رہی۔ ہندوستان اس وقت بابر کیلئے میدان جنگ بنا ہوا تھا اور وہ فتح پر فتح حاصل کر رہا تھا۔ 937 ہجری میں بابر نے وفات پائی اور ہمایوں تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اس وقت دل آرام دہلی کے نواح میں بھٹک رہی تھی۔ وہ قزاقوں کے پلے پڑ گئی۔ بالآخر قزاق پکڑے گئے۔ ان کے ساتھ ہی دل آرام بھی تھی۔

اس قدر مصائب و آلام سے گزرنے کے باوجود اس کا حسن ماند نہ پڑا تھا۔ سپاہیوں کے جس دستے نے قزاقوں کا قلع قمع کیا تھا' اس نے دل آرام کو اپنے سالار کے سامنے پیش کیا۔ بوڑھا مغل سالار' دل آرام کو دیکھ کر جیسے جوان ہو گیا۔ اس نے دل آرام کو حرم میں ڈال لیا۔ پھر کچھ دن بعد ہی جب وہ معتوب ہوا تو اس نے بطور رشوت مغل افواج کے سپہ سالار خان زمان کی خدمت میں دل آرام کو پیش کر دیا۔ اس کے قصور معاف کر دیئے گئے۔ دل آرام کو خان زمان نے اپنی کنیز بنا لیا۔ اس وقت سے اب تک دل آرام' آگرے ہی میں تھی۔

خان زمان کو بھی دل آرام نے دل سے قبول نہ کیا تھا' ہاں اس نے اب زندگی سے مصالحت ضرور کر لی تھی۔ اسی دوران میں اس نے عارج کو شاہم بیگ کے انسانی پیکر میں دیکھا۔ عارج حویلی میں آتا جاتا رہتا تھا۔ زندگی میں پہلی بار وہ اپنا دل ہار بیٹھی۔ عارج کے

انسانی قالب شاہم بیگ کیلئے دل آرام کے دل میں جو جذبات پیدا ہوئے وہ پہلے کسی مرد کی خاطر پیدا نہ ہوئے تھے۔ جلد ہی اس نے اپنی اس کیفیت کو سمجھ لیا۔ وہ عارج کو ہوس کی راہ پر چلانا نہیں چاہتی تھی۔ میں اسی عرصے میں دل آرام کے اندر پہلی بار داخل ہوئی۔ ہم جنات آدم زادوں کے جسموں میں اتر کر عموماً بے قراری محسوس کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ انسانی قالب عالم اضطراب میں بے مقصد جھومتا اور ہاتھ پیر چلاتا نظر آتا ہے' مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ جس قالب سے ہماری ہم آہنگی نہیں ہو پاتی' اسے چھوڑتے ہوئے قالب کو شدید جھٹکا بھی لگ سکتا ہے۔ کبھی کبھی اس انسانی قالب پر غشی بھی طاری ہو جاتی ہے۔ دل آرام کے پیکر سے میری ہم آہنگی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اسی سبب اس وقت بھی ہوش نہ کھوتی جب میں اس کے جسم سے باہر آتی۔ اس کے جسم کو ہلکا سا قابل برداشت جھٹکا ضرور لگتا۔ سو جب میں چاہتی اس کے جسم پر قبضہ کر لیتی' جب مرضی ہوتی تو اسے چھوڑ کر چلی جاتی۔

میں نے ایک کام اور کیا کہ جب دل آرام کے جسم سے نکلتی وہ ساری باتیں اس کے ذہن میں بٹھا دیتی جو دینار کی حیثیت سے میں عارج سے کرتی۔ اس طرح یہ خطرہ ٹل گیا کہ اس وقت جب میں' دل آرام کا انسانی پیکر نہ اپنائے ہوں تو وہ بے خبری میں عارج کی کسی بات پر حیران نہ ہو۔ دل آرام میری کی ہوئی باتوں کو اپنی باتیں سمجھتی۔

کچھ دن تو عارج محل کے بجائے خان زمان کی حویلی میں رہا' پھر محل میں اٹھ آیا۔ اس کے باوجود عارج کی اکثر راتیں اب بھی حویلی ہی میں گزرتیں۔ یہ الگ بات کہ جب وہ بہکنے لگتا تو میں اس پر نیند مسلط کر دیتی۔

دل آرام جیسی کوئی آدم زادی اب تک عارج کی زندگی میں نہ آئی تھی۔ پہلے اس کا خیال تھا کہ جلد دل آرام سے جی بھر جائے گا' مگر یہ اندازہ غلط نکلا۔ دل آرام کا تو نشہ ہی مختلف تھا' دیرپا نشہ! یہ نشہ اترنے میں وقت لگتا۔ اس کی ایک وجہ دل آرام کی محبت بھی تھی۔ عشق و ہوس میں جنگ جاری تھی۔ دونوں ہی کو اپنی اپنی فتح کا یقین تھا۔

ادھر بساط سیاست پر ایک اور ہی نقشہ جما ہوا تھا۔ ہمایوں نے ایک بازی جیت لی مگر اس میں چھ ماہ لگ گئے۔ چنار کا قلعہ فتح ہو گیا۔ یہ خبر آگرے پہنچی تو بڑا جشن ہوا۔ ہمایوں نے دوسری بازی جمالی۔ اب اس کے مقابل شیر شاہ تھا۔ یہ بساط بنگال میں بچھی تھی۔ ہمایوں ہر قیمت پر یہ بازی بھی جیت لینا چاہتا تھا۔ وہ شیر شاہ کو شہ پر شہ دے رہا تھا۔ آخر شیر شاہ اپنے مہروں کو پیچھے ہٹانے پر مجبور ہو گیا۔ بنگال پر ہمایوں نے قبضہ کر لیا۔ بازی فیصلہ کن

مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔

ہماری ساری توجہ اسی بساط پر تھی کہ اس کے دونوں بھائیوں مرزا ہندال اور مرزا کامران نے نئی بساطیں بچھالیں۔ ہمایوں کی توجہ بٹ گئی اور اس کا نتیجہ خراب نکلا۔ مرزا ہندال اور مرزا کامران نے ہمایوں کے خلاف گٹھ جوڑ کر لیا۔ پہلے ہندال نے اور گٹھ جوڑ کے بعد کامران نے باری باری اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ شیخ بہلول کو قتل کر دیا گیا۔ ہمایوں نے آگرہ اسی کے سپرد کیا تھا۔ ہندال اپنے بھائی کامران کو بادشاہ تسلیم کر کے الور چلا گیا۔ کامران نے آگرے میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوا دیا۔ اس پر سارے شہر میں کہرام مچ گیا۔ ہمایوں کے وفاداروں کو چن چن کر قتل کیا جا رہا تھا۔

عارج بھی ہمایوں کے وفاداروں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس لیے اس پر بھی گویا برا وقت آ گیا۔ اس وقت اگر میں پس پردہ رہ کر عارج کی مدد نہ کرتی تو وہ مارا جاتا۔ اس کیلئے میں نے خان زمان کے خادم خاص برج علی کو استعمال کیا تھا۔ زلفوں کی گھنی چھاؤں سے اٹھ کر وہ ایک عرصے تک دھوپ کے صحرا میں بھٹکتا رہا۔ وہ اس حقیقت سے لاعلم ہی رہا کہ میں اس کے ساتھ ساتھ ہوں۔ مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ شہرت کتنی خطرناک ہوتی ہے! عارج بھی اس سے بے خبر نہ رہا۔ وہ جو بھی سوچتا مجھ سے پوشیدہ نہ رہتا۔ عارج کا جی چاہتا کہ وہ شہر میں کھو ے اور اس کے انسانی قالب شاہم بیگ کو کوئی نہ پہچانے۔

دل آرام خان زمان کی حویلی ہی میں رہی۔ میں اس کے جسم سے نکل آئی تھی۔ عارج کیلئے وہ دن رات تڑپتی مگر کسی سے کچھ نہ کہتی۔ کچھ باتیں بغیر کہے بھی سمجھ لی جاتی ہیں اس لیے اس کا عشق راز نہ رہ سکا۔

ہمایوں جو اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا تھا بالآخر بے سروسامانی کے عالم میں آگرے پہنچ ہی گیا۔ ہمایوں کو اس کی بڑی قیمت ادا کرنی پڑی۔ شیر شاہ اس پر حاوی آ گیا تھا اور یہی بڑی بات تھی کہ وہ جان بچا کر نکل آیا۔ شیر شاہ کے حصار سے نکلنے کیلئے ہمایوں کو ساتھ آٹھ ہزار مغل سپاہیوں کی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑا۔ یہ بات ممکن ہے آدم زادوں کو عجیب نہ لگتی ہو مگر مجھے اس پر ضرور حیرت ہوتی ہے کہ ایک آدم زاد کی زندگی کو ہزاروں آدم زادوں سے زیادہ قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ میں جن زادی تو، کیا بادشاہ اور کیا فقیر سب کی زندگی کو یکساں ہی تصور کرتی ہوں۔ قدرت نے شاہ و گدا سبھی کو پیدا کیا ہے، پھر یہ فرق کیوں؟ لازماً یہ فرق آدم زادوں ہی کا پیدا کردہ ہے۔ آدم زاد جنہیں اشرف المخلوقات بنایا گیا۔! خوب ہے یہ اشرف المخلوقات بھی!

اقتدار کے حصول کی خاطر یہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اسی کی ایک مثال ہمایوں اور اس کے بھائی تھے۔

آگرے واپس آتے ہی ہمایوں کو اپنے بھائی کامران سے مقابلہ کرنا پڑا۔ بے سروسامانی کے باوجود کامران اس کے مقابلے پر نہ ٹھہر سکا اور ہزیمت اٹھا کر الور کی طرف بھاگ گیا۔

آگرہ شہر میں ہمایوں کی دوبارہ آمد سے عارج کی عید ہو گئی۔ وہ فوراً بادشاہ کے حضور پیش ہو گیا۔ ہمایوں نے اس پر التفات کیا اور دوبارہ اس کی سابقہ حیثیت بحال ہو گئی۔

دوسرے ہی دن خان زمان بھی اس سے ملنے آیا۔ خان زمان کے ساتھ دل آرام کو بھی دیکھ کر عارج کھٹک گیا۔ میں اب دل آرام کے جسم میں اتر چکی تھی۔ میں نے ہی یہ بندوبست کیا تھا کہ کسی خوف و خطر کے بغیر عارج کے ساتھ دل آرام کے انسانی قالب میں رہ سکوں۔ خان زمان کو میں نے اپنے اثر میں لے رکھا تھا۔ میں خان زمان کے عقب میں کھڑی تھی۔

خان زمان، عارج سے بغل گیر ہوا۔ عارج کے دل میں جو وسوسے پیدا ہو رہے تھے دور ہو گئے۔ اس نے بڑے عزت و احترام سے خان زمان کو اپنی مسند پر پہلو میں بٹھایا۔

میں ابھی تک دل آرام کے انسانی قالب میں اپنی جگہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ عارج کے وہم و گمان میں یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ وہ دینار جس سے اس نے عشق کیا ہے، ایک کنیز دل آرام کے انسانی قالب میں چھپی ہو گی۔ مجھ پر اب تک یہ بات منکشف ہو چکی تھی کہ عارج اور میری پراسرار قوتوں میں خاصا فرق تھا۔ اس کی وجہ یہی ممکن تھی کہ میں نے عارج سے پہلے مختلف عملیات کے ذریعے یہ قوتیں حاصل کر لی تھیں۔ اسی کے ساتھ یہ کہ تمام جنات آدم زادوں ہی کی طرح ایک سی اہلیت کے حامل نہیں ہوتے۔

معاً خان زمان نے مجھے مخاطب کیا۔ ''دل آرام تو اندر جا! جب ہم تیری ضرورت محسوس کریں گے تو تجھے طلب کر لیا جائے گا۔ ہم اس وقت خلوت چاہتے ہیں۔''

میں نے عارج کی طرف نگاہ اٹھائی۔ وہ بالکل اجنبی بنا بیٹھا تھا۔ اس نے مجھے نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ میں مصلحت وقت کے تقاضے کو سمجھ گئی اور خاموشی سے اندر والے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

یہ عارج کی نشست گاہ تھی جس کے بیرونی دروازے پر مسلح خدمت گار متعین تھے۔

دروازہ اتنی دور تھا کہ وہ خان زمان اور عارج کے درمیان ہونے والی گفتگو نہیں سن سکتے تھے مگر میرے ساتھ ایسا نہ تھا۔ نشست گاہ سے نکلتے ہی میں نے اپنی سماعت کا دائرہ وسیع کر لیا تھا۔ اب میں دور رہ کر بھی عارج اور خان زمان کی آوازیں سن سکتی تھی۔ اپنے تصور کی قوت کو متحرک کر کے میرے لیے ان دونوں کو دیکھنا بھی ممکن تھا لیکن اس وقت میں نے یہ ضرورت محسوس نہیں کی، صرف آوازیں سننے پر اکتفا کیا۔

''شاہم!'' خان زمان کی آواز سنائی دی۔ ''آگرہ آ کر ہم نے تمہارے بارے میں بہت کچھ سنا۔ چشم دید گواہ بھی ہمارے سامنے پیش ہوئے مگر ہم نے کسی کے کہے پر یقین نہیں کیا اور سیدھے تمہارے پاس چلے آئے۔ ہم تم سے تصدیق چاہتے تھے۔ دل آرام کو بھی ہم اسی لیے ساتھ لے کر آئے ہیں۔ ابھی ہم نے اس سے بھی کچھ نہیں پوچھا۔ تم ہمیں بتاؤ شاہم کہ حقیقت کیا ہے؟ کیا واقعی تمہیں وہ کنیز پسند آ گئی ہے؟'' خان زمان کے لہجے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مصالحت چاہتا ہے۔ مبارزت نہیں۔

عارج نے اسی لیے فوراً اعتراف کر لیا۔

خان زمان نے عارج سے مجھے بلانے کیلئے کہا۔

میں حاضر ہو گئی تو خان زمان نے عارج کو مخاطب کیا۔ ''آج کے بعد دل آرام ہماری نہیں تمہاری ہے۔'' یہ کہہ کر خان زمان مجھ سے بولا۔ ''ہم تجھ پر اپنے حق سے دستبردار ہوتے ہیں۔ اب سے تیرا آقا و مولا شاہم ہے۔''

بطور شکریہ میں خان زمان کے سامنے جھک گئی اور جب سیدھی کھڑی ہوئی تو اپنے محبوب پر نگاہ کی۔ عارج کی کیفیت سے اس کی خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ خان زمان اس پر اس حد تک مہربان ہو جائے گا۔

خان زمان نے پھر مجھے اندر جانے کا حکم دیا۔ میں جب نشست گاہ سے نکل گئی تو وہ عارج سے کہنے لگا۔ ''اگر تم براہ راست ہم سے عرض شوق کر دیتے تو مفسدوں کو لگائی بجھائی کا موقع نہ ملتا۔ خیر خاک ڈالو! ایک کنیز کیا تم پر تو ایسی ہزاروں کنیزیں ہم صدقہ کر سکتے ہیں۔''

اس کے بعد خان زمان وہاں زیادہ نہ رکا۔

شاہم بیگ کو خان زمان نے اپنی ایک کنیز پیش کر دی ہے' یہ بات ہمایوں سے بھی چھپی نہ رہ سکی۔ ملا پیر محمد اور خان خاناں بیرم خان کے دوسرے مخالف امراء نے اس واقعے کو اپنے مفاد میں استعمال کرنا چاہا۔ پیش پیش ملا پیر محمد ہی تھا۔

خان زمان پر کوئی حرف آتا اس سے بیرم خان ہی متاثر ہوتا۔ ملا پیر محمد ذاتی طور پر بھی عارج سے خوش نہیں تھا۔ ملا کی تاکید کے باوجود اس نے خان زمان سے ملنا جلنا نہیں چھوڑا تھا۔ اس کے خیال میں عارج مخالفوں کا آلہ کار بن گیا تھا۔ اس نے کئی بار عارج کی وفاداری آزمانے کیلئے کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔ عارج ٹال مٹول کر جاتا۔ ملا پیر محمد نے عارج کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے جو سوچا تھا' وہ پورا نہ ہو سکا۔ عارج اس کا مہرہ نہیں بنا۔ ملا سے وہ کھنچا کھنچا سا رہتا۔ اس پر ملا بہت پچھتاتا۔ وہ عارج کے ذریعے بادشاہ کو اپنے حق میں استوار کرنے کا آرزومند تھا تاکہ خان خاناں اور اس کے حلیفوں پر بھرپور ضرب لگا سکے۔ ملا پیر محمد کا سوچا پورا نہ ہوا۔ سانپ نکل جانے کے بعد لکیر پیٹنا اس کا شیوہ نہ تھا۔ وہ موقع کا منتظر رہا کہ عارج کو سبق سکھائے۔ عارج کے خلاف وہ اب تک اور بہت سی باتیں جمع کرتا رہا تھا۔ وقتاً فوقتاً موقع دیکھ کر مختلف ذرائع سے ملا نے یہ باتیں بادشاہ تک پہنچائی تھیں' مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ عارج کا طوطی اسی طرح بولتا رہا۔ ''دل آرام'' کے واقعے نے ایک بار پھر ملا پیر محمد کو اکسایا۔ اسے کچھ امید بندھی کہ شاید اس بار اس کا تیر خطا نہیں ہوگا۔ اس معاملے میں خان زمان بھی ملوث تھا اس لیے اسے دوسرا رنگ دیا جا سکتا تھا۔ انہی حالات کے پیش نظر ملا پیر محمد نے اس بار بادشاہ سے خود بات کی۔

ملا پیر محمد نے بادشاہ کو یہ سمجھایا کہ خان زمان اور عارج کے باہمی ربط ضبط کسی گہری سازش کا شاخسانہ بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ ان سے بادشاہ کیلئے کوئی خطرہ ہو سکتا ہے۔

ہمایوں نے بڑے تحمل کیساتھ ملا پیر محمد کی باتیں سنیں اور پھر اسے دم دلاسا دے کر رخصت کر دیا۔ ہمایوں ذہن رسا کا مالک تھا' اسے بات کی تہہ تک پہنچنے میں دیر نہ لگی۔ حقائق سے قطع نظر پیر محمد اس واقعے کو کیا رنگ دینا چاہتا ہے' وہ سمجھ گیا۔ اس کی نظر میں یہ خطرناک بات تھی۔ داخلی طور پر اس وقت انتشار اس کیلئے نئے مسائل پیدا کر سکتا تھا۔ اسے موجودہ حالات میں ملا پیر محمد جیسے سازشی ذہن رکھنے والوں کی بھی ضرورت تھی نیز خان خاناں جیسے وفاداروں اور جانثاروں کو بھی وہ نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ رہا عارج تو اس کی خدمت گزاری سے وہ خوش تھا۔ اسے اب تک کوئی ایسا خادم خاص نہیں مل سکا تھا جو اس کے مزاج و عادات اور پسند و ناپسند کا اتنا خیال رکھ سکے۔ یہ صرف اس کا معاملہ تھا جو کسی اور کی سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا۔ ہمایوں کو اس وقت تک صورتحال کا اندازہ نہیں تھا۔ عارج کے انسانی قالب شاہم بیگ کی بدمزاجی اور بدسیرتی سے وہ ناواقف تھا۔ اسی لیے اس نے اپنی افواج کے سپہ سالار اور اپنے

خادم خاص کے مراسم کو نظر انداز کر لیا اور اس معاملے کو دبا دیا۔

عارج کو بھی یہ خبر ہو گئی کہ بادشاہ تک اس کی شکایات پہنچی ہیں۔ پہلے وہ فکر مند ہوا لیکن جب بادشاہ نے اس سے کچھ نہ کہا تو الٹا اثر ہوا۔ وہ بے نکیل ہو گیا۔ اس کی بدمزاجی اور بدسیرتی پہلے کی نسبت اور بڑھ گئی۔ شاہم بیگ کی منفی صفات کا غلبہ زیادہ ہو گیا۔ میں حالات پر پوری نظر رکھے ہوئے تھی۔ وہ اب مجھے بھی منہ نہ لگاتا۔ چوری چھپے کی ملاقاتوں میں جو لطف تھا وہ عارج کے نزدیک جاتا رہا۔ وہ جب چاہتا کسی بھی بہانے مجھے ذلیل کر دیتا اور جب جی میں آتا مجھے خلوت میں آنے کی اجازت دے دیتا۔ میرے انسانی قالب دل آرام نے عارج کے انسانی پیکر شاہم بیگ سے عشق کیا تھا' اسے چاہا تھا' اسے روحانی آسودگی کی ضرورت تھی جو نہ مل سکی۔ اپنے انسانی قالب کے مزاج کا چڑچڑا پن مجھے بھی محسوس ہوا۔ یہی حال دوسری جانب تھا۔

☆.... ☆..... ☆

ایک دن کیا ہوا کہ عارج نے ذرا سی بات پر ساغر کھینچ مارا۔ میں اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی کہ حد سے زیادہ بے نوشی صحت کیلئے مضر ہے۔ عارج آپے سے باہر ہو گیا' بولا۔ ''تو دو ٹکے کی لونڈی مجھے نصیحت کرے گی!''

بلوری ساغر میرے سر پر لگا اور کرچی کرچی ہو کر بکھر گیا۔ میں اس صدمے سے چکرا کر فرش پر گر پڑی۔ عارج کے دوسرے خدمتگار مجھے وہاں سے اٹھا لائے۔ میں دل آرام کے قالب سے نکل آئی۔ مقصد اس تکلیف سے بچنا تھا جو سر پر چوٹ لگنے سے شروع ہوئی تھی۔

مجھے عارج پر ذرا بھی غصہ نہ آیا کیونکہ وہ اپنے قابو ہی میں کب تھا۔

اس واقعے کو ہفتہ بھر نہ گزرا تھا کہ ایک دن صبح عارج کو خبر ملی کہ عبدالرحمٰن نامی کوئی شخص اس سے ملنے آیا ہے۔ جب سے شاہم بیگ کی منفی صفات عارج پر حاوی ہوئی تھیں' اس میں ایک اور پراسرار تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ مجھے اس کا تجربہ نہیں ہوا۔ وہ عجیب تبدیلی شاہم بیگ سے متعلق تھی۔ شاہم بیگ کے حافظے میں جو کچھ بھی تھا' عارج کو معلوم ہو گیا تھا۔ اس کا سبب غالباً سینکڑوں صدیوں کا سفر تھا۔ ایک زمانے سے دوسرے زمانے میں جا کر ممکن ہے کچھ حیران کن تبدیلیاں ناگزیر ہوں۔ میں نے یہ سوچ کر خود کو اطمینان دلایا' مگر حتمی طور پر کوئی رائے قائم کرنا میرے لئے بھی مشکل تھا۔

عارج اسی بنا پر عبدالرحمٰن کو پہچان گیا۔ اس نے خبر لانے والے خدمتگار سے کہا۔
''اگر وہ مفلوک الحال شخص اپنا نام عبدالرحمٰن ہی بتاتا ہے اور وہ سنبھل سے آیا ہے تو اسے فوراً ہمارے حضور میں پیش کیا جائے۔''

خدمتگار تعظیماً سر جھکا کر باہر چلا گیا۔

شاہم بیگ کے دوستوں اور محسنوں میں ایک عبدالرحمٰن ہی ایسا بچا تھا جس کا قرض

اس پر باقی تھا ورنہ تو عارج نے سبھی کے احسان اتار دیئے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے سنبھل جانے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ اب خود عبدالرحمٰن' شاہم بیگ کو تلاش کرتا ہوا آ گیا تھا۔ عبدالرحمٰن ایک معمولی لکڑہارا تھا جس نے برے وقت میں شاہم بیگ کی مدد کی تھی۔ عارج نے اسی لئے اسے فوراً بلوا لیا۔ ملاقات کی اجازت دینے کا ایک سبب نمود و نمائش بھی تھا۔ وہ عبدالرحمٰن کو مرعوب بھی کرنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ اسے یہ خیال بھی تھا کہ عبدالرحمٰن بہ مجبوری ہی اس کے پاس آیا ہوگا۔ ایک ہی جسم میں ایک جن زاد اور آدم زاد کی متصادم صفات اپنا اثر دکھا رہی تھیں۔ عارج اسی وجہ سے نہ تو محض جن رہا تھا' نہ آدمی بن پایا تھا۔ وہ اپنے اندر اور باہر سے خاصا بدل چکا تھا۔ عبدالرحمٰن سے وہ حقیقتاً مخلص نہ تھا۔ اس کے خیال میں عبدالرحمٰن کا قرض اس لئے اتارنا ضروری تھا کہ پھر کوئی شخص ایسا باقی نہ رہتا جس کے سامنے اس کی نظر نیچی ہوتی۔

جب عارج کے خدمتگاروں نے عبدالرحمٰن کو نشست گاہ میں لا کر بٹھا دیا تو اسے اطلاع دی۔ عارج سے میں زیادہ دور نہیں تھی مگر اس قدر قریب بھی نہیں کہ مجھے وہ دیکھ لے۔ میں اب دل آرام کے جسم میں تھی۔ دور رہ کر بھی میں اس پر قادر تھی کہ عارج پر نظر رکھ سکوں۔ میری توجہ عارج کے دماغ پر تھی۔ عبدالرحمٰن کی آمد کے بعد وہ کچھ سوچنے لگا۔ اسے وہ وقت یاد آ رہا تھا جب بہادر خاں کے سامنے اس کی پیشی ہوئی تھی۔ خدمتگار مودب کھڑا رہا اور وہ سوچتا رہا۔

ہر چند کہ عبدالرحمٰن اور اس کی حیثیت میں بڑا فرق تھا مگر اس نے خدمتگار کو وہی حکم دیا جو حکم اس کیلئے بہادر خاں نے دیا تھا۔ خادم حکم سن کر الٹے قدموں واپس چلا گیا۔

بہادر خاں نے اسے زنداں سے نکلوا کے اپنی حویلی میں بلایا تھا اور عبدالرحمٰن خود چل کر اس کے پاس پہنچا تھا۔ دونوں میں صرف ایک قدر مشترک تھی وہ یہ کہ اس وقت عارج' بہادر خاں کے رحم و کرم پر تھا اور اس وقت عبدالرحمٰن اس کی عنایتوں کا متمنی!

عارج سوچنے لگا کہ جب عبدالرحمٰن کو گلاب کا عطر ملے ہوئے پانی میں نہلایا جائے گا' اس کے جسم پر مختلف روغنوں کی مالش ہوگی اور اسے بہترین پوشاک پہننے کو دی جائے گی تو اس کا کیا حال ہوگا؟ اس معمولی لکڑہارے نے کبھی یہ سوچا ہوگا کہ شاہی محل میں اس کی یوں پذیرائی ہوگی؟

دن بھر عارج دانستہ عبدالرحمٰن سے نہ ملا اور روز کے معمولات میں مصروف رہا۔

اس کے حکم پر عبدالرحمٰن کو مہمان خانے میں ٹھہرا دیا گیا تھا۔ محل کا جو حصہ اس کے تصرف میں تھا' خاصا وسیع و عریض تھا۔ وہ چاہتا تو آگرہ شہر میں کوئی حویلی خرید سکتا تھا مگر نہ اس کی مرضی تھی' نہ اس کے فرائض اسے یہ اجازت دیتے تھے۔ بادشاہ کے خادم خاص کا محل میں رہنا ہی ضروری تھا۔ ہمایوں کسی بھی وقت اسے طلب کر لیتا تھا۔

شام ہوئی تو عارج نے کئی دن گزر جانے کے بعد مجھے اپنے پاس بلایا۔ ''آرائش و زیبائش کے باوجود میں نے اپنے انسانی قالب کے چہرے پر جان بوجھ کر اداسی طاری کر لی۔ عارج کے سامنے میں نظر جھکائے کسی مجرم کی طرح کھڑی تھی۔ مجھ سے نہیں میرے انسانی پیکر دل آرام سے واقعی ایک جرم سرزد ہوا تھا۔ مجھے اس کا احساس تھا' دل آرام کا جرم محبت تھی۔ وہ بے خبر تھی کہ پتھر میں جونک نہیں لگتی۔ عارج نے میرے انسانی چہرے پر نظر جماتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ ''بول تیرا دماغ ابھی درست ہوا یا نہیں؟''

میں نظر جھکائے رہی اور بولی۔ ''کنیز اپنی حیثیت بھول گئی تھی' حضور سے اپنے قصوروں کی معافی چاہتی ہے' آئندہ کبھی حد ادب سے تجاوز نہیں کرے گی۔''

''سن! ہمارا ایک یار قدیم آیا ہے' ہم چاہتے ہیں کہ آج تو ساقی بنے' مہمان نوازی میں کسی کوتاہی کو ہم معاف نہیں کریں گے۔''

''کنیز! حضور کا حکم بجا لائے گی۔'' میں بولی۔ مجھے احساس تھا کہ ایک کنیز کے انسانی قالب میں رہ کر کیا الفاظ استعمال کرنے ہیں۔

''اب تو جا سکتی ہے۔''

اجازت ملتے ہی میں الٹے قدموں دروازے تک پہنچی۔ جب میں دروازے سے نکلی تو دل آرام کا شاہم بیگ سے عشق مجھ پر گویا مسلط ہو گیا۔ اسی کے زیر اثر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اپنی کیفیت لفظوں میں منتقل کرنا میرے لئے پوری طرح ممکن نہیں۔ اگر عارج اپنے قابو میں نہیں تھا تو مجھ پر بھی دل آرام کے قالب کا اثر تھا۔ میں نے اسی حالت میں نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا اور تیز تیز قدموں سے ایک طرف بڑھ گئی۔ دل آرام محبوب سے دوبارہ کنیز بنا دی گئی تھی اور اس نے حالات کی اس نئی کروٹ کو قبول کر لیا تھا۔ آنسو اسی نئی کروٹ کو قبول کرنے کا اظہار تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کسی بھی حیثیت سے وہ اپنے محبوب کے قریب تو رہ سکے گی' اسے دیکھ تو سکے گی' میں نے اس کا جسم چھوڑ دیا تھا۔

عارج نے بھی دل آرام کی بدلی ہوئی کیفیت کو محسوس کر لیا۔ وہ اس سے یہی سمجھا

کہ دل آرام کے سارے کس بل نکل گئے ہیں' اپنی "دانشمندی" پر وہ مسکرایا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ میں اندھیرے کی چادر اوڑھے ہوئے اس کے قریب ہی تھی۔ عارج نشست گاہ میں پہنچا تو خادم اسے دیکھ کر مستعد ہو گئے۔ سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق تھا۔ اس نے عبدالرحمٰن کے بارے میں دریافت کیا۔ اسے بتایا گیا کہ بار بار عبدالرحمٰن اسی کے متعلق پوچھ رہا ہے اور کہتا ہے کہ ملاقات کب ہوگی؟

یہ سن کر عارج مسکرایا اور مسند پر جا بیٹھا۔ اس نے نشست گاہ میں چاروں طرف نظر دوڑائی پھر بڑبڑایا۔ "بس اب دل آرام کی کمی ہے۔"

حقیقت یہی تھی کہ عارج کی آدم زاد کنیزوں میں دل آرام جیسی حسین کنیز کوئی نہ تھی۔ مگر عارج کے انسانی پیکر شاہم بیگ کا تصور حسن مختلف تھا۔ وہ حیا کے بجائے بے حیائی کو عورت کا حسن سمجھتا تھا۔ اس آدم زاد کا حیوان بہت قوی ہو گیا تھا اور عارج اسی کے اشاروں پر ناچنے کیلئے مجبور تھا۔ عارج کے حکم پر جب دل آرام بھی صراحی و ساغر کے قریب کھڑی ہوئی تو اس نے عبدالرحمٰن کو بلوایا۔

عبدالرحمٰن بہترین ریشمی پوشاک پہنے نشست گاہ میں پہنچا تو اس کی حالت نیم پاگلوں کی سی تھی۔ جس شے پر اس کی نظر پڑتی' اسے دیکھتا رہ جاتا۔ اسے دیکھ کر خدمت گاروں کے چہرے ہنسی روکنے کی کوشش میں سرخ ہو گئے۔ عارج نے صورتحال بھانپ لی اور اشارے سے خدمتگاروں کو رخصت کر دیا۔

یہ آدم زاد بھی خود کو جانے کیا سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ہم جنات میں اتنی اونچ نیچ نہیں' غریب اور امیر کا یہ تضاد مجھے آدم زادوں ہی میں نظر آیا۔ غالباً اس کی وجہ آدم زادوں میں مال و منال کا لالچ ہے۔

عارج کی مسند کے عین اوپر چھت سے فانوس لٹک رہا تھا۔ اب عبدالرحمٰن کی نگاہ اس فانوس پر تھی۔ فانوس کے شیشے رنگ برنگے تھے' ان کی وجہ سے روشنی مختلف رنگوں میں منعکس ہو رہی تھی۔

"عبدالرحمٰن! یہاں ہم بھی ہیں۔" عارج نے اسے مخاطب کیا تو وہ اچھل پڑا۔

"شاہم بیگ!" عبدالرحمٰن حیرت زدہ آواز میں بولا پھر مسند کی طرف دوڑا۔

دراصل عبدالرحمٰن کو یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کے سامنے عارج کا انسانی قالب شاہم بیگ ہی ہے اور وہ کوئی حسین خواب نہیں دیکھ رہا۔ شاہم بیگ کو برسوں پہلے اس نے

جس حال میں دیکھا تھا اب وہ حال نہ تھا۔ عبدالرحمٰن کو حیرت زدہ و وحشت زدہ دیکھ کر عارج مسکرا رہا تھا۔

مسند کے قریب پہنچ کر عبدالرحمٰن رک گیا اور عارج کے انسانی چہرے کو بغور دیکھنے لگا۔

"تم...... تمہی شاہم ہو...... شاہم ہو نا!" عبدالرحمٰن بے یقینی سے بولا۔

میری توجہ عبدالرحمٰن کے ذہن پر تھی۔ اس نے صرف یہ سنا تھا کہ شاہم بیگ بادشاہ ہمایوں کا خادم خاص بن گیا ہے۔ نہ اسے یہ خبر تھی کہ بادشاہ کس عیش میں زندگی بسر کرتا ہے اور نہ یہ معلوم تھا کہ جو لوگ بادشاہ کے مقرب و مصاحب ہوتے ہیں' ان کی شان و شوکت کیا ہوتی ہے۔ اس کی وحشت زدگی کا سبب یہی تھا۔

عارج کافی لطف لے چکا تھا اس لئے عبدالرحمٰن کو مزید نہیں ستایا اور اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ عارج سے گفتگو کر کے عبدالرحمٰن جلد ہی اپنے حواسوں میں آ گیا مگر دل آرام پر اس کی نظر پڑی تو پھر حواس کھو بیٹھا۔

دل آرام مسند سے دور ایک گوشے میں تصویر بنی کھڑی تھی۔ عبدالرحمٰن نے اٹک اٹک کر عارج سے کہا۔ "کیا..... وہ تمہاری ملکہ ہے؟"

عارج ہنس پڑا اور بولا۔ "وہ میری ملکہ نہیں کنیز ہے..... خادمہ..... نوکرانی۔" اس کا انداز سمجھانے کا سا تھا۔ "ایک اشارے میں کھنچی چلی آئے گی۔" عبدالرحمٰن نے دل آرام پر نظر جمائے ہوئے اشتیاق سے کہا۔ "تو پھر اشارہ کر دو اسے۔"

عارج نے دل آرام کو اشارہ کیا' وہ اشارے کی منتظر ہی کھڑی تھی۔ اس نے جھک کر قریب رکھا ہوا چاندی کا خوب صورت طشت اٹھایا۔ طشت میں صراحی' ساغر اور دیگر آلات مے نوشی رکھے تھے۔ وہ قدم قدم چلتی مسند تک پہنچی اور ادب و سلیقے سے طشت کو مسند پر رکھ دیا پھر خود بھی دو زانو بیٹھ گئی۔

عبدالرحمٰن کی نگاہ دل آرام ہی پر جمی رہی' وہ دو ساغروں میں شراب انڈیل کر انہیں باری باری عبدالرحمٰن اور عارج کو پیش کر کے اپنی جگہ جا کھڑی ہوئی۔ عبدالرحمٰن کی حیرت کچھ کم ہوئی تو اس نے ساغر سے پہلا گھونٹ لیا۔

مے نوشی کے دوران میں عارج نے عبدالرحمٰن سے اس کی آمد کا سبب دریافت کیا۔

عبدالرحمٰن نے مختصراً اپنی روداد بیان کر دی۔

معاشی طور پر عبدالرحمٰن اتنا تباہ ہو چکا تھا کہ فاقوں پر نوبت آ گئی تھی۔ اس نے اپنے بڑے بھائی موید بیگ سے مدد چاہی۔ موید بیگ لالچی آدمی تھا' اس نے بھائی کی مدد تو کر دی مگر شاہم بیگ کا طعنہ بھی دیا۔ موید بیگ پہلے بھی کئی بار کہہ چکا تھا کہ وہ آگرے چلا جائے اور شاہم بیگ پر اپنا احسان جتائے۔ عبدالرحمٰن ہر چند کہ غریب اور ضرورت مند تھا مگر اس کی غیرت یہ گوارا نہ کرتی تھی۔

امیر آدم زادوں کے مقابلے میں' میں نے غریبوں کو زیادہ غیرت مند پایا۔ کہتے ہیں اور شاید ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ غرض باؤلی ہوتی ہے' پیٹ روٹی مانگتا ہے' کسی خالی پیٹ آدم زاد کا پیٹ محض باتوں اور سنہرے خوابوں سے نہیں بھر سکتا۔ سو ایک دن عبدالرحمٰن بھی اندر سے ٹوٹ پھوٹ گیا۔ وہ خود بھوکا رہ سکتا تھا مگر اپنے گھر والوں کو بھوکا رکھنے پر آمادہ نہ تھا۔ نتیجہ یہ کہ خالی پیٹ نے غیرت کو بھی اپنی خوراک بنا لیا اور وہ آگرے آ گیا۔

عارج نے اس کی روداد سن کر کہا۔ ''اچھا ہوا تم یہاں چلے آئے' میں تمہیں سنبھل کے قریب ہی کوئی جاگیر دلوا دوں گا۔''

''مجھے کوئی جاگیر نہیں چاہئے' میں تو یہیں تمہارے پاس رہوں گا۔''

وقت اور حالات آدمی کو سب کچھ سکھا دیتے ہیں' چند ہی دنوں میں عبدالرحمٰن کو معلوم ہو گیا کہ جاگیر کیا ہوتی ہے اور جاگیردار کسے کہتے ہیں؟ وہ راضی ہو گیا اس کے ساتھ اس نے عارج سے عاجزانہ درخواست کی کہ دل آرام کو اس کے حوالے کر دیا جائے۔ عارج نے یہ بات اس لئے مان لی کہ دل آرام سے اب اس کا دل بھر گیا تھا' جذبات کا چڑھا ہوا دریا اب اتر چکا تھا۔

جس دن دل آرام کو یہ خبر ہوئی اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ اتنا روئی کہ بچپن میں باپ اور بھائیوں کے قتل اور ماں کے بچھڑ جانے پر بھی اس قدر نہ روئی تھی۔ افغانستان کے طور طریقے بھلا کر اب وہ ہندوستانی ہو گئی تھی لیکن اسے یہ سرزمین بھی راس نہیں آئی تھی۔

اب دل آرام کا سنگ دل محبوب اسے اپنے دیدار سے بھی محروم کرنے والا تھا۔ رونے سے اس کے دل کا غبار کچھ کم ہوا تو اسے عبدالرحمٰن پر غصہ آنے لگا۔ اسی غصے کا نتیجہ تھا کہ اس نے اپنے محبوب کا بھی خیال نہ کیا اور اس کے حضور بے ادبی کی مرتکب ٹھہری۔

دل آرام سے یہ بے ادبی ہوئی تھی کہ اس نے عبدالرحمٰن کے عقد میں جانے سے انکار کر دیا تھا۔

عارج اپنے انسانی قالب کے آگے بے بس تھا سو اس نے نشے میں دھت ہو کر دل آرام کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا اور عبدالرحمٰن کے قدموں میں ڈال دیا۔ اسی شب زبردستی عبدالرحمٰن سے دل آرام کا نکاح ہو گیا' کچھ ہی روز میں عارج نے سفارش کر کے عبدالرحمٰن کو جاگیر دلا دی اور وہ دل آرام کو لے کر اپنی جاگیر میں چلا گیا۔

دل آرام کو آگرہ شہر سے گئے چھ ماہ کا عرصہ ہو چکا تھا۔ عارج نے اب اسے بالکل بھلا دیا تھا۔ عارج کسی کو بھولتا کہ یاد رکھتا لیکن ملا پیر محمد نے اسے نہیں بھلایا تھا۔ اس عرصے میں ملا پیر محمد نے عارج کو اتنا بدنام کرا دیا کہ ہمایوں بھی اس سے کھنچا کھنچا سا رہنے لگا۔ ہفتوں ہمایوں اسے اپنی خدمت میں طلب نہ کرتا۔ اس کے نتیجے میں عارج کا زیادہ جھکاؤ خان زمان کی طرف ہو گیا۔ خان زمان مغل افواج کے معاملات سلجھانے اور انہیں میدان جنگ میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھانے پر تو تیار کر سکتا تھا مگر سیاست اسے نہیں آتی تھی۔ صاحب علم ہونے کی بنا پر اس کے مزاج میں فقر بھی شامل تھا۔ فقر کی معراج بے نیازی ہے۔ سو خان زمان اس سے بے نیاز تھا کہ مخالفین اسے کیا نقصان پہنچا دیں گے وہ جس سے بھی ملتا' اس میں ریا کاری شامل نہ ہوتی اس کا یہی معاملہ عارج کے ساتھ تھا۔ بادشاہ تک اب کوئی بات پہنچانے کا ذریعہ عارج نہیں رہا یا بادشاہ ان دنوں عارج سے ناراض ہے اور ملا پیر محمد نے عارج کو کہیں کا نہیں رکھا' ان تمام باتوں سے خان زمان کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اپنی بے نیازی کی بنا پر جس طرح پہلے عارج سے ملتا تھا اسی طرح کیا۔ اس سے زیادہ گرم جوشی کے ساتھ ملا۔ یوں گویا وہ اپنی دانست میں عارج کی محرومی اور دکھوں کا مداوا کر رہا تھا۔

یوں لگتا تھا جیسے خان زمان کی عقل ماری گئی ہو' وہ عارج کی دل دہی کی خاطر اس کے سامنے زمین پر بچھا جاتا جس طرح بادشاہوں کے سامنے تواضع اور خاکساری کا اظہار ہوتا ہے اس طرح خان زمان' عارج کی تعظیم کرتا اس کے دل میں بس ایک بات سما گئی تھی کہ عارج کو ملول نہیں ہونا چاہئے۔ اور یہ کہ ہمایوں کی عارج سے خفگی عارضی ہے۔ وہ اسی لئے خلوت میں ''شاہم بیگ'' کو مسند پر بٹھا کر خود دست بستہ اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا اور ''شاہم! شاہم!'' کہتا رہتا۔

ملا پیر محمد نے عارج کے لئے ہر طرف جال پھیلا رکھا تھا۔ اس غرض سے اس نے

خان زمان کے کچھ خدمتگاروں کو سانٹ لیا۔ گھر کے بھیدیوں نے ملا پیر محمد کے ایما پر اور جاں بخشی کا وعدہ لینے کے بعد ہمایوں کے سامنے "چشم دید گواہی" دی۔

ہمایوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ خان زمان اور عارج پر وہی پرانا الزام لگایا گیا کہ وہ بادشاہ کے خلاف سازش میں ملوث ہیں۔ بادشاہ کے خادم خاص کو خان زمان نے گویا اپنا خادم بنا لیا ہے اور اس کے ذریعے دیگر امراء کو بھی اپنے حق میں استوار کر رہا ہے۔

ہمایوں ایک مطلق العنان حکمران ہونے کے ناتے ردعمل کے طور پر عارج کے انسانی قالب کی کھال بھی کھنچوا سکتا تھا لیکن ایسا نہیں ہوا اس کی بڑی وجہ میں تھی۔ ہمایوں نے اس لئے ایک "سازشی" کے واسطے جو حکم دیا' قدرے نرم تھا۔ عارج کی جگہ کوئی اور ہوتا یا میں نے اس معاملے میں مداخلت نہ کی ہوتی تو فوراً عارج کے انسانی پیکر شاہم بیگ کی گردن مار دی جاتی۔ ہمایوں نے "شاہم بیگ" کے لئے صرف آگرے سے اخراج کا حکم دیا تھا۔ ہمایوں نے یہی حکم کیوں دیا' اس سے محض میں واقف تھی۔

میں تو اس قصے کو ختم کرانا چاہتی تھی مگر عارج کی حد سے بڑھی ہوئی نخوت آڑے آئی۔ اس نے سوچا مغلیہ افواج کے سربراہ کو ہمایوں ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے گا اسی بنا پر اس نے شاہی محل سے نکل کر خان زمان کی حویلی میں پناہ لے لی۔ میرے نزدیک بھی عارج کا آگرہ بدر ہونا مناسب نہیں تھا اس لئے مجھے خان زمان پر اثر انداز ہونا پڑا۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو یقیناً خاں زمان کی آنکھیں کھل جاتیں اور وہ ایک معتوب کو پناہ نہ دیتا۔

عارج کو یہ غلط فہمی بھی تھی کہ ہمایوں وقتی طور پر اس سے ناراض ہو گیا ہے اور کچھ دن میں اس کا غصہ اتر جائے گا تو پھر محل میں بلوا لے گا۔ خان خاناں بیرم خاں نے اسے بہت سمجھایا مگر وہ نہ سمجھا۔ بھلا بھی کیسے' میں اسے کس طرح بیرم خاں کی نصیحت ماننے دیتی۔

مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ ان بڑے عہدے والے آدم زادوں پر کیا گزر رہی گی' میں تو بہر صورت عارج کو بچانا چاہتی تھی۔ اگر میں اس کی زندگی کیلئے کوئی خطرہ محسوس کرتی تو اس پر ظاہر ہو جاتی پھر اسے اس زمانے سے فرار کرا کے کہیں اور لے جانا میرے لئے مشکل نہ ہوتا۔ میں' عارج کی طرف سے پوری طرح چوکنا تو تھی مگر زیادہ فکر مند نہیں' اسے آگرہ شہر سے کسی دوسری جگہ بھی جانا پڑتا تو میں سایہ بن کر اس کے ساتھ رہتی۔

اس عرصے میں ملا پیر محمد کی تحریک پر ہمایوں نے اپنے حکم کی تعمیل کے لئے خان زمان پر ایک دستے کو متعین کر دیا۔ پانی سر سے اونچا ہو گیا تو خان خاناں بیرم خاں کو حرکت

میں آنا پڑا۔ وہ اب خاموش تماشائی بنا ہوا نہیں رہ سکتا تھا۔ بیرم خاں پہلے ہمایوں سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ اس کے حکم کی تعمیل ہو گی۔ خان زمان کی حویلی پر جو دستہ مقرر کیا گیا ہے' اسے ہٹا لیا جائے۔

ہمایوں اپنے باپ بابر کے زمانے سے بیرم خاں کی بڑی عزت کرتا تھا۔ یقین دہانی پر یہ معاملہ اس کے سپرد کر دیا۔ اسی دن خاں زمان کی حویلی کا گھیراؤ ختم ہو گیا۔ بادشاہ کی طرف سے متعین دستہ ہٹ گیا۔ اس کے بعد ہی بیرم خاں نے خان زمان کو طلب کیا۔ معاملہ یہ رنگ اختیار کر جائے گا' اس کا اندازہ خان زمان کو نہیں تھا۔ وہ تو اپنی زندگی سے اسی وقت مایوس ہو گیا تھا جب اس کی حویلی کو سپاہیوں نے بادشاہ کے حکم پر گھیر لیا تھا۔ حویلی سے سپاہیوں کو ہٹا لیا گیا تو اس کی جان میں جان آئی۔ اقتدار کے کھیل میں کسی بھی مرحلے پر کوئی بھی اپنی جان کی بازی کہیں بھی ہار سکتا ہے' یہ اسے پتہ تھا۔ اسے عقل آ گئی کہ ذرا سی حماقت سے ساری عمر کی کارگزاریوں پر پانی پھرا جا رہا ہے۔ اب اسے میں نے اپنے اثر سے آزاد کر دیا تھا کہ اس نے بہر حال ہر مرحلے پر عارج کا ساتھ دیا تھا۔

خان خاناں بیرم خاں' خان زمان کے لئے سپر بن گیا تھا جب خاں زمان کو حقیقت کا علم ہوا تو وہ رو دیا۔ یہ وہی شخص تھا جس کی نصیحت قبول کرنے پر وہ راضی نہیں ہوا تھا اور یہ وہی تھا جسے وہ اپنے باپ کے برابر درجہ دیتا تھا۔ خان خاناں بیرم خاں! یہی وجہ تھی کہ بیرم خاں نے اسے طلب کر کے جو مشورہ دیا' اس نے فوراً مان لیا۔

رات کے وقت اپنے با اعتماد سپاہیوں کے ایک دستے کو خاں زمان نے تیاری کا حکم دیا اور پھر اسی دستے کے ساتھ عارج کو روانہ کر دیا۔

خان زمان اپنے کیے پر اس قدر شرمندہ تھا کہ اس نے بادشاہ سے اپنے تصور کی معافی کیلئے بیرم خان کو ذریعہ بنایا۔ اسے اب اپنے اس تصور کا احساس ہو گیا کہ جس کو بادشاہ نے آگرہ بدر ہونے کا حکم دیا تھا اسے اپنی حویلی میں نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ اس آدم زاد کو یہ خبر نہیں تھی کہ وہ ایک جن زادی یعنی میرے اثر میں تھا۔

خان زمان نے ملا پیر محمد کے پاس بھی اپنے ایک مقرب ملازم برج علی کو بھیجا کہ ملاقات کر کے باہمی رنجش دور کر لی جائے۔ ملا پیر محمد ان آدم زادوں میں سے تھا جن کے دل کی جگہ پتھر ہوتے ہیں اس نے خان زمان کے پیغام مصالحت کا یہ عملی جواب دیا کہ برج علی کو بہت ذلیل کیا اور پھر اس غریب کو اپنی حویلی کے برج پر سے گرا کر مروا ڈالا۔ برج علی از برج

افتاد!

☆......☆......☆

رات کا آخری پہر تھا' ایک صبا رفتار گھڑ سوار سنبھل کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ اس کی منزل شاہم بیگ کے محسن قدیم عبدالرحمٰن کی جاگیر تھی۔ گھڑ سوار کا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ عبدالرحمٰن کی جاگیر میں داخل ہونے کے بعد اس گھڑ سوار نے ایک قلعہ نما حویلی کے سامنے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں۔ حویلی کے پھاٹک پر متعین پہرے دار اس کی طرف بڑھے تو اس نے اپنا دایاں ہاتھ آگے کر دیا۔ شہادت کی انگلی میں ایک طلائی انگوٹھی تھی جس پر سانپ کا پھن بنا ہوا تھا۔ پہرے دار پیچھے ہٹ گیا اور حویلی کا پھاٹک اس پراسرار گھڑ سوار کیلئے کھول دیا گیا۔ پہرے داروں نے گزشتہ دو ہفتے کے دوران میں تیسری بار اس پراسرار گھڑ سوار کیلئے حویلی کا پھاٹک کھولا تھا۔ اس طلائی انگوٹھی کی شناخت حویلی کے مالک نے انہیں بتائی تھی۔ اس حویلی کا مالک ان کی نظر میں کوئی معمولی آدمی نہیں تھا' وہ جاگیردار عبدالرحمٰن کا بڑا بھائی موید بیگ تھا۔

میں حالات پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے عارج مجھے اپنی مدد کیلئے آواز دے رہا ہو۔ اے دینار! مجھے مرنے سے بچا لے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عارج کے گرد گھیرا تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ سب عارج کا انسانی قالب ہی تھا۔ بہرحال جو واقعات پیش آئے انہیں میں تسلسل کے ساتھ ہی بیان کروں گی۔

موید بیگ کے ملازموں نے اس گھڑ سوار کو اپنے مالک کے پاس پہنچا دیا۔ خود موید بیگ کیلئے بھی وہ گھڑ سوار پراسرار ہی تھا۔ موید بیگ نے اس کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ موید بیگ کو پہلے اس کا خط ملا۔ اس خط میں گھڑ سوار نے اس سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اسی کے ساتھ ایک بڑے انعام کا لالچ دیا تھا۔

خط میں ملاقات کا وقت اور مقام درج تھا۔ لالچی موید بیگ نے سنبھل کی ایک سرائے میں اس سے تنہا ملاقات کی۔ یہ شرط بھی خط میں تحریر تھی اس پہلی ملاقات میں موید بیگ اور اس گھڑ سوار کے درمیان چند معاملات طے ہوئے۔ اسی ملاقات میں شناخت کی خاطر موید بیگ نے اس گھڑ سوار کو ایک طلائی انگوٹھی دی۔ موید بیگ کے سپرد جو کام کیا گیا' وہ اس کی نظر میں معمولی تھا مگر بطور پیشگی اسے بڑی رقم ملی۔ اسی کام سے وہ گھڑ سوار پہلے بھی دو مرتبہ آ چکا

تھا۔ دونوں بار اس نے لالچی موید بیگ کو خوش کر دیا تھا۔ اب یہ اس کا تیسرا پھیرا تھا۔

موید بیگ کو اس کے ملازمین نے سوتے سے جگایا اور پراسرار گھڑ سوار کے آنے کی اطلاع دی۔ موید بیگ فوراً آنکھیں مل کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے گھڑ سوار کو اپنی خواب گاہ ہی میں بلا لیا۔

پراسرار گھڑ سوار نے اس ملاقات میں موید بیگ سے جو بات کی' اسے سن کر موید بیگ کے ہوش اڑ گئے۔

"ہم زور نہیں دیں گے کہ فوراً یہ کام ہو جائے' اس موقع کی تلاش میں رہو! تمہاری جاں بخشی کا بندوبست بھی کر دیا جائے گا۔" یہ کہہ کر گھڑ سوار نے اپنی جیب سے ایک مہر بند خط نکالا اور موید بیگ کی طرف بڑھا دیا۔ "اسے اپنے پاس رکھو' یہ تمہاری جان کی سلامتی کا پروانہ ہے۔ کام ہو جانے کے بعد یہ مہر بند خط لے کر تمہیں دارالحکومت آگرہ پہنچنا ہوگا۔ آگرہ پہنچ کر تمہیں کس سے ملنا ہے؟ اس سوال کا جواب تمہیں کام ہونے پر ہی معلوم ہو سکے گا۔" پھر اس گھڑ سوار نے موید بیگ کو ایک تھیلی دی۔

موید بیگ نے تھیلی کھولی تو اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ تھیلی میں ہیرے تھے۔

گھڑ سوار نے موید بیگ کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے کہا۔ "اتنے ہی ہیرے کام ہو جانے کے بعد دیئے جائیں گے۔"

موید بیگ بے اختیار بول اٹھا۔ "مجھے منظور ہے۔"

واقعی آدم زادوں کی اکثریت بڑی ہی لالچی ہوتی ہے۔

گھڑ سوار مزید کچھ رکا اور موید بیگ کو کچھ ہدایات دیتا رہا' پھر صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے ہی رخصت ہو گیا۔

میں سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی۔ مجھے ہر حال میں عارج کی جان بچانی تھی' خواہ اس کیلئے مجھے کچھ بھی کرنا پڑتا۔

☆......☆......☆

عارج کو عبدالرحمٰن کی جاگیر میں آئے دو ہفتے گزر چکے تھے۔ آگرے سے نکل کر اسے یہی جائے پناہ نظر آئی تھی۔ عبدالرحمٰن نے اس کی بڑی خاطر داری اور پذیرائی کی۔ خان زمان نے سپاہیوں کا جو دستہ اس کے ساتھ کیا تھا' اب بھی اس کی رکاب میں تھا۔ خان زمان نے سپاہیوں کو ہدایت کی تھی کہ جب تک "شاہم بیگ" خود انہیں واپسی کی اجازت نہ دے' وہ

اسی کے ساتھ رہیں اور ہر طرح اس کی حفاظت و خبر گیری کریں۔

عارج کے انسانی قالب شاہم بیگ کے آنے سے دل آرام کا زخم عشق پھر سے ہرا ہو گیا۔ چلمنوں کے پیچھے سے اور جھروکوں کی آڑ سے وہ اپنے محبوب کا دیدار کر لیتی۔ میں نے دانستہ دل آرام کے جسم میں اترنے سے گریز کیا کیوں کہ اب وہ عبدالرحمٰن کی بیوی بن چکی تھی' البتہ میں نے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ فیصلہ یہ تھا کہ عارج کو بہکنے نہیں دوں گی۔

آدم زادیاں ہوں کہ ہم جن زادیاں' اپنی فطرت نہیں بدل سکتیں۔ وہ اپنے محبوب کے ساتھ کسی ''دوسری'' کو دیکھنا تو الگ' سوچ بھی نہیں سکتیں۔ عشق بڑا خود غرض ہوتا ہے۔ اس تعلق سے مجھے اپنی خود غرضی کا اعتراف ہے۔

دل آرام کی ''نظر بازی'' عارج سے بھی چھپی نہ رہ سکی۔ ایک روز اس کی نگاہیں دل آرام سے مل ہی گئیں۔ میں نے اس کے اندر شیطان کو جاگتے محسوس کر لیا۔ اس نے آتے جاتے اشارے بازیاں شروع کر دیں اور اپنی دانست میں نامہ و پیام کے ذریعے دل آرام کو دیرینہ محبت کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے لگا۔

دل آرام اب عبدالرحمٰن کی بیوی ہونے کے سبب اس کی اجازت ہی سے عارج کے سامنے آ سکتی تھی۔ عارج نے اس کا حل بھی سوچ لیا۔ دل آرام تو اس کے عشق میں ان حالوں کو پہنچ ہی گئی تھی' اسے عارج کی تجویز سے اتفاق کرنا پڑا۔

☆.....☆.....☆

ایک شام کو ساغر گردش میں آئے تو عارج نے عبدالرحمٰن سے کہا: ''دل آرام کو بھی یہیں بلوا لو۔ آج پرانی یادیں تازہ کریں گے۔ اسے ہم اپنا ساقی بنائیں گے۔''

ممکن ہے عبدالرحمٰن راضی ہو جاتا کیونکہ عارج ہی نے اسے ایک معمولی لکڑ ہارے سے جاگیردار بنایا تھا' لیکن میں آڑے آ گئی۔ میرے زیر اثر عبدالرحمٰن نے صاف انکار کر دیا۔

اس پر عارج نے دوسرا حربہ آزمایا۔ وہ خوشامد پر اتر آیا۔ عبدالرحمٰن پھر بھی نہ پگھلا اور کہتا رہا کہ دل آرام اب میری منکوحہ ہے' میں اسے تمہارے سامنے نہیں لا سکتا!

دور تو چل ہی رہا تھا اس لئے جیسے جیسے نشہ چڑھتا گیا' ان دونوں کی گفتگو میں تندی و تیزی آتی گئی۔ وہ دونوں اپنے اپنے احسانات گنوانے لگے اور ایک دوسرے پر طنز کرنے لگے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں کے ہاتھوں میں تلواریں آ گئیں۔ عارج نشے اور

غصے میں مغلظات بک رہا تھا۔ وہ دونوں ہی اس قدر نشے میں تھے کہ آمنے سامنے تلواریں ہاتھوں میں لئے جھوم رہے تھے۔

عارج کے ساتھ جو سپاہی تھے' انہوں نے جو حویلی کی اوپری منزل سے عارج کی چیخ و پکار سنی تو فوراً اوپر پہنچ گئے۔

سپاہیوں کو عارج نے حکم دیا۔ ''اس ..... گس..... گستاخ کو..... گر ..... گر..... گرفتار..... کر لو!'' نشے کی زیادتی کے سبب اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی اور وہ بدستور جھوم رہا تھا۔

عبدالرحمٰن کو سپاہیوں نے عارج کے حکم پر گرفتار کر کے ہاتھ دیا۔

''اس..... اس کے..... جوتے بھی لگاؤ!'' عارج نے لہراتے ہوئے دوسرا حکم صادر کیا۔

عارج کے اس حکم کی بھی تعمیل ہوئی۔

عبدالرحمٰن کے بڑے بھائی موید بیگ کی قلعہ نما حویلی وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔ عبدالرحمٰن کا ایک خادم ادھر دوڑ گیا۔ چند ہی دن پہلے موید بیگ کی سفارش پر عبدالرحمٰن نے اسے ملازم رکھا تھا۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ موید بیگ' اوباشوں کی ایک جماعت لے کر مقابلے پر آ گیا۔ عبدالرحمٰن کی حویلی کے سامنے جو میدان تھا' وہ مشعلوں کی روشنی سے جگمگانے لگا۔ اسی میدان میں دونوں گروہوں کے درمیان جم کر لڑائی ہوئی۔

نشے کی ترنگ میں عارج بھی لڑائی میں شامل ہو گیا۔

یہی وہ لمحات تھے کہ جب میں نے اندھیرے کی چادر اپنے اوپر سے ہٹا لی۔ اب عارج مجھے دیکھ سکتا تھا۔

''اے عارج!'' میں نے اسے مخاطب کیا۔ عارج نشے کے باوجود میری آواز سن کر چونک اٹھا۔ میری آواز سننے کا وہی اہل تھا۔ میں چوکنا تھی کہ کہیں کوئی حریف عارج کے انسانی قالب پر حملہ نہ کر دے۔ ایسی صورت میں اگر عارج اپنا انسانی قالب نہ چھوڑتا تو مارا جاتا۔ میں اسی بنا پر تیزی سے بولی: ''جلدی سے یہ انسانی قالب چھوڑ دے اے عارج!''

''مم..... مگر وی..... دیار تو.....''

وہ مجھے پہچان گیا تو میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ اگر مگر کا وقت نہیں عارج! تیری زندگی خطرے میں ہے۔"

"اے دینار! میں...... نکل...... نکلتا ہوں اس قا...... قالب سے!" عارج رک رک کر بولا۔

چند لمحوں کے بعد عارج میرے پاس تھا۔ اسے میں نے خوفزدہ دیکھ کر تسلی دی۔

"ڈرمت عارج کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ وہ عفریت دہموش یہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ آ چلتے ہیں۔"

"ذرا ٹھہر جا اے دینار! ابھی تجھے کہیں جانے کی کیا جلدی ہے!" عارج بولا۔

"تو شاید اپنے انسانی قالب شاہم بیگ کا انجام دیکھنا چاہتا ہے تو دیکھ! باقی باتیں پھر ہوں گی۔" میں نے کہا۔

معاً میری نظر دل آرام پر پڑی۔ وہ آدم زادی حویلی کے ایک دریچے سے لڑائی کا منظر دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور خوبصورت ہونٹ حرکت میں تھے۔ یقیناً وہ شاہم بیگ کے لئے دعائیں مانگ رہی تھی۔

اسی وقت موید بیگ نے شاہم بیگ کی طرف تیر چلایا۔ دل آرام کوشش کے باوجود اپنی چیخ نہ روک سکی۔ وہ تیر شاہم بیگ کے سینے میں ترازو ہو گیا۔ شاہم بیگ لہرا کر زمین پر گرا اور اسی دوران میں موید بیگ لپک کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

پھر دل آرام نے جو ہولناک منظر دیکھا' اس کے بعد کچھ نہ دیکھ سکی۔ اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچ لیا۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتی چلی گئی۔ وہ زمین پر گر گئی اور اس کے دل نے دھڑکنا چھوڑ دیا۔

"اے دینار! آخر یہ کیا معمہ ہے؟ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔" عارج مجھ سے کہنے لگا۔

"سمجھنا چاہتا ہے تو میرے ساتھ رہ! اس پر بھی تو نہ سمجھا تو میں تجھے سمجھا دوں گی۔ فی الحال تو اس لالچی آدم زاد موید بیگ کو دیکھ کہ یہ کدھر جا رہا ہے!" میں نے پرسکون آواز میں عارج کی بات کا جواب دیا۔ وہ میرے ساتھ ساتھ محو پرواز تھا۔

موید بیگ تیزی سے گھوڑا دوڑاتا ہوا سنبھل کی طرف جا رہا تھا۔ عبدالرحمٰن کی حویلی

کے سامنے اب بھی خونریز لڑائی جاری تھی' لیکن موید بیگ کو اب اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ تو اپنا کام انجام دے کر نکل آیا تھا۔ اسے پراسرار گھڑ سوار کی ہدایات یاد تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ کام ہو جائے تو موید بیگ سیدھا سنبھل کی سرائے میں آ جائے۔ روز و شب کی اس میں کوئی تخصیص نہ تھی۔ گھڑ سوار نے اسے بتایا تھا کہ میں ایک ماہ تک سرائے میں قیام کروں گا۔ یہ گزشتہ شب ہی کی بات تھی۔ خوش قسمتی سے دوسری ہی شب موید بیگ کو یہ موقع مل گیا کہ وہ پھر اپنی آنکھوں کو ہیروں کی چمک سے خیرہ کر سکے۔ گھڑ سوار نے کام ہو جانے کے بعد مزید انعام کا وعدہ کیا تھا۔

برق رفتاری سے اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا موید بیگ' سنبھل کی سرائے تک پہنچ گیا۔ موید بیگ سے اس پراسرار گھڑ سوار کی پہلی ملاقات سرائے کی جس کوٹھڑی میں ہوئی تھی' اسی کے دروازے پر اس نے مخصوص دستک دی۔

اندر سے پوچھا گیا۔ "کون ہے؟"

موید بیگ نے اپنا نام بتایا۔ ذرا دیر میں دروازہ کھل گیا۔ کوٹھڑی میں چراغ روشن تھا۔ موید بیگ کے سامنے وہی گھڑ سوار کھڑا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر نقاب تھی۔

"کام ہو گیا؟" اس نے موید بیگ سے پرسکون آواز میں سوال کیا۔

"جی...... جی ہاں۔" موید بیگ نے جواب دیا اور ریشمی تھیلا گھڑ سوار کی طرف بڑھا دیا۔

تھیلا لے کر وہ گھڑ سوار چراغ کے قریب پہنچا اور تھیلے میں ہاتھ ڈال دیا۔ اس کی پشت موید بیگ کی طرف تھی۔

"ٹھیک ہے۔" موید بیگ کی طرف پلٹ کر اس نے کہا اور تھیلا ایک طرف رکھ دیا۔ پھر اس نے حسب وعدہ ہیروں کی تھیلی موید بیگ کے حوالے کر دی۔ موید بیگ نے اس کو یہ بھی بتا دیا کہ اسے اپنی جان بخشی کے لئے مہر بند خط لے کر آگرے میں کس سے ملنا ہے۔

ادھر موید بیگ سرائے سے نکل کر واپس ہوا' ادھر وہ گھڑ سوار کچھ ہی دیر بعد آگرہ شہر کی طرف اپنا گھوڑا دوڑانے لگا۔

صبح ہوتے ہوتے وہ گھڑ سوار آگرے پہنچ گیا' مگر اب اس کے چہرے پر نقاب نہیں تھی۔ عارج اور میں اس کے ساتھ تھے۔ میں نے عارج سے کہہ دیا تھا کہ وہ خاموشی سے

سب کچھ دیکھا اور سنتا رہے۔

ذرا دن چڑھے پراسرار شخص شاہی محل کی طرف جاتا دکھائی دیا۔ اب اس کے پیچھے پیچھے ایک غلام بھی چل رہا تھا۔ غلام کے ہاتھ میں ایک خوبصورت طلائی طشت' ایک ریشمی چادر اور وہی ریشمی تھیلا تھا جو اس پراسرار شخص کو ہیروں کے عوض موید بیگ سے ملا تھا۔ غلام اور بقیہ سامان کو اس شخص نے اپنی حویلی سے ساتھ لے لیا تھا۔ محل میں پہنچ کر اس شخص نے بادشاہ کو اپنی آمد سے مطلع کرایا اور باریابی کی اجازت چاہی۔

ہمایوں کو بتایا گیا کہ اس کا ایک مصاحب شیر محمد خواجہ' حضور شاہی میں حاضری کی اجازت چاہتا ہے۔

ہمایوں نے باریابی کی اجازت دے دی۔

شیر محمد خواجہ' ہمایوں کے حضور تسلیمات بجا لایا' پھر اپنی کارگزاری کی تفصیل بیان کی۔ شیر محمد خواجہ کا غلام پردہ شاہی سے بہت دور کھڑا تھا۔ ہمایوں نے نگاہ اٹھائی تو شیر محمد خواجہ بولا۔ ''ظل سبحانی اجازت مرحمت فرمائیں تو غلام اپنی کارگزاری کی سند پیش کرے۔''

''اجازت ہے۔'' ہمایوں کی آواز قدرے بھاری تھی۔

شیر محمد خواجہ نے غلام کو اشارہ کیا جو طلائی طشت لئے کھڑا تھا۔ وہ قریب آ گیا تو شیر محمد خواجہ نے اس سے طشت لے لیا جس پر ریشمی چادر پڑی ہوئی تھی۔ شیر محمد خواجہ ادب سے آگے بڑھا اور ہمایوں کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر طشت سے چادر ہٹا دی۔ طشت میں شاہم بیگ کا کٹا ہوا سر رکھا تھا۔ اسی شاہم بیگ کا انسانی قالب عارج نے اپنایا تھا۔

ہمایوں نے اس پر ایک نظر ڈالی اور منہ پھیر لیا۔

اس موقع پر عارج خاموش نہ رہ سکا اور مجھ سے بولا۔ ''دینار! کیا ان آدم زاد حکمرانوں کو اپنے ہی جیسوں کے کٹے ہوئے سر دیکھ کر خوشی ہوتی ہے؟...... کیسا ہولناک شوق ہے یہ!''

''آدم زاد اسے شوق نہیں ضرورت کا نام دیتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ہوگی ضرورت' مجھے تو یہ خشونت لگتی ہے۔''

''عارج! تو غالباً اس لئے یہ بات کہہ رہا ہے کہ تجھے اپنے انسانی پیکر کی عادت سی ہوگئی تھی۔ تو اس جسم میں کافی عرصے رہا تھا کہ جس کا سر کاٹ دیا گیا۔''

''لیکن دینار! شاہم بیگ کا قصور کیا تھا؟''

''سن عارج! حکمران جب کسی کو سزا دیتے ہیں تو ضروری نہیں وہ قصوروار ہو۔ کسی قصور کے بغیر بھی لوگوں کی گردنیں اڑا دی جاتی ہیں۔ ویسے جہاں تک تیرے انسانی قالب کا تعلق ہے تو وہ چادر سے باہر پاؤں پھیلانے لگا تھا۔ تجھ پر اس کی بدصفات غالب آ گئی تھیں۔ میں تجھے اس قدر کمزور نہیں سمجھتی تھی۔'' پھر میں نے عارج کو دانستہ چھیڑا۔ ''وہ کنیز دل آرام کیا تجھے واقعی اچھی لگتی تھی؟''

''یہ تو کیسی باتیں کر رہی ہے دینار!...... تو مجھے ایسا سمجھتی ہے؟''

''بس زیادہ باتیں نہ بنا' بڑا ہی بے وفا ہے تو!'' ہم شاہی محل سے نکل آئے تھے۔

''تو خود کہتی ہے کہ مجھ پر اس انسانی قالب کی فطری بدصفات غالب آ گئی تھیں' پھر بھی مجھے بے وفا کہہ رہی ہے۔''

''اچھا اس قصے کو چھوڑ اور یہ بتا بغداد واپس چلنے کا ارادہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بغداد؟'' عارج کی آواز میں خوف کا عنصر شامل تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا۔ ''دینار! کیا تو عفریت دہموش کو بھول گئی کہ جس سے ڈر کر ہم اس زمانے میں آئے ہیں؟''

''نہیں تو وہ عفریت مجھے اچھی طرح یاد ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''اس پر بھی تو بغداد واپس چلنا چاہتی ہے؟''

''کیا تجھے بابل کے کھنڈرات یاد نہیں آئے عارج؟'' میں بولی۔ ''اپنے در و دیوار خواہ شکستہ ہی کیوں نہ ہوں اپنے ہی ہوتے ہیں۔ اس زمانے میں رہتے ہوئے ہمیں برسوں گزر گئے پھر یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہم انہی ماہ و سال میں واپس ہوں جن سے چلے تھے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی لازمی نہیں کہ ہم طبیب صارم اور طبیبہ اطرو بہ کے انسانی پیکر ہی اختیار کریں۔ ایک بات اور نہ بھول اے عارج کہ جب ہم بغداد سے چلے تھے تو یہ شہرت دی تھی کہ مصر جا رہے ہیں۔ عفریت دہموش ہماری تلاش میں وہیں گیا ہوگا۔ مختصر یہ کہ میرے خیال میں اب بغداد جانا زیادہ خطرناک نہیں۔ اگر وہاں خطرہ ہوا بھی تو ہم دوبارہ کسی اور زمانے میں چلے جائیں گے۔''

''لیکن اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ہم اسی زمانے میں کیوں نہ رہیں۔ اگر شاہم

بیگ مارا گیا تو کیا ہوا' دل آرام اس دنیا میں نہ رہی تو کیا فرق پڑ گیا' ہم دونوں دوسرے انسانی قالبوں میں بھی تو رہ سکتے ہیں!'' عارج نے بحث کی۔

''نہیں' اب ہم اس زمانے میں نہیں رہیں گے اور نہ دوسرے انسانی قالب اپنائیں گے۔''

''اس کی کوئی وجہ؟'' عارج نے سوال کیا۔

''وجہ یہ ہے کہ اس زمانے یا کسی بھی زمانے میں رہنے کیلئے پہلے عالم سوما سے ہمارا ملنا ضروری ہے۔'' میں نے جواب دیا' پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید بولی۔ ''تو نے ایک خرابی محسوس کی کہ ہم پر انسانی پیکروں کی فطری نیک یا بدصفات غالب آ جاتی ہیں یوں گویا ہم مجبور و بے بس ہو جاتے ہیں۔ یہ بے بسی کیوں؟ اس کا جواب تو عالم سوما ہی دے سکتا ہے۔ ہم کسی خطرے سے بھی تو دوچار ہو سکتے ہیں۔ ذرا سوچ عارج کہ جب تو شاہم بیگ کے انسانی قالب میں موید بیگ کے آدمیوں سے برسر پیکار تھا' اگر بروقت میں تجھے چوکنا نہ کر دیتی اور تو اس قالب کو نہ چھوڑ دیتا تو کیا ہوتا؟ شاہم بیگ کے ساتھ تو بھی مارا جاتا کہ نہیں۔''

''ہاں یہ تو ہے اے دینار!'' عارج نے میری بات سے اتفاق کیا' پھر کہنے لگا۔ ''حقیقت یہ ہے کہ مجھے بھی اپنے وسیع و عریض صحرا یاد آ رہے ہیں۔ عراق جیسا مزہ یہاں نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ یہ کہ تو کچھ بھی کہے وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں۔''

''سن! ہم یہاں سے سیدھے بابل کے کھنڈرات میں چلیں گے تا کہ فوری طور پر عالم سوما سے مل سکیں۔ اس کے علاوہ ہم خلیفہ المہدی کے آخری دور حکومت میں چلیں گے۔ بول اب؟''

''تیرے سامنے کبھی میں بولا ہوں جو اب بولوں گا اے دینار!''

''بڑا نیک اور فرمانبردار بن رہا ہے جبکہ میں اپنی آنکھوں سے تیرے لچھن دیکھ چکی ہوں۔''

''اس کا سبب کچھ اور تھا ورنہ تو.....''

''تو سو جان سے میرا اور صرف میرا ہے' یہی تو کہنا چاہتا ہے۔'' میں بول اٹھی۔

''اب تو مان نہ مان سچ یہی ہے۔'' عارج نے کہا پھر پوچھا۔ ''تو کب چلنا ہے؟''

''آج ہی رات عشاء کے بعد۔'' میں نے بتایا۔ ''عشاء کے بعد سے نصف شب

تک عالم سوما کے پاس وقت ہوگا' ہم تفصیل کے ساتھ اس سے بات کر سکیں گے۔''

''ابھی تو عشاء کا وقت ہونے میں بڑی دیر ہے' اس وقت تک کیا کریں؟'' عارج بولا۔

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔'' میں دھیرے سے ہنس دی۔ ''گھومتے پھرتے ہیں کہیں۔ میں نے تجھے بتایا تھا نا کہ ایسی جگہ صحرا میں چل کر بیٹھیں گے جہاں کوئی نہ ہو۔ بہت دن ہو گئے تجھ سے ایسی فضا میں بات کئے ہوئے۔''

پھر ہم راجستھان کی طرف نکل گئے اور ایک جگہ اتر گئے۔ وہاں دور دور تک کوئی آدم زاد نظر نہیں آ رہا تھا۔

''دینار! ہماری محبت بھی صحراؤں کی طرح عظیم ہے۔'' عارج اپنی عادت کے مطابق خلوت میسر آتے ہی چہکنے لگا۔

''یہ عظیم تو کسی آدم زاد کا نام معلوم ہوتا ہے بلکہ شاید عظیم اللہ' تیری ملاقات اس عظیم اللہ نامی آدم زاد سے کب اور کہاں ہوئی؟''

''دیکھ تو ہمیشہ میری محبت کا مذاق نہ اڑایا کر! کبھی تو سنجیدہ ہو جایا کر دینار!''

''سنجیدہ ہونے کا مطلب میں خوب سمجھتی ہوں اس لئے رنجیدہ تو ہو سکتی ہوں سنجیدہ نہیں۔ مجھے خبر ہے کہ جب میں سنجیدہ ہوئی تو تو فی الفور مجھ سے نکاح کرنے کا مطالبہ دہرانے لگے گا۔ اس عفریت دہموش کو بھی یہی واہم ہے کہ میں کبھی نہ کبھی اس کی بیوی بننے پر راضی ہو جاؤں گی۔ کیا میں تجھے بے نکاح کے بری لگتی ہوں؟''

''میں نے یہ کب کہا..... اور تو نے دہموش کو اور مجھے ایک ہی لکڑی سے کیوں ہانک دیا؟''

''جانوروں کو ہانکا جاتا ہے۔ میرا خیال یہ ہے تیرے بارے میں عارج کہ تو جانور ہے نہ آدم زاد بلکہ جن زاد ہے۔ اگر میں غلط خطوط پر سوچ رہی ہوں تو ٹوک دے مجھے' میں ہرگز برا نہیں مانوں گی۔''

اس روز عارج کے ساتھ میں اندھیرا پھیلنے تک اسی طرح نوک جھونک کرتی رہی۔ راجستھان کے صحرا سے ہم سندھ اور پھر پنجاب کی طرف نکل گئے۔ لاہور میں بھی کچھ دیر رکے اور داتا صاحب کے مزار مبارک پر فاتحہ پڑھی۔

ہم لاہور ہی میں تھے کہ عشاء کے بعد میں نے عارج کو مخاطب کیا۔ '' چل اب عراق چلتے ہیں۔'' پھر میں نے اسے سمجھایا کہ 169 ہجری کے عراق میں واپس چلنا ہے۔

عراق میں ہماری منزل بغداد کا نواحی علاقہ تھا۔ جہاں بابل کے کھنڈرات واقع تھے۔ کھنڈرات میں فوری طور پر ہم اس حصے تک پہنچے جہاں عالم سوما کی سکونت تھی وہ ہمیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔

'' مجھے اندازہ نہیں تھا اے دینار کہ تو برسوں بعد لوٹ کر آئے گی۔'' عالم سوما مجھ سے مخاطب تھا۔ '' تیرے باپ سردار اخصم اور تیری ماں سہلوبہ کو بڑی فکر تھی کہ تو کہاں چلی گئی۔'' پھر اس نے میری اور عارج کی خیریت دریافت کی۔

'' ہم دونوں بالکل ٹھیک ہیں اے سوما!'' میں جواب میں بولی' پھر کہا۔ '' تو نے ہی تو ہم دونوں کو مشورہ دیا تھا کہ کچھ عرصے کیلئے عفریت وہموش کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔''

'' مگر کچھ عرصے کا مطلب برسوں تو نہیں ہوتا میری بچی!'' اس نے اظہار شفقت کیا۔

'' دراصل ہم بہت دور نکل گئے تھے..... صدیوں آگے چلے گئے تھے۔'' میں نے بتایا۔

'' تمہارا جی لگ گیا تھا وہاں؟'' عالم سوما نے پوچھا۔ '' کیسے تھے اس زمانے کے آدم زاد؟''

'' اے سوما! آدم زادوں کی وحشت و درندگی میں مجھے کوئی کمی نظر نہیں آئی۔'' میں بولی۔

'' اللہ بہتر کرے۔'' عالم سوما نے کہا۔

'' اے سوما! تجھ سے مجھے بہت سی باتیں معلوم کرنی ہیں۔''

'' تو معلوم کر دینار!'' اس نے مجھے اجازت دی۔ عارج اس دوران میں میرے اشارے پر چپ ہی رہا۔

پھر میں نے پہلا سوال انسانی قالب کی فطری صفات کے متعلق کیا۔

'' اے میری بچی' اے دینار! تو جانتی ہے کہ انسان کو اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے۔ سو کوئی جن زاد یا جن زادی کسی آدم زاد کے جسم پر قبضہ کر بھی لے تو اس کے قالب کی

فطری صفات کو نہیں بدل سکتا۔ ان صفات کے مثبت یا منفی ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' عالم سوما نے سمجھایا۔

'' پھر تو ہم جنات اپنی تمام تر پراسرار قوتوں کے باوجود آدم زادوں سے کمتر ہوئے؟''

'' اس میں کمتر یا برتر ہونے کی کوئی بات نہیں۔ جو حقیقت تھی' وہ میں نے تجھے بتا دی۔ ایسا عموماً اس وقت ہوتا ہے کہ جب کوئی جن زاد بار بار ایک ہی انسانی قالب میں داخل ہو یا مستقل اسے اپنا ٹھکانا بنا لے۔'' عالم سوما نے وضاحت کی۔

'' تجھ سے مجھے یہ بھی پوچھنا ہے سوما کہ عارج اور میرے لئے اب تو بغداد میں کوئی خطرہ نہیں؟''

'' ہونا تو نہیں چاہئے' لیکن حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ برسوں پہلے وہ عفریت تیرا دشمن بن گیا تھا' اب وہ کہاں ہو گا کیا خبر! البتہ قیاس یہ کہتا ہے کہ اس نے مصر ہی کی راہ لی ہو گی۔ تجھے وہاں نہ پا کر ممکن ہے اس نے صبر کر لیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور خطہ زمین پر تجھے ڈھونڈ رہا ہو۔''

'' اگر وہ مجھے ڈھونڈتا ہوا بغداد واپس آ گیا تو؟'' میں نے اپنے خدشے کا اظہار کر دیا۔

'' پھر تو اس کی ایک ہی صورت ہے کہ تم دونوں مستقلاً حفاظتی حصار میں رہو۔'' عالم سوما بولا۔ '' یہ حصار صرف بد ارواح اور ان طاقتور جنات کیلئے ہو گا جو تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔''

'' مثال کے طور پر عفریت وہموش بھی اس حفاظتی حصار میں داخل نہیں ہو سکے گا؟'' عارج بول ہی اٹھا۔ اس کی آواز پر جوش تھی۔ یقیناً خطرے سے بچنے کی ایک راہ نکل آنے پر وہ خوش تھا۔

'' نہیں' کوئی عفریت بھی اس حصار کی موجودگی میں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ پائے گا۔'' عالم سوما نے عارج کی بات کا جواب دیا۔

'' اے سوما! یہ حفاظتی حصار تو نے اس وقت بھی ہمارے گرد کھینچا تھا جب ہمیں عفریت وہموش کی طرف سے خطرہ تھا۔'' میں نے یاد دہانی کرائی' پھر معلوم کیا۔ '' اس کے لئے

ہمارا کھنڈرات میں رہنا تو ضروری نہیں ہوگا؟''

''نہیں' مگر تو کسی آدم زادی کے قالب میں رہ کر زیادہ محفوظ ہوگی۔ اسی طرح عارج کو بھی کسی آدم زاد کے جسم میں رہنا پڑے گا۔ یوں وہ عفریت تمہیں تلاش کرنے میں بڑی حد تک ناکام رہ سکتا ہے۔ دراصل خیالی اور حقیقی پیکروں میں فرق ہوتا ہے۔ کسی آدم زاد یا آدم زادی کا خیالی پیکر آدمیوں کو تو فریب نظر' فریب سماعت' فریب لمس اور بقیہ حسیات کے فریب میں مبتلا کر سکتا ہے' جنات کو نہیں۔ مثلاً تم دونوں طبیب صارم اور طبیبہ اطرو بہ کے انسانی پیکر اختیار کر کے بغداد میں رہے۔ وہ خیالی پیکر تھے۔ ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اسی بنا پر جنات وقتی طور پر تو ان خیالی پیکروں سے دھوکا کھا جاتے ہیں' مگر وہ معلوم کرنا چاہیں تو ان کی حقیقت جان سکتے ہیں۔ ایسا شک ہونے کی صورت میں ہوتا ہے' یعنی جو فرد سامنے نظر آ رہا ہے' وہ آدمی ہے یا جن؟ اغلب یہ ہے کہ اس عفریت کو بھی تم دونوں پر شک ہوا کہ تم آدمی نہیں' جنات ہو۔ اگر تمہارے خیالی پیکر نہ ہوتے یعنی تم آدم زادوں کے جسموں میں رہتے تو غالباً وہ تمہیں تلاش نہ کر پاتا۔'' عالم سوما بولتا رہا اور میں توجہ سے اس کی باتیں سنتی رہی۔ ذرا توقف سے وہ دوبارہ بولا۔ ''اگر دینار! تو بغداد میں ہی رہنا چاہتی ہے تو اس کی پہلی صورت یہ ہے کہ کسی آدم زادی کے جسم میں اتر جا اور اپنے انسانی قالب کے گرد حفاظتی حصار کھینچ لے۔ عمل کے وہ الفاظ میں تجھے تعلیم کروں گا جن کے پڑھنے سے تیرے گرد حفاظتی نادیدہ حصار قائم ہو جائے گا۔ ہر مرتبہ اکیس دن گزرنے پر تجھے یہی عمل کرنا ہوگا' عمل نہ کرنے کی صورت میں اکیس دن کے بعد حفاظتی حصار خود بخود ختم ہو جائے گا۔''

''لیکن اے سوما' پہلے تو یہ حفاظتی حصار پورے اکیاون دن تک ہمیں اپنی پناہ میں لئے رہا تھا!'' میں نے یاد دلایا۔

''مجھے خبر ہے۔'' عالم سوما نے کہا۔ ''تو اس وقت یہاں میری نگرانی میں تھی' دوم یہ کہ تو کسی آدم زادی کے قالب میں نہیں تھی۔''

''تیرا کہنا ٹھیک ہے اے سوما اب تو ہمیں... مجھے اور عارج کو اس عمل کے الفاظ تعلیم کر کہ جس سے ہمارے اطراف نادیدہ حفاظتی حصار قائم ہو جائے اور ہمیں کسی عفریت کی طرف سے خطرہ نہ رہے۔''

سوما نے ہمیں عمل کے الفاظ تعلیم کئے' پھر کہنے لگا۔ ''اے دینار! تو عارج کو ساتھ

لے کر بغداد میں ایسی جگہ رہ جہاں تیرے دشمن کا تصور بھی نہ پہنچ سکے۔''

''وہ تو بس ایک ہی جگہ ہے بغداد میں۔'' میں بولی۔

''کون سی جگہ اے دینار؟'' عالم سوما نے دریافت کیا۔

''قصر خلافت۔'' میں نے بتا دیا۔ کوئی اور اس بارے میں مجھ سے سوال کرتا تو یقیناً جواب نہ دیتی۔

''مگر وہ تو بڑی خطرناک جگہ ہے۔'' عالم سوما کی آواز سے فکر مندی جھلک رہی تھی۔ ''اقتدار کے ایوانوں سے دور ہی رہا کر اے دینار! یہ آدم زاد سروں کی فصل کاٹنے میں دیر نہیں لگاتے۔''

''اے میرے باپ کے دوست اے میرے بزرگ اور اے عالم سوما! میں مستقبل میں جا کے اقتدار کے ایوانوں کا نظارہ کر چکی ہوں... یہ عارج تو شاہی محل میں رہ چکا ہے۔ مجھے پتا ہے کہ کسی حکمران کی تیوریوں پر پڑے ہوئے بل کسی بھی شخص کی زندگی کا چراغ گل کر سکتے ہیں یا اس کا ایک حکم ہزاروں انسانوں کی موت کا پیغام بن سکتا ہے۔

''تو اے دینار! تو قصر خلافت میں سکونت پذیر کسی آدم زادی کے جسم پر قبضہ کرے گی اور عارج؟''

''اسے بھی میں اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دوں گی۔ یہ قصر میں آباد کسی آدم زاد کے جسم میں اتر جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''میں تم دونوں کیلئے دعا کروں گا کہ اللہ تمہیں اپنی حفظ و امان میں رکھے۔'' عالم سوما نے ہمیں دعا دی' پھر مجھے والدین سے ملنے کیلئے تاکید کی۔ عارج اور میں' عالم سوما کے پاس سے اٹھ آئے۔

عالم سوما کی تاکید کے مطابق اسی شب کو میں اپنے والدین اور بڑے بھائی یوسف سے بھی ملی۔ میں انہی کی دعاؤں کے سائے میں عرصہ دراز کے بعد عارج کو ساتھ لئے بغداد پہنچ گئی۔ دانستہ ہم نے اپنی قدیم قیام گاہ کا رخ نہ کیا جو حربیہ میں تھی اور جہاں ہم نے مطب کھولا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جگہ ہمارے دشمن کی نظر میں آ چکی تھی۔

ہم سیدھے قصر خلافت میں پہنچے۔ رات اتنی گزر چکی تھی کہ قصر کے رہنے والے محو خواب تھے۔ وہاں صرف محافظ جاگ رہے تھے۔

اس خادم کا نام ایوب اور خادمہ کا نام جمیلہ تھا جو خلیفہ المہدی کی خدمت میں رہتے تھے۔ عارج اور میں نے انہی دونوں کے جسموں پر قبضہ کرلیا۔ اس قبضے کی ایک اور بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ دونوں میاں بیوی تھے اور ان کی عمریں زیادہ نہیں تھیں۔ پھر یہ کہ ان کے ساتھ کوئی اور جھنجھٹ نہیں تھا۔ نہ ایوب کے والدین زندہ تھے' نہ وہ صاحب اولاد تھا۔ قصر خلافت ہی کا جو حصہ خادموں' خادماؤں' غلاموں اور کنیزوں کیلئے مخصوص تھا' وہیں ایوب اور جمیلہ رہتے تھے۔ مغلیہ تاجدار ہمایوں کے عہد میں جا کر مجھے جو تلخ تجربہ ہوا تھا اسی کے سبب ایوب اور جمیلہ کے بارے میں پہلے ہی سے میں بہت محتاط تھی۔ وہ دونوں محو خواب تھے کہ میں اور عارج ان کے جسموں میں اتر گئے۔ پھر ہم نے تعلیم کردہ عمل کے ذریعے اپنے گرد حفاظتی حصار کھینچ لئے۔

اب ہم پوری طرح محفوظ تھے اور ہمیں اپنے دشمن عفریت کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

دو چھوٹے بڑے دو دالان تھے جہاں ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔ اندر والے دالان میں دو بستر تھے۔ ان میں سے ایک پر ایوب اور دوسرے پر جمیلہ دراز تھی۔ دالان میں چھوٹا سا ایک شمع دان ایک طاق کے اندر رکھا تھا۔ شمع کی لو ان میں سے کسی نے سونے سے پہلے دھیمی کر دی تھی۔ میں نے جمیلہ کے جسم میں داخل ہو کر چند لمحے توقع کے مطابق گھٹن محسوس کی' پھر مجھے قرار آ گیا۔

''اے دینار! یہ قالب تو بہت تنگ ..''

''دینار نہیں جمیلہ!'' میں نے دھیمی آواز میں عارج کی بات کاٹ دی' پھر اسے سمجھایا۔ ''بے صبری نہ دکھا' ابھی تجھے بھی قرار آ جائے گا۔''

اس کے بعد یہی ہوا' عارج کا اضطراب ختم ہو گیا۔

''اب سو جا کہ صبح ہوتے ہی کسی بھی وقت ہمیں طلب کیا جا سکتا ہے۔'' میں نے عارج کو تاکید کی۔

''مجھے تو خوشی میں نیند نہیں آ رہی۔'' عارج جذباتی لہجے میں بولا۔

''کس بات کی خوشی ہے تجھے؟'' میں نے دانستہ سخت آواز میں پوچھا۔

''کس.. کسی کی نہیں.. تو ...تو بس ذرا ذرا سی بات پر خفا ہونے لگتی ہے۔''

عارج کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ میں یہی چاہتی تھی۔ اسی رات میں نے اور بہت سی باتیں معلوم کیں۔ ان باتوں کا

تعلق ان برسوں سے تھا کہ جب میں بغداد میں نہیں تھی۔ دوسرے روز صبح قصر خلافت میں ہر طرف اس خواب کا چرچا تھا جو گزشتہ شب خلیفہ المہدی نے دیکھا تھا۔ المہدی نے ان الفاظ میں وہ عجیب خواب بیان کیا تھا۔ ''میں نے دو چھڑیاں اپنے دونوں بیٹوں ہادی اور ہارون کو دیں۔''

ہادی کی چھڑی اوپر کی جانب سے قدرے سرسبز ہوئی اور ہارون کی چھڑی پوری کی پوری شاداب وتر وتازہ ہو گئی۔''

خلیفہ کے اس خواب کی تعبیر یہ سمجھی گئی کہ ہادی کی مدت خلافت کوتاہ اور ہارون الرشید کی خلافت کا دور عمدگی وخوبی کے ساتھ طول وطویل ہوگا۔ خلیفہ کے اس خواب سے قطع نظر یہ حقیقت ہے کہ امور سلطنت کے انصرام کے لئے ہادی کی بہ نسبت ہارون الرشید میں زیادہ قابلیت تھی۔ یہ امر تجربے سے بھی ثابت ہو چکا تھا۔

یہ واقعہ 165 ہجری کا ہے کہ خلیفہ مہدی نے صائفہ کی سرداری پر ہارون الرشید کو مقرر کیا اور اپنے معتمد خاص ربیع کو اس کے ہمراہ کر دیا۔ ربیع کا ذکر پہلے بھی کئی بار میری سرگزشت میں آ چکا ہے۔ یہ مہدی کے باپ خلیفہ المنصور کا آزاد کردہ غلام تھا۔ ربیع کے مشورے ہارون نے توجہ سے نہ صرف سنے بلکہ ان پر عمل بھی کیا۔ اسی بناء پر ہارون نے روم میں پہنچ کر گویا قیامت برپا کر دی۔ بطریق نقیط کا لشکر مقابلے پر آیا۔ مسلمانوں کی فوج سے یزید بن مرید نے اپنے دوستوں کے ساتھ نکل کر بطریق پر حملہ کیا۔ اس کا لشکر ہزیمت کھا کر میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ یزید کے ہمراہی اس کی لشکر گاہ کو لوٹ کر دمشق جا پہنچے۔ مسلمانوں کے اسلحہ خانوں کا افسر بہ لحاظ ضرورت جنگ دمشق ہی میں رہتا تھا۔ یزید نے اسے دو لاکھ دینار اور بائیس ہزار درہم دیئے۔ یہ رقم مزید اسلحہ سازی کے لئے ہارون الرشید کے حکم پر دی گئی تھی۔

ہارون کے ساتھ جو لشکر تھا' اس کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی۔ فتح ونصرت کے علم لہراتا ہوا یہ لشکر خلیج قسطنطنیہ تک پہنچ گیا۔ ان دنوں قسطنطنیہ کے تخت سلطنت پر ایک نابالغ لڑکا تھا اور اس کی ماں غطسہ بادشاہ الیوک کی بیگم حکومت کر رہی تھی۔ غطسہ نے ستر (70) ہزار دینار سالانہ جزیہ دے کر تین برس کے لئے اس شرط پر صلح کر لی کہ قسطنطنیہ کے بازاروں میں مسلمانوں کی آمد ورفت اور خرید وفروخت پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔

صلح سے قبل مسلمانوں کی افواج نے ان لڑائیوں میں پانچ ہزار چھ سو سرکش افراد کو گرفتار کیا تھا۔ انہی دلیر افواج نے چون (54) ہزار رومیوں کو میدان جنگ میں تہ تیغ کیا تھا۔ جن رومیوں کو قیدی بنا لیا گیا تھا' ان میں سے نسادیوں کو چن چن کے قتل کر دیا گیا۔ ان نسادیوں کی تعداد دو ہزار تھی۔

یہ واقعات بغداد میں میری دوبارہ آمد سے چار سال پہلے کے ہیں۔ اس وقت میں بغداد میں نہیں تھی۔ ان واقعات کا علم مجھے بعد میں ہوا۔ ان کے بیان کرنے کا مقصد خلیفہ المہدی کے چھوٹے بیٹے کی عسکری لیاقت و ذہانت کا اظہار ہے۔ اسی وجہ سے خلیفہ نے اپنے گزشتہ فیصلہ پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کی۔

پہلے خلیفہ المہدی نے اپنے بڑے بیٹے ابو محمد موسیٰ الہادی کی ولی عہدی کا اعلان کیا تھا' جب اس نے چھوٹے بیٹے ہارون الرشید میں زیادہ اہلیت محسوس کی تو فیصلہ کر لیا کہ موسیٰ الہادی کو ولی عہدی سے معزول کر کے ہارون کو ولی عہد بنا دیا جائے۔ طریقے کے مطابق خلیفہ نے حکم دیا کہ ہارون کی بیعت بہ حیثیت ولی عہد لے لی جائے اور ہارون کے بعد ہادی تخت خلافت کا مالک سمجھا جائے۔

ان دنوں ہادی جرجان میں مقیم تھا۔ خلیفہ المہدی نے ہادی کے پاس طلبی کا خط لکھا۔ ہادی نے خلاف توقع خلیفہ کے قاصد کو پٹوا کر نہایت ذلت کے ساتھ اپنے دربار سے نکلوا دیا اور اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

یہی وہ دن تھے کہ ایک رات عارج نے مجھے بتایا۔ ''اے میری بیوی جمیلہ! میں قصر خلافت میں ایک سازش کی بو محسوس کر رہا ہوں۔ اگر تو کہے تو موقع غنیمت دیکھ کر خلیفہ کے کان میں یہ بات ڈال دوں؟''

''پہلی بات تو یہ سن لے کہ تو مجھے ''اے میری بیوی جمیلہ'' کے بجائے صرف جمیلہ کہا کر!'' میں نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

''اور دوسری بات؟'' عارج شوخ لہجے میں مسکرا کر پوچھنے لگا۔

''پہلی بات تو مان لی نا تو نے؟'' میں نے اصرار کیا۔

''سوچوں گا اس لئے کہ دنیا والے ہمیں میاں بیوی ہی سمجھتے ہیں۔'' عارج کی آواز میں شرارت تھی۔

''سمجھتے ہوں گے۔'' میں بولی۔ ''اس بات کو اچھی طرح اپنے دماغ میں بٹھا لے کہ یہ آدم زاد سب سے پہلے اپنے محسنوں ہی کے گلوں پر چھری پھیرتے ہیں۔ تجھے خلیفہ کا زیادہ خیر خواہ بننے کی ضرورت نہیں۔ اگر اس کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے تو کیا تو اپنے اس دعوے کو ثابت کر سکے گا؟.... میرا خیال ہے کہ ابھی تو شک کی منزل میں ہے۔ مجھے تفصیل بتا!''

''میں نے ایک ادھیڑ عمر کنیز رافعہ کو یہ کہتے سنا کہ موسیٰ الہادی بڑا متلون المزاج ہے۔ یہ بات وہ ایک اور کنیز سعدیہ سے سرگوشی میں کہہ رہی تھی۔'' عارج بتانے لگا۔ ''ادھیڑ عمر رافعہ نے یہ بھی کہا کہ بچپن سے وہ ہادی کی خدمت کرتی آئی ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ وہی ولی عہد رہے۔ رافعہ نے خبر نہیں کس کے ذریعے ہادی سے رابطہ بھی قائم کر رکھا ہے۔ کنیز سعدیہ کے استفسار کے باوجود رافعہ نے ذریعہ نہیں بتایا۔ مجھے یہ شک ہے کہ قصر خلافت میں موجود ہادی کے حامی' خلیفہ المہدی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔''

''مجھے یہ بتا عارج! کیا خلیفہ وقت سے تیری کوئی قریبی رشتے داری ہے؟''

''ن.... نہیں تو۔''

''پھر تو کیوں اس غم میں گھلا جا رہا ہے کہ اسے کہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے؟''

''تجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ با صلاحیت فرد کو ولی عہد ہونا چاہئے؟... بتا اے دینار! خلیفہ کے دونوں بیٹوں ہادی اور ہارون میں سے کون تیرے معیار پر پورا اترتا ہے؟ یہ نہ بھول کہ جن زاد ہونے کے باوجود ہم اہل ایمان میں سے ہیں۔ سو اس ناطے ہماری یہی خواہش ہونی چاہئے کہ مسلمانوں کی یہ حکومت خوب پھلے پھولے۔'' عارج سنجیدہ ہو گیا۔

''یہ ہونا چاہئے' وہ ہونا چاہئے' ان چکروں میں نہ پڑ! آدم زادوں کی اپنی ایک دنیا ہے' ہم جنات کا اپنا ایک جہان! ہمارے مفادات کم ہی ایک دوسرے سے متصادم ہوتے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ تیرا پلہ ہارون الرشید کی طرف جھکا ہوا ہے اور ایسا غلط بھی نہیں۔ ہادی نے اپنے باپ کے ساتھ گستاخی کی ہے۔ خلیفہ کے قاصد سے اسے یہ سلوک نہیں کرنا تھا' مگر ہم کس لئے اس معاملے میں ٹانگ اڑائیں! ..... ہادی ولی عہد ہو کہ ہارون' ہمیں کیا! رہا ہمارا مسلمان ہونا تو وہ اس سے مشروط نہیں کہ حکمران وقت کی تائید و حمایت کریں یا اس کے خلاف ہونے والی کسی سازش کی نشاندہی کر کے خود پھنس جائیں۔'' میں عارج کو سمجھاتی رہی۔ ''ذرا یہ

سوچ کر ہم ہارون کی حمایت کرتے ہیں اور خلیفہ مہدی بھی یہی کر رہا ہے' اگر کل کلاں کو ہادی ہی خلیفہ بن گیا تو ہمیں قصر خلافت میں رہنے دے گا یا پہلی فرصت میں قتل کرا دے گا؟"

"تو پھر یہ بتا کیا ہو؟" عارج نے سوال کیا۔

"کیا ضروری ہے کہ کچھ ہو۔ اتنا یاد رکھ کہ ہم فی الحال اپنے دشمن سے چھپ کر قصر خلافت میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔" میں بولی۔

"اور وہ خدمت خلق؟"

"جان ہے تو جہان ہے۔ پہلے جان بچنے کا یقین تو ہو جائے۔ جب تک وہ عفریت زندہ ہے ہم خطرے میں ہیں۔ یہ حفاظتی حصار تو ہماری عارضی سپر ہے۔ جہاں تک خدمت خلق کا تعلق ہے تو محض دوا یا شفا ہی خدمت خلق نہیں۔ اس کے اور بہت سے طریقے ہیں۔"

"مثلاً؟" عارج نے پوچھا۔

"وقت آنے پر بتاؤں گی' اب سونے دے مجھے!" میں نے یہ کہہ کر عارج کی طرف سے کروٹ لے لی۔

دوسرے دن صبح میں نے قصر خلافت میں جو خبر سنی میرے لئے حیران کن تھی لیکن خلیفہ وقت المہدی کے حکم کو کون ٹال سکتا تھا! سارے بغداد میں اس حکم سے کھلبلی مچ گئی کہ اب جانے کیا ہوگا۔

المہدی نے افواج کو بغداد سے جلد از جلد روانگی کا حکم دیا تھا۔ یہی وہ حکم تھا جس نے دارالحکومت بغداد کے باشندوں کو فکر مند کر دیا تھا۔ پہلے ایسا نہیں ہوا تھا کہ کسی حکمران نے اپنی ہی اولاد کے خلاف فوجی قوت استعمال کی ہو۔ خلیفہ المہدی اپنے بڑے بیٹے الہادی کی سرکوبی اور اسے نافرمانی کی سزا دینے جرجان جانے کا قصد رکھتا تھا۔

خلیفہ کے دونوں بیٹوں ہادی اور ہارون کو برسوں پہلے اس وقت میں قصر خلافت میں دیکھ چکی تھی جب طبیبہ کی حیثیت سے میرا یہاں آنا جانا تھا۔ ملکہ خیزران کا جھکاؤ بھی چھوٹے بیٹے ہارون کی طرف تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہارون فرمانبردار اور ہادی خود سر تھا۔ ہارون کے مقابلے میں ہادی کی شخصیت بھی قطعی غیر موثر تھی۔ ہادی کے اوپر کا ہونٹ چھوٹا اور دانت بڑے بڑے تھے۔ اس کے سبب ہر وقت اور اکثر بات کرتے ہوئے اس کا منہ کھلا رہتا۔ خلیفہ مہدی نے ایک خادم کو متعین کر دیا تھا جو ہر وقت ہادی کو منہ بند کرنے کی ہدایت کرتا

رہتا تھا۔ جہاں ہادی کا منہ کھلا۔" خادم نے کہا۔ "یا ہادی اطبق۔" ہادی یہ سن کر منہ بند کر لیتا تھا۔ رفتہ رفتہ ہادی اسی لقب سے مشہور ہو گیا۔ کم رو ہونے کے ساتھ ساتھ آزاد مزاج' غصہ ور' عشرت پسند اور لہو ولعب میں بھی زیادہ مصروف رہتا تھا۔ اب اس نے بغداد سے دور رہ کر کے اپنے باپ کی نافرمانی بھی شروع کر دی تھی۔ اپنی ناپسندیدہ صفات کے باوجود وہ خود کو ہارون سے برتر سمجھتا تھا۔

ان حالات میں مجھے خلیفہ المہدی کا فیصلہ درست ہی معلوم ہوا۔ خلیفہ کے ساتھ اس کی کنیزوں اور خادموں کو بھی جانا تھا۔ ایسے موقعوں پر خادموں اور کنیزوں کی تعداد زیادہ نہ ہوتی تھی۔ صرف انہی کو ساتھ رکھا جاتا جو خلیفہ کے زیادہ مزاج شناس اور بہتر خدمت گزار ہوتے۔ عارج اور میں نے جو انسانی قالب اپنائے تھے' ان کا شمار بھی خلیفہ کے پسندیدہ خادموں اور کنیزوں میں ہوتا تھا۔ سو ہمیں بھی قصر خلافت کے نگران کا حکم مل گیا کہ خلیفہ کے ساتھ جانے کی تیاری کر لیں۔

اسی اثنا میں ایک روز عارج نے مجھے بتایا۔ "کنیز رافعہ بھی جرجان چل رہی ہے۔"

"تو چلا کرے ہمیں کیا!" میں بولی۔

مجھے پہلے بھی اس نے اس ادھیڑ عمر کنیز کے بارے میں بتایا تھا کہ خلیفہ کے نافرمان بیٹے ہادی کی حامی ہے۔ اس نے ہادی سے رابطہ قائم کر رکھا ہے۔ "کیا تیری نظر میں یہ کوئی خطرناک بات نہیں اے دینار؟" عارج کی آواز دھیمی تھی۔

"کیا تو یہ سمجھ رہا ہے کہ ہادی اس کنیز کے ذریعے خطرہ بن سکتا ہے؟" میں نے بھی سوال کے جواب میں سوال ہی کیا۔

"ممکن ہے۔" عارج محتاط لہجے میں بولا۔

"یہ جو کنیزیں' غلام اور خادم ہوتے ہیں کسی کے لئے بھی اپنی زندگی خطرے میں نہیں ڈالتے۔ ظاہر ہے اس کنیز نے خلیفہ کے خلاف کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو زندہ نہیں بچے گی۔ یہ بات وہ خود بھی خوب جانتی ہوگی۔ یہ آدم زادیاں بڑی چالاک ہوتی ہیں عارج! تو انہیں اتنی سیدھی نہ سمجھ!" میں نے کہا۔

"لیکن اقتدار کی ہوس میں مبتلا آدم زاد' کنیزوں' غلاموں اور خادموں کو اپنا مطلب نکالنے کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں' یہ تو بھی جانتی ہے دینار! تو کیا رافعہ کو مقصد براری

کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا؟''

''یعنی تیرا کہنا یہ ہے کہ خلیفہ کا بڑا بیٹا ہادی' رافعہ کے ذریعے اپنا کوئی مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے؟'' میں نے وضاحت چاہی۔ ''مگر وہ مقصد آخر کیا ہو سکتا ہے؟''

''یہ معلوم کرنا کون سا مشکل ہے! ہم دونوں میں سے کوئی بھی اس آدم زاد کنیز کو اپنے اثر میں لے کر با آسانی...''

''نہیں۔'' میں نے عارج کی بات کاٹ دی۔ ''ہمیں اس جھگڑے میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔''

پھر عارج نے مزید بحث نہیں کی۔ دراصل اس معاملے میں پڑ کے میں اپنے یا عارج کے لئے کوئی نیا مسئلہ پیدا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ہم نے قصر خلافت میں اس لئے سکونت اختیار نہیں کی تھی کہ ہمیں یہاں سے بھی فرار ہونا پڑے۔

میں برسوں مغلیہ تاجدار ہمایوں کے عہد میں رہنے کے بعد بغداد لوٹ کر آئی تھی۔ اس دوران میں یہاں کئی تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں۔ ان میں سب سے بڑی اور اہم تبدیلی خلیفہ کے وزیر یعقوب کی جگہ نئے وزیر فیض بن ابی صالح کا تقرر تھا۔

عارج سے میں نے یعقوب کے متعلق جو پیش گوئی کی تھی' وہ درست ثابت ہوئی۔ میں نے صرف اتنا ہی کیا تھا کہ جب وزیر یعقوب ایک شب خلیفہ المہدی سے مل کر قصر خلافت سے واپس جا رہا تھا تو اس کے گھوڑے کو بدکا دیا۔ نتیجہ یہ کہ گھوڑے سے گر کر یعقوب کی پنڈلی ٹوٹ گئی۔ بظاہر یہ معمولی سا واقعہ معلوم ہوتا تھا' مگر واقعتاً ایسا نہیں تھا۔ میرے نزدیک اس کے دوررس نتائج نکلنے تھے۔ اس وقت صورتحال یہ تھی کہ وزیر یعقوب سے عوام نالاں تھے۔ دربار میں بھی امرا کا ایک گروپ' یعقوب کے خلاف تھا۔ یہ امرا یعقوب کی مخالفت میں خلیفہ کے کان بھرتے رہتے تھے۔ اس کے باوجود خلیفہ نے یعقوب کو اس کے عہدے سے نہیں ہٹایا۔ وہ کیا اسباب تھے ان سے میں واقف تھی۔ ان اسباب میں خلیفہ المہدی کے ذوق جمال کو بھی بڑا دخل تھا۔ خلیفہ سے قربت کی وجہ سے یعقوب ان ''کمزوریوں'' سے آگاہ تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ خلیفہ المہدی اپنے باپ کی طرح نہیں تھا بلکہ عیش و عشرت کا دلدادہ تھا۔ میں نے قصر خلافت میں یہ بھی سنا کہ خلیفہ کو عطر میں بسی ہوئی باندیوں سے بڑی

رغبت تھی۔ اس پر بھی وہ انتظام سلطنت کی طرف پوری توجہ کرتا تھا۔ وہ جنگوں میں شریک ہوتا اور رعایا کا خیال رکھتا تھا۔ مطلق العنان حکمران کی حیثیت سے مہدی کی عشرت پسندی کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ دولت کی فراوانی اور بے اندازہ اختیارات آدم زادوں کو عیاشی کی طرف مائل کر دیتے ہیں۔ میں نے رعایتاً جس کمزوری کو ''ذوق جمال'' کا نام دیا ہے' یہ کمزوری حکمرانوں میں عموماً پائی جاتی ہے۔ مغل بادشاہ ہمایوں بھی بڑی حد تک اس ''بیماری'' میں مبتلا تھا جس کا مشاہدہ میں خود کر چکی تھی۔ خلیفہ مہدی کی یہ عشرت پسندی اس کے بڑے بیٹے موسیٰ الہادی میں بھی منتقل ہوئی تھی۔ یہ بڑی عجیب اور حیران کن سی بات ہے کہ خلیفہ مہدی کی منفی عادات' ہادی نے اپنائیں اور مثبت صفات چھوٹے بیٹے ہارون کے حصے میں آئیں۔

ہوتا یہ ہے کہ بدخواہ اور موقع پرست لوگ' حکمرانوں کی کمزوریوں اور منفی عادات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ایسا ہی یعقوب نے کیا۔ میں اگر مداخلت نہ کرتی تو شاید صورتحال میں کوئی مثبت تبدیلی نہ آتی۔

میری توقع کے عین مطابق ہوا یہ کہ جب پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی تو یعقوب معذور ہو گیا۔ اس حالت میں وہ نہ تو دربار خلافت میں حاضر ہو سکتا تھا' نہ خلوت میں خلیفہ مہدی سے ملاقاتیں ممکن تھیں۔ جو امرا یعقوب کو سخت ناپسند کرتے تھے' اس کی غیر حاضری سے انہوں نے فائدہ اٹھایا۔ ان امراء نے اس کے خلاف ایسے ناقابل تردید ثبوت پیش کئے کہ خلیفہ مہدی بھی قائل ہو گیا۔

یعقوب ابھی پوری طرح صحت یاب نہیں ہوا تھا کہ خلیفہ مہدی نے اسے معزول کر دیا۔ اس پر بدعقیدہ ہونے کا الزام ثابت کر دیا گیا تھا۔ اس معزولی کے ساتھ ہی نئے وزیر فیض بن ابی صالح کا تقرر ہوا جو عوام کے لئے واقعی فیض رساں نکلا۔ جب خلیفہ مہدی نے جرجان پر لوج کشی کا حکم دیا تو وزیر فیض ہی تھا۔ یعقوب زنداں میں تھا اور اس کی جائیداد ضبط کر لی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

یعقوب کی وجہ سے چونکہ عوام تنگ تھے' میں نے اس لئے اسے وزارت سے ہٹانے کی راہ ہموار کی' لیکن خلیفہ مہدی کے خلاف کوئی ممکنہ سازش فرد واحد کا معاملہ تھا۔ اسی بنا پر میں نے عارج کو مداخلت سے روک دیا تھا۔ انفرادی اور اجتماعی مفاد کو میں بخوبی سمجھتی تھی۔ میری کوشش ہمیشہ اجتماعی مفاد کے حق میں ہوتی' البتہ کسی بے گناہ کی زندگی و موت کا مسئلہ ہوتا تو بھی میں ممکنہ حد تک اس کی مدد سے گریز نہ کرتی۔ میرے خیال میں یہ بھی خدمت خلق تھی۔

قصر خلافت میں ایک خادمہ جمیلہ کی حیثیت سے میں کوئی کم رتبہ نہیں تھی اور نہ عارج کو خادم ایوب جان کر کوئی بھی کمتر سمجھتا تھا۔ اس کا سبب ایوب و جمیلہ کی خدمت گزاری تھی جس سے خلیفہ مہدی خوش تھا اور خلیفہ کی خوشنودی حاصل ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ خلیفہ کی ملکہ خیزران بھی ایوب اور جمیلہ کو انعام و اکرام سے نوازتی رہتی تھی۔ میں نے اسی وجہ سے اپنے اور عارج کے لئے ان انسانی قالبوں کو منتخب کیا تھا۔

یہ واقعہ 18 محرم 169 ہجری کا ہے کہ جب خلیفہ مہدی دارالحکومت بغداد سے جرجان کے لئے روانہ ہوا۔ اس کے ہمراہ مسلح افواج کی خاصی بڑی تعداد تھی۔ دارالحکومت کے انتظام و انصرام کی ذمے داری مہدی نے ربیع کے سپرد کر دی تھی۔ ہر چند کہ خلیفہ منصور کا آزاد کردہ یہ غلام کافی بوڑھا ہو چکا تھا مگر بنو عباس کی وفاداری میں شاید ہی کوئی اس کا ثانی ہو۔ اس تقرر کی ایک وجہ یہ تھی کہ مہدی اپنے چھوٹے بیٹے ہارون کو بھی اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔ اس کے علاوہ وزیر فیض بھی خلیفہ کی رکاب میں تھا۔ مہدی نے یہ عزم کر رکھا تھا کہ ہر حال میں ہادی سے ہارون کی ولی عہدی کے لئے بیعت لے گا۔ وہ اس بات سے لاعلم تھا کہ تقدیر اس کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے والی ہے۔

بغداد سے روانگی کے دو روز بعد باسندان کے مقام پر خلیفہ نے پڑاؤ کا حکم دیا۔ راستے میں اس نے برائے نام اور ضرورتاً ہی قیام کیا تھا۔ اس لئے باسندان میں دو روزہ قیام کا

اعلان ہوا تا کہ سپاہیوں کو آرام کا موقع مل جائے۔ اس دوران میں خلیفہ شکار بھی کھیلنا چاہتا تھا۔

جس جگہ خلیفہ کا خیمہ نصب کیا گیا اس کے قریب دائیں جانب ہارون اور بائیں جانب وزیر فیض کے خیمے تھے۔ جو خیمہ خلیفہ کے لئے مخصوص تھا' وہ چار بڑے حصوں پر مشتمل تھا۔ ایک حصہ خلیفہ کی خواب گاہ' دوسرا حصہ نشست گاہ' تیسرا حصہ محافظ دستے اور چوتھا حصہ خادموں اور کنیزوں کے لئے تھا۔ عارج اور میں اسی چوتھے حصے میں تھے۔ اس حصے میں وہ خاص مطبخ بھی تھا جس میں صرف خلیفہ اور اس کے اہل خاندان کے واسطے کھانا پکتا تھا۔ خیمے کے چوتھے حصے میں ہمارے علاوہ مطبخ کے دو ملازمین نیز مزید ایک خادم اور کنیز بھی تھی۔ یوں گویا چھ افراد کا قیام اس حصے میں تھا۔ کنیز رافعہ بھی ان میں شامل تھی۔

باسندان میں قیام کے دوسرے روز صبح ناشتہ کرتے ہی خلیفہ مہدی شکار کھیلنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ میر شکار نے ایک دن پہلے ہی شکار کی تمام تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔

پوری طرح اندھیرا پھیلنے سے پہلے خلیفہ شکار سے لوٹ آیا۔ مطبخ (باورچی خانہ) کے نگران کو خلیفہ نے حکم دیا کہ وہ جو ہرن شکار کر کے لایا ہے' رات کے کھانے میں اسی کے کباب بنائے جائیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں دیر لگتی اس لئے خلیفہ نے وقتی طور پر شکم سیری کی غرض سے پھل طلب کئے۔ میں تعمیل حکم کی خاطر اٹھنے ہی والی تھی کہ رافعہ نے مجھے یہ کہہ کر روک دیا۔ ''ایوب اور تم نے ابھی پورے خیمے کی صفائی کی ہے' سو تھک گئے ہو گے۔ امیر المومنین کی خدمت میں پھل لے کر میں چلی جاتی ہوں۔''

رافعہ ایک قاب میں پھل لے کر چلی گئی تو میں نے عارج کو مخاطب کیا۔ ''تو اس کنیز کی غیبت میں لگا رہتا ہے اور یہ ہم پر اس قدر مہربان ہے۔ اسے ہمارا کتنا احساس ہے؟'' خیمے کے اس گوشے میں ہم دونوں اکیلے تھے' پھر یہ کہ میری آواز دھیمی تھی۔

''اس مہربانی کی بھی کوئی وجہ ضرور ہو گی۔'' عارج نے بدستور اپنے شک کا اظہار کیا۔

اس وقت میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ عارج کا شک بے سبب نہیں۔

کنیز رافعہ خیمے کے اس حصے میں واپس آئی تو خلاف توقع مجھے کچھ گھبرائی ہوئی سی لگی۔ میں نے رافعہ سے اس کی وجہ پوچھی تو اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور

چادر اوڑھتے ہوئے بولی۔ ''کوئی خاص بات نہیں۔''

''تم کہیں جا رہی ہو؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں میرا ایک بھتیجا بھی فوج میں ہے۔ کل پتہ چلا تھا کہ وہ علیل ہو گیا ہے۔ اسے دیکھنے جا رہی ہوں۔ بس ابھی آئی میں!'' رافعہ یہ کہہ کر تیزی کے ساتھ خیمے سے نکل گئی۔

رافعہ کو گئے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ پھنسی پھنسی سی ایک چیخ سن کر میں تقریباً اچھل پڑی۔ یہ چیخ خلیفہ مہدی کے سوا کسی اور کی نہیں ہو سکتی تھی۔ چیخ کی آواز خیمے کے اسی حصے کی طرف سے آئی تھی جو خلیفہ کے لئے مخصوص تھا۔ ہر چند کہ طلب کئے بغیر اس حصے میں جانا ممنوع تھا مگر یہ ہنگامی حالات تھے۔ سو عارج اور میں بے اختیار ادھر دوڑ پڑے۔

جیسے ہی میں خیمے کے اس مخصوص حصے میں پہنچی دنگ رہ گئی۔ خلیفہ مہدی کو اس کے محافظ دستے کے سپاہی گھیرے میں لئے ہوئے تھے اور وہ بے سدھ سا اپنی مسند پر پڑا تھا۔ اس کے منہ سے جھاگ بہہ رہی تھی۔ قریب ہی پھلوں کی قاب رکھی تھی۔ امرود کی دو پھانکیں خلیفہ کے بے حرکت جسم کے قریب پڑی تھیں۔

''طبیب کو بلاؤ جلدی!'' کوئی بلند آواز میں بولا۔

جب یہ سب چیخ پکار مچی ہوئی تھی میری سماعت میں عارج کے الفاظ گونج رہے تھے۔ ''میں قصر خلافت میں ایک سازش کی بو محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے یہ شک ہے کہ ہادی کے حامی خلیفہ المہدی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔'' اس ضمن میں عارج نے کنیز رافعہ کو مشتبہ قرار دیا تھا۔ عارج کے ان الفاظ کے ساتھ ہی میری چشم تصور میں ادھیڑ عمر کنیز رافعہ کا چہرہ گھوم گیا۔ کچھ ہی دیر پہلے جب وہ خیمے سے نکل کر گئی تھی تو اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار تھے۔

کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ خلیفہ کے طبیب خاص نے تصدیق کر دی، خلیفہ کو کوئی سریع الاثر زہر دیا گیا ہے۔ اسی زہر خورانی کے سبب خلیفہ مہدی کا انتقال ہو چکا ہے۔ یہ 22 محرم 169 ہجری تھی۔

یہ اتنی بڑی خبر تھی کہ اول اول لوگوں کو یقین ہی نہ آیا کہ ایسا واقعہ رونما ہو چکا ہے۔ خلیفہ کے چھوٹے بیٹے ہارون الرشید کے حکم پر خیمے کو مسلح محافظوں نے گھیرے میں لے لیا۔ اب کسی کو خلیفہ کے خیمے سے باہر جانے یا وہاں آنے کی اجازت نہیں تھی۔ طبیب خاص اور اس کے نائبوں نے جلدی ہی یہ پتہ لگا لیا کہ جو امرود خلیفہ نے کھایا ہوگا اور جس کی دو پھانکیں مسند پر ملی تھیں، وہ زہر آلود تھا۔ انہی زہر آلود دونوں پھانکوں میں سے ایک پھانک

کتے کو کھلائی گئی تو چند لمحوں میں تڑپ کر مر گیا۔ پھلوں کی اس پوری قاب میں کئی اور پھل بھی زہر آلود پائے گئے۔

ہارون الرشید کے حکم ہی پر دیوان الجند (فوج کا محکمہ) کے تفتیشی افسران کو طلب کیا گیا۔

ہم چار افراد خلیفہ کی خدمت پر مامور تھے جن میں سے رافعہ غائب تھی۔ سو ایسی صورت میں ان فوجی افسران کے سامنے ہماری ہی پیشی ہوئی۔ تفتیش کے وقت محافظ دستے کا سالار بھی موجود تھا۔ اس نے عارج سے پوچھا۔ ''امیر المومنین کی خدمت میں ادھیڑ عمر کنیز رافعہ بھی مامور تھی، وہ کہاں ہے؟''

''وہ اپنے کسی بیمار بھتیجے کی عیادت کرنے گئی ہے جو فوج میں ملازم ہے۔'' عارج نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے، وہ آ جائے گی تو اس سے بھی پوچھ گچھ کر لیں گے۔'' فوج کے ایک تفتیشی افسر نے کہا، پھر مجھے مخاطب کیا۔ ''امیر المومنین کی خدمت میں پھل پیش کرنے کون گیا تھا؟''

''کنیز رافعہ۔'' میں نے بتایا۔

تفتیشی افسر کو میں نے چونکتے دیکھا۔ پھر وہ بے اختیار بولا۔ ''اور وہی موجود نہیں۔''

''جس وقت وہ کنیز، امیر المومنین کو پھل پیش کر کے لوٹی تھی، اس کے کتنی دیر بعد خیمے سے نکلی تھی۔'' تفتیشی افسران کے نگران نے سوال کیا۔

جواب میں نے ہی دیا کیونکہ وہ مجھ ہی سے ہمکلام تھا۔ ''کنیز رافعہ فوراً ہی چادر اوڑھ کر خیمے سے نکل گئی تھی۔ اسی دوران میں میرے پوچھنے پر اس نے یہ بتایا تھا کہ اپنے بیمار بھتیجے کو دیکھنے جا رہی ہے۔''

''اس کنیز کو فوری طور پر تلاش کیا جائے!'' فوجی تفتیشی نگران نے حکم دیا۔

محافظ دستے کے تقریباً سبھی سپاہی کنیز رافعہ کو پہچانتے تھے۔ انہی میں سے چند کو اس ''مہم'' پر روانہ کر دیا۔ فوجیوں کے چار دستے بنائے گئے۔ ہر دستے کے ساتھ محافظ دستے کا ایک ایسا سپاہی تھا جو کنیز رافعہ کو پہچان سکے۔

چاروں فوجی دستے خیمہ گاہ کی چاروں سمتوں میں روانہ ہو گئے۔ اب چونکہ سورج

غروب ہو چکا تھا اس لئے رافعہ کی تلاش میں روانہ ہونے والے فوجیوں کے ہاتھوں میں روشن مشعلیں تھیں۔ میں خیمے کے در سے انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

یہ تو خیر طے ہو چکا تھا کہ خلیفہ المہدی کو زہر دیا گیا ہے' مگر زہر کس نے اور کیوں دیا؟ یہ سوال ابھی جواب طلب تھا۔ بڑی حد تک اب مجھے عارج کا شبہ درست معلوم ہونے لگا تھا۔ اس شبے کی تصدیق کنیز رافعہ کی تلاش میں کامیابی کے بعد ہی ہو سکتی تھی۔

عشاء کا وقت ہونے والا تھا کہ جب فوجی دستے کنیز رافعہ کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے مگر یہ تلاش ایک اعتبار سے لا حاصل ہی رہی۔ تلاش کرنے والوں کو رافعہ کی لاش ملی تھی جس کے سینے میں دل کے مقام پر ایک خنجر پیوست تھا۔ رافعہ کے قاتل کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ رافعہ کے قتل سے یہ صاف ظاہر تھا کہ جس نے بھی اس کے ہاتھوں خلیفہ المہدی کو زہر دلوایا تھا' پس پردہ رہنا چاہتا تھا۔ اگر رافعہ زندہ بچ جاتی تو یقیناً یہ راز کھل جاتا۔ یہ آدم زاد بھی اقتدار کی خاطر کیا کیا سوانگ رچاتے اور کس کس طرح بے رحمی کا مظاہرہ کرتے ہیں!

خلیفہ المہدی کی موت کا مطلب یہی تھا کہ کسی اور کو اقتدار کی طلب تھی۔ رافعہ کی یہ بات بھی غلط ثابت ہوئی کہ فوج میں اس کا کوئی بھتیجا ملازم ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ خلیفہ کو زہر آلود پھل دینے کے بعد وہ فرار ہونا چاہتی تھی۔ جن لوگوں یا جس شخص نے اسے فرار کرانے کی ذمے داری لی ہوگی' اسی نے رافعہ کو قتل کر کے اس کی لاش لشکر گاہ سے کچھ دور پھینک دی ہوگی۔ یہ کڑیاں جوڑنا میرے لئے مشکل نہ ہوا۔

اب چونکہ تفتیش کا رخ بدل گیا تھا اس لئے ہارون الرشید کے حکم پر ہمیں ایک اور خیمے میں منتقل کر دیا گیا۔ اب ہم پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ مطبخ کے دونوں ملازمین کو مع ایک خادم کے ہارون الرشید کے خیمے میں بھیج دیا گیا۔ مجھے اور عارج کو جو خیمہ ملا وہ بھی ہارون کے خیمے سے زیادہ دور نہیں تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ہارون جب چاہے ہمیں اپنی خدمت کے لئے طلب کر لے۔ مرحوم خلیفہ کے خیمے میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اس کے اطراف سخت پہرا تھا۔

عارج کو اور مجھے جب خلوت میسر آئی تو میں نے دھیمی آواز میں اسے مخاطب کیا۔

"اے عارج! تو نے جس سازش کی بو محسوس کر لی تھی' وہ سچ ثابت ہوئی' لیکن موجودہ حالات میں یہی مناسب ہے کہ ہم اپنی زبانیں بند رکھیں۔"

"تیرا کہنا ٹھیک ہے اے دینار! ہمیں آدم زادوں کے اس جھگڑے سے دور ہی

رہنا چاہئے۔ بصورت دیگر قصر خلافت میں رہنا تو در کنار ہماری زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ ان اقتدار کے دیوانوں کا کوئی بھروسہ نہیں کہ کب کسی کے قتل کا حکم دے دیں اور ہم بے خبری میں مارے جائیں۔ عالم سوما نے قصر خلافت کو خطرناک جگہ قرار دیا تھا' یاد ہے تجھے؟"

"ہاں یاد ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن ہم اگر چوکنا اور محتاط رہیں تو ہماری زندگی کو وہاں کوئی خطرہ نہیں۔"

میرا خیال تھا کہ خلیفہ المہدی کی تدفین آئندہ روز صبح ہوگی مگر ہارون نے طبیبوں کے مشورے کو قبول کر لیا۔ جو زہر دیا گیا تھا اس کا اثر خلیفہ کی لاش پر ظاہر ہونے لگا تھا۔ زہر کے اثر سے جسم کی جلد کئی جگہ سے تڑخنے لگی تھی۔ طبیبوں نے خلیفہ کی لاش کو دیکھ کر یہ مشورہ دیا تھا کہ رات ہی کو اسے دفنا دیا جائے۔

نصف شب سے پہلے خلیفہ المہدی کی تدفین عمل میں آئی۔ اس کی نماز جنازہ ہارون نے پڑھائی۔

اس بات کا علم سبھی کو تھا کہ مرحوم خلیفہ اپنے بڑے بیٹے الہادی کے بجائے ہارون الرشید کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتا تھا اسی سبب سارے لشکر میں یہ چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ نیا خلیفہ کون بنے گا؟ عارج نے بھی اس رات سونے سے پہلے یہی سوال کیا۔

"ابو محمد موسیٰ الہادی...... خلیفہ کا بڑا بیٹا! وہی کہ جس کے خلاف مرحوم خلیفہ فوج لے کر جا رہا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ خلیفہ المہدی تو ہادی کے بجائے ہارون کو......"

"معلوم ہے مجھے۔" میں بول اٹھی۔ "تیرا یہ کہنا بجا کہ خلیفہ مہدی' ہارون کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتا تھا لیکن وہ ہارون کے لئے ولی عہدی کی بیعت تو نہیں لے سکا۔ بتا ایسا ہی ہوا ہے نا؟"

"ہاں اے دینار! لیکن یہ تو ظلم ہوگا۔" عارج کے لہجے میں تاسف تھا۔ "وہ جس نے اپنے باپ کی نافرمانی کی' باپ کے قاصد کو پٹوا کر ذلیل کیا اور طلب کرنے پر بغداد نہ آیا' اسے مسلمانوں کا خلیفہ نہیں بننا چاہئے۔"

"یقیناً تیرے جذبات غلط نہیں اے عارج' مگر یہ آدم زادوں کی دنیا ہے' عالم جنات نہیں جہاں صدیوں ایک ہی سردار قبیلہ رہے اور اقتدار و حکمرانی کی جنگ نہ چھڑے۔ جہاں تک ہادی کے خلیفہ بننے کا تعلق ہے تو مرحوم المہدی اس کے لئے ولی عہدی کی بیعت

لے چکا تھا جبکہ ہارون کے معاملے میں ایسا نہیں ہو سکا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہادی کی بابت سابق بیعت ساقط نہیں ہو پائی۔ تو دیکھ لیجو کہ امرا اور مفتی ہادی ہی کے حق میں فیصلہ دیں گے۔"

"اور ہارون کیا وہ اس فیصلے کو قبول کر لے گا؟" عارج نے دریافت کیا۔

"یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا مگر مجھے یوں لگ رہا ہے اے عارج کہ بغداد شہر کے دروازوں پر کوئی طوفان دستک دینے والا ہے۔"

"دینار! یہ بتا کہ اگر تیرے اندازے کے مطابق ہادی ہی نیا خلیفہ بنا تو کیا اپنے باپ کے ورثے میں ہم دونوں کو بھی قبول کر لے گا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ ہمیں معزول کر دے؟"

"دیکھ عارج، جو با اعتماد آزمودہ اور وفادار ہوتے ہیں انہیں معزول نہیں کیا جاتا۔ خادم، خادمائیں، غلام اور کنیزیں ایک حکمران سے دوسرے کو بالکل اسی طرح منتقل ہوتے رہتے ہیں جس طرح اقتدار وخزانہ باپ کا غلام وراثتاً بیٹے کا غلام بھی ہوتا ہے۔ کچھ یہی معاملہ خدام کا ہے۔ یوں سمجھ کہ ان کی حیثیت اثاثے جیسی ہے۔ یہ بے چارے ہر نئے آنے والے حکمران کے وفادار بن جاتے ہیں۔ حقیقتاً یہ اقتدار وحکومت کے وفادار ہوتے ہیں، جسے اقتدار مل گیا، بس یہ اسی کے ہو گئے۔ ہر نیا آنے والا حکمراں اس حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے۔ انہی میں سے کچھ بے وقوف بھی ہوتے ہیں یا بے وقوف بنا دیئے جاتے ہیں اور ان کا حشر کنیز رافعہ جیسا ہوتا ہے۔"

رات کو میں عارج سے دیر تک ایسی ہی باتیں کرتی رہی تا کہ اس کے اندیشے اور خدشات دور ہو سکیں۔

توقع کے مطابق دوسرے دن صبح ہارون نے عارج کو اور مجھے اپنی خدمت میں طلب کر لیا۔ ہم اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ وہاں منتقل ہو گئے۔

میں نے ہارون کے چہرے پر حزن وملال کے ساتھ فکرمندی کے آثار بھی دیکھے۔ ہارون کا خیمہ بھی چار حصوں میں تقسیم تھا۔ ان میں سے جو حصہ نشست گاہ کے لئے مخصوص تھا، وہاں ہارون عالم اضطراب میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ مطبخ کے نگران سے مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ ہارون نے اب تک ناشتہ بھی نہیں کیا۔ معلوم نہیں وہ کیا سوچ رہا تھا! معاً اس نے ایک محافظ کو طلب کیا اور وزیر فیض بن ابی صالح کو فوری طور پر بلوایا۔

نشست گاہ اور خادموں کے حصے کو صرف ایک پردے سے جدا کیا گیا تھا۔ سو نشست گاہ میں ہونے والی گفتگو سن لینا میرے لئے آسان تھا۔ اس کے علاوہ میں دور رہ کر بھی سب کچھ سننے کی اہل تھی۔ مجھے اس غرض سے اپنی سماعت کا دائرہ وسیع کرنا پڑتا۔ اسی کے ساتھ اپنی چشم تصور کو متحرک کر کے میں اپنی آنکھوں سے اوجھل منظر بھی دیکھ سکتی تھی۔ یہ وضاحت غالباً پہلے بھی میں کر چکی ہوں۔ دوبارہ اس کی ضرورت یوں پیش آئی کہ میری باتوں کو سمجھنے میں کسی کو کوئی دشواری نہ ہو۔ تا کہ یہ امر واضح ہو جائے کہ جہاں میں کسی انسانی قالب میں موجود نہیں تھی، وہاں کی خبر مجھے کیسے ہو گئی! دراصل ہم جنات کی مختلف پر اسرار صفات کے بارے میں آدم زادوں کو علم نہیں اس لئے ان کے ذہنوں میں مختلف سوالات پیدا ہونا فطری سی بات تھی۔ جنات کے متعلق اب تک میں بہت کچھ بتا چکی ہوں، اس کے باوجود ابھی مزید ایسی حیران کن باتیں ہیں جن کا ذکر میری سرگزشت میں آگے آئے گا۔ آدم زادوں، خصوصاً قابل ذکر آدم زادوں کے درمیان رہ کر میں نے جو کچھ دیکھا، سنا، محسوس کیا اور جانا یہ بیان کئی اعتبار سے اہم اور دلچسپ ہے۔ میں متعدد تاریخی واقعات کی عینی شاہد ہوں، خواہ ان واقعات پر آدم زاد یقین کریں نہ کریں۔ میرے نزدیک یقین نہ کرنے کی ایک وجہ تعصب بھی ہو سکتی ہے۔ جنات سے آدم زاد تعصب رکھتے ہیں اور انہیں خود سے کمتر جانتے ہیں۔ اہل ایمان ہونے کی بناء پر میں کم از کم آدم زادیوں اور آدم زادوں کو تمام مخلوقات میں اشرف ہی جانتی ہوں۔ یہ الگ بات کہ اس کے باوجود آدم زادوں کی اکثریت ہم جنات سے ڈرتی ہے۔

اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ اگر ہم جنات شرارت وفساد پر اتر آئیں تو آدم زادوں کا جینا حرام کر دیں، لیکن نیک وبد ہر مخلوق میں ہوتے ہیں۔ سو ہم بھی ہیں۔ وہ جو فسادی نہیں ہوتے اور آدم زادوں کے ساتھ کسی نہ کسی شکل میں رہتے ہیں۔ عموماً انہیں پریشان یا تنگ نہیں کرتے اور نہ ان کے معاملات میں حتی الامکان مداخلت کرتے ہیں۔ میں بھی اسی پر عمل پیرا تھی۔ اسی سبب عارج کو میں نے رافعہ کے بارے میں مداخلت سے روک دیا تھا۔ ممکن ہے جب خلیفہ کو کسی سازش کا پتہ چلتا تو صورتحال مختلف ہوتی، لیکن قدرت کو یہ منظور نہیں ہوگا۔ وہ خلیفہ محمد بن عبداللہ المہدی جو 127 ہجری میں بمقام ایرج پیدا ہوا اور وہ کہ جس کی ماں کا نام ام موسیٰ بنت منصور حمیریہ تھا، اس کی زندگی اتنی ہی تھی۔

خلیفہ مہدی کی تدفین رات کو ہوئی تھی اور دوسرے دن صبح ہی سے افواج میں بے چینی پائی جاتی تھی۔ اس کی وجہ غیر یقینی حالات تھے۔ جب اچانک اور غیر متوقع طور پر کوئی

حکمران موت کی نیند سلا دیا جاتا ہے تو ایسے ہی حالات پیش آتے ہیں۔ اسی فضا کو اعتدال میں لانے کی غرض سے ہارون نے وزیر فیض کو مشورے کے لئے اپنے خیمے میں طلب کیا۔ وہ بہر حال حکمران خاندان کا ایک اہم فرد اور حکم دینے کا اہل تھا۔ سو وزیر نے حاضر ہونے میں دیر نہ کی۔

''لشکریوں کے اضطراب پر فی الحال کس طرح قابو پایا جائے؟'' ہارون نے وزیر سے سوال کیا۔

''غلام یہ سمجھتا ہے کہ سپاہیوں کی دلجوئی اور تالیف قلوب ضروری ہے۔'' فیض نے جواب دیا۔

''اس کے لئے اب تک ایک ہی صورت قابل عمل رہی ہے۔'' ہارون نے کہا۔

''ہم سمجھتے ہیں کہ لشکریوں کو دو دو سو درہم دے دیئے جائیں۔ اسی کے ساتھ بغداد واپسی کی منادی کرادی جائے۔''

''حضور کے حکم کی تعمیل ہوگی۔'' وزیر فیض مودبانہ لہجے میں بولا۔

ہارون نے اسے رخصت ہونے کا اشارہ کر دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ رعایا ہو یا لشکری وہ اسی صورت میں مطمئن رہتے ہیں جب ان کے گھروں میں چولہے جلتے رہیں' پیٹ بھرے ہوں' روٹی ملتی رہے اور ان کی ضروریات پوری کی جاتی رہیں۔ خوبصورت الفاظ سے بھوک نہیں مٹتی' اس کے لئے عملی اقدامات کی ضرورت ہوتی ہے۔ سو ہارون نے بھی یہی راستہ اختیار کیا۔

لشکریوں کو دو دو سو درہم ملے تو وہ ہارون کا دم بھرنے لگے۔

بغداد کی طرف کوچ کرنے سے پہلے فضا کچھ ایسی بن گئی تھی جیسے خلیفہ مہدی کے بعد اب ہارون الرشید ہی نیا خلیفہ ہوگا' مگر راستے میں بغداد کی طرف جاتے ہوئے ایک اور خبر نے سنسنی پھیلا دی۔

خلیفہ مہدی کے انتقال کی اطلاع جرجان میں ہادی کو بھی مل گئی تھی۔ ظاہر ہے اسے یہ اطلاع فوراً پہنچانے والا اسی کا کوئی خیر خواہ یا نمک خوار ہوگا۔ یہ نمک خوار وہ شخص بھی ہوسکتا تھا جس کے ہاتھوں کنیز رائعہ قتل ہوئی تھی۔

ہارون کو ملنے والی سنسنی خیز خبر یہ تھی کہ اس کے بڑے بھائی موسیٰ الہادی نے جرجان میں خلافت کی بیعت لے لی ہے۔ اس کے لئے ہادی نے اپنے ولی عہد ہونے کی

دلیل دی تھی۔ ہادی کی اس دلیل کو ان امرا اور ارکین سلطنت نے تسلیم کر لیا تھا جو جرجان میں اس کے ساتھ تھے۔

ہادی کے ہم نوا و حمایتی بغداد میں بھی تھے۔ اس کی وجہ سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ دار الحکومت فتنہ و فساد کا شکار نہ ہو جائے۔ ربیع کو مرحوم خلیفہ مہدی نے گویا اپنی نیابت کی غرض سے بغداد میں چھوڑا تھا۔ سو ہادی کے حمایتی جو فوج میں تھے ربیع کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔ وہ بوڑھا خلیفہ منصور کے زمانے سے حکمران خاندان کا وفادار و بہی خواہ تھا' مگر ہوتا یہ ہے کہ حکمران بدلنے کے ساتھ ساتھ آدم زادوں کو وفاداریاں بھی بدلنی پڑتی ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ مسلمانوں کی طاقت منقسم تھی۔ ان کے درمیان کسی نوع کی بھی تقسیم سلطنت کے لئے نقصان دہ ہوتی۔ اس تقسیم کی بنیاد ہادی اور ہارون کی حمایت تھی۔

پھر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ میں نے بغداد شہر میں جگہ جگہ آگ لگی دیکھی۔ ہر طرف لوٹ مار اور فتنہ و فساد کا بازار گرم تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہاں کسی کی حکومت ہی نہ ہو۔

قصر خلافت اور اس سے ملحق علاقوں کو مرحوم خلیفہ نے مدینتہ المہدی کا نام دے دیا تھا' شہر کا یہ اہم حصہ بھی محفوظ نہیں تھا۔ رصافہ محلے میں ربیع کے مکان سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔

بغداد میں داخل ہونے کے چار دروازے تھے۔ ان چاروں دروازوں تک فسادات کی آگ پھیلی ہوئی تھی۔

بہتر ہوگا کہ میں ان چاروں دروازوں کی تفصیل بیان کر دوں تا کہ اس عہد کے بغداد کا پورا نقشہ واضح ہو جائے۔

شہر کے چاروں دروازے مساوی فاصلے پر تھے۔ (ایک ایک عربی میل کے فاصلے پر) ہر دروازے سے ایک ایک شاہراہ نکلتی تھی۔ آئندہ زمانے میں انہی چاروں سڑکوں پر شہر کی بیرونی آبادی قائم ہوتی چلی گئی اور پھر یہ تمام آبادی بھی اس عظیم الشان دار الخلافہ کے وسیع حلقے میں آ گئی۔ ان چاروں دروازوں میں سے ایک کا نام باب بصرہ تھا۔ یہ جنوب مشرق میں تھا۔ یہ اس آبادی میں واقع تھا جو دریائے دجلہ کے کنارے اس جگہ پر تھی جہاں سے نہر عیسیٰ نکلی تھی۔۔ دوسرا دروازہ جنوب مغرب میں باب کوفہ تھا۔ یہاں سے جنوب کی سمت ایک سڑک نکلی تھی اور یہی سڑک مکہ معظمہ کو جاتی تھی۔ شمال مشرق میں تیسرا دروازہ باب الشام تھا جہاں

سے ایک شاہراہ بائیں طرف فرات کے کنارے آباد شہر انبار (خلیفہ منصور نے بغداد کی تعمیر سے پہلے اسی شہر کو اپنا دار الخلافہ بنا رکھا تھا) کو اور دائیں طرف دجلہ کے مغربی کنارے کے شہروں کو جاتی تھی جو بغداد کے شمال میں واقع تھے۔ شہر کا چوتھا دروازہ باب خراسان کہلاتا تھا۔ یہاں سے ہو کر کشتیوں کے بڑے پل کو ایک راستہ دریا اترنے کے لئے جاتا تھا۔ اسی پل سے مسافر مشرقی بغداد میں آتا تھا۔ مشرقی شہر تین حصوں میں تقسیم تھا۔ پل کے سرے کے قریب کا حصہ رصافہ کہلاتا تھا جس کا ذکر میں پہلے بھی کئی بار کر چکی ہوں۔ بیشتر اراکین سلطنت اور امرا اسی محلے میں آباد تھے۔ دوسرا حصہ شماسیہ تھا جو رصافہ کے شمال میں دریا کے کنارے تھا۔ تیسرا حصہ مخرم' رصافہ کے جنوب کی طرف تھا۔ مشرقی بغداد کے ان تینوں محلوں کے گرد نصف دائرے کے شکل جیسی ایک فصیل تھی۔ یہ فصیل دریا کنارے شماسیہ کے شمال سے شروع ہو کر مخرم کے جنوب میں دریا کے کنارے ختم ہو جاتی تھی۔

اسی مشرقی بغداد کے وسطی اور تنگ حصے سے خراسان والی بڑی سڑک کا ابتدائی حصہ گزرتا تھا۔ یہ سڑک باب خراسان سے شروع ہو کر دریا اترتی ہوئی مشرقی بغداد کے باب خراسان سے (جو اس نام کا دوسرا دروازہ تھا) گزرتی تھی۔ یہاں سے یہ بڑی سڑک اسلامی سلطنت کی انتہائی حدود تک پہنچتی تھی۔

بغداد کے باب کوفہ سے باہر کی آبادی جس کا پھیلاؤ کم و بیش ایک فرسخ (تقریباً تین میل) تھا' کرخ کہلاتی تھی۔ اس محلے کا بھی ذکر میری سرگزشت میں پہلے آ چکا ہے۔ باب محول کے باہر کی آبادی دار الخلافہ کے مغرب کی طرف واقع تھی۔ باب کوفہ اور باب الشام دونوں سے ہو کر اس کو راستہ جاتا تھا۔ ان دروازوں کی دونوں سڑکوں کے ملنے سے مغربی شاہراہ بن جاتی تھی جو محول کی بستی سے گزرتی ہوئی انبار کو جاتی تھی۔ باب الشام کے شمال میں حربیہ کی آبادی تھی۔ یہیں میں نے بابل کے کھنڈرات سے بغداد میں سکونت اختیار کرنے کے لئے مطب کھولا تھا اور یہیں سپاہیوں کی تربیت گاہ تھی جس کا تفصیلی ذکر پہلے آ چکا ہے۔ حربیہ سے گزر کر ہی مغربی بغداد کے شمالی قبرستان تھے۔ یہ قبرستان اس وقت دریا کے ایک خم کی وجہ سے دو طرف سے پانی میں گھرے ہوئے تھے۔

میں نے جن مشہور آبادیوں کا ذکر کیا ہے' ان کے علاوہ بھی بغداد میں مزید چھوٹی بڑی آبادیاں تھیں۔ ان کے نام اور محل وقوع ضرورت پڑنے پر میں بیان کر دوں گی۔ مندرجہ بالا دروازوں اور آبادیوں کا بیان میں نے اس لئے کیا کہ ان میں سے کچھ کے نام میری سرگزشت میں آ چکے ہیں اور کچھ کے نام آئندہ آئیں گے۔ بغداد دراصل شہروں کا شہر تھا۔ اس کی ہر بڑی آبادی کی حیثیت کسی شہر جیسی تھی۔ تقریباً ہر بڑی آبادی میں مسافروں کے لئے آرام دہ سرائیں تھیں۔ سلطنت جہاں جہاں تک پھیلی ہوئی تھی وہاں وہاں سے لوگ اس شہر بے مثال کا رخ کرتے تھے۔ سیاحت اور معاشی دونوں ہی اعتبار سے اس شہر کی شہرت تھی۔ دار الخلافہ ہونے کی وجہ سے بھی یہاں ہمیشہ بھیڑ بھاڑ رہتی تھی۔ دور دراز سے آنے والوں کو کسی نہ کسی سرکاری محکمے سے کام پڑتا رہتا تھا۔ ان سارے محکموں کے مرکزی دفاتر وسیع و عریض قصر خلافت ہی کی حدود میں تھے۔ ان میں سے بنیادی محکمے یہ تھے: دیوان الخراج جس کے ذریعے محاصل (ٹیکس) وصول کئے جاتے تھے۔ دیوان الازمہ مرکزی اور صوبائی حسابات کی جانچ پڑتال کرتا تھا۔ دیوان الجند فوج کا محکمہ تھا۔ اسی سے متعلق دیگر چھوٹے بڑے شعبے تھے۔ دیوان الرسائل احکام اور فرامین کا محکمہ تھا۔ دیوان الخاتم' مہر شاہی کا محکمہ' دیوان البرید' ڈاک اور خبر رسانی کا محکمہ نیز دیوان القضاۃ محکمہ انصاف تھا۔ ان تمام محکموں کے علاوہ خلیفہ مہدی نے دیوان زندیقہ بھی قائم کیا تھا۔ اس محکمے کا کام زندیقی عقائد رکھنے والوں کو ختم کرنا تھا۔

یہ تمام باتیں بیان کرنے کا میرا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ آدم زادوں کی یہ حکومت بڑی منظم و مضبوط تھی' مگر غیر متوقع حالات کے ایک ہی تند و تیز جھونکے نے بغداد کے بازاروں اور محلوں میں شعلے بھڑکا دیئے تھے۔ انہی بھڑکتے شعلوں کے درمیان مرحوم خلیفہ مہدی کے چھوٹے بیٹے ہارون کے ہمراہ عارج اور میں بھی قصر خلافت میں داخل ہوئے۔ سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ دیگر قریبی آبادیوں فلوجہ' نجف' کوفہ وغیرہ سے بھی شر پسند عناصر بغداد میں داخل نہ ہو جائیں۔ ایسی صورت میں نظم و نسق سنبھالنا بہت مشکل ہو جاتا۔

قصر خلافت میں جب عارج اور میں اپنے مخصوص اقامتی حصے میں پہنچے اور ہمیں خلوت میسر آئی تو عارج خاموش نہ رہ سکا۔ وہ بڑے جذباتی لہجے میں مجھ سے کہنے لگا۔ ''صد افسوس اے دینار کہ بغداد ہمارے سامنے جل رہا ہے اور ہم چپ ہیں۔ مجھے بتا کیا جلتے ہوئے گھروں کی آگ بجھانا خدمت خلق نہیں؟ لٹنے والوں کو لٹنے سے بچانا کیا کار خیر نہیں؟ اور کیا......''

''بس کر!'' میں نے ہاتھ اٹھا کر عارج کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا اور بولی۔ ''تو نے جو کچھ کہا اے عارج' مجھے کب اس سے انکار ہے!''

''تو پھر اے دینار تو کچھ کرتی کیوں نہیں! کیا ہم اس تباہی کو نہیں روک سکتے؟''

عارج کی آواز اب بھی پر جوش تھی۔

"تو نے کبھی سوچا اے عارج کہ ہمیں بغداد میں داخل ہوئے ابھی کتنی دیر ہوئی ہے! ابھی تو ہم نے اپنا گرد آلود لباس بھی تبدیل نہیں کیا۔ تو نے جو کچھ کہا' ضرور ہوگا مگر طریقے سے اور اس طرح کہ کسی کو ہم پر شک نہ ہو سکے' ہم جن زاد ہیں۔"

پھر میں نے نہا دھو کر لباس تبدیل کیا۔ عارج نے بھی میری تقلید کی۔ کسی بھی لمحے ہارون یا ملکہ خیزران ہم دونوں میں سے کسی کو طلب کر سکتی تھی۔ میں کسی ایسے ہی لمحے کی منتظر تھی۔ اسی ضمن میں عارج کو بھی میں نے بتایا کہ کیا کرنا ہے!

اپنی پراسرار قوتوں کو بروئے کار لا کر میں نے شہر بغداد کے مزید حالات بھی معلوم کیے جو انتہائی تشویشناک تھے۔

بدخواہوں کے مخبروں نے بغداد میں ہماری آمد سے پہلے ہی یہ خبر پہنچا دی تھی کہ ہارون نے لشکریوں کو دو دو سو درہم دیے ہیں۔ اس پر ہادی کے حامی فوجیوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ انہوں نے غیر جانبدار فوجیوں کو بھی بھڑکا کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ فوجیوں کے اس جم غفیر نے خلیفہ کے نائب ربیع کے گھر کو گھیر لیا اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ دار الخلافہ میں موجود فوجیوں کو بھی دو دو سو درہم بانٹے۔ ربیع نے معذوری ظاہر کر دی کہ اسے اتنے اختیارات حاصل نہیں۔

"اے آزاد کردہ بوڑھے غلام! جب تجھے اختیارات ہی حاصل نہیں تو پھر خلیفہ کی نیابت کا تجھے کیا حق ہے!" کسی بدتمیز فوجی نے آوازہ کسا اور اس کے ساتھی بے حیائی سے ہنسنے لگے۔

ایک اور بدزبان فوجی کہنے لگا۔ "وہاں دریچے میں کھڑا کیا بکواس کر رہا ہے! نیچے ہمارے درمیان آ تو تجھے ہم بتائیں خلیفہ کا نائب کتنا بااختیار ہوتا ہے۔ بہانے کرے گا بوڑھے تو ہم تجھے اور تیرے گھر والوں کو زندہ جلا دیں گے۔"

بوڑھے ربیع نے ایک دنیا دیکھی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ غصے میں بھرے ہوئے لوگ صرف اور صرف اپنے مطلب کی بات سنتے ہیں۔ وہ اسی لئے خود پر قابو پاتے ہوئے نرم آواز میں فوجیوں سے مخاطب ہوا۔ "تم لوگ ٹھیک کہتے ہو' انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ہر سپاہی کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے۔ مجھے تم سے صرف اتنا کہنا ہے کہ کسی فیصلے تک پہنچنے اور اپنا مطالبہ پورا کرانے کے لئے مجھے کچھ وقت تو دو۔ میں تم لوگوں سے بس آج سہ پہر تک کی مہلت چاہتا ہوں۔"

اس پر کسی نے مہلت نہ دینے کو کہا' کوئی بولا کہ مہلت نہ دینے سے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا۔ غرض کہ اکثریت اس حق میں تھی کہ ربیع کو مہلت دے دی جائے۔ اس کے بعد بھی وہ اگر مطالبہ نہ مانے تو اس کے گھر بار کو آگ لگا دی جائے۔

میں نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس کے لئے مجھے ماضی قریب' محض چند روز پہلے کا سفر کرنا پڑا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس طرح کا کوئی فیصلہ جیسا کہ باسندان میں ہارون نے کیا اور جس کی رو سے ہر لشکری کو دو دو سو درہم ملے' ایسا فیصلہ خود خلیفہ' اس کا ولی عہد یا قریبی عزیز ہی کر سکتا ہے۔ ربیع جیسے وفادار آدم زادوں کی حیثیت تو بساط اقتدار پر معمولی مہروں جیسی ہوتی ہے جنہیں جب چاہے پٹوا دیا جاتا ہے' خواہ ان سے مخالف کی شہ دی گئی ہو یا نہیں۔ ربیع خود بھی اس حقیقت سے واقف تھا۔ وہ اسی لئے سہ پہر ہونے سے پہلے ہی اپنے گھر سے غائب ہو گیا۔ گھر والے بھی جان بچانے کے لئے ساتھ تھے۔ اس نے اپنے ایک غریب اور گمنام عزیز کے گھر میں پناہ لی تھی۔ ایسے وقت پر بڑے عہدوں پر فائز بڑے لوگوں کے کام غریب عزیز ہی آتے ہیں۔

سہ پہر ہوئی تو پھر فوجیوں کے غول رصافہ میں ربیع کے گھر کو گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے ربیع کو بہت آوازیں دیں' لیکن ربیع وہاں ہوتا تو جواب دیتا۔ وہ تو اپنے غریب عزیز کے گھر محلہ کرخ میں پناہ لئے ہوئے تھا۔

درحقیقت ربیع کی طرف سے دم دلاسے اور پھر عین وقت پر غائب ہو جانے سے فوجی مشتعل ہو گئے۔ انہوں نے ربیع کے گھر کو آگ لگا دی۔ اس کے بعد تو جیسے بغداد کا کوئی رکھوالا ہی نہ رہا۔ رکھوالے خود اپنے ہی شہر کو لوٹ رہے تھے' گھروں کو آگ لگا رہے تھے۔ لاقانونیت کی انتہا یہ ہوئی کہ فسادیوں نے قید خانوں پر حملہ کر کے قیدیوں کو وہاں سے نکال لیا۔

ہادی و ہارون کی ماں خیزران بغداد ہی میں تھی۔ اس نے ہارون کے مدار المہام یحییٰ بن خالد برمکی کو مشورے کی خاطر بلوایا مگر وہ دانستہ ہادی کے خوف سے نہ آیا کیونکہ ہادی اپنی خلافت کا اعلان کر چکا تھا اور یحییٰ برمکی کا شمار ہارون کے بہی خواہوں میں ہوتا تھا۔ وہ ہارون کا اتالیق بھی رہ چکا تھا۔ ملکہ خیزران نے ربیع کو بھی تلاش کرایا۔ بڑی تلاش کے بعد ملکہ خیزران کے خادموں نے ربیع کو محلہ کرخ میں تلاش کر لیا اور اسے کشاں کشاں قصر خلافت تک لے آئے۔ ربیع نے اس طرح اپنے جسم کو چھپا رکھا تھا کہ دیکھنے والوں کو اس کا چہرہ نظر نہ آ سکے۔

ملکہ خیزران اس لئے تشویش میں مبتلا تھی کہ فسادی فوجی اب قصر خلافت کے سامنے جمع ہونے لگے تھے اور ان کا شور و غوغا بڑھتا جا رہا تھا۔ شہر میں کیا افراتفری مچی ہوئی ہے' ملکہ کو اپنے خادموں کے ذریعے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا۔

ربیع کو قصر کے عقبی دروازے سے ملکہ خیزران کے سامنے پیش کیا گیا۔ درمیان میں ایک پردہ حائل تھا۔ ملکہ کے ایما اور حکم پر ربیع ایک بار پھر فوجیوں کی لعنت و ملامت کا نشانہ بنا مگر اس وقت وہ اپنے گھر پر نہیں' قصر خلافت میں تھا اور اس کی حیثیت ملکہ خیزران کے نمائندے کی تھی اس لئے فوجیوں کا برپا کردہ ہنگامہ فرو ہو گیا۔ فوجی قصر خلافت کے سامنے سے منتشر ہو گئے۔

اس واقعے کے دوسرے ہی روز ہارون الرشید اپنے ہمراہ ایک بڑی فوج لے کر بغداد پہنچ گیا۔ اس فوج کے ساتھ میں بھی تھی۔ ہارون کے ساتھ بغداد میں داخل ہونے والی فوج اس کی حامی تھی۔ جو فوج دارالخلافہ میں پہلے سے موجود تھی اس کی اکثریت مرحوم خلیفہ کے بڑے بیٹے ہادی کی حمایت کر رہی تھی۔

بغداد کے حالات انتہائی خراب تھے کہ اسی اثنا میں ہارون الرشید نے مجھے کھانے کے لئے دستر خوان کی خاطر طلب کر لیا۔ یہی وہ لمحہ تھا کہ میں نے ہارون کے ذہن کو اپنے اثر میں لے لیا۔ میرے خیال میں کشت و خون اور لوٹ مار روکنے کے لئے فوری اقدامات کی ضرورت تھی۔

اس وقت میری تمام تر توجہ ہارون الرشید کے ذہن پر تھی۔ بغداد میں امن و امان قائم کرنے کے لئے اس نے اب تک مناسب اقدامات کئے تھے۔ نجف' کوفہ اور دیگر قریبی علاقوں کے شرپسندوں کو بغداد میں داخل ہونے سے روکنے کی خاطر ہارون نے شہر کے چاروں مرکزی دروازے بند کرا دیئے تھے۔ فصیل شہر اور دروازوں کی حفاظت کی غرض سے اس نے اپنے وفادار فوجیوں کو تعینات کیا تھا۔ قصر خلافت کو بھی انہی فوجیوں نے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ تا حکم ثانی کسی بھی فرد کو نہ تو قصر خلافت میں داخلے کی اجازت تھی نہ باہر نکلنے کی۔

ہارون الرشید کے ساتھ جو فوج بغداد واپس آئی تھی' اس سے خوش تھی۔ اس کے برعکس دارالخلافہ میں موجود فوجی آمادہ بغاوت تھے' ہارون کو اس کا علم بھی تھا۔ اس کے لئے ان فوجیوں نے مرحوم خلیفہ مہدی کے بڑے بیٹے ہادی کی حمایت کو آڑ بنایا ہوا تھا۔ اسی سبب بغداد میں ہارون کی واپسی پر بھی حالات اطمینان بخش نہیں تھے۔ مصلحت و ذہانت سے کام لیتے

ہوئے ہارون نے اپنی وفادار سپاہ کو حکم دیا تھا کہ شہر میں فساد کو روکنے کے لئے وہ حتی الامکان ہادی کے حمایتی فوجیوں کے ساتھ ٹکراؤ سے گریز کریں۔ بغیر مخالف فوجیوں سے معرکہ آرائی کے دارالخلافہ میں امن کا قیام مشکل تھا۔ اسی وجہ سے ہارون کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ میں نے کھانے کے لئے دستر خوان بچھا دیا اور پھر دستر خوان پر کھانے بھی چن دیئے گئے۔ ہارون کے ہاتھ دھلوائے گئے اور اس نے کھانا شروع کر دیا مگر اس کا ذہن بدستور سنگین حالات کا کوئی حل تلاش کرتا رہا۔

میرے سوا اب وہاں عارج اور دیگر خادم بھی موجود تھے۔ طعام گاہ میں ہارون اکیلا ہی تھا۔ اس کی ماں ملکہ خیزران بھی وہاں نہیں تھی۔ خود ہارون ہی نے خلوت کا حکم دیا تھا تا کہ وہ پیش آنے والے واقعات پر غور و فکر کر سکے۔

کھانا کھاتے ہوئے ہارون یہ سوچ رہا تھا کہ اپنے مرحوم باپ مہدی کی خواہش کا احترام کرے یا دوسری راہ اپنائے۔ مہدی کی خواہش یہ تھی کہ اس کے بعد نیا خلیفہ ہارون بنے۔ اسی کی خاطر وہ ہادی کو نافرمانی کی سزا دینے بغداد سے چلا تھا۔ اس کے علاوہ یہ کہ ہادی سے ہارون کی بیعت لے سکے' مگر یہ نہ ہو سکا اور مہدی کو راستے سے ہٹا دیا گیا۔ مہدی کو کس نے زہر دلوایا' یہ تو پتہ نہیں چل سکا لیکن ہارون کو بھی ہادی پر شبہ تھا۔ اس کی وجہ یہ کہ مہدی کی موت سے ہادی ہی کو فائدہ پہنچا تھا۔ ایک طرف تو ہادی اپنے باپ کے عتاب سے بچ گیا تھا' دوسری جانب اسے ہارون کے ہاتھ پر ولی عہدی کی بیعت نہیں کرنی پڑی تھی۔ یوں گویا خلیفہ مہدی کا پہلا حکم اور ولی عہدی کی بیعت ہی بحال رہی' یعنی مہدی کے بعد ہادی نیا خلیفہ بن گیا۔

بلاشبہ خلیفہ بننے یا بنانے میں عوام کی مرضی کو کوئی دخل نہیں تھا۔ عرصہ دراز سے یہی ہو رہا تھا۔ حکمرانوں نے زبردستی اپنے ہی جیسے عوام پر مسلط ہونے کے لئے قانون بنائے اور ان پر حکومت کرنے لگے۔ پھر قانون بھی کیا' آدم زاد حکمران طبقے نے جو کہہ دیا وہی قانون بن گیا۔ باپ مرا تو بیٹے کے لئے راہ ہموار کر گیا۔ اپنی ہی زندگی میں ولی عہدی کی بیعت لے لی۔ کبھی ایک حکمراں بھائی نے اپنے بھائی کو ولی عہد بنا دیا۔ ان آدم زاد حکمرانوں نے بہ جبر اپنے عوام سے یہ فیصلے منوائے۔ اس کے لئے انہوں نے اپنے مخالفوں سے جنگیں لڑیں اور عوام پر اپنی طاقت کی دھاک جمانے کا خاطر ان کا قتل عام بھی کرایا۔ اس مطلق العنانی کی اجازت ان آدم زادوں نے کسی سے نہیں لی۔ انہیں اس کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی۔ عوام کو

انہوں نے اس قابل ہی نہیں چھوڑا کہ وہ ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر سکیں۔ اس آمریت، مطلق العنانی اور شخصی طرز حکومت کے خلاف آواز اٹھانا اپنی موت کو دعوت دینا تھا۔ ذاتی طور پر میں نے کبھی اس طرز حکمرانی کو پسند نہیں کیا۔ اسی انفرادی و شخصی اجارہ داری کا یہ نتیجہ تھا کہ بیعت کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ بیعت جو کبھی عوام کی مرضی و منشا جاننے کا ایک ذریعہ تھی، ان مطلق العنان حکمرانوں کی وجہ سے ایک مذاق بن کے رہ گئی۔ خلیفہ منصور کی موت کے بعد مہدی کی بیعت لینے کے لئے تلواریں نکل آئیں۔ اپنے باپ کی طرف سے شہر مکہ معظمہ میں بیعت لینے والا یہی موسیٰ الہادی تھا۔ اس نے زبردستی بیعت لی تھی اور اب گویا زبردستی نیا خلیفہ بن بیٹھا تھا۔ یہ سارا تماشا ایک ہی خاندان میں اقتدار و حکومت برقرار رکھنے کے لئے تھا۔ عوام کا اس سے کوئی تعلق و سروکار نہیں تھا۔ انہیں تو بس روزی روٹی سے مطلب تھا۔

وقت و حالات سے بھی آمروں نے ہمیشہ فائدہ اٹھایا تھا۔ ایسے ہی ہادی نے کیا۔ اپنے باپ کی خواہش کو پس پشت ڈال کر۔ ہارون کے سامنے دوسرا راستہ یہ تھا کہ اپنے بڑے بھائی ہادی کی خلافت کو تسلیم کر لیتا۔

ہارون ابھی کھانا کھا کے دستر خوان سے اٹھا نہیں تھا کہ چونک اٹھا۔ چونک اٹھنے کی وجہ میں تھی۔ میں نے اسے مخاطب کیا تھا۔ ''اے ہارون! تو اگر چاہتا ہے کہ بغداد میں کشت و خون رک جائے تو میں جو کہتی ہوں، اس پر عمل کر!''

میرے لب ساکت تھے مگر میری آواز ہارون کے دماغ میں گونج رہی تھی۔

''کون.....کون ہے تو؟'' ہارون بڑبڑایا۔

''اپنی زبان اور ہونٹوں کو حرکت نہ دے اے ہارون!'' میں نے تاکید کی۔ ''تو جو سوچے گا تیرے بغیر زبان سے ادا کئے میں جان لوں گی۔''

''لیکن اب تک تو نے اپنے بارے میں بتایا نہیں کہ ہے کون!'' اس بار ہارون کے ہونٹ نہیں ہلے۔ اس نے میری تاکید پر عمل کیا تھا۔

''میں تیرے ہی اندر موجود تیری ہی اپنی روح کی آواز ہوں۔''

''روح کی آواز؟''

''ہاں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تجھے میری آواز سنائی نہ دیتی۔'' میں نے اسے دانستہ اور بوجوہ اپنی حقیقت سے آگاہ نہیں کیا۔ اس سے دراصل میرا مقصد یہ تھا کہ ہارون میرے

مشورے کو اپنا ہی فیصلہ سمجھے۔

میری بات پر ہارون کی پیشانی شکن آلود ہوگئی، پھر اس نے سوچا۔ ''تیری دلیل میں تو وزن ہے.....خیر بول کہ تیرے خیال میں کس طرح امن وامان قائم کیا جاسکتا ہے؟''

''اپنی اور ہادی کی حامی افواج کے درمیان معرکہ آرائی تو تجھے بھی پسند نہیں؟''

''ہاں۔''

''سو اگر تو نے اپنے باپ کی خواہش پوری کی اور خود بھی خلیفہ ہونے کے لئے بیعت لے لی تو افواج کے درمیان ٹکراؤ ناگزیر ہو جائے گا۔ ممکن ہے تجھے فتح نصیب ہو جائے یا نہ ہو، مگر افواج میں تفریق پیدا ہو جائے گی۔ میں سمجھتی ہوں کہ تیرے خاندان ہی میں حکومت رہنے کے لئے یہ کچھ بہتر نہیں ہوگا۔'' میں نے ہارون کو سمجھایا۔

''تو پھر بتا اے میری روح کی آواز میں کیا کروں؟''

''وہی جو وقت کا تقاضا اور اس مسئلے کا حل ہے۔''

''یعنی؟'' ہارون نے وضاحت چاہی۔

''اپنے بڑے بھائی ہادی کو نیا خلیفہ تسلیم کر لے اور بغداد میں اس کی طرف سے بیعت لینا شروع کر دے۔'' میں نے مشورہ دیا۔

''مگر یہ.....یہ تو اس مسئلے کا حل نہیں.....اگر میں نے برادر بزرگ کو خلیفہ تسلیم کر بھی لیا اور تیرے مشورے پر عمل کیا تو.....تو مادر محترم اور امرائے سلطنت میرا یہ فیصلہ شاید قبول نہیں کریں گے۔''

''تو ان سے بات تو کر اے ہارون!''

ہارون اس پر راضی ہو گیا۔ میں نے اس کے دماغ میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ خود اس نے ہادی کو خلیفہ تسلیم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

کھانا کھا کے ہارون دستر خوان سے اٹھا اور مجھ سے بولا۔ ''اے جمیلہ! مادر محترم سے عرض کر کہ ہم ان سے ملنے کے آرزومند ہیں۔ وہ اگر اجازت مرحمت فرمائیں تو ہم ان کی خدمت میں حاضر ہو جائیں!''

میں نے ادب سے سر جھکایا اور ہارون کی ماں ملکہ خیزران سے ملنے چل دی۔

ہارون طعام گاہ سے اپنی اقامت گاہ میں چلا گیا۔ قصر خلافت کا وہ حصہ بھی خاصا بڑا تھا جہاں خلیفہ اور اس کے خاندان والے رہتے تھے۔ خاندان کے ہر فرد کی خاطر الگ الگ اقامت

گاہیں تھیں۔ ان میں بھی خواب گاہیں' نشست گاہیں اور خادموں کے رہنے کی جگہیں بنائی گئی تھیں۔ طعام گاہیں البتہ مشترک ہی تھیں لیکن ان میں خواتین کے لئے الگ بندوبست تھا۔ اس قصر کا ایک ایک گوشہ میرا دیکھا ہوا تھا۔

ملکہ خیزران تک جب میں نے ہارون کا پیغام پہنچایا تو وہ بولی۔ "پسر خلیفہ مرحوم سے جا کر کہو کہ انہیں ہمارے حضور باریابی کی اجازت ہے۔"

☆......☆......☆

میں الٹے قدموں وہاں سے لوٹی اور سوچنے لگی کہ یہ آدم زادی کتنی حوصلے والی ہے! اس کے چہرے سے غم دائمہ وہ صاف جھلک رہا تھا اور لباس سے بھی سوگواری ظاہر تھی' اس کے باوجود آواز کا رعب دبدبہ اور وقار پہلے جیسا ہی تھا۔

ہارون کے پاس جا کر میں نے اسے بتایا کہ اس کی ماں نے ملنے کی اجازت دے دی ہے تو وہ اپنی مسند سے اٹھ کھڑا ہوا۔

ادھر تو ہارون' ملکہ خیزران سے ملنے روانہ ہوا' ادھر میں اپنے سکونتی حصے میں پہنچ گئی۔

میں نے اپنی سماعت کے دائرے کو وسیع کرنے کے ساتھ ساتھ چشم تصور کو بھی متحرک کر دیا۔ اب مجھے ملکہ خیزران کی نشست گاہ کا منظر واضح نظر آ رہا تھا اور میں ہارون کی آواز بھی سن رہی تھی۔ وہ اپنی ماں سے کہہ رہا تھا۔ "اے مادر محترم! یقیناً آپ کے علم میں ہوگا کہ بغداد کے گلی کوچوں میں رقص وحشت جاری ہے۔ شہر کی متعدد عمارتوں سے شعلے اب بھی اٹھ رہے ہیں۔ کسی بھی صورت ہمیں یہ آگ بجھانی ہوگی۔"

"بے گناہوں کا مال و اسباب لٹنے اور ناحق مارے جانے کا رنج تو ہمیں بھی ہے مگر اس ہنگامے کو فرو کرنے کی تدبیر کیا ہو' اب تک یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آ سکی۔ اس ضمن میں تم نے کچھ سوچا؟" ملکہ خیزران نے سوال کیا۔

"جی ہاں۔" ہارون نے جواب دیا۔ "فتنہ و فساد کو روکنے کی ایک ہی تدبیر ہے۔"

ہارون نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"وہ کیا؟"

جواباً ہارون نے وہی سب کچھ کہہ دیا جو میں نے اس کے دماغ میں بٹھایا تھا۔

"نہیں!" ملکہ خیزران نے صاف انکار کر دیا۔ وہ تیوریوں پر بل ڈال کر بولی۔ "یہ کیسے ممکن ہے!...... اس نے خلیفہ مرحوم کی شان میں گستاخی کی...... وہ طلبی پر حاضر نہ ہوا اور

نافرمانی پر اتر آیا۔ وہ ایک خودسر اور بگڑا ہوا نوجوان ہے۔ اسے اپنے والدین کی عزت کرنی نہیں آتی۔ خلیفہ مرحوم کی طرح ہم بھی اسے سخت ناپسند کرتے ہیں۔ یہ مملکت کہ جو ہر گزرتے ہوئے دن کے ساتھ اپنی وسعت و عظمت میں اضافہ کرتی چلی جا رہی ہے' اگر ایک غیر ذمے دار اور عاقبت نااندیش کے ہاتھ میں آ گئی تو وہ اسے تباہ کر دے گا۔ تم ہمت نہ ہارو ہارون' ہم تمہارے ساتھ ہیں۔"

کچھ دیر نشست گاہ میں خاموشی رہی۔ ہارون کچھ سوچ رہا تھا۔

"اے مادر محترم! اس طرح آگ بجھنے کے بجائے اور بھڑک اٹھے گی۔" چند لمحے بعد ہارون کی آواز آئی۔ "اگر ہم نے بھی اپنی خلافت کی بیعت لے لی تو یہ مملکت یکجا نہیں رہ سکے گی۔ جرجان اور جن دیگر علاقوں پر ہمارے برادر محترم کا اثر ہے' وہ الگ ہو جائیں گے۔ پھر یہ کہ مسلح افواج میں بھی تفریق پیدا ہو جائے گی...... بلکہ یہ تفریق تو پیدا بھی ہو چکی ہے۔ ہمیں تو اس تفریق کو مٹانا ہے اور اس کی تدبیر یہی ہے کہ ہم اپنے برادر بزرگ کی خلافت کے لئے بیعت لیں اور پوری مملکت میں اس کا گشتی فرمان جاری کر دیں۔ اس گشتی فرمان میں پدر محترم کی ناگہانی موت کی خبر کے ساتھ یہ اطلاع بھی ہماری طرف سے ہو کہ برادر بزرگ ابو محمد موسیٰ الہادی نئے خلیفہ ہیں۔ ہر علاقے کا عامل ان کی طرف سے بیعت لے۔"

"خدا جانے تمہیں کیا ہو گیا ہے اے ہارون!" ملکہ خیزران کے لہجے میں تاسف تھا۔ "ہم اس گستاخ بیٹے کی ماں ہیں اور اسے تم سے زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں۔ وہ تمہاری تجویز کے مطابق اگر خلیفہ بن کر اس قصر میں داخل ہو گیا تو پھر ہمارا احترام بھی نہیں کرے گا۔ وہ بڑا بے ادب اور خودغرض ہے۔"

"آپ بجا فرماتی ہیں لیکن ہم نے برادر بزرگ کی خلافت کو تسلیم نہ کیا تو خلق خدا کا بہت خون بہے گا۔ جیسا کہ ہم نے ابھی آپ کی خدمت میں عرض کیا ہم دونوں بھائیوں کی حمایتی افواج ایک دوسرے سے بھڑ جائیں گی۔ ممکن ہے کہ ہم فتح یاب ٹھہریں مگر ہماری یہ فتح' شکست کے مترادف ہوگی۔ یہ مملکت اگر دو حصوں میں بٹ گئی تو اسے ہماری ہار ہی کہا جائے گا۔"

ہارون کے دلائل کو بھی ملکہ خیزران نے رد کر دیا تو مجبوراً مجھے مداخلت کرنی پڑی۔ سو خیزران نے میرے زیر اثر کسی قدر نرم پڑتے ہوئے امراء کے اجلاس کی تجویز دی اور بولی۔ "اگر تم امراء کو قائل کر سکے تو پھر ہم بھی مخالفت نہیں کریں گے۔"

اسی سہ پہر کو ہارون نے قصر خلافت کے دیوان خاص میں امراء کا اجلاس طلب کر لیا۔ ہارون نے حکم جاری کیا تھا کہ امرا اور وہ اراکین سلطنت جنہیں طلب کیا گیا ہے' اجلاس میں شریک نہ ہوئے تو ان کے اس فعل کو نافرمانی و بغاوت تصور کیا جائے گا۔ اس حکم کی ضرورت ہارون کو یوں پیش آئی کہ امراء میں ہادی کے طرفدار بھی تھے۔ وہ کسی بہانے اجلاس میں شرکت سے گریز کر سکتے تھے۔ ایسی صورت میں کوئی مشترکہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا اور ہارون اس سے بچنا چاہتا تھا۔ ہارون کا مزاج کسی قدر مصالحانہ اور مشاورت پسندانہ تھا۔

وہ اجلاس چوں کہ ہارون الرشید نے طلب کیا تھا اس لئے امراء کی اکثریت غلط فہمی کا شکار ہو گئی۔ انہوں نے خیال کیا کہ ہارون اپنے بڑے بھائی ہادی کی خلافت کو باطل قرار دیتے ہوئے خود اپنی خلافت پر اصرار کرے گا۔ اسی بناء پر انہوں نے ہارون پر زور دیا کہ وہ اپنی خلافت کی بیعت لے۔ اس میں پہل یحییٰ بن خالد برمکی نے کی۔ پھر دوسرے بھی اس کی تائید میں بولتے گئے۔ اس کے باوجود چند امرا نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ حیرت کی بات یہ کہ بوڑھے ربیع نے بھی اب تک اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ میں اس اجلاس میں شریک نہ ہونے کے باوجود اپنی پر اسرار قوتوں کے ذریعے سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی۔ ربیع کے چہرے پر مجھے خوف کے آثار نظر آئے تو میں نے اس کے ذہن کو ٹٹولا۔

ربیع کو معلوم تھا کہ اس کے گھر اور مال واسباب کو آگ لگانے والے فوجی' ہادی کے حامی تھے۔ اسی کے ساتھ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ہارون الرشید تو اپنے مخالفین کی بھی بات بڑے صبر وتحمل سے سن لیتا ہے اور اس کا مزاج منتقمانہ نہیں مگر ہادی ایسا نہیں۔ اگر اس اجلاس میں اس نے ہادی کے خلاف رائے دی تو اچھا نہیں ہوگا۔ ایک مرتبہ تو وہ ہادی کے حامیوں سے بچ گیا ہے' دوبارہ یقیناً اسے زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔

جن امرا یا اراکین سلطنت نے اپنی رائے دینے سے گریز کیا تھا' ہارون نے انہیں بولنے پر مجبور نہیں کیا۔ اسے خود بھی پتہ تھا کہ نہ بولنے والے ہادی کے حامی ہیں۔ ان میں ربیع کو دیکھ کر ہارون کو بڑی حیرت ہوئی۔ بے اختیار اس کی سوالیہ نظریں ربیع کی طرف اٹھ گئیں۔ ربیع کچھ گھبرا سا گیا۔ پھر ربیع نے سنبھل کر ہادی کے حق میں جو دلیل دی' اس پر سبھی حیران رہ گئے۔

ربیع کے بارے میں عام تاثر یہی تھا کہ وہ مرحوم خلیفہ مہدی کا وفادار ہے۔ اسی سبب اس سے ہارون کی حمایت کرنے کی توقع تھی۔ مرحوم خلیفہ بھی چوں کہ ہارون ہی کو ولی

عہد بنانے والا تھا اور یہ حقیقت ربیع تو کیا کسی سے بھی پوشیدہ نہیں تھی۔ ایسی صورت میں ہارون کے بجائے ہادی کی حمایت حیران کن ہی تھی۔

ہارون نے بڑے سکون کے ساتھ ربیع کی رائے سنی۔ ربیع نے اپنی رائے کے حق میں یہ دلیل دی تھی کہ خلیفہ مہدی' ہارون کو اپنا ولی عہد بنانا تو چاہتا تھا لیکن اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ ہادی اپنے حق سے دستبردار ہو جاتا۔ اس کی وجہ یہ کہ مرحوم خلیفہ پہلے ہادی ہی کو اپنا ولی عہد بنا چکا تھا اور اس کی بیعت بھی لی جا چکی تھی۔ یہ بیعت اسی صورت میں ساقط ہوتی جب ہادی' ہارون کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا۔ اس کے بجائے ہادی نے نئے خلیفہ کی حیثیت سے جرجان میں بیعت لے لی ہے اس لئے ہارون کو بھی ہادی کی خلافت تسلیم کر لینی چاہیے۔ ربیع نے کم وبیش وہی باتیں کی تھیں جو میں ماسندان میں عارج سے کر چکی تھی۔

پھر اس سے پہلے کہ کوئی ربیع کے خلاف بولتا' ہارون نے اس کی رائے سے مکمل اتفاق کیا اور بولا۔ ''اے لوگو! میں اپنے بڑے بھائی ابو محمد موسیٰ الہادی کی خلافت کے لئے بیعت لیتا ہوں۔''

ہارون کے ان الفاظ نے تمام ہی امرا اور اراکین سلطنت کو حیرت زدہ کر دیا۔ چند لمحوں کو دیوان خاص میں گہرا سکوت چھا گیا۔ جب میرے زیر اثر ہارون نے دوبارہ اپنے الفاظ دہرائے تو سب سے پہلے بوڑھے ربیع نے ہادی کے لئے ہارون کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد وہ امرا باری باری بیعت کرتے رہے جو پہلے ہی سے ہادی کے حق میں تھے۔ پانسا پلٹ چکا تھا۔ رنگ محفل دیکھ کر ہارون کے حمایتی امرا نے بھی بیعت کر کے ہادی کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔

اسی اجلاس میں ہارون نے یہ اعلان بھی کیا کہ جو فوجی بغداد ہی میں رکے رہے اور خلیفہ مرحوم مہدی کے حکم پر اس کے ساتھ نہیں گئے' انہیں بھی دو دو سو درہم دیئے جائیں گے۔ یہ انعام انہیں خلیفہ کی بیعت لئے جانے کی خوشی میں دیا جا رہا ہے۔

اجلاس ختم ہوتے ہی جیسے جلتے ہوئے بغداد کے شعلے بجھنے لگے۔ دوسرے دن شام تک شہر میں امن وامان بحال ہو گیا۔ ہر فوجی کو بیعت کے بہانے دو سو درہم مل چکے تھے۔ یوں گویا ہارون نے ان کا مطالبہ پورا کر دیا تھا۔

بغداد میں موجود افواج جو دونوں بھائیوں کی وجہ سے غیر محسوس طور پر دو حصوں میں بٹ گئی تھیں' ایک ہو گئیں۔ اب کوئی احتجاج کرنے والا نہیں تھا۔ ملکہ خیزران البتہ خوش نہیں

تھی اس نے بہ امر مجبوری اپنے چھوٹے بیٹے کا یہ فیصلہ قبول کیا تھا۔

دوسرے ہی دن تمام مملکت میں ایک گشتی مشعر خلافت ہادی اور انتقال مہدی کی بابت ہارون نے روانہ کر دیا۔ اس کے علاوہ اپنے دو خاص خبر رسانوں نصیر اور وصیف کو اس نے جرجان بھیج دیا تا کہ دونوں، ہادی کو بغداد میں پیش آنے والے حالات سے مطلع کر دیں۔ جرجان سے ہادی نے ہارون کے پاس ایک تیز رفتار قاصد بھیجا۔ وہ قاصد یہ پیغام لایا کہ ہادی جلد از جلد بغداد پہنچنے والا ہے۔ ملکہ خیزران کو میں نے یہ خبر سن کر پریشان و مضطرب دیکھا۔

صفر 169 ہجری کی وہ 27 تاریخ تھی کہ جب نئے خلیفہ ابو محمد موسیٰ الہادی نے بغداد کے قصر خلافت میں قدم رکھا۔ ہارون اور امراء و اراکین سلطنت نے اس کا بے مثال استقبال کیا۔ اس کی آمد پر سارے بغداد کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ اس پر بھی ہادی کی گردن اکڑی رہی۔ وہ بات کرنے کو منہ کھولتا تو اس کا چہرہ بگڑ جاتا اور بڑے بڑے اوپر کے دانت باہر آ جاتے۔ اب وہ خلیفہ تھا۔ اسے ''یا ہادی اطبق'' کہنے والا کوئی نہیں تھا جو وہ اپنا منہ بند کر لیتا۔

وہ قصر خلافت کے مرکزی حصے میں ٹھہرا جہاں کبھی اس کا باپ خلیفہ المہدی اور دادا خلیفہ المنصور کی سکونت تھی۔

ہادی کو معلوم تھا کہ بچپن ہی سے اس کے کردار کی کجی کے سبب مادر ملکہ خیزران اسے پسند نہیں کرتی۔ اس نے اسی لئے کم ظرفی کا مظاہرہ کیا اور مجھ سے بولا۔ ''جا اے خادمہ! ہماری مادر محترم سے جا کر یہ کہہ کہ ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں۔''

ان الفاظ کا مطلب یہی تھا کہ ہادی نے ملاقات کے لئے اپنی ماں کو طلب کیا تھا۔

میں نے ہادی کا پیغام ملکہ خیزران کو دیا تو اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نظر آنے لگے۔ پھر وہ قدرے سخت لہجے میں بولی۔ ''نئے خلیفہ سے کہو کہ ہم صرف ملکہ نہیں، ان کی ماں بھی ہیں۔ ہمیں نہیں بلکہ انہیں ہماری خدمت میں حاضر ہونا چاہیے!''

مجھے مجبوراً ہادی کے پاس واپس جانا پڑا۔ اب وہ تنہا نہیں تھا۔ ہارون بھی وہاں موجود تھا۔ ہادی نے میری طرف سوالیہ نظریں اٹھائیں تو میں نے لفظ بہ لفظ وہ الفاظ دہرا دیئے جو ملکہ خیزران نے ادا کئے تھے۔

ہادی ان الفاظ کو سن کر ہارون سے مخاطب ہوا۔ ''ہم نہ کہتے تھے کہ مادر محترم کا دل ہماری طرف سے صاف نہیں اور وہ ہمیں خلیفہ تسلیم نہیں کرتیں۔'' پھر اس نے اپنی دانست میں

دلیل دی۔ ''یقیناً وہ ہماری ماں ہیں مگر اب ہم خلیفہ بھی ہیں۔ ہم نے اگر انہیں ملاقات کی غرض سے بلایا تھا تو ان پر لازم تھا کہ وہ آتیں جس طرح کہ تم آئے ہو۔''

''لیکن اے برادر بزرگ! مادر محترم اور ہماری حیثیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ان کا رتبہ......''

ہارون کی بات ہادی نے کاٹ دی اور رعونت سے کہنے لگا۔ ''ہم سب جانتے ہیں اور تم سے بہر اعتبار بڑے ہیں۔ ہر چند کہ ہم تمہارے برادر بزرگ ہیں لیکن تمہیں یہ زیب دے گا کہ آئندہ ہمیں خلیفہ محترم کہو۔ اسے تم ہماری تاکید بھی سمجھ سکتے ہو۔''

ہادی نے تو نہیں مگر ہارون نے مجھے وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔ اسے یقیناً یہ احساس ہو گیا تھا کہ وہاں میں بھی موجود ہوں اور ایک ''خادمہ'' کے سامنے اس طرح کی باتیں نہیں ہونی چاہئیں۔ ہارون کو کیا خبر تھی کہ جسے وہ خادمہ سمجھ رہا ہے کوئی معمولی آدم زادی نہیں ایک جن زادی ہے۔ اس جن زادی کو وہ باتیں بھی معلوم ہیں جو نہ ہارون جانتا ہے نہ کوئی اور آدم زاد۔

میں وہاں سے لوٹ رہی تھی تو راستے میں مجھے عارج مل گیا۔ اس نے مجھے اشارہ کیا اور ہم ایک ستون کی آڑ میں کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔ ہر چند کہ ہماری آوازیں دھیمی ہی تھیں پھر بھی ہم احتیاطاً صدیوں بعد مستقبل میں بولی جانے والی ایک ایسی زبان کو اپنے اظہار کا ذریعہ بنائے ہوئے تھے جسے سمجھنا اس عہد کے آدم زادوں کے لئے ناممکن تھا۔

''اے دینار! قصر میں ہادی کی آمد کے بعد بڑی تبدیلیاں آ رہی ہیں۔'' عارج کہنے لگا۔

''مثلاً؟'' میں نے پوچھا۔

''سنا ہے کہ وزیر فیض بن ابی صالح کو معزول کیا جانے والا ہے۔''

''تو ہوا کرے وہ معزول!'' میں بیزاری سے بولی۔ ''ہمیں کیا؟''

''مجھے ڈر ہے کہ ان تبدیلیوں کی زد میں ہم بھی نہ آ جائیں!'' عارج نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔

''وزیروں اور امرا کی بات اور ہے۔ ہم محض خادم ہیں جن کی کوئی سیاسی حیثیت نہیں ہوتی۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے یہ بات میں نے تجھے پہلے ہی سمجھائی تھی کہ خادم غلام

خادمائیں اور کنیزیں افراد کی نہیں مملکت کی ملازم ہوتی ہیں۔ ان کی حیثیت ورثے جیسی ہوتی ہے۔ یہ بھی وراثت میں ہر نئے حکمراں کو ملتے رہتے ہیں۔ ہر نیا آنے والا صاحب اقتدار یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ ہم جیسے ملازموں کے لئے وفاداریاں تبدیل کر لینا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ جو پیٹ بھرنے کو روٹی‘ تن ڈھانپنے کو کپڑا اور سر چھپانے کو چھت فراہم کر دے وہی ان غریب آدم زادوں کا آقا و مالک ہوتا ہے۔ مالک و آقا تو بدلتے رہتے ہیں مگر خدام و غلام نہیں۔ نہ وہ بدلے جاتے ہیں نہ ان کی تقدیریں۔ تو اس ضمن میں شاید ربیع کی مثال دے تو ایسے غلام خال خال ہوتے ہیں جن کی خدمت سے خوش ہو کے ان کا آقا انہیں آزاد کر دے جیسا کہ خلیفہ منصور نے کیا۔ اس نے یہی نہیں بلکہ اپنے آزاد کردہ غلام کو اہم عہدوں پر بھی فائز کیا۔“

میرے چپ ہوتے ہی عارج نے سوال کیا۔ ”اور رافعہ کے بارے میں تو کیا کہے گی؟“

”ہاں وہ بھی ایک کنیز ہی تھی لیکن یہ اس کی بدقسمتی ہی تھی کہ اس نے اپنی چادر سے باہر پاؤں پھیلانے چاہے اور ماری گئی۔ میرا خیال ہے‘ وہ خود شاید ایسی نہیں رہی ہوگی بلکہ اسے اپنے مقصد کے حصول کی خاطر کسی نے استعمال کیا ہوگا۔ غریب کو جلد انعام و اکرام کے جال میں پھنسا لیا جاتا ہے۔“ میں نے کہا اور پھر عارج کو مخصوص اشارہ کیا۔ کوئی اس طرف آ رہا تھا۔ عارج اور میں ستون کی آڑ سے نکل کر مختلف سمتوں میں روانہ ہو گئے۔

عارج نے جو خبر دی تھی‘ دوسرے دن درست ثابت ہوئی۔ خلیفہ ہادی نے فیض بن ابی صالح کی جگہ ربیع کو اپنا وزیر بنا لیا۔ خلیفہ ہادی نے اس سلسلے میں جو فرمان جاری کیا‘ اس کے الفاظ یہ تھے۔ ”ربیع بن یونس کو آج سے تاحکم ثانی وزارت کے عہدے پر تعینات اور فیض بن ابی صالح کو معزول کیا جاتا ہے۔ ربیع کی لیاقت‘ ذہانت‘ بردباری‘ وفاداری‘ بزرگی تجربے اور دور اندیشی واضح ہے۔“ اوپر کی کہانی تو یہ تھی مگر اندر کی کہانی کچھ اور تھی۔

اس حقیقت کا علم سبھی کو تھا کہ ہادی کی بغداد آمد سے پہلے ہارون نے امرا اور اراکین سلطنت کا جو اجلاس مشاورت کے لئے طلب کیا تھا‘ اس میں ربیع کی آواز پہلی تھی جو ہادی کو نیا خلیفہ تسلیم کئے جانے کے لئے بلند ہوئی۔ یہ بات صرف مجھے معلوم تھی کہ ربیع نے محض اپنی جان کے خوف سے ایسا کیا تھا ورنہ تو وہ ہادی کو نااہل اور ناسمجھ خیال کرتا اور ہارون کو

خلافت کا اہل سمجھتا تھا۔ وقت اور حالات کا جبر آدم زادوں کو کچھ کا کچھ بنا دیتا ہے۔ بہر حال ربیع کو ہادی کی حمایت کرنے کا انعام مل گیا۔ اسی کے ساتھ جن لوگوں پر ہادی کو اپنی مخالفت کا شبہ تھا‘ وہ زیر عتاب آنے لگے۔ انہی زیر عتاب آنے والوں میں سے خلیفہ مہدی کا ایک نامور فوجی سردار عبداللہ بن مالک تھا۔ عبداللہ کو پہلے ہی سے ٹن گن ہو گئی تھی کہ اب اس کی باری آنے والی ہے۔

مجھے اس کا پتہ نہیں تھا کہ اسی فوجی سردار نے ایوب اور جمیلہ کو قصر خلافت تک پہنچایا تھا۔ یہ بات مجھے بعد میں قصر خلافت ہی کی ایک خادمہ انسہ سے معلوم ہوئی۔ انسہ‘ عمر میں جمیلہ سے بڑی تھی۔ جمیلہ کا انسانی قالب میں نے اور ایوب کا قالب عارج نے اپنایا تھا۔

انسہ نے ایک روز خلوت میں مجھ سے کہا۔ ”اے جمیلہ! خدا جانے کیا ہونے والا ہے۔ مجھے خبر لگی ہے کہ بھائی ایوب اور تمہارے محسن اور خلیفہء مرحوم کے نامی گرامی فوجی سردار عبداللہ بن مالک کو بھی شکنجے...... احتساب کے شکنجے میں کسا جانے والا ہے۔“

”مگر کیوں؟“ میں نے سوال کیا اور اسی کے ساتھ انسہ کے ذہن پر توجہ دی کیونکہ عبداللہ بن مالک میرے لئے قطعی اجنبی تھا۔ انسہ کا ذہن پڑھ کر ہی مجھے معلوم ہوا کہ ایوب اور جمیلہ قصر خلافت میں آنے سے قبل عبداللہ بن مالک ہی کے ملازمین میں شامل تھے۔ کچھ تو ان کی خدمت گزاری کے سبب‘ کچھ مہدی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے عبداللہ نے انہیں قصر خلافت تک پہنچا دیا تھا۔ ایوب و جمیلہ نے جلد ہی اپنی کارگزاری سے خلیفہ مہدی کو خوش کر دیا۔ اسی بناء پر وہ دونوں خاص خدام میں شمار ہونے لگے تھے۔

ادھر تو لمحوں میں مجھے اصل بات کا علم ہو گیا‘ ادھر انسہ نے عبداللہ بن مالک کے زیر عتاب آنے کی وجہ بتائی۔

”مرحوم خلیفہء محترم......“ انسہ کی آواز دھیمی ہو گئی۔ ”نئے خلیفہ کے ہم نشینوں‘ حاضر باشوں اور دوستوں سے خوش نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ ہم نشیں بد کردار ہیں۔ ان کی محبت بد کا اثر ان کے صاحبزادے...... معاف کرنا‘ خلیفہ زادے پر بھی پڑ سکتا ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے عبداللہ بن مالک کو یہ ذمے داری سونپ دی کہ خلیفہ زادے کو صحبت بد سے بچائیں۔ عبداللہ بن مالک کو یہ اختیار بھی خلیفہ نے دے دیا کہ وہ خلیفہ زادے کے دوستوں کو گرفتار کر کے قید میں بھی ڈال سکتے ہیں۔ خلیفہء محترم کے حکم پر عبداللہ بن مالک نے اپنی ذمے

داری پوری کی۔ اس معاملے میں وہ خلیفہ زادے کی سفارش کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ تم بھی جانتی ہو جیلہ کہ اب زمانہ بدل چکا ہے اور......اور عبداللہ بن مالک کے لئے خطرہ بڑھ گیا ہے کہ......کہ......''

''میں سمجھ گئی اے انسہ!'' میں بول اٹھی۔ ''یقیناً عبداللہ بن مالک ہمارے محسن ہیں لیکن ہم......یعنی میں اور میرے شوہر ان کے لئے کیا کر سکتے ہیں!......ہماری حیثیت ہی کیا ہے۔''

''ہاں یہی تو مجبوری ہے ہماری!'' انسہ نے ٹھنڈا سانس بھرا اور بظاہر بات آئی گئی ہو گئی۔

جب عارج کو میں نے یہ بات بتائی تو وہ بھی میری طرح جذباتی ہو گیا۔ شاید یہ ان انسانی قالبوں کی فطری نیک صفات اور اپنے محسن سے محبت و وفاداری کا اثر تھا کہ عارج اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ عبداللہ بن مالک کو ہر قیمت پر خلیفہ ہادی کے عتاب سے بچائیں گے۔ عارج پر جوش آواز میں کہنے لگا ''وہ خلیفہ ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ انتقام اسے اندھا کر دے۔ وہ جب چاہے جس بے گناہ کا سر قلم کرا دے......یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔''

''اگر ہم واقعی آدم زاد ہوتے تو یقیناً عبداللہ کو زیر عتاب آنے سے نہ بچا پاتے۔'' میں بولی......''یوں تو خلیفہ ہادی اب تک نہ جانے کتنے بے قصوروں کو قصوروار ٹھہرا کر مروا چکا ہے لیکن اس معاملے میں اس کی مرضی نہیں چلنے دی جائے گی۔''

میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ زنادقہ یعنی بدعقیدہ ہونے کا الزام لگا کے اس نے اپنے متعدد مخالفین کو موت کے گھاٹ اتروا دیا تھا۔ ان میں اس دور کے بہت سے نامور افراد بھی شامل تھے۔ یہی طریقہ کار ہادی کے باپ مہدی کا بھی تھا' مگر اتنا تھا کہ وہ اپنے عہد سے نہیں پھرتا تھا' یہ الگ بات کہ اپنے حریفوں سے نمٹنے کی کوئی تدبیر نکال لے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ مصلحتاً خلیفہ مہدی نے ہاشمیوں کو قتل نہ کرنے کی قسم کھائی تھی۔ علی بن یقطین' عبدالمطلب کی اولاد سے تھا۔ اس پر بھی زندقہ کا الزام لگایا گیا۔ اپنی قسم کی وجہ سے خلیفہ مہدی نے اسے قتل کرانے کے بجائے قید میں ڈلوا دیا۔ اس کے ساتھ مہدی نے ہادی کو وصیت کر دی کہ جب تم خلیفہ بنو تو علی بن یقطین اور یعقوب بن فضل کو قتل کر دینا۔ یہ دونوں ہی ہاشمی تھے۔ اسی طرح خلیفہ مہدی نے داؤد بن علی کی اولاد کے قتل کی وصیت کی تھی۔ ہادی کے مزاج میں تو یوں

بھی قتل و غارت گری کا عنصر شامل تھا' سو اس نے اپنے باپ مہدی کی وصیت پر عمل کے بہانے ان تمام لوگوں کو قتل کرا ڈالا۔

مجھے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں بھی دشواری نہ ہوئی کہ اس قتل و غارت گری کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا' رعایا پر نئے خلیفہ کی دہشت بیٹھ جائے اور کوئی بھی جان جانے کے خوف سے اپنی زبان نہ ہلا سکے۔

میں کئی روز سے اس کھوج میں لگی ہوئی تھی کہ عبداللہ بن مالک کو خلیفہ ہادی کب طلب کرتا ہے! آخر ایک دوپہر کو میں نے قصر خلافت کے دیوان خاص میں غیر معمولی سرگرمی دیکھی۔ مجھے ایک غلام کاندھے پر نطع لادکر دیوان خاص کی طرف جاتا ہوا نظر آیا۔ میں چونک اٹھی۔ نطع اس کو کہتے تھے جس پر کسی آدمی کو قتل کیا جاتا تھا۔ میں دبے قدموں کچھ فاصلے سے اس غلام کے پیچھے ہولی۔ اس غلام نے نطع بچھایا اور ایک شمشیر برہنہ اس کے قریب رکھ دی اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔ دیوان خاص اس وقت خالی تھا۔ میں سمجھ گئی کہ خلیفہ ہادی کے حکم پر وہاں کسی کو بلا کر قتل کیا جانے والا ہے۔ پھر جب مجھے عارج سے یہ خبر ملی کہ خلیفہ ہادی نے عبداللہ بن مالک کو طلب کیا ہے تو میرے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ خلیفہ ہادی' عبداللہ کو بھی قتل کرا کے اپنے انتقام کی آگ بجھانا چاہتا ہے۔

اس موقع پر مجھے یا عارج کو دیوان خاص میں رہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یوں بھی ہم طلب کئے جانے ہی پر وہاں جا سکتے تھے۔ اس پر بھی میں اپنی جناتی صفات کو بروئے کار لا کر دیوان خاص میں ہونے والی کارروائی دیکھ سکتی تھی۔ اس کے لئے مجھے اپنے سکونتی حصے کا رخ کرنا پڑا۔ عارج سے میں نے کہہ دیا تھا کہ اس دوران میں کہیں سے بھی میری طلبی ہو تو کہہ دے' طبیعت ٹھیک نہیں' میں نے اندرونی دالان میں جا کر بستر پر دراز ہوتے ہی اپنی آنکھیں بند کر لیں' اس کے ساتھ اپنے تصور کی قوت کو حرکت دی۔ اب دیوان خاص کا پورا منظر مجھے بند آنکھوں سے نظر آ رہا تھا۔

مسند پر مجھے خلیفہ ہادی گردن اکڑائے بیٹھا دکھائی دیا۔ کچھ ہی فاصلے پر جہاں نطع بچھا تھا' وہاں شمشیر برہنہ ہاتھ میں لئے ایک کریہہ صورت جلاد کھڑا تھا۔ چند لمحے گزرے ہوں گے کہ کچھ محافظ ایک ادھیڑ عمر شخص کو نرغے میں لئے دیوان خاص کے بیرونی دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ اس ادھیڑ عمر آدم زاد کے چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں اور وہ وحشت زدہ سا

لگ رہا تھا۔ محافظوں نے اسے خلیفہ ہادی کے سامنے پیش کیا اور پیچھے ہٹ گئے۔
ادھیڑ عمر شخص نے جھک کر سلام کیا۔ خلیفہ ہادی نے سلام کا جواب دیا اور پھر چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ ''اے عبداللہ بن مالک! تو نے مجھے پہنچانا کہ میں کون ہوں؟......ایسا تو نہیں کہ تیری بینائی ادھیڑ عمری کی وجہ سے جواب دے گئی ہو؟''

''اے امیر المومنین! آپ خلیفہ ابن خلیفہ عالی جناب عزت مآب حضرت ابو محمد موسیٰ الہادی اور خاندان بنو عباسؓ کے چشم و چراغ ہیں۔'' عبداللہ بن مالک بڑے ادب اور عاجزی سے بولا۔

''نہیں اے عبداللہ بن مالک!'' خلیفہ ہادی نے انکار میں سر ہلایا۔ ''تو ہمیں نہیں پہچان سکا۔ لگتا ہے تیری بینائی واقعی کمزور ہو گئی ہے۔ تجھے غالباً اس لئے شمشیر بکف جلاد بھی نطع کے قریب کھڑا دکھائی نہ دیا ہوگا۔ یاد کر میں وہ خلیفہ زادہ ہوں جس کے عزیز دوست ابراہیم حرانی اور دیگر ہم نشینوں کو تو گرفتار کر کے لے گیا تھا۔ پھر تو نے انہیں مارنے پیٹنے کے بعد زنداں میں ڈال تھا۔ اس واقعے کے بعد خود میں اپنے دوستوں کی سفارش لے کر تیرے پاس گیا۔ یاد ہے تجھے کہ تو نے میری سفارش نہیں مانی اور میرے دوستوں کو نہیں چھوڑا؟''

''اے امیر المومنین! یاد ہے مجھے۔'' عبداللہ بن مالک لرزیدہ آواز میں بولا۔

''کیا تو اپنے اہل وعیال سے ہمیشہ کے لئے رخصت لے آیا ہے؟...... کہ اب تو لوٹ کر اپنے گھر نہ جا سکے گا؟'' ہادی نے خشونت سے کہا۔

''امیر المومنین سے اس غلام کو رحم کی امید ہے۔''

''کس بناء پر؟''

''غلام کو کچھ گزارش کی اجازت ہو تو عرض کروں۔''

صاف پتہ چل رہا تھا کہ خلیفہ ہادی ایک بے گناہ شخص کی بے بسی سے لطف لے رہا تھا' عبداللہ کی التجا سن کر بولا۔ ''اجازت ہے' مگر یہ نہ بھول کہ ابھی چند لمحوں بعد تیری گردن کاٹ دی جائے گی اور تیری سر بریدہ لاش میرے سامنے تڑپ رہی ہوگی۔''

عبداللہ بن مالک ہی کیا' جس آدم زاد کو بھی اس طرح کے واقعے کا سامنا ہوتا اس کے حواس قابو میں نہیں رہتے۔ میں نے اس کے پیر کانپتے دیکھے۔ اس نے بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے بھرائی سی آواز میں کہا۔ ''امیر المومنین کو میں اللہ تعالیٰ کی قسم دلا کر کہتا ہوں کہ

اگر آپ مجھے اس عہدے پر بحال رکھیں جس پر خلیفہ مرحوم حضرت محمد بن عبداللہ المہدی نے مقرر کیا تھا اور ویسا ہی حکم صادر فرمائیں جیسا کہ خلیفہ مرحوم نے حکم دیا تھا اور اپنے کسی خلیفہ زادے کی طرف مجھے بھیجیں جو آپ کے حکم پر نہ چلتا ہو تو کیا میں آپ کی مخالفت اور اس خلیفہ زادے کی موافقت کروں گا؟''

خلیفہ ہادی کو کہنا پڑا۔ ''نہیں' تمہیں ہمارے حکم کی تعمیل کرنی ہوگی۔''

''سوائے امیر المومنین! اس غلام نے بھی اس وقت ایسا ہی کیا۔ اگر یہ قصور ہے تو غلام......''

''قصور تو ہوا ہے تجھ سے!'' خلیفہ ہادی بولا۔ ''تو حیلے بہانے کر رہا ہے کہ ایک یقینی موت سے بچ جائے مگر۔'' اسی وقت ہادی کو میں نے دور رہنے کے باوجود اپنے اثر میں لے لیا۔ دور رہ کر کسی آدم زاد کو اپنے اثر میں لینے کا یہ میرا پہلا تجربہ تھا۔ یہ پراسرار تجربہ کامیاب رہا۔ اس کا اندازہ مجھے ہادی کے ادھورے جملے سے ہوا۔ وہ عبداللہ بن مالک کی گردن اڑا دینے کا حکم نہیں دے سکا تھا۔ اگر میرا یہ پراسرار تجربہ کامیاب نہ رہتا تو میں دوسرا راستہ اختیار کرتی اور بے گناہ عبداللہ بن مالک کو یوں بے بسی کی موت سے دوچار نہ ہونے دیتی۔ تجربے کی ناکامی پر مجھے جمیلہ کے انسانی قالب سے باہر نکلنا پڑتا۔ پھر ایک جن زادی جو بھی چاہتی کرتی اور ایک بے قصور آدم زاد پر ظلم نہ ہونے دیتی۔ اس کے لئے مجھے کیا تدبیر کرنی پڑتی یہ بعد کی بات تھی۔ بہر حال مجھے جمیلہ کے انسانی قالب سے باہر نکلنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔

خلیفہ ہادی میرے زیر اثر بے اختیار ہنس دیا اور وہاں موجود محافظ' جلاد بھی حیرت زدہ رہ گئے۔ ہادی کے چہرے کا تناؤ یکسر ختم ہو چکا تھا۔ اس نے اشارے سے عبداللہ بن مالک کو قریب بلایا اور بولا۔ ''ہم نے تیری جاں بخشی کی۔''

اس پر عبداللہ بن مالک نے دست بوسی کی۔

''جا خوش رہ!'' خلیفہ ہادی نے کہا اور خلعت و انعام دے کر عبداللہ بن مالک کو رخصت کیا۔

میں نے آنکھیں کھول دیں کہ اب چشم تصور یا غیر معمولی قوت سامعت کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ میں نے اس بے گناہ آدم زاد کی جان بچائی تھی جس نے

میرے اور عارج کے انسانی قالبوں پر احسان کیا تھا۔

احسان تو ہارون نے بھی اپنے بڑے بھائی ہادی پر کیا تھا' مگر آدم زاد احسان فراموش بھی ہوتے ہیں اور ہادی بھی ایسوں ہی میں سے تھا۔ اسے ذرا بھی یہ خیال نہ تھا کہ جب وہ جرجان میں تھا اور بغداد نہ پہنچا تھا تو ہارون اپنے باپ خلیفہ مہدی کی خواہش کے احترام کا سہارا لے کے اپنی خلافت کی بیعت لے سکتا تھا۔ تمام امرا اور اراکین سلطنت اس امر کے گواہ تھے کہ خلیفہ مہدی اپنے بڑے بیٹے ہادی کو معزول کر کے ہارون کو ولی عہد بنانا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں خلق خدا کا بہت خون بہتا' مگر حکومت و اقتدار کی خاطر تو آدم زاد ہمیشہ سے خون بہاتے آئے ہیں۔ بغداد کی اس وقت جو حالت تھی اسی کے پیش نظر میں نے ایک جن زادی ہو کر آدم زادوں کے اس معاملے میں مداخلت کی تھی۔ خلق خدا کا خون بہنے سے روک دینا میرے نزدیک بڑی خدمت تھی۔ میں آدم زادوں کے درمیان اسی لئے تو رہ رہی تھی ورنہ میرے لئے صحرا کی وسعتیں کیا کم تھیں۔

ہارون کی شرافت نفس کو میں نے تو محسوس کر لیا لیکن خود اس کے سگے بڑے بھائی کو یہ احساس نہ ہو سکا۔ وہ ہارون کے خلاف ہو گیا۔ اس کی بڑی وجہ مرحوم خلیفہ مہدی تھا جو اپنی زندگی کے آخری ایام میں ہادی کے بجائے ہارون کو اپنا ولی عہد بنانے کے حق میں تھا۔ ایسی صورت میں ہادی نے اپنے باپ کی وصیت کو بھی پس پشت ڈالنا چاہا۔

خلیفہ مہدی نے جب ہادی کو اپنا ولی عہد بنایا تھا تو اسے تاکید کی تھی کہ تم اپنا ولی عہد اپنے چھوٹے بھائی ہارون کو بنانا۔ اب جب کہ خلیفہ مہدی نہیں رہا تھا اور ہادی نیا خلیفہ بن چکا تھا تو وصیت و تاکید کے مطابق ہارون ہی ولی عہد تھا۔ ہادی کو یہ بھی گوارا نہ ہوا۔ اس نے اپنے باپ کی وصیت کے خلاف ہارون الرشید کو محروم کر کے اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ ہادی نے اراکین سلطنت سے بھی یہ خیال ظاہر کر دیا۔ اس پر ہادی کے ہم خیال امرا نے ہارون کے خلاف محاذ بنانا شروع کیا تو ملکہ خیزران خاموش نہ رہ سکی۔ وہ غصے کی حالت میں ہادی کے پاس پہنچی۔ میں حالات سے بے خبر نہیں تھی' دور رہ کر بھی سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی۔

"تشریف رکھئے اے مادر محترم!" ہادی نے منافقت سے کام لیا جس کا اظہار اس کے لہجے سے بھی ہو رہا تھا۔

"ہم یہاں بیٹھنے نہیں آئے بلکہ تمہیں یہ بتانے آئے ہیں کہ تم ہماری زندگی میں اپنے چھوٹے بھائی کا حق نہیں مار سکتے!"

"آپ کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" ہادی بدستور نرم آواز میں بولا۔ "یہ فیصلہ امرا اور اراکین سلطنت نے مملکت کی بہتری کے لئے کیا ہے' ہم نے تو صرف ان کی تائید......"

ملکہ خیزران نے ہادی کی بات کاٹ دی۔ "بات تو پھر وہی ہوئی کہ تم اپنے بھائی کا حق مارنے پر راضی ہو!"

"لیکن اے مادر محترم' آپ کے لئے تو ہم دونوں بھائی یکساں ہونے چاہئیں' پھر ہارون ہی کی حمایت کیوں؟ آئندہ اگر خلافت ہارون کی اولاد میں رہے یا میری اولاد میں' اس سے کیا فرق پڑ جائے گا!"

"پڑ جائے گا فرق!" ملکہ خیزران زور دے کر بولی۔

"تو پھر مجھے سمجھانے کے بجائے آپ امرا اور اراکین سلطنت کو سمجھائیے۔" ہادی کا لہجہ بدل گیا۔

"ہم انہیں سمجھائیں جو تمہاری ہی شہ پر اور دولت و منصب کی خاطر تمہارے کمسن بیٹے کو ولی عہد بنائے جانے کی راہ ہموار کر رہے ہیں!...... ہادی! تم ہمیں کمزور نہ سمجھنا! یہ ہارون بے اختیار ہے نہ ہم!" یہ کہہ کر ملکہ خیزران وہاں نہیں رکی۔

"اے مادر محترم! تمہیں یہ دھمکی مہنگی پڑے گی۔" ہادی بڑبڑایا۔

میرے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ ہادی اب فوری طور پر ہارون کے خلاف نہ سہی ملکہ خیزران کے خلاف ضرور کوئی خطرناک قدم اٹھائے گا۔ میں نے اسی لئے ہادی پر نظر رکھنا شروع کر دی۔

ایک دوپہر ہادی نے مجھے طعام گاہ میں طلب کیا تو اسے میں نے پلاؤ کھاتے دیکھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی ہاتھ کھینچ لیا اور بولا۔ "اے جمیلہ! یہ پلاؤ بہت نفیس پکا ہوا ہے۔ ہماری مادر محترم سے کہنا کہ ہم نے اس طباق میں سے آدھا پلاؤ خود کھایا ہے اور آدھا پسندیدگی کی وجہ سے ان کے لئے بھیج رہے ہیں' وہ نوش فرما لیں گی تو ہمیں خوشی ہو گی۔"

میں کھٹک گئی اور میری سماعت میں وہ الفاظ گونجنے لگے جو چند روز پہلے ہی خلیفہ

ہادی نے اپنی ماں ملکہ خیرزان کے لئے ادا کئے تھے۔

''اے مادرِ محترم! تمہیں یہ دھمکی مہنگی پڑے گی۔''

آج ہادی کے دل میں ماں کی محبت کیسے جاگ اٹھی؟ میں نے سوچا۔ اسی سبب میں نے ہادی کی ہدایت پر دسترخوان سے طباق اٹھاتے ہوئے اس کی ذہن پر توجہ دی۔ ہادی نے طباق کے نصف حصے میں زہر ملادیا تھا۔ وہ پلاؤ زہر آلود تھا جو وہ میرے ہاتھوں اپنی ماں ملکہ خیرزان کو بھجوا رہا تھا۔ ملکہ خیرزان کو دھوکے سے زہر دے کر مارنے کے لئے ہادی نے طباق سے نصف پلاؤ کھانے کا سوانگ رچایا تھا۔ مقصد محض یہ تھا کہ اس کی ماں کو کسی طرح کا شک نہ ہو۔

میرے لئے تشویش کی بات یہ تھی کہ ہادی کا ارادہ مجھی کو موردِ الزام ٹھہرانے کا تھا۔ میں چکرا کے رہ گئی۔ بہ حیثیت ایک خادمہ ایک طرف یہ ضروری تھا کہ میں خلیفہ کے حکم کی تعمیل کرتی' دوسری جانب میرے لئے یہ ناممکن بات تھی کہ ملکہ خیرزان کو وہ زہر آلود پلاؤ جا کر کھلا آتی۔ میں کروں تو کیا کروں؟ طعام گاہ سے نکل کر اپنے قدم بڑھاتے ہوئے یہی ایک سوال میرے ذہن میں بار بار گردش کر رہا تھا۔ میں نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ خلیفہ کا خادمِ خاص دبے قدموں میرے پیچھے آ رہا تھا۔ خلیفہ ہادی ہی نے اسے میری نگرانی کی تاکید کی ہوگی' میں سمجھ گئی اور میرا ذہن مزید الجھ گیا۔

☆.....☆.....☆

اب میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ طباق جس میں زہر آلود پلاؤ تھا اسے اٹھائے سیدھی چلتی رہتی۔ خلیفہ ہادی کا خادمِ خاص ستونوں کی آڑ لیتا ہوا کچھ فاصلے سے میرے تعاقب میں تھا۔ اس طرح ہادی غالباً یہ یقین دہانی چاہتا تھا کہ میں نے وہ زہر آلود پلاؤ اس کی ماں ملکہ خیرزان تک پہنچا دیا ہے۔ اگر اسے پتا ہوتا کہ یہ کام وہ ایک جن زادی سے لے رہا ہے تو یقیناً ایسی جرات نہ کرتا۔ میرے لئے اگر کوئی مشکل تھی تو محض یہ کہ میں آدم زادوں کے درمیان رہ کر ظاہر ہونے سے گریزاں تھی۔ یہ کسی بھی طرح میرے حق میں بہتر نہیں تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم جنات سے آدم زاد ڈرتے ہیں لیکن موقع لگ جائے تو وہ ہمیں اپنے قابو میں بھی کر لیتے ہیں۔ میں اسی لئے بہت محتاط رہتی تھی۔ اس وقت بھی میں قدم قدم آگے بڑھتے ہوئے یہ سوچ رہی تھی کہ کس طرح ملکہ خیرزان کی جان بچاؤں کہ کسی کو مجھ پر شک نہ ہو۔ آخر میرے ذہن میں ایک تدبیر آ ہی گئی۔

میں جب ملکہ خیرزان کی اقامت گاہ میں داخل ہوگئی تو خلیفہ کے خادمِ خاص کو واپس جاتے دیکھا۔

ملکہ کی ایک خادمہ نے اسے میرے آنے کی اطلاع دی تو مجھے اندر بلوا لیا گیا۔ قصرِ خلافت میں میرا شمار خلیفہ کی خادماؤں میں ہوتا تھا۔ ملکہ خیرزان نے میرے ہاتھوں میں طباق دیکھا تو پوچھا۔ ''کیا تمہارے خلیفہ نے ہمارے لئے کچھ بھیجا ہے؟''

''جی ہاں ملکہء عالیہ!'' میں نے جواب دیا اور پھر خلیفہ ہادی کی ہدایت کے مطابق بتانے لگی۔ ''اس طباق میں بہت عمدہ پکا ہوا پلاؤ ہے۔ خلیفہء محترم نے اس طباق میں سے نصف پلاؤ خود تناول فرمایا ہے اور نصف پلاؤ پسندیدگی کے سبب آپ کے لئے بھیجا ہے۔ اگر آپ اسے نوش فرمالیں گی تو خلیفہء محترم کو خوشی ہوگی۔''

''ہماری طرف سے اپنے خلیفہ کا شکریہ ادا کر دینا۔ طباق ہماری خادمہ کو دے دو۔''

ملکہ خیرزان بولی۔

''بہتر ہے ملکۂ عالیہ!'' میں نے یہ کہتے ہوئے ملکہ کی خادمہ کو طباق تھما دیا جو وہیں تھی۔

اسی لمحے میں نے ملکہ خیرزان کو اپنے اثر میں لے لیا۔ ملکہ کے ذہن میں یہ شک پیدا کرنا کہ خلیفہ کا بھیجا ہوا پلاؤ زہر آلود بھی ہو سکتا ہے میرے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ میں دانستہ وہاں زیادہ دیر نہیں رکی۔۔ واپسی کے وقت ملکہ خیرزان کے چہرے پر میں نے پریشانی کے آثار دیکھ لئے تھے۔ شک اور یقین میں فرق ہوتا ہے۔ ضروری یہ تھا کہ ملکہ خیرزان کو یقین آ جاتا کہ پلاؤ واقعی زہر آلود ہے۔ اسی صورت میں وہ اسے کھانے سے گریز کرتی۔ ملکہ کے ذہن میں شک ڈالنا پہلا مرحلہ تھا تاکہ فوری طور پر وہ پلاؤ نہ کھائے دوسرے مرحلے پر میں نے کچھ دیر بعد عمل کیا جب اپنے سکونتی حصے میں پہنچ گئی۔

عارج بھی وہاں موجود تھا۔ وہ دھیمی آواز میں مجھ سے بولا۔ ''اے دینار! قصر کے مطبخ (باورچی خانہ) سے دوپہر کا کھانا آئے دیر ہو گئی۔ میں تیرے انتظار میں تھا کہ تو آ جائے تو ساتھ کھانا کھائیں۔ تو کہاں چلی گئی تھی؟''

''ابھی بتاتی ہوں۔ پہلے تو مجھے ایک آدم زادی کی جان بچا لینے دے۔''

''کون ہے وہ آدم زادی؟'' عارج نے چونک کر پوچھا۔

''خلیفہ ہادی کی ماں ملکہ خیرزان۔'' میں نے جواب دیا' پھر بولی۔ ''اب کوئی سوال نہ کیجو!'' یہ کہتے ہی میں نے اپنی جناتی و پراسرار صفات کو متحرک کر لیا۔ اپنی آنکھیں بند کر کے ملکہ خیرزان کو دیکھا۔ دو ررہ کر بھی کسی آدم زاد کو اپنے اثر میں لینے کا تجربہ میں نے پہلے بھی کیا تھا اور کامیاب رہی تھی۔ سو میں نے اسی تجربے پر عمل کرتے ہوئے ملکہ کے شک کو یقین میں بدلنے کے لئے اسے ایک راہ سجھائی۔

''ہاں اس طرح پتا چل سکتا ہے۔'' ملکہ خیرزان بڑبڑائی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی۔ کہ ایک جن زادی اسے مرنے سے بچا رہی ہے۔ وہ جو کچھ سوچ رہی ہے' اس کے دماغ میں ڈالا جا رہا ہے۔

میری تجویز ہی کو اپنی سوچ سمجھتے ہوئے ملکہ نے اپنی خادمہ کو طلب کیا۔ زہر آلود پلاؤ کا طباق ابھی تک اس کے سامنے رکھا تھا۔

ملکہ خیرزان کے حکم پر ذرا ہی دیر میں خادمہ ایک بلی کو گود میں اٹھا لائی۔ خوان پوش

ہٹا کر ملکہ نے پلاؤ سے ایک بوٹی اٹھائی۔ اسی دوران میں خادمہ نے بلی کو فرش پر چھوڑ دیا تھا۔ ملکہ نے گوشت کی وہ بوٹی بلی کے آگے ڈال دی۔

یقیناً وہ کوئی سریع التاثیر زہر تھا جس نے چند لمحوں میں بلی کی جان لے لی۔ خادمہ جو ابھی تک وہیں موجود تھی' اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ملکہ خیرزان مضبوط اعصاب کی مالک تھی' اس نے اسی لئے جلد خود پر قابو پا لیا۔

''ہمارا حکم ہے کہ اس واقعے کا ذکر کسی سے نہیں کرو گی!'' ملکہ خیرزان نے خادمہ کو مخاطب کیا' پھر اسے مزید ہدایت دے کر ہاتھ دھونے کے لئے اٹھ گئی۔ خادمہ نے مردہ بلی اٹھائی اور دوسرے ہاتھ میں طباق سنبھالے وہاں سے نکل گئی۔

میری توجہ ملکہ خیرزان کے ذہن پر تھی۔ وہ سوچ رہی تھی' تو ہادی ہمیں بھی زہر دے کر موت کی نیند سلا دینا چاہتا ہے! اگر بروقت ہمیں شک نہ ہو جاتا تو لازماً اس وقت ہم زندہ نہ ہوتے۔ ملکہ کے دماغ میں طوفان سے اٹھ رہے تھے۔

ملکہ خیرزان کی زندگی جس خطرے سے دوچار تھی' وہ دور ہو چکا تھا۔ میں نے اسی لئے آنکھیں کھول دیں۔ عارج اسی کا منتظر تھا۔ اسے میں نے قصر خلافت میں کھیلے جانے والے خطرناک کھیل کی تفصیل سے آگاہ کر دیا۔

''یہ کیسے لوگ ہیں اے دینار!'' عارج نے اظہار تاسف کیا۔ ''ماں' باپ' بیٹا' بھائی......ان......اقتدار کے بھوکے ان آدم زادوں کے نزدیک تو کوئی بھی رشتہ محترم نہیں۔ ان میں اور درندوں میں فرق ہی کیا ہے!''

''آدم زادوں کے لئے اتنا جذباتی نہ ہوا کر اے عارج!......چھوڑ اس غم کو! میں کھانا لے کر آتی ہوں۔''

پھر سمجھانے کے باوجود کھانا کھاتے ہوئے بھی عارج اسی طرح کی باتیں کرتا رہا۔

اسی شام خلیفہ ہادی نے مجھے خلوت میں طلب کیا۔ اس کی وجہ مجھے پہلے ہی معلوم تھی۔ وہ اپنی ماں کے مرنے کی خبر کا منتظر تھا۔ ہر طرح کی احتیاط اور بندوبست کے باوجود ناکامی اس کے لئے حیران کن تھی۔ وہ اسی جستجو میں تھا کہ کہاں غلطی ہوئی ہے! اس نے یہی جاننے کی غرض سے مجھے بلوایا تھا۔ اس کا ذہن پڑھ کر مجھے یہ ساری باتیں معلوم ہوئیں۔

''اے جمیلہ!'' ہادی نے مجھے اس انسانی قالب کے نام سے مخاطب کیا جو میں نے اپنا لیا تھا۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ ''تو جب پلاؤ کا طباق لے کر ہماری

مادر محترم کے حضور پہنچی تو انہوں نے کیا فرمایا؟"

جو کچھ ملکہ خیرزان نے کہا تھا' میں نے بیان کر دیا۔ ہادی نے مزید سوالات کیے مثلاً میں وہاں کتنی دیر ٹھہری یا ملکہ کو کن الفاظ میں اس کا پیغام دیا' پھر ملکہ نے کس ردعمل کا اظہار کیا وغیرہ۔ بلا جھجک میں جوابات دیتی رہی۔ ہادی میری طرف سے مطمئن تو ہو گیا مگر بار بار اس کے ذہن میں یہی سوال گردش کر رہا تھا کہ ملکہ نے زہر آلود پلاؤ کیوں نہیں کھایا؟

"یہ بھی تو ممکن ہے ملکہ کھانا کھا چکی ہو اور اسے بھوک نہ ہو۔" میں نے ہادی کے دماغ میں یہ بات ڈال دی۔

"ہاں یہی ہوگا۔" اس نے سوچا اور مطمئن ہوگیا۔ مجھے اس نے ہاتھ کے اشارے سے رخصت کی اجازت دے دی۔ چلتے چلتے میں نے ہادی کے ذہن پر توجہ دی تو وہ سوچ رہا تھا کہ اب کسی صورت ملکہ خیرزان کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

"بہت بڑی غلطی ہوگی یہ!" میں نے آگے قدم بڑھاتے ہوئے اس کے دماغ میں سرگوشی کی۔ "ہارون کو اگر کسی طرح معلوم ہوگیا تو پھر اقتدار خطرے میں پڑ جائے گا۔ اس نے خلیفہ مہدی کی غیر فطری موت کو تو بہ امر مجبوری قبول کر لیا مگر ملکہ خیرزان کی موت برداشت نہیں کر سکے گا۔" خلیفہ ہادی کے اقامتی حصے سے نکل آنے کے باوجود اس سے میرا ذہنی رابطہ قائم رہا۔ آخر کار اسے میں نے ذرا دھمکا کر اور مختلف وسوسوں میں مبتلا کر کے اپنی ماں کے خون ناحق سے باز رکھا۔

کچھ دن سکون سے گزرے ہوں گے کہ ایک اور ایسا واقعہ رونما ہوا جو مستقبل پر اثر انداز ہوا۔ حکمران خاندان کا قدیم نمک خوار و وفادار ربیع دنیا سے کوچ کر گیا۔ اس تجربے کار بوڑھے کو بوجوہ ہادی نے مملکت کا وزیر بنایا تھا۔ ربیع نے اپنی زندگی میں کبھی ہادی کو اس قدر بے نکیل نہیں ہونے دیا کہ وہ اپنے چھوٹے بھائی ہارون کے خلاف براہ راست کوئی کارروائی کرے۔ وہ خلیفہ ہادی کو ہمیشہ ایسے ہی مشورے دیتا کہ خاندان میں اختلافات پیدا نہ ہو سکیں۔ ربیع جیسا زیرک وزیر نہ رہا تو خلیفہ ہادی نے اپنے بچپن کے دوست ابراہیم حرانی کو وزارت کے عہدے پر متعین کر دیا۔ یہ وہی ابراہیم حرانی تھا جس کی صحبت بد سے بچانے کے لئے ہادی کے باپ مرحوم مہدی نے عبداللہ بن مالک کو مقرر کیا تھا۔ اپنے اختیارات کو کام میں لاتے ہوئے عبداللہ بن مالک نے ابراہیم حرانی اور ہادی کے دوسرے اوباش و آوارہ دوستوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ ماضی کے اسی "قصور" پر خلیفہ ہادی عبداللہ کو قتل کرا دیتا' اگر میں نے

مداخلت نہ کی ہوتی۔ میں تفصیل سے اس واقعے کا ذکر کر چکی ہوں۔ بہر حال ابراہیم حرانی وزیر بنا تو حکومت کے ایوانوں میں ایک بار پھر طوفان کے آثار نظر آنے لگے۔

قدیم دوستی کے ناطے ابراہیم حرانی کا کہنا بھی یہی تھا کہ ہارون کے بجائے ہادی اپنے کمسن بیٹے جعفر کو ولی عہد بنا دے۔ وقتی طور پر جو ہنگامہ ختم گیا تھا' گویا از سرنو شروع ہوگیا۔

ولی عہد ہونے کی بنا پر ہارون کو افواج کی طرف سے مختلف مواقع پر تعظیم دی جاتی تھی۔ ابراہیم حرانی نے خلیفہ ہادی کو ایک روز یہ مشورہ دیا کہ افواج کو ہارون کی تعظیم سے روک دیا جائے۔ اس نے دلیل دی۔ "جب امیر المومنین اپنے پسر جعفر کو ولی عہد بنانے کا فیصلہ کر ہی چکے ہیں تو پھر ہارون کی تعظیم افواج کو نہیں کرنی چاہیے۔"

روز اول ہی سے جو امرا اپنے ذاتی مفادات کے حصول کی خاطر خلیفہ ہادی کی چاپلوسی پر مستعد رہتے تھے' انہیں بھی موقع مل گیا۔ وہ بھی ابراہیم حرانی کی آواز میں آواز ملانے لگے۔ ہادی نے یہ مشورہ قبول کر لیا۔

ایک امیر یزید بن فرید کہنے لگا۔ "ہارون تو خلیفہ زادے کے ہاتھ پر ولی عہدی کے لئے بیعت کرنے کو تیار ہے مگر اصل فتنے کی جڑ یحییٰ بن خالد برمکی ہے۔ وہی ہارون کو ایسا کرنے سے روکتا رہتا ہے۔"

خلیفہ ہادی اپنے مطلب کی بات فوراً سن لیتا تھا۔ یوں بھی اس میں سمجھ بوجھ کی کمی تھی۔ وہ بے حد جذباتی اور کانوں کا کچا تھا۔ اپنے اسی مزاج کے سبب ہادی نے اسی وقت افواج کے لئے حکم جاری کر دیا کہ وہ ولی عہد کی حیثیت سے ہارون الرشید کو تعظیمی سلام نہ کریں۔ اجرائے حکم کے بعد وہ کہنے لگا۔ "مجھے تو یحییٰ بن خالد ہی فسادی لگتا ہے۔ وہی میرے بھائی کو بھڑکاتا ہوگا۔ میں ابھی اسے طلب کرتا ہوں۔ اسے بھی پتہ چلے کہ ذلت کسے کہتے ہیں اور لگائی بجھائی کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

جب دیوان خاص میں ہادی کی چاپلوسی کرنے والے امرا ہارون کے اتالیق یحییٰ بن خالد کے خلاف ہادی کو بھڑکا رہے تھے تو ابراہیم حرانی نے ایک اور شوشہ چھوڑا' کہنے لگا۔ "اے امیر المومنین! یہاں دیوان خاص میں بلا کر اس سازشی یحییٰ کو ذلیل کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

"تو پھر بولو اے ابراہیم تمہاری صلاح کیا ہے؟" خلیفہ ہادی نے پوچھا۔

"یحییٰ کو دربار عام میں طلب کر کے ذلیل کیا جائے اے امیر المومنین! اس سے یہ ہوگا کہ حضور کے دوسرے مخالفین بھی عبرت پکڑیں گے۔ انہیں بھی خوف ہوگا کہ ہارون کے حمایتی یحییٰ کی طرح ذلیل و رسوا کئے جا سکتے ہیں۔" ابراہیم حرانی نے زہر اگلا۔

اس زہر کو ہادی نے امرت سمجھ کر فوری طور پر قبول کر لیا۔

دوسرے ہی دن صبح خلیفہ ہادی کے حکم پر یحییٰ بن خالد دربار عام میں حاضر ہوا۔ خیریت یہ گزری کہ ان دنوں ہارون الرشید نے خلیفہ ہادی کے دربار میں جانا ترک کر دیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو صورتحال نہ جانے کیا ہوتی! ہادی اس پر بھی ناخوش تھا کہ ہارون اس کے دربار میں حاضر نہیں ہوتا۔ درحقیقت اب کھل کر یہ بات سامنے آ گئی تھی کہ ہادی اپنے بھائی ہارون کا حق مارنے کے درپے ہے تاکہ آئندہ خلافت اور حکومت و اقتدار اس کی نسل میں رہے۔ اسی بناء پر دونوں بھائیوں میں کشیدگی پیدا ہو گئی تھی جو کسی سے چھپی ہوئی نہ تھی۔ ہارون تو چپ رہتا مگر ہادی برسرِ عام اس کی مخالفت کا ذکر کرتا۔

ہادی اکثر کہتا۔ "مجھے ہارون پر ہر طرح سبقت حاصل ہے۔ میرے باپ نے ہارون کو نہیں' مجھے اپنا ولی بنایا ہے۔ دوم یہ کہ عمر اور رشتے میں بھی ہارون سے میں ہی بڑا ہوں۔ میں خلیفہ وقت ہوں اور مجھے جو مرتبہ و عزت حاصل ہے' ہارون کو نہیں' اسے چاہئے کہ وہ ہر اعتبار میری اس برتری کو دل سے تسلیم کر لے۔ میں جو فیصلے کروں' ہارون پر لازم ہے کہ انہیں مانے۔"

ہارون کی طرف سے مسلسل خاموشی نے ہادی کا حوصلہ اور بڑھا دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس دن جب دربار عام میں یحییٰ بن خالد حاضر ہوا تو ہادی نے ذرا یہ خیال نہ کیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے' اس سے خود اس کے خاندان پر حرف آئے گا۔ اسی کے ساتھ یہ کہ ہارون کو جب ان باتوں کی خبر ہوگی تو اسے بھی رنج پہنچے گا۔

"بول اے یحییٰ کہ تو ہمارے خاندان کا نمک خوار ہے کہ نہیں؟" خلیفہ ہادی رعونت سے بولا۔ حالانکہ اس کے بڑے بڑے بالائی دانت بولنے کی وجہ سے نمایاں ہو گئے تھے اور مضحکہ خیز لگ رہے تھے۔

یہ تماشا دیکھنے کے لئے اس وقت خود میں دربار میں موجود تھی۔ اس کے لئے مجھے جیلہ کے انسانی قالب سے باہر نکلنا پڑا تھا۔ میں نے دانستہ خلیفہ ہادی کو چھیڑنے کی خاطر اس سے سرگوشی کی۔ "یا ہادی اطبق!"

بڑی مشکل سے میں نے اپنی ہنسی ضبط کی جب خلیفہ ہادی کو سختی سے ہونٹ بھینچتے دیکھا۔ ایسا اس نے محض اپنی عادت کے مطابق کیا تھا۔ ایک عمر تک اس سے یہی کہا جاتا رہا تھا اور اب کافی عرصے کے بعد بھی یہ الفاظ سن کر اس پر حسب سابق ردعمل ہوا تھا۔ وہ یہ الفاظ سن کر چونکا تو ضرور مگر فطری "حمق" کی بناء پر اس نے غور نہ کیا کہ بولنے والا یا اسے تاکید کرنے والا کون ہے! اس کی توجہ تو اپنی جھوٹی شان و شوکت دکھانے پر مرکوز تھی۔ وہ تو یحییٰ کو ہونٹ بھینچے گھور رہا تھا۔

"اے امیر المومنین! یہ غلام تو آپ ہی کے خاندان کا پروردہ ہے۔" یحییٰ بن خالد نے ادب سے جھک کر ہادی کی بات کا جواب دیا۔

"تو نے بالکل صحیح کہا اے بدبخت!" ہادی نے اکڑ کر کہا۔ "تو ہمارا نہیں ہمارے خاندان کا پروردہ ہے۔"

یحییٰ غریب کو گمان بھی نہ ہوگا کہ ہادی اس کی بات کو یہ معنی پہنا دے گا۔ پھر بھی وہ سنبھل کر کہنے لگا۔ "امیر المومنین بھی تو اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں غلام نے جس کی نمک خواری کا اظہار کیا ہے۔"

"تو جھوٹ بولتا ہے!" ہادی جان بوجھ کر یحییٰ کو بھرے دربار میں بے عزت کرتا رہا۔ "تو نے پروردہ کہا ہے' نمک خوار نہیں!"

"امیر المومنین نے بجا ارشاد فرمایا۔ غلام' حضور کے خاندان کا نمک خوار بھی ہے اور پروردہ بھی!" یحییٰ نے عاجزی کا اظہار کیا۔

"پھر وہی خاندان کی رٹ لگا رہا ہے تو اے بے خبر!......خاندان میں تو ہم ہی کیا اور دوسرے بھی ہیں۔ تو کیا وہ سب ہمارے ہم رتبہ ہو گئے؟......کہیں تو ہمارے چھوٹے بھائی ہارون کو بھی تو ہمارے برابر نہیں سمجھتا؟" پھر ہادی نے رکے بغیر مزید کہنا شروع کیا۔ "اچھی طرح سمجھ لے یحییٰ کہ ہم خلیفہ ہیں اور اسی وقت تیری کھال بھی کھنچوا سکتے ہیں۔ ہمیں اچھی طرح اندازہ ہے کہ تو اندر ہی اندر کیا چالیں چل رہا ہے! ہم تجھ سے پھر کہتے ہیں کہ عیاری چھوڑ دے ہارون کی باتوں میں نہ آیا کر وہ نصیحت قبول کرنے والوں میں سے نہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ہارون کو خود تو بھی ہمارے خلاف بھڑکاتا ہے۔"

"اے امیر المومنین! آپ ہی نے تو خلیفہ مرحوم اور اپنے والد بزرگوار کے بعد اپنے برادر خرد ہارون الرشید کی مدار المہامی کی خدمت میرے سپرد کی ہے۔ اگر یہ امر حضور کی مرضی

کے خلاف ہوتو غلام و جانثار فوراً علیحدہ ہو جائے۔" یحییٰ نے کہا۔ میں نے دیکھا اور محسوس کیا کہ موت کے خوف نیز بھرے دربار میں ذلت سے یحییٰ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

مجھے اس آدم زاد یحییٰ پر ترس آ گیا۔ میں نے ایک بار پھر ہادی سے سرگوشی کی۔

"ٹھیک تو کہہ رہا ہے یحییٰ! اسے یہ عہدہ تو نے ہی تو دیا ہے۔ اگر تو نے یحییٰ کو اس عہدے سے ہٹا لیا تو ہارون بالکل بے قابو ہو جائے گا...... چونکنے، بوکھلانے یا کوئی اونگی بونگی حرکت کرنے کی ضرورت نہیں کہ میں تیرے ضمیر کی آواز ہوں۔"

میری مداخلت کے بعد ہادی کے چہرے کا تناؤ ختم ہوتا گیا۔ اہل دربار بھی اس پر حیرت زدہ رہ گئے کہ خلیفہ کا غصہ ایک دم ٹھنڈا کیسے ہو گیا؟ ذرا دیر خاموش رہ کر ہادی نے وہی پرانا راگ شروع کر دیا۔

"ہم چاہتے ہیں کہ اپنے بیٹے جعفر کو اپنا ولی عہد بنا دیں اور ہارون کو معزول کر دیں...... لیکن ایسا تبھی ممکن ہے کہ ہمارے کہنے پر ہارون اپنے بھتیجے کے ہاتھ پر بیعت کر لے" ہادی کہنے لگا۔ وہ یحییٰ سے مخاطب تھا مگر اب اس کے لہجے میں سختی نہیں تھی۔

"یہ غلام بخوبی سمجھتا ہے کہ امیر المومنین کا منشا کیا ہے۔" یحییٰ نے خلیفہ کی آواز میں نرمی دیکھی تو اس کے چہرے کا رنگ بدلا۔ واقعہ یہ ہے کہ یحییٰ بے وقوف نہیں تھا۔ اسے وقوف تھا کہ ہارون الرشید باصلاحیت و ذہین ہے۔ ولی عہد جعفر کو نہیں بلکہ ہارون ہی کو رہنا چاہئے۔ پھر بھی یحییٰ میں اتنا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا کہ اپنے دل کی ساری باتیں کسی لاگ لپیٹ کے بغیر بیان کر دے۔

"اے یحییٰ! خوفزدہ نہ ہو۔ ڈر صرف اللہ سے، ہادی سے نہیں۔" میں نے یحییٰ کے دماغ میں یہ بات ڈال دی۔ ہادی کی طرح اسے بھی میں نے یہی باور کرایا تھا کہ اسی کے ضمیر کی آواز ہوں۔ اس کے لئے مجھے انہی دونوں آدم زادوں کی مردانہ آوازوں کی نقل کرنی پڑی تھی۔ ہم جنات ایسا کرنے پر بھی قادر ہوتے ہیں۔ آواز بدلنا تو الگ رہا، ہم جنات تو ظاہر ہونے کی صورت میں اپنی جنس بھی بدل سکتے ہیں۔ یعنی میں ایک جن زادی ہونے کے باوجود کسی مرد کی صورت میں بھی ظاہر ہو سکتی ہوں اور بالکل اسی طرح کوئی جن، عورت بن سکتا ہے۔ یہ پیکر خیالی بھی ہو سکتے ہیں اور اصلی بھی! اصلی اس صورت میں جب کہ میں دانستہ کسی مرد کے جسم میں اتر جاؤں۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ میں دیکھنے والوں کو ایک آدم زاد مرد ہی نظر آؤں گی۔ پھر جب میں اس انسانی پیکر کی آواز میں بھی بولنے لگوں تو بھلا کون یقین

کرے گا کہ اس نے جو کچھ دیکھا، محسوس کیا یا سنا، سب کچھ غلط تھا۔ سو بعض اوقات آدم زاد جو کچھ دیکھتے اور سنتے ہیں، حقیقت پر مبنی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم جنات کو آدم زادوں کی نظروں سے اس لئے اوجھل رکھا ہے کہ ابو الجن (گویا جنات کے بادا آدم) نے یہ خواہش بارگاہ ایزدی میں کی تھی جسے شرف قبولیت عطا ہو گیا۔

ایک جن زادی ہونے کی بناء پر میں بھی خلیفہ ہادی کے دربار میں موجود تمام آدم زادوں کی نظروں سے چھپی ہوئی تھی اور اپنی جناتی صفات سے کام لے رہی تھی۔ میرے ہی زیر اثر یحییٰ بن خالد بھرے دربار میں سچ بولنے پر آمادہ ہو گیا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ یحییٰ کی راست گوئی پر اگر خلیفہ ہادی "بے سرا" ہو گیا تو اسے "سر" میں لے آؤں گی۔ اس کے لئے مجھے ہادی کو بھی اپنے اثر میں لینا پڑتا تھا۔

"اے امیر المومنین! اگر آپ اعیان (امرا) سلطنت اور عوام کو بدعہدی و حلف شکنی پر مجبور کریں گے نیز اپنے پدر بزرگوار کی وصیت پر قائم نہیں رہیں گے تو یہ ہرگز مناسب نہ ہو گا۔" یحییٰ نے بلا جھجک کہنا شروع کر دیا۔ "اس کا سبب یہ کہ جس کو آپ اپنے بعد تخت حکومت کا مالک مقرر کر رہے ہیں، اس پر بھی ناگوار اثر مرتب ہو گا۔ اس فیصلے سے متعدد ایسی سیاسی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی جن کو سلجھانا دشوار ہو گا۔ اس کے برعکس اگر ہارون الرشید کے بعد جعفر کی ولی عہدی کی بیعت لی جائے گی تو ایسا کرنا مصلحت وقت کے عین مطابق ہو گا۔"

یہ الفاظ اس شخص یحییٰ نے ادا کئے تھے جسے کچھ ہی دیر پہلے خلیفہ ہادی نے کھال کھنچوانے کی دھمکی دی تھی۔ اس پر بھی جو سچ تھا، اس نے کہہ دیا۔ اسی سبب فوری طور پر ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ اہل دربار کے چہروں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ یحییٰ کی سچی باتوں نے انہیں متاثر کیا تھا۔ جو صورتحال درپیش تھی، اس میں کلمہ حق وہی کہہ سکتا تھا جسے اپنی جان کی پرواہ نہ ہو۔ خلیفہ ہادی پر بھی اس کا اثر ہوا۔ مزید "کام" میں نے دکھا دیا۔

☆......☆......☆

"ٹھیک ہے اے یحییٰ! ہم تمہاری رائے پر غور کریں گے۔" خلیفہ ہادی نرم آواز میں بولا۔ "تم جا سکتے ہو۔"

یحییٰ نے اس پر خلیفہ کا شکریہ ادا کیا اور دربار سے رخصت ہو گیا۔

اب وہاں میری موجودگی کی ضرورت نہیں تھی۔ دربار عام یا دیوان خاص میں کسی اجلاس کے دوران میں خلیفہ وقت کے ذاتی خدام کی موجودگی طلب کئے بغیر ضروری نہیں تھی۔

یہ طلبی بھی اس وقت ہوتی جب خلیفہ کو کوئی ذاتی کام ہوتا ورنہ تو دربار عام اور دیوان خاص کے لئے علیحدہ غلام' کنیزیں وغیرہ تھیں۔ ان کے مقابلے میں ذاتی خدام کی زیادہ اہمیت تھی۔ یہ خدام قصر خلافت میں ہر جگہ آ اور جا سکتے تھے۔ جب خلیفہ دربار عام یا دیوان خاص میں ہوتا تو عموماً اس کے ذاتی خدام اپنی اپنی قیام گاہوں میں آرام کرتے۔ ابھی چوں کہ دربار ختم نہیں ہوا تھا اور میں جس مقصد سے وہاں گئی تھی' پورا ہو چکا تھا اسی سبب مجھے اپنی قیام گاہ تک پہنچنے میں دیر نہ لگی۔ بمشکل لمحہ بھر میں وہاں پہنچ گئی۔ انسانی قالبوں سے باہر رہ کر جنات کے لئے فاصلے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ یوں بھی مجھے عارج کا خیال تھا۔ میں اسے جلدی میں یہ نہیں بتا سکی تھی کہ جیلہ کے قالب سے نکل کر جا رہی ہوں۔

میں نے از اول تا آخر ساری بات بتا دی اور آخر میں عارج سے پوچھا۔ ''تیرا کیا خیال ہے خلیفہ ہادی' ہارون کو اس کا حق دے دے گا؟''

''ممکن ہے کہ ہادی تو اس پر آمادہ ہو جائے مگر شاید اس کے امرا' خاص طور پر وزیر ابراہیم حرانی' ہارون کو ولی عہد نہ رہنے دیں۔'' عارج سنجیدگی سے حالات کا جائزہ لینے لگا۔ ''دراصل یہ کچھ اور ہی کھیل معلوم ہوتا ہے۔ خودغرض امرا اور وزیر ابراہیم حرانی' خلیفہ زادے جعفر کی آڑ میں سلطنت کے سیاہ و سفید کے مالک بننا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے جعفر ابھی بچہ ہے۔ اگر اس کے لئے ولی عہدی کی بیعت لے لی جاتی ہے تو اقتدار کے بھوکوں کے لئے راستہ صاف ہو جائے گا۔ اگر ہارون کسی طرح اپنے حق سے دستبردار کر دیا جاتا ہے تو پھر جعفر ہی ولی عہد ہوگا۔ تب عین ممکن ہے کہ خودغرض و لالچی امرا وزیر ابراہیم حرانی کو ساتھ ملا کر ہادی ہی کو راستے سے ہٹا دیں۔ کمسن جعفر بھلا ان کا کیا بگاڑ لے گا!''

''بات تو تیری ٹھیک لگتی ہے اے عارج!'' میں نے اعتراف کیا پھر اسے چھیڑا۔ ''لگتا ہے کہ تو بھی اب عقل سے کام لینے لگا ہے۔''

عارج صرف مسکرا کر رہ گیا۔ اس وقت شاید وہ مزید چھیڑ چھاڑ کا متحمل نہیں تھا۔ پھر وہی ہوا جو عارج نے کہا تھا۔ خلیفہ ہادی' چاپلوس امرا اور اپنے وزیر کی باتوں میں آ گیا۔ انہوں نے ایک بار پھر یحییٰ پر ہی الزامات لگائے تھے۔ اب انہوں نے صاف صاف الفاظ میں کہنا شروع کر دیا تھا کہ ہارون کو جعفر کی بیعت سے یحییٰ روکتا ہے۔ اپنے الزامات کی دلیل میں وہ برسر دربار یحییٰ کی حق گوئی کو پیش کرتے۔

وزیر ابراہیم حرانی نے خلیفہ ہادی کو مشورہ دیا کہ یحییٰ کو زنداں میں ڈال دیا گیا تو

پھر ہارون کو بہکانے والا کوئی نہیں رہے گا۔ وہ اپنے بھتیجے کے حق میں ولی عہدی پر بضد نہ ہوگا۔

خلیفہ ہادی کے پاس عقل تو تھی نہیں' جو بھی جیسی بات سجھا دیتا اور اس کے مفاد کی ہوتی فوراً بے سوچے سمجھے مان لیتا۔ وہ غیر ضروری طور پر جذباتی تھا۔ گھڑی میں ہنسنے لگتا' گھڑی میں کسی بات پر اسے طیش آ جاتا۔ اپنے وزیر اور یار قدیم کی بات سن کر ہادی شدید غصے میں آ کر کہنے لگا۔ ''اگر ایسا ہے تو ابھی اور اسی وقت ہم حکم دیتے ہیں کہ یحییٰ کو گرفتار کر کے زنداں میں ڈلوا دیا جائے۔ اے ابراہیم! یہ ذمے داری ہم تمہی کو سونپتے ہیں۔''

وزیر ابراہیم حرانی کو یحییٰ سے اس لئے کد تھی کہ ہادی کے دور آوارگی میں یحییٰ بھی ابراہیم کو اس کا ذمے دار کہتا تھا' یحییٰ میں بہرحال اتنی جرات نہیں تھی کہ خلیفہ زادے اور مملکت کے ولی عہد کو آوارہ کہہ سکتا۔ اگر وہ ایسا کہتا بھی تو غلط نہ ہوتا۔ ہادی واقعی بہت بگڑا ہوا تھا۔ اس نے خلیفہ بننے کے بعد بھی نبیذ پینا نہیں چھوڑی تھی۔ اس زمانے میں کھجور سے نبیذ بنائی جاتی تھی۔ شراب کے بجائے نبیذ کا استعمال عام تھا۔ ہادی کی صحت پر بھی نبیذ زیادہ پینے کے برے اثرات پڑے تھے' مگر وہ کسی کو خاطر ہی میں کب لاتا تھا جو طبیبوں کی باتوں پر دھیان دیتا۔

یحییٰ کو قید کرنے کے کچھ روز بعد ہادی نے خلوت میں ہارون کو طلب کیا' جیلہ کے انسانی قالب سے نکل کر میں بھی وہاں پہنچ گئی۔ وہ رات کا وقت تھا۔ مجھے جب اس طلبی کا علم ہوا تو چوکنا ہو گئی۔ ہادی سے کچھ بعید نہیں تھا۔ نبیذ کے زیر اثر وہ کوئی بھی خطرناک اور غیر ذمہ دارانہ قدم اٹھا سکتا تھا۔ مسلمانوں کی اس مملکت کو کسی غلط فیصلے سے ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا تھا جس کا دائرہ روم تک پھیل چکا تھا۔ عیسائیوں پر مسلمانوں کی دھاک بٹھانے والا نوجوان ہارون ہی تھا جسے ہادی امور سلطنت سے عملاً قطعی الگ کر چکا تھا۔ مجھے ہادی جیسے متلون مزاج آدم زاد کی طرف سے یہ خطرہ بھی لاحق تھا کہ وہ اپنے مقصد کے حصول کی خاطر کہیں چھوٹے بھائی ہی کو راستے سے نہ ہٹا دے۔ اس کے لئے وہ کوئی بھی شاطرانہ چال چل سکتا تھا۔ جو شخص' جو بدقسمت آدم زاد اپنی ماں کو زہر دلوانے کی کوشش کرے' وہ بھلا بھائی کے ساتھ کیا رعایت کر سکتا ہے! اگر میں نے مداخلت نہ کی ہوتی' ہادی کے ذہن میں یہ بات نہ بٹھا دی ہوتی کہ ملکہ خیرزان کا قتل اس کے اقتدار کو ختم کر سکتا ہے تو وہ ملکہ خیرزان کو کسی صورت زندہ نہ چھوڑتا۔ ہادی کے عزائم مجھ سے چھپے نہ تھے اسی لئے مذکورہ شب میں اس حصے میں پہنچ گئی جو خلیفہ وقت کے لئے مخصوص تھا اور جس کی عالیشان نشست گاہ میں ہادی اور ہارون کے سوا اس

وقت کوئی نہ تھا۔

''اے عزیز از جان برادر!'' ہادی نے ہارون کو مخاطب کیا تو اس کی آواز سے منافقت کا اظہار ہو رہا تھا۔ ''ہم نے تمہیں خلوت میں اسی لئے طلب کیا ہے کہ ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو کوئی اور نہ سن سکے۔ ہم نے محسوس کیا ہے کہ کچھ اراکین سلطنت، امرا اور قریبی متعلقین تمہیں غلط صلاح و مشورے دیتے ہیں۔ ان کا مقصد ہمارے خاندان میں نفاق ڈال کر اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔'' ہادی کہتا رہا اور ہارون خاموشی کے ساتھ سنتا رہا۔ وہ اپنے بڑے بھائی کی مسند پر اس کے سامنے دوزانو بیٹھا تھا۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ بڑا بھائی ہونے سے قطع نظر بطور خلیفہ بھی وہ ہادی کو تعظیم دے رہا تھا۔

میں نے ہارون کے ذہن پر توجہ دی تو اطمینان ہوا۔ وہ اس ناوقت طلبی پر پوری طرح چوکنا اور محتاط تھا۔ اس کی کمر سے بندھی ہوئی چمڑے کی پیٹی میں تلوار اور خنجر موجود تھے۔ قصر خلافت میں رہنے کے باوجود وہ عموماً مسلح ہی رہتا تھا۔ مجھے اس انتہائی احتیاط کی وجہ بھی اس کا ذہن پڑھ کر معلوم ہوگئی۔ ملکہ خیرزان کو جو واقعہ پیش آیا تھا، اس سے ہارون کو آگاہ کرتے ہوئے ملکہ نے تاکید کی تھی کہ ہادی کی طرف سے ہوشیار رہنے۔ ہارون کی یہ اعلیٰ ظرفی تھی کہ وہ ملکہ خیرزان کے سمجھانے بجھانے پر وہ اپنا غصہ پی گیا تھا۔ ملکہ خیرزان نے اس موقع پر ہارون سے کہا تھا، ہادی کی یہ جسارت ہم پر قرض ہے اور ہمیں یہ قرض وقت آنے پر چکائیں گے! ان الفاظ کے معنی سمجھنا میرے لئے مشکل نہ تھا۔ گویا خود کو زہر دیئے جانے کی ناکام سازش کا جواب ملکہ خیرزان خود ہی ہادی کو دینا چاہتی تھی۔ اس وقت ہارون کے ذہن کا مطالعہ کر کے مجھے اور بھی بہت سی کام کی باتیں معلوم ہوئیں۔ اس کے باوجود میرے اندیشے کم نہ ہوئے۔

ہادی اب بھی ہارون سے ہم کلام تھا۔ ''تو اے برادر! ہم نے انہی نفاق ڈالنے والوں میں سے ایک یحییٰ بن خالد کو گرفتار کرا کے قید میں ڈلوا دیا۔ ہمیں معتبر ذرائع سے یہ اطلاع ملی تھی کہ تمہیں جعفر کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ تمہارے حاضر باش مفسدی اس پر معترض ہیں۔ یہ اطلاع درست ہے نا؟'' ہادی نے بڑی چالاکی سے ہارون کو گھیرنا چاہا۔

''گستاخی معاف اے امیر المومنین! جن لوگوں نے آپ کو اطلاع دی ہے، وہ دروغ گو ہیں۔'' ہارون دھیمے اور پرسکون لہجے میں بول رہا تھا۔ ''آپ ہرگز ان کی باتوں پر

کان نہ دھریں۔ ایک بات آپ سے اور عرض کرنی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنی عقل عطا کی ہے کہ ہم اپنے دوست اور دشمن کو پہچان سکیں۔ ہمیں کوئی یحییٰ نہیں بہکا سکتا۔۔ اگر آپ نے ہمارے بارے میں ایسا فرض کر لیا ہے تو ہمیں اس پر افسوس ہے۔ گویا آپ ہمیں اس قدر کم عقل تصور کرتے ہیں کہ ہم کسی کے بہکائے میں آسکتے ہیں۔''

ہارون کی بات سن کر ہادی کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ وہ کسی قدر سخت آواز میں بولا۔ ''ہم زیادہ بات بڑھانے کے حق میں نہیں، تم بھی جانتے ہو کہ ہمارا منشا کیا ہے۔ تمہیں سوچنے کے لئے اور فیصلے کی خاطر ہم وقت دیتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ تم فہم و ادراک سے کام لوگے۔ ہارون! اس بات کو اپنی گرہ میں باندھ لو کہ تمہیں آخر کار اپنی ضد چھوڑنی پڑے گی!''

''اے امیر المومنین! مجھے رخصت کی اجازت ہے؟'' ہارون نے ہادی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

ہادی نے ناگواری کے ساتھ کہا۔ ''اجازت ہے، مگر یہ بات ذہن میں رکھنا کہ سوچنے کے لئے تمہارے پاس وقت محدود ہے۔''

ہارون مزید کچھ کہے بغیر وہاں سے اٹھ آیا۔ ہادی نے یقیناً اندازہ کر لیا تھا کہ ہارون باآسانی اپنا حق نہیں چھوڑے گا۔

اب میرے وہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا، لیکن مجھے بے تصور یحییٰ بن خالد کا خیال آ گیا۔ وزیر ابراہیم حرانی کے کہنے پر خلیفہ ہادی نے اسے بلاوجہ زنداں میں ڈلوا دیا تھا۔ یہ محض انتقامی کارروائی تھی۔ ہادی کے عتاب سے برسر دربار تو میں نے یحییٰ کو بچا لیا تھا مگر ابراہیم حرانی اور اس کے ہم خیال امرا نے آخر کار یحییٰ کو زنداں کی ہوا کھلا ہی دی تھی۔ مغل تاجدار ہمایوں کے عہد میں جا کر مجھے یہ تجربہ بھی ہو چکا تھا کہ عموماً حکمران یا برسر اقتدار طبقے کے افراد کسی بھی شخص کو زنداں میں بھیج کر بھول جاتے ہیں۔ ایسا غریب یحییٰ کے ساتھ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ زنداں ہی میں اپنی عمر کا بقیہ حصہ گزار دیتا اور کسی کو اس کا خیال بھی نہ آتا۔

یہی سوچ کر میں ایک مرتبہ پھر گویا خلیفہ ہادی کے ضمیر کی آواز بن گئی۔

''اے ہادی! تو نے یحییٰ جیسے سچے اور اچھے آدمی کو زنداں میں ڈلوا کر اچھا نہیں کیا۔'' میں نے ہادی سے سرگوشی کی تو وہ اچھل پڑا۔ ابھی تک وہ نشست گاہ سے اٹھا نہیں تھا۔

''یہ...... یہ تو میری...... میری ہی آواز ہے...... مجھے سنائی دے رہی ہے!'' خلیفہ ہادی

ذری ذری آواز میں بڑبڑایا۔

''ہاں اے ہادی' یہ تیری ہی آواز ہے..... تیرے ضمیر کی آواز! اس پر دھیان دے!'' میں نے تاکید کی۔

''تو..... تو میں کیا..... کیا کروں؟'' ہادی نے کہا۔

''کرنا کیا ہے..... یحییٰ کی رہائی کا حکم جاری کر دے۔ تو خلیفہ وقت ہے تجھے آخر ایسا کرنے سے کون روک سکتا ہے! تو یحییٰ سے بات تو کر کے دیکھ! اس کی باتوں میں وزن ہوتا ہے۔ اس سے تو جلوت میں نہیں خلوت میں مل! تجھے وہ قائل کر دے گا کہ تیرے حق میں وہی بہتر ہے جو اس نے دربار عام میں بھی کہا ہے۔''

''ٹھی..... ٹھیک ہے..... میں اسے زنداں سے نکلوا کر خلوت میں بات کروں گا۔''

ہادی کے لب ہلے۔

میں نے ہادی کا ذہن پڑھ کر جان لیا کہ اس وقت وہ سخت مضطرب ہے۔ اس کی وجہ ہارون الرشید سے گفتگو میں ناکامی تھی۔ ہادی پر اس کا بڑا اثر ہوا تھا۔ وہ شعر بھی کہتا تھا اور اس وقت اس پر یہی کیفیت طاری تھی۔ بعد میں ہادی نے یہ اشعار اپنے ہم نوا امرا کو بھی سنائے جو حقیقت حال تھے۔ ان عربی اشعار کا ترجمہ یہ تھا:

''میں نے ہارون کو نصیحت کی' مگر اس نے قبول نہ کی اور جو نصیحت قبول نہیں کرتا وہ نادم ہوتا ہے۔ میں ایسی باتیں کہتا ہوں جو ارتباط کا سبب ہیں اور وہ اس سے دور بھاگتا ہے' اور اس سلسلے میں وہ ظالم ہے۔ اگر مجھے امروز و فردا کا خیال نہ ہوتا تو چارو ناچار میری بات اس کو ماننی ہی پڑتی۔''

میں اس رات خلیفہ ہادی کے پاس سے لوٹ کر آئی تو عارج بیدار تھا' مگر جمیلہ محو خواب تھی۔ اس پر میں گہری نیند طاری کر گئی تھی کہ کہیں پہلے کی طرح عارج کو اپنا شوہر ایوب سمجھ کر ''بے تکلفی'' سے پیش نہ آنے لگے۔ معاملات عشق میں صرف آدم زادیاں ہی نہیں ہم جن زادیاں بھی بڑی ''کائیاں'' ہوتی ہیں اور اپنی جیسی کسی دوسری کو عشق میں حصے دار بنانے پر راضی نہیں ہوتیں۔ جب میں نے جمیلہ کے جسم میں ظہور کیا تو مجھے بھی نیند آنے لگی۔

''اے دینار!'' عارج نے مجھے مخاطب کیا۔ ''میں نے تجھے جمیلہ کے جسم میں اترے دیکھ لیا۔ یہاں تو میں تیرے انتظار میں سویا نہیں اور تو ہے کہ مجھے کچھ بتائے بغیر دوسری طرف کروٹ لے کر سونے لگی۔''

''اس وقت بہت زور کی نیند آ رہی ہے اے عارج!'' میں خوابیدہ سی آواز میں بولی۔ ''تو بہت اچھا ہے' میری ہر بات مان لیتا ہے۔ میں تجھے کل صبح تفصیل بتا دوں گی کہ ہادی اور ہارون میں کیا بات ہوئی۔ خدا حافظ! شب بخیر!'' یہ کہہ کر میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ عارج کو بھی مجبوراً ''شب بخیر'' کہنا پڑا۔

معلوم نہیں وہ رات کا کون سا پہر تھا کہ چیخ و پکار' بھاگ دوڑ اور شور سے میری آنکھ کھل گئی۔ عارج بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔

دارالخلافہ بغداد کے قصر خلافت میں رات کے وقت یہ ہنگامہ میرے لئے انتہائی تعجب خیز تھا۔ میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ میرے ذہن میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔

ایسا ممکن نہیں تھا کہ قصر خلافت میں ہونے والے خلاف توقع ہنگامے پر میں کوئی توجہ نہ دیتی۔ یقیناً کوئی بڑا واقعہ رونما ہوا تھا۔ عارج اور میں اگر اپنے انسانی پیکروں میں خدام کی حیثیت سے اس واقعے کا سبب معلوم کرنا چاہتے تو شاید ہمیں کامیابی نہ ہوتی۔ اس خیال سے میں نے جمیلہ کے قالب سے نکل کر اسے گہری نیند سلا دیا۔ میری تقلید میں عارج نے بھی ایوب کے پیکر کو چھوڑ دیا اور اس پر نیند مسلط کر دی۔ یہ اس لیے ضروری تھا کہ وہ دونوں بیدار ہو کے میرے اور عارج کے واسطے کوئی مسئلہ پیدا نہ کریں۔ ہم جنات کے لئے آدم زادوں کے جسموں میں رہنا آسان نہیں ہوتا ہمیں بڑی احتیاطیں برتنی پڑتی ہیں۔ اس وقت بھی ہم نے ہنگامی صورتحال کے باوجود احتیاط کا دامن نہیں چھوڑا۔ شور اس لمحے بھی سنائی دے رہا تھا جب میں' عارج کے ساتھ اپنے اقامتی حصے سے باہر آئی۔

قصر خلافت کے گوشے گوشے کو منور کرنے والے شمع دانوں کی روشنی نصف شب سے پہلے ہی دھیمی کر دی جاتی تھی۔ اس ہنگامے والی رات کو بھی ایسا ہی تھا۔ مدہم روشنی میں مجھے مسلح محافظ ادھر سے ادھر دوڑتے نظر آئے۔

جلد ہی میں عارج کو لیے اس جگہ پہنچ گئی جس کے گرداگرد شمشیر بکف محافظوں نے حلقہ سا بنا رکھا تھا۔ وہ کسی کو بھی اس طرف نہیں آنے دے رہے تھے' مگر ایک جن زادی کو بھلا کیسے روک لیتے۔

جس جگہ پر بھیڑ لگی ہوئی تھی وہیں سے کچھ فاصلے پر ہارون الرشید کی اقامت گاہ تھی۔ ہارون کا مخصوص محافظ دستہ شب و روز اس حصے کی نگرانی کرتا تھا۔ میں آگے بڑھ کر اس حلقے کے درمیان پہنچی تو دنگ رہ گئی وہاں ایک آدم زاد کی لاش پڑی تھی اور آس پاس خون پھیلا

ہوا تھا۔ لاش کا سر الگ کٹا ہوا پڑا تھا اور جسم کے بقیہ حصوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ لاش کس کی تھی اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے کون تھے' ان سوالوں کے جواب میں نے معلوم کر لئے۔

قتل ہونے والا آدم زاد خلیفہ ہادی کا ایک غلام تھا۔ اس نے نصف شب گزرنے کے بعد چوری چھپے قصر کے اس حصے میں داخل ہونا چاہا تھا جو ہارون الرشید کے تصرف میں تھا۔ نگرانی پر متعین ہارون کے محافظوں نے اس غلام کو دیکھ کر للکارا تو بھاگ اٹھا۔ محافظوں نے اس کا پیچھا کر کے اسے گھیر لیا۔ غلام نے گھیرا توڑنے کے لئے نیام سے تلوار نکالی اور محافظوں پر ٹوٹ پڑا۔ کچھ محافظ زخمی تو ہو گئے مگر انہوں نے غلام کے ٹکڑے کر دیے۔ عارج نے بھی اپنے طور پر یہ ساری باتیں معلوم کر لیں۔

''اے دینار!'' عارج مجھ سے کہنے لگا ''کیا اس واقعے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ہارون پر قاتلانہ حملے کے لئے خلیفہ ہادی نے اپنے ایک غلام کو بھیجا تھا؟...... یہ الگ بات کہ اسے ہارون کے محافظوں نے دیکھ لیا اور مار ڈالا''

''ہاں' میں نے عارج کے خیال سے اتفاق کا اظہار کیا۔'' بہ ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے اس کی تصدیق ایک طرح ممکن ہے۔ آ اے عارج! میرے ساتھ چل! ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوا جاتا ہے۔''

ہرچند میرے اور عارج کے قریب محافظوں کی صورت میں آدم زاد بھی موجود تھے مگر وہ ہماری آوازیں سننے سے قاصر تھے۔ آدم زادوں کو ہم جنات کی آوازیں اسی صورت میں سنائی دیتی ہیں جب خود ہم یہ چاہیں۔

عارج کو میں قصر خلافت کے مرکزی حصے میں لے آئی۔ قصر کے جن حصوں میں حکمراں خاندان کے افراد کی سکونت تھی' ان سبھی حصوں کی حیثیت محلوں جیسی تھی مرکزی حصہ خلیفہ کے لئے مخصوص تھا۔ پہلے اسی حصے میں ملکہ خیرزان کا قیام بھی تھا' لیکن ہادی جب سے خلیفہ بنا تھا' ملکہ قصر کے ایک اور حصے میں منتقل ہو گئی۔ قصر کا یہ حصہ ہارون کی اقامت گاہ کے قریب تھا۔

یوں تو قصر خلافت میں حفاظتی انتظامات عام دنوں میں بھی بہت سخت رہتے تھے' لیکن ہنگامی حالات ہوتے تو اور بھی سختی برتی جاتی۔ خاص طور پر خلیفہ وقت کی قیام گاہ کی حفاظت اس طرح کی جاتی جیسے دشمن اسی پر حملہ کرنے والا ہو۔ خلیفہ کا محافظ دستہ منتخب سپاہیوں

پر مشتمل ہوتا۔ ان کے لئے خلیفہ سے وفاداری اور بہادری' دونوں ہی شرطیں تھیں۔

رات کے اس پہر بھی یہی ''تماشا'' دیکھنے کو ملا۔ محافظ دستے کے سپاہی اپنی اپنی تلواریں بے نیام کیے قدم قدم پر مستعد اور چوکنا کھڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر مجھے یوں لگا جیسے وہ بغداد کے قصر خلافت کے بجائے میدان کارزار میں ہوں۔

وہاں سے گزر کر میں سیدھی خلیفہ ہادی کی خواب گاہ میں پہنچی۔ عارج میرے پیچھے پیچھے تھا۔ ہادی مجھے اضطراب کے عالم میں ٹہلتا نظر آیا۔ اس کی آنکھیں بے خوابی کا پتا دے رہی تھیں جیسے وہ سویا نہ ہو۔ بے چینی کا اندازہ میں نے اس کے چہرے سے لگایا۔ اس کی خواب گاہ' اپنی ملکہ کی خواب گاہ سے الگ تھی۔ خواب گاہ کے باہر قدموں کی چاپ ابھری۔ ہادی نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔

''کون ہے؟'' ہادی بارعب آواز میں بولا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ رک گیا تھا۔

''حضور امیرالمومنین کا ادنیٰ غلام سور۔'' دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ ''غلام باریابی کی اجازت چاہتا ہے۔''

''اجازت ہے۔'' ہادی نے کہا۔ مجھے معلوم تھا کہ سور' خلیفہ کے محافظ دستے کا نگراں تھا۔

اجازت ملنے پر وہ خواب گاہ میں داخل ہوا' پھر ہادی کی سوالیہ نظروں کے جواب میں بتانے لگا۔ ''غلام سب کچھ معلوم کر کے آیا ہے کہ شور اور اچانک ہنگامے کی وجہ کیا ہے۔'' اس کے بعد سور نے وہی سب بیان کر دیا جو میں پہلے ہی معلوم کر چکی تھی۔

''کیا تم نے ہمارے برادر خرد ہارون کو بھی وہاں دیکھا؟'' ہادی نے سوال کیا۔

''جی نہیں اے امیرالمومنین! جس جگہ اس غلام کو قتل کیا گیا وہاں سے حضور کے برادر خرد کی اقامت گاہ کچھ فاصلے پر تھی۔ ممکن ہے کہ انہوں نے اپنے کسی محافظ سے حقیقت معلوم کرائی ہو اور خود وہاں آنا بہتر نہ سمجھا ہو۔'' سور نے جواب دیا۔

''تا حکم ثانی ہم کسی سے نہیں ملیں گے۔'' ہادی نے کہا ''اب تم جا سکتے ہو۔''

سور ادب سے جھکا اور الٹے قدموں خلیفہ کی خواب گاہ سے نکل گیا۔ شمع دان کی لو دھیمی نہیں تھی۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت تھا کہ ہادی نصف شب گزر جانے کے باوجود ابھی تک سویا نہیں تھا۔ سور کے جاتے ہی وہ پھر ٹہلنے لگا تو میں نے اس کے ذہن پر توجہ دی۔ ہادی سوچ رہا تھا کہ یہ بہت برا ہوا۔ مجھے ابراہیم حرانی کا مشورہ قبول نہیں کرنا چاہئے تھا۔ سب کو مجھی

پر شک ہوگا کہ میں نے ہارون پر قاتلانہ حملہ کرایا ہے سب جانتے ہیں کہ اسحاق میرا ہی غلام تھا۔

میں نے ہادی کے ذہن کو مزید ٹٹولا تو تفصیل معلوم ہوئی۔ واقعہ یہ تھا کہ گزشتہ روز خلوت میں ہادی کے وزیر اور بچپن کے دوست ابراہیم حرانی نے اسے ہارون کو قتل کرا دینے کا مشورہ دیا تھا۔ تھوڑے سے قیل و قال کے بعد ہادی نے یہ ذمے داری ابراہیم حرانی ہی پر ڈال دی تھی۔ اس کے ساتھ ہادی نے اسے تاکید کی تھی کہ اس معاملے میں اس کا نام نہیں آنا چاہیے۔ اس پر ابراہیم حرانی نے یقین دہانی کرائی تھی' ہارون کو اس طرح قتل کرایا جائے گا کہ کسی کو حقیقت کا علم نہیں ہوگا۔ اس کی خاطر ابراہیم حرانی نے ہادی سے اس کے ایک غلام اسحاق کو اپنی غلامی میں لینے کے لئے درخواست کی۔ ایک غلام کی اوقات ہی کیا! ہادی فوراً راضی ہوگیا۔ یہ گفتگو یوں کہ کسی کے سامنے نہیں ہوئی اور نہ ہادی نے اسحاق کو اپنی غلامی سے آزاد کرنے کا اعلان کیا اس بنا پر اسی کو مورد الزام ٹھہرایا جانا فطری امر تھا۔ ہادی کو یہی تشویش تھی۔ ہارون پر قاتلانہ حملہ کرانے کا الزام ہادی کے اقتدار کو دھچکا پہنچا سکتا تھا۔

ہادی سے دوسری غلطی یہ ہوئی تھی کہ اس نے ہارون کو خلوت میں طلب کر کے اپنے بیٹے کی بیعت پر مجبور کیا تھا۔

اسحاق قصر خلافت ہی میں رہتا تھا' سو اسے ابراہیم حرانی کے حکم کی تعمیل میں دشواری نہ ہوئی۔ اسے ہارون کے قتل کا حکم اس کے نئے آقا ابراہیم حرانی نے دیا تھا۔ ہادی کو اسحاق کے مارے جانے کا بھی افسوس تھا اگر وہ زندہ بچ جاتا تو سارا الزام اس کے وزیر پر آتا۔ زندہ گرفتار ہونے اور تفتیش کی صورت میں اسحاق' ابراہیم حرانی ہی کا نام لیتا۔ یوں گویا ہادی اپنے چھوٹے بھائی ہارون پر قاتلانہ حملہ کرانے کے الزام سے بچ جاتا۔ امرا اور اراکین سلطنت میں اب تک ہارون کی حمایت کرنے والے موجود تھے۔ ہادی کو یہ اندیشہ تھا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر یہ لوگ اس کے خلاف محاذ بنا سکتے تھے۔

اب یہ واضح ہو چکا تھا کہ ہارون کو راستے سے ہٹانے میں ہادی کی مرضی شامل تھی۔

میں اسی سبب وہاں مزید نہیں رکی۔ عارج بھی وہاں سے نکل آیا اور کہنے لگا "میں ٹھیک ہی کہہ رہا تھا نا اے دینار! ہارون پر قاتلانہ حملہ براہ راست ہادی کے حکم پہ نہ سہی مگر اس میں ہادی نے اعانت تو کی! اپنا ایک غلام تو اس کے لئے وزیر ابراہیم حرانی کو دیا!"

"اے عارج! تو مجھ سے اس طرح یہ بات کر رہا ہے جیسے میں ہادی کو بے گناہ سمجھ

رہی ہوں۔" میں دھیرے سے ہنس دی۔

اس رات تو عارج اور میں اپنے اپنے انسانی قالبوں میں اتر کر سو گئے لیکن میری تشویش دوسرے دن صبح بھی برقرار تھی۔ اب میں یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ حکمراں خاندان کے اہم افراد پر پیش آنے والے غیر متوقع واقعے کا کیا ردعمل ہوا ہے۔ میرے نزدیک بغداد کے قصر خلافت میں تین اہم شخصیات تھیں' خلیفہ ہادی' اس کا چھوٹا بھائی ہارون اور ملکہ خیزران!

☆......☆......☆

میں یہ بھی نہیں بھولی تھی کہ ہادی کو گزشتہ رات یحییٰ بن خالد برمکی کی رہائی کے لئے ترغیب دی تھی مجھے امید تھی کہ موجودہ حالات میں خلیفہ ہادی میری ترغیب سے فائدہ اٹھائے گا۔ یحییٰ بن خالد برمکی کی رہائی سے یہ تاثر ابھرتا کہ ہادی اپنے بھائی ہارون کے خلاف نہیں ورنہ وہ اس کے اتالیق اور مدار المہام کو ہرگز رہا نہ کرتا۔ میرا اندازہ درست ہی ثابت ہوا۔ وہ صبح ہی کا وقت تھا کہ میں نے محافظ دستے کے نگران سور کے ہمراہ یحییٰ بن خالد کو دیکھا۔ وہ دونوں قصر خلافت کے مرکزی حصے کی طرف جا رہے تھے۔ خلیفہ ہادی سے خلوت میں ہونے والی یحییٰ کی یہ ملاقات میری سماعت و بصارت دونوں ہی سے پوشیدہ نہ رہ سکی ظاہر ہے اس کے لئے مجھے اپنی پُراسرار قوتوں کو حرکت میں لانا پڑا تھا۔ میں تیز قدمی سے اپنی قیام گاہ کی طرف لوٹی۔ عارج وہاں نہیں تھا۔ اندر والے دالان میں اپنے بستر پر دراز ہو کر میں نے آنکھیں بند کر لیں اور وہ سب کچھ دیکھنے لگی جو دوسروں کے لئے ممکن نہیں تھا' میں چاہتی تو جیلہ کے پیکر سے نکل کر بھی خلیفہ کی خلوت میں پہنچ سکتی تھی' لیکن اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

اپنے تصور کی قوت سے میں نے خلیفہ ہادی کو اس کی نشست گاہ میں مسند پر بیٹھے دیکھا۔ اس کے سامنے مسند ہی کے قریب یحییٰ دو زانو بیٹھا تھا۔ ان دونوں کے سوا وہاں کوئی اور نہیں تھا۔ محافظ دستے کا نگران سور غالباً یحییٰ کو چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا۔

ہادی نے یحییٰ کو مخاطب کیا۔ ”کیا تم کوئی اندازہ لگا سکتے ہو اے یحییٰ کہ ہم نے تمہیں خلوت میں طلب کر کے یہ عزت کیوں بخشی ہے؟“

”اے امیر المومنین! غلام کوئی قیاس کرنے سے قاصر ہے۔ خلوت میں طلبی کی عزت بخشنے پر یہ غلام تہ دل سے حضور کا ممنون ہے۔“ یحییٰ بولا

”جو تم نہیں جانتے' وہ ہم تمہیں بتاتے ہیں یحییٰ!“ ہادی نے پہلو بدلا۔ ”اس روز

دربار عام میں تم نے جو باتیں کیں اور جس حوصلے کا ثبوت دیا' اکثر ہمیں یاد آتا رہا۔ تم جیسے لوگ کم ہوتے ہیں جو اپنی موت کو خاطر میں نہ لائیں اور جو ان کے دل میں ہو' بلا جھجک کہہ دیں۔ پھر بھی تمہاری کئی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آئیں' ہم ان کی وضاحت چاہتے ہیں۔“

”ارشاد ہو اے امیر المومنین؟“ یحییٰ ادب سے بولا۔ ”غلام ہمہ تن گوش ہے۔“

”یہ بتاؤ کہ آخر خلیفہ زادے جعفر کو ولی عہد بنانے میں کیا قباحت ہے؟“ ہادی نے دریافت کیا۔ اس وقت ہادی کی آواز میں زیادہ رعونت نہیں تھی پھر بھی اس وقت گردن اکڑی ہوئی تھی۔ رعونت میں کمی کا سبب گزشتہ رات پیش آنے والا واقعہ ہی ہو سکتا تھا' دوم میری یہ ترغیب کہ یحییٰ کو رہا کر دیا جائے' اس جیسے راست گو کو زنداں میں ڈلوا کر ہادی نے اچھا نہیں کیا۔

اس وقت یحییٰ میرے اثر میں نہیں تھا اس لیے اس نے قدرے محتاط لہجے میں ہادی کے سوال کا جواب دیا۔ ”خلیفہ زادے کو ولی عہد بنانے میں بھلا اس غلام کو کیا اعتراض کی جسارت ہو سکتی ہے لیکن اس طرح......“ وہ جھجکنے لگا۔ بہ امر مجبوری مجھے مداخلت کرنی ہی پڑی کہ کہیں بات بگڑ نہ جائے۔ دوسرے ہی لمحے یحییٰ بڑی روانی سے بولنے لگا۔ اسے میں اپنے اثر میں لے چکی تھی۔ ”لیکن اس طرح اے امیر المومنین' کیا آپ کو گمان ہے کہ امراء و اراکین سلطنت خلیفہ زادے کو خلافت سپرد کر دیں گے حالانکہ ابھی وہ بالغ نہیں ہوئے۔ غلام یہ سمجھتا ہے کہ صلوٰۃ' حج اور غزوات میں امرائے حکومت ان کی امامت سے راضی نہ ہوں گے۔“

”مگر اے یحییٰ ابھی تو ان سب امور کی انجام دہی کی خاطر ہم زندہ ہیں۔“ ہادی نے بحث کی۔

”خاکم بہ دہن اے امیر المومنین' آپ کا سایہ عاطفت ہم پر نہ رہا اور خلیفہ زادے جعفر کو تخت نشین ہونا پڑا تو یقیناً خود حضور کے خاندان والے نچلے نہیں بیٹھیں گے۔ ایسی صورت میں کیا وہ خلیفہ زادے کو حکومت کرنے دیں گے؟“ یحییٰ نے کہا۔

”صاف صاف کہو کہ وہ کیا کریں گے؟ کیا انہیں ہمارے فیصلے سے روگردانی کی ہمت ہو گی؟“ ہادی نے پوچھا۔

”گستاخی معاف اے امیر المومنین!“ یحییٰ سنبھل کر بولا۔ ”جب حضور کی زندگی میں اس فیصلے کو قبول کرنے میں دشواریاں پیش آ رہی ہیں تو بعد کی کسے خبر!...... غلام کے نزدیک اس وقت حضور کے مخالفین خلیفہ زادے کو چین نہ لینے دیں گے۔“

"تم ٹھیک کہتے ہو لیکن ان دشواریوں پر قابو پانا مشکل نہیں ہے اگر ہمارے برادر خرد ہارون نے جعفر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو پھر کسی کی مجال نہیں کہ مخالفت میں آواز بلند کر سکے۔" ہادی کی گردن کا تناؤ برقرار تھا۔

"امیر المومنین نے بجا فرمایا مگر یہی تو ممکن نہیں۔" یحییٰ نے صاف گوئی سے کام لیا۔ "حضور اگر اسے اپنے برادر خورد کی حمایت خیال نہ فرمائیں تو غلام کے نزدیک وہی بہتر ہے جو آپ کے پدر بزرگوار نے کیا۔ اگر خلیفہ مرحوم آپ کے برادر ہارون کو اپنا ولی عہد نہ بنا جاتے تو بہ لحاظ معاملات سلطنت و سیاست اور ضرورت وقت کسی ممکنہ خطرے سے بچنے کی خاطر آپ خود اپنے بھائی کو مقرر فرماتے۔ غلام آرزومند ہے کہ آپ کے پدر بزرگوار کی اولاد ہی عہدہ خلافت پر فائز رہے۔ مصلحت وقت یہی ہے اے امیر المومنین کہ آپ اپنے بھائی ہی کو ولی عہد بنائے رکھیے۔ حضور کا یہ غلام اقرار کرتا ہے کہ جب خلیفہ زادے جعفر جوان ہو جائیں گے تو ہارون کو اس پر آمادہ کر لوں گا کہ وہ خلافت سے دست کش ہو کے جعفر کی بیعت قبول کر لیں۔"

اس وقت حالات کا جبر یہ تھا کہ ہادی اپنے اوپر آنے والے الزام کے داغ کے دھونے کی غرض سے ہارون کے دست راست یحییٰ بن خالد کو رہا کر دے۔ سو وہ یحییٰ کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے بولا۔ "اے یحییٰ! ہم پہلے بھی تمہاری راست گوئی کے قائل تھے جس میں تم نے آج مزید اضافہ کر دیا۔ اس کے صلے میں ہم تمہیں آزادی عطا کرتے ہیں، مگر اس شرط پر کہ تم ہماری طرف سے ہارون کو مطمئن کر دو۔"

"غلام پوری طرح کوشش کرے گا اے امیر المومنین کہ حکم کی تعمیل کر سکے۔ اپنی رہائی پر یہ غلام حضور کا شکر گزار ہے۔" یحییٰ اپنی رہائی کا مژدہ سن کر خوش نظر آنے لگا۔ اس نے یہ وعدہ بھی ہادی سے کیا کہ آزادی سے کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھائے گا اور ہادی کا وفادار رہے گا۔ میں نے یحییٰ کی زبانی یہ باتیں سن کر آنکھیں کھول دیں کہ اب مزید کچھ سننا اور دیکھنا ضروری نہیں تھا۔

ہادی کے دل میں چور تھا اس لئے وہ منافقت بھی نہ کر سکا ورنہ اتنے بڑے واقعے کے بعد ہارون سے ضرور ملتا۔ اس کے برعکس ہادی نے یحییٰ کی رہائی کو بڑی شہرت دی۔ وہ عموماً دربار میں یہی کہتا سنائی دیتا۔ "راست گو لوگوں کی ہم بڑی قدر کرتے ہیں۔" مثال کے طور پر وہ یحییٰ کا نام لیتا۔ ہادی کے حاضر باشوں پر اس کا الٹا اثر ہوا۔ وہ یحییٰ سے حسد رکھنے

لگے۔ انہیں کسی ایسے موقع کی تلاش تھی کہ یحییٰ کو ایک بار پھر پابہ زنجیر کر سکیں۔ انہیں اس کا علم نہیں تھا کہ اندر ہی اندر ہادی کے خلاف کیا نیا طوفان کروٹیں لے رہا ہے!

ہارون پر ناکام قاتلانہ حملے کے بعد اس کی ماں ملکہ خیرزان کچھ زیادہ ہی فعال و سرگرم ہو گئی۔ تمام ہی امرائے سلطنت اس کی عزت کرتے تھے۔ ملکہ نے پردے میں رہ کر ان سے ملاقاتیں شروع کر دیں۔ اراکین سلطنت نے امراء کی روش کو دیکھا تو وہ بھی ملکہ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ ان سبھی کو رفتہ رفتہ ملکہ خیرزان اپنے چھوٹے بیٹے ہارون کے حق میں استوار کر رہی تھی۔ دبی دبی زبان میں اب یہ لوگ کہنے لگے تھے کہ ہارون کو ہادی نے ہی قتل کرانا چاہا تھا۔ اس وجہ سے بھی ان کی ہمدردیاں ہارون کے ساتھ تھیں۔ ان کے علاوہ افواج میں بڑے عہدوں پر متمکن افراد ملکہ خیرزان سے ملنے آتے۔ ایسے موقع پر اکثر ہارون بھی اپنی ماں کے ساتھ ہوتا۔ ہارون یہ محسوس کرتا تھا کہ بغداد میں اب زیادہ عرصے رہنا اس کے لئے مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ میں کئی بار اس کے اور ملکہ خیرزان کے ذہنوں کا مطالعہ کر چکی تھی۔ ان دونوں ہی کو پختہ یقین تھا کہ قاتلانہ حملے میں ہادی ہی کا ہاتھ تھا۔

میں حالات پر پوری نظر رکھے ہوئے تھی اور اس معاملے میں عارج بھی میری مدد کر رہا تھا۔ پھر بھی آدم زادوں کے اس جھگڑے سے اسے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ ایک روز عارج ہی نے مجھے بتایا۔ "اے دینار! تیرے ایما پر کل رات میں نے ہارون اور ملکہ کے درمیان خلوت میں ہونے والی بات سنی، میں ایوب کے انسانی پیکر کو یہیں گہری نیند سلا گیا تھا۔ پتا ہے تجھے وہ آدم زادی ملکہ کیا کہہ رہی تھی!"

"تو بتائے گا تو معلوم ہوگا نا!" میں بولی

"ملکہ اپنے بیٹے ہارون سے کہہ رہی تھی کہ بہت جلدی ہادی کا تختہ الٹ دے گی۔" عارج نے کہا۔ "اس کے ساتھ ملکہ نے کیا کوئی تدبیر نہیں بتائی کہ ایسا کیوں کر ممکن ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"ملکہ کا کہنا یہ ہے کہ اب امراء، اراکین سلطنت اور سرداران فوج کی اکثریت اس کے ساتھ ہے۔" عارج نے جواب دیا۔

"تجھے احساس نہیں اے عارج یہ بڑی خطرناک بات ہے۔" میں نے کہا۔

"مجھے تو اس میں کوئی خطرہ نظر نہیں آتا۔ معلوم نہیں تو کیوں ان چکروں میں پڑ گئی ہے!..... اور بتاؤں جس دن سے تو نے ان آدم زادوں کے معاملات میں زیادہ دخل اندازی

شروع کی ہے' مجھے تو جیسے بھول ہی گئی ہے۔ بتا!.....تو ہی بتا اے دینار کہ ہم نے کتنے دن صحراؤں کا رخ نہیں کیا؟..... چاندنی راتوں میں صحراؤں کی سیر کو کیا اب تیرا دل نہیں چاہتا؟''
عارج جذباتی ہو گیا۔

یہ رات کا وقت تھا اور ہم قصر کے کاموں سے فارغ ہو کر آرام کرنے اور پھر سونے کے لئے اپنے اپنے بستروں پر دراز ہوئے تھے۔ ''تو نے یہ کیا فضول باتیں شروع کر دیں اے عارج!'' میں نے آنکھیں نکالیں۔ ''کیا تو بھول گیا ہم آدم زادوں کے درمیان کیوں رہنے آئے ہیں!.....کیا تجھے پھر یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ ہمارا مقصد اللہ کے بندوں کی خدمت ہے۔''

''اللہ کا بندہ تو میں بھی ہوں اے دینار!'' عارج مظلوم سی آواز میں کہنے لگا۔

اس نے کچھ ایسے انداز میں بات کی کہ مجھے ہنسی آ گئی اور بولی۔ ''تو مجھ سے اپنی خدمت کرائے گا تو؟''

''میں نے ایک عالم جن کی زبانی سنا ہے کہ وہ ساری بیویاں' خواہ وہ آدم زادی ہو یا جن زادی سیدھی جنت میں جائیں گی جو اپنے شوہروں کی خدمت گزاری کرتی ہیں۔ ایک اور عالم سے تو میں نے یہ بھی سنا تھا کہ شوہروں کی اجازت کے بغیر بیویاں جنت ہی میں داخل نہیں ہوں گی۔ سو اگر تجھے جنت میں جانا اور ثواب کمانا ہے تو ابھی سے میری خدمت کرنے لگ جا!.....کبھی نہ کبھی تو آخر مجھے تیرا شوہر بننا ہی ہے!.....آج نہ سہی تو کل سہی!'' عارج پٹڑی سے اتر گیا۔

''سن! نہ میں تیری بیوی ہوں' نہ تو میرا شوہر! سو بہتر یہ ہے کہ کھلی آنکھوں سے خواب دیکھنا چھوڑ دے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''جو بات ہو رہی تھی' اسے سمجھنے کی کوشش کر!.....تجھے یاد ہے جب خلیفہ مہدی کا انتقال ہوا تھا تو پورے عراق میں عموماً اور بغداد میں خصوصاً حالات کتنے خراب ہو گئے تھے۔ اس وقت جب ہم ماسندان سے بغداد لوٹے تھے تو شہر کی کیا حالت تھی؟ یاد ہے تجھے! اگر اس وقت ہارون قربانی نہ دیتا تو مسلمان افواج دو حصوں میں تقسیم ہو جاتیں۔ پھر خلق خدا کا کس قدر خون بہتا' تجھے اندازہ ہے؟''

''لیکن ان دنوں تو بغداد میں امن ہے۔'' عارج بھی سنجیدہ ہو گیا۔ ''بظاہر ایسے آثار بھی نظر نہیں آتے کہ خلق خدا کے خون بہنے کا اندیشہ ہو۔ خدا جانے تو کہاں سے خون کی بو سونگھ لیتی ہے!''

''حالات ایک بار پھر اسی سمت میں جا رہے ہیں۔ امراء' اراکین سلطنت اور سرداران فوج کے درمیان تفریق کا مطلب یہی ہے۔ یہی ہو گا نہ کہ کچھ ہارون اور کچھ ہادی کے ساتھ ہو جائیں گے۔ نتیجہ کیا نکلے گا سوچا!.....خون.....خلق خدا کا خون!''

''میں نے تو نہیں سوچا کچھ بھی!'' عارج بولا۔ ''مجھے واقعی اس خطرے کا اندازہ نہیں تھا۔ تو کہہ کہ یہ خطرہ کیسے ٹالا جائے؟''

''سوچنا پڑے گا کچھ نہ کچھ!.....کوئی تدبیر نکالنی ہو گی کہ مسلمان افواج دو حصوں میں بٹ کر ایک دوسرے سے برسرِ پیکار نہ ہو جائیں۔''

میں نے کہا۔ ''اگر ہم نے ایک بار پھر ایسا ہونے سے روک دیا تو اس سے بڑی خدمت خلق کوئی اور نہیں ہو گی۔''

عارج اور میں دیر تک اس رات اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ پھر میں نے عارج کا ''شکوہ'' دور کرنے کی تجویز رکھی تو وہ خوش ہو گیا۔ بہت دن ہو گئے تھے ہم قصر خلافت سے نہیں نکلے تھے۔ ہم دونوں نے اپنے اپنے انسانی قالبوں کو گہری نیند سلا دیا اور قصر خلافت سے نکلتے ہی فضا میں پرواز کرنے لگے۔ رات کے وقت بھی بغداد اوپر سے بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ اس کے گلی کوچوں میں چاندنی بکھری ہوئی تھی۔ کھلی فضا اور کسی انسانی قالب میں پابند نہ رہنے کا لطف ہی اور ہے۔ ہم جنات ہی اس احساس کو بہ خوبی سمجھ سکتے ہیں' کوئی آدم زاد شاید اس شادمانی کو محسوس کر نہ سکے۔

''بول اے عارج! کدھر چلنا ہے؟ نجف' فلوجہ' کربلا' بصرہ' موصل بتا کس طرف چلیں؟'' میں نے عارج سے پوچھا۔

''کہیں بھی نہیں۔'' عارج نے جواب دیا۔ ''آبادی میں نہیں صحرا میں چل!''

''جیسی تیری مرضی!'' میں بولی۔ ''ویسے بابل کے کھنڈرات میں گئے بھی ایک مدت ہو گئی۔''

''تو یوں کہہ کر تجھے اپنا میکہ یاد آ رہا ہے۔'' عارج نے مجھے چھیڑا۔

''بغداد اگر میرا سسرال ہوتا تو بابل کو میکہ کہنا درست بھی ہوتا۔ تو بھی تو وہیں کا ہے۔''

''چل تو نے اس بہانے مجھ سے رشتہ تو تسلیم کر لیا جس کی حسرت نہ جانے کب پوری ہو گی!''

ایک دوسرے پر فقرے بازی کرتے ہوئے ہم بغداد کی آبادی سے دور نکل آئے۔
صحرا کا حسن ہمیں اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ ایسا نہیں کہ میرا وجود عشق سے خالی تھا اور صرف عارج کو میرے ساتھ چاندنی راتوں میں گھومنا اچھا لگتا تھا۔ بات صرف اتنی ہے کہ صنف مخالف میں برداشت کم ہوتی ہے۔ سو یہی معاملہ عارج کا تھا۔ اسے بس ذرا موقع ملنے کی دیر ہوتی کہ جذباتی مکالمے بولنے لگتا۔ کبھی کبھی میرا بھی جی چاہتا کہ اس سے اپنے جذبات کا اظہار کروں مگر رک جاتی۔ میں سوچتی کہ اظہار جذبات کا ذریعہ صرف الفاظ ہی تو نہیں۔ عشق کو تو یوں بھی محسوس کیا جاتا ہے' میرے نزدیک اس کا اظہار ضروری نہیں۔ اس رات ہم عرصہ دراز کے بعد صحرا میں اترے تو واپس جانے کو جی ہی نہ چاہا۔ پھر میں نے ہی عارج کو ٹوکا۔ ''اے عارج! تو اپنے وجود میں کتنی چاندنی سمیٹے گا!......رات اپنے آخری پہر میں داخل ہو رہی ہے' واپس چل!''

مجبوراً عارج کو اٹھنا پڑا۔ ہم چند ہی لمحوں میں بغداد کے قصر خلافت پہنچ گئے۔ جمیلہ اور ایوب ابھی تک گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ میں تو جمیلہ کے جسم میں داخل ہو گئی اور عارج' ایوب کے جسم میں اتر گیا۔ انسانی قالب میں داخل ہوتے ہی مجھ پر نیند کا غلبہ ہو گیا۔
دوسرے دن صبح ہی صبح دروازے پر زوردار دستکیں سنائی دیں تو میری آنکھ کھل گئی۔ اٹھ کر میں بیرونی دالان اور صحن عبور کر کے دروازے تک پہنچی۔ اس مرتبہ دستک کے ساتھ مجھے آواز بھی دی گئی۔ وہ نسوانی آواز میرے لئے آشنا تھی۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔
میرے سامنے خلیفہ ہادی کی ایک کنیز ہاجرہ کھڑی تھی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ کہنے لگی۔ ''اے جمیلہ! تمہیں اور تمہارے شوہر ایوب کو کیا ہو گیا ہے؟ حیرت ہے کہ تم دونوں اتنی گہری نیند سوتے ہو کہ زور زور سے دروازے پر دستکیں دینے کے باوجود نہیں جاگے!''
''خیریت تو ہے ہاجرہ؟'' میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔
''تم کچھ گھبرائی ہوئی سی لگتی ہو!''
''ہاں جمیلہ! گھبرانے کی بات تو ہے۔'' ادھیڑ عمر کنیز ہاجرہ بولی۔ ''اب تک صفیہ کی حالت ٹھیک نہیں۔ رات سے اسے جو دورہ پڑا ہے تو اب تک بال بکھرائے جھومے ہی چلی جا رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس پر پھر اس جن کا اثر ہو گیا ہے جسے پہلے بھائی ایوب نے کوئی عمل پڑھ کر بھگا دیا تھا اگر بھائی ایوب ابھی تک سو رہے ہیں تو انہیں جگا دو۔ انہوں نے ہی پہلے مجھے تاکید کی تھی کہ اب کبھی ایسا دورہ پڑے تو فوراً مجھے آ کر بتانا۔ میں اسی لیے تو رات کو

بھاگی بھاگی آئی تھی۔ تمہیں تو خبر ہے' طبیب کہتے ہیں کہ صفیہ کو کوئی بیماری نہیں۔''
کنیز ہاجرہ کی بات سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ ایک جن زادہ ہی سے اپنی بیٹی پر جن کا اثر ختم کرانے آئی تھی۔
''تم چلو' میں ابھی انہیں جگا کر اپنے ساتھ لاتی ہوں' فکر نہ کرو!'' میں نے ہاجرہ کو تسلی دی۔
''جلدی آنا جمیلہ!'' وہ واپس جاتے جاتے روہانسی آواز میں کہنے لگی۔ ''کہیں میری بچی کو کچھ ہو نہ جائے!''

☆......☆......☆

میرے وہم گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ جس آدم زاد ایوب کے جسم میں عارج نے پناہ لے رکھی ہے' اسے جن اتارنے کا بھی شوق ہوگا۔ میں اندرونی دالان کی طرف جاتے ہوئے یہ سوچ رہی تھی کہ اگر واقعی صفیہ کے جسم میں کوئی شریر جن گھس گیا ہے تو کیا ہوگا؟ تیز تیز قدم اٹھاتی میں اندرونی دالان میں پہنچی تو عارج انگڑائی لے کر بستر سے اٹھنے لگا۔
''کون تھا جس نے آ کر دروازہ پیٹ ڈالا؟'' عارج کی آواز سے بیزاری جھلک رہی تھی۔
''تو سنے گا تو اپنا سر پیٹنے لگے گا' وہ غریب تو دروازہ ہی پیٹ رہی تھی۔'' میں بولی۔
عارج کے استفسار پر جب میں نے اسے صورتحال سے آگاہ کیا تو وہ بھی چکرا کے رہ گیا' کہنے لگا۔ ''یہ تو غضب ہو گیا اے دینار! ہمارے علاوہ بھی کوئی کم بخت جن زاد یہاں قصر خلافت میں آ گھسا!''
''ابھی کیا خبر وہ کوئی جن ہے بھی یا نہیں! بہت سی دماغی بیماریاں بھی تو ہوتی ہیں جنہیں آدم زاد ہمارے سر تھوپ دیتے ہیں۔''
''نہیں۔'' عارج نے انکار میں سر ہلایا اگر اس لڑکی کو کوئی بیماری ہوتی تو طبیب کیوں کہتے کہ اسے کوئی مرض نہیں۔''
''تیری دلیل بجا سہی مگر کیا کیا جائے؟ جانا تو پڑے گا' اس کنیز کی بیٹی کو دیکھنے۔'' میں نے عارج کو سمجھایا۔ اسی وقت اچانک میرے ذہن میں ایک تدبیر آ گئی اور میں نے عارج سے کہا۔ ''صفیہ پر پہلے جن آیا تھا تو کسی عمل کے ذریعے ایوب ہی نے بھگایا تھا۔ اب بھی ایوب ہی ایسا کرے گا۔ تو اس کے جسم سے باہر آ جا! میں اسے اپنے اثر میں لے کر

ساری بات اس کو بتا دیتی ہوں۔ یہ خود وہاں جائے گا اور ہم دور سے تماشا دیکھیں گے۔ کوئی
خطرہ ہوا تو وہاں سے ہٹ جائیں گے۔ میں بھی جمیلہ کا جسم چھوڑ کر باہر آ جاتی ہوں۔ ان
دونوں میاں بیوی کو اس مسئلے سے نمٹنے دیتے ہیں۔ جمیلہ کے دماغ میں بھی میں وہ باتیں
ڈالے دیتی ہوں جو ابھی ہاجرہ سے ہوئی ہیں۔"

میری بات سن کر عارج کھل اٹھا' بولا۔ "اے دینار! تیرا کوئی جواب نہیں۔"

پھر ہم دونوں ہی انسانی قالبوں سے باہر آ گئے۔ میں نے اسی پر عمل کیا جو عارج
سے کہا تھا۔ جمیلہ اور ایوب فوراً ہی کنیز ہاجرہ کی بیٹی کو دیکھنے روانہ ہو گئے۔ عارج اور میں ان
سے کچھ فاصلے پر تھے۔ ہم چاہتے تو ان دونوں سے پہلے ہاجرہ کے یہاں پہنچ جاتے مگر دانستہ
ایسا نہیں کیا۔ بھلا ہم کیوں کوئی خطرہ مول لیتے! میں نے اس عرصے میں ایوب کے ذہن پر
توجہ دی۔ پتہ چلا کہ اسے واقعی کچھ ایسے عمل آتے ہیں جنہیں پڑھنے سے جنات بھاگ جاتے
ہیں۔ یہ بڑی عجیب اور دلچسپ صورتحال تھی کہ خود اس کے جسم پر ایک جن قابض تھا اور اسے خبر
تک نہ تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عارج نے شریر جنات جیسی کوئی حرکت نہیں کی تھی۔

درحقیقت جنات ہی کی قسموں میں سے ایک قسم اولاد ابلیس کی ہے۔ یہ جنات چوں
کہ روز اول سے آدم زادوں کے دشمن ہیں اس لیے انہیں دانستہ ایذا پہنچاتے ہیں۔ یہ کسی آدم
زاد یا آدم زادی کی تخصیص تو نہیں کرتے البتہ عموماً یہ آدم زادیوں ہی کو اپنا شکار بناتے ہیں۔
اولاد ابلیس میں جن زاد اور جن زادیاں دونوں ہیں۔ زیادہ فتنہ پرور ابلیسی جن زاد ہوتے
ہیں۔ جنات کی جس قسم سے میرا اور عارج کا تعلق ہے' میں پہلے بھی غالباً بتا چکی ہوں۔ ہم
مروہ کہلاتے ہیں۔ جو ہم میں سے ایمان والے ہیں' انہیں یہ ابلیسی جنات نقصان نہیں پہنچا
سکتے۔ ان کی قوت و طاقت ہم سے زیادہ اس لیے نہیں ہوتی کہ کلام الٰہی کے آگے یہ دم نہیں
مارتے اور فوراً فرار کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ البتہ موقع پا کر آدم زادوں کے لئے ضرور
مصیبت بن جاتے ہیں۔

اگر ہاجرہ کی بیٹی صفیہ کسی ذہنی بیماری کا شکار ہوتی تو ایوب کے کسی عمل سے صحت
یاب نہ ہو جاتی۔ میں نے اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ صفیہ کے جسم میں کوئی شریر ابلیسی جن زاد
گھس گیا ہے جو اسے ستا رہا ہے۔ واقعی ایسا ہی تھا تو پھر مجھے اور عارج کو ڈرنے کی کوئی
ضرورت نہیں تھی۔ اس کے برعکس وہ کوئی عفریت تھا تو یقیناً ہمیں نقصان پہنچا سکتا تھا۔ عفریت
بڑی مشکل سے آدم زادوں کے قبضے میں آتے ہیں۔ وہ عموماً ڈر کر نہیں بھاگتے۔ اس سے میں

نے قیاس کیا وہ کوئی عفریت نہیں ہوگا ورنہ ایوب اسے نہ بھگا سکتا۔

جمیلہ اور ایوب کے پیچھے ہم ہاجرہ کے یہاں پہنچے تو دور سے پہلے دالان میں فرش پر
بچھی ایک دری پر ایک نوجوان آدم زادی کو جھومتے دیکھا۔ اس کی عمر سولہ سترہ سال معلوم ہوتی
تھی۔ اس کا رنگ گورا' زلفیں دراز اور قد لمبا تھا۔ بلاشبہ وہ خوبصورت تھی۔ اس کی بڑی بڑی
آنکھوں میں وحشت سی رقص کر رہی تھی۔

ایوب اس کے قریب گیا تو وہ چیخ اٹھی۔ "ہٹ جا میرے پاس سے! ورنہ میں تجھے
اٹھا کر پٹخ دوں گا!" یقیناً یہ آواز غیر انسانی ہی تھی۔ میں نے دالان کے اندر ہلکی سی بدبو بھی
محسوس کر لی۔

اسی وقت حاجرہ' جمیلہ کو بتانے لگی۔ "یہ آواز صفیہ کی نہیں اسی جن کی ہے۔" کنیز کی
آواز میں خوف تھا۔

"ذرا ایک پیالے میں پانی لا دیں۔" ایوب نے ہاجرہ کو مخاطب کیا۔

ہاجرہ نے لپک کر دالان میں موجود ایک صراحی سے پیالے میں پانی انڈیلا اور
ایوب کے ہاتھ میں پیالہ دے دیا۔ ایوب نے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ پڑھ کر پانی پر دم کیا
اور اسی پانی کے چھینٹے صفیہ کے چہرے اور سر پر مارنے لگا۔ اس پر صفیہ پہلے جیسی غیر انسانی
آواز میں چیخنے چلانے لگی۔

"تو مجھے نہیں جلا سکتا!" صفیہ چیخ رہی تھی۔ "میں پھر آؤں گا...... پھر آؤں گا۔ تو
مجھے یہاں آنے سے نہیں روک سکتا!" ان الفاظ کے ساتھ ہی صفیہ کے جسم کو شدید جھٹکا لگا اور
عین اسی لمحے میں چونک اٹھی۔

میں نے اندھیرے کی چادر اوڑھ لی اور عارج سے بھی ایسا ہی کرنے کو کہا۔ بھاگتے
بھاگتے وہ ابلیسی جن زاد ہمیں وہاں دیکھ سکتا تھا۔ اس کی نظر ہم پر پڑ جاتی تو اچھا نہ ہوتا۔ ہم
جنات' آدم زادوں کو تو نظر نہیں آتے مگر ایک دوسرے کو دیکھ لیتے ہیں۔ دوسرے جنات کی نظر
میں نہ آنے کی بس یہی صورت ہے جس پر میں نے عمل کیا۔ کسی انسانی قالب میں موجود جن
زاد بھی دوسرے جنات کو دیکھنے کا اہل ہوتا ہے۔ پہلے یہ بات میرے دھیان میں نہیں آئی تھی
ورنہ احتیاط سے کام لیتی۔ اس کے باوجود اطمینان تھا کہ صفیہ کے جسم میں موجود جن زاد نے
ہمیں نہیں دیکھا ہوگا۔ اس وقت جب جنات انسانی پیکروں میں ہوتے ہیں تو وہ آدم زادوں
ہی کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ عارج اور میں' صفیہ سے دور ہی دور رہے' دوم ہم

نے اسے دیکھا' اس کی نگاہ ہماری جانب نہیں اٹھی۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ جنات بلاوجہ بھی ایک دوسرے کی چغلی کھاتے ہیں۔ اولادِ ابلیس میں تو یہ عیب عام ہے اگر وہ جن زاد ہمیں دیکھ لیتا تو جانے کہاں کہاں یہ کہتا پھرتا کہ بغداد کے قصرِ خلافت میں جنات کا ایک جوڑا رہتا ہے۔ اسی سے بچنے کے لئے میں نے حتی الامکان کوشش کی کہ وہ جن زاد ہمیں نہ دیکھ لے۔

اس ابلیسی جن زاد کے وہاں سے جاتے ہی وہ بدبو ختم ہوگئی جو مجھے محسوس ہو رہی تھی۔

صفیہ کے جسم سے اس ملعون جن زاد نے نکلتے ہوئے اسے اذیت پہنچانے کی خاطر دانستہ شدید جھٹکا دیا تھا۔ اسی جھٹکے سے صفیہ بے ہوش ہوگئی تھی۔ ہاجرہ ''میری بچی'' کہہ کر آگے بڑھی اور ایوب کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''بھائی ایوب! پہلے بھی تو ایسا ہی ہوا تھا اور آپ نے.....''

''ہاں بہن' مجھے یاد ہے۔'' ایوب بول اٹھا' پھر صفیہ کے چھوٹے بھائی کو مخاطب کیا۔ ''لو میاں' یہ پیالہ اور اس میں پانی بھر لاؤ!''

صفیہ کا چھوٹا بھائی پیالہ لے کر صراحی کی طرف بڑھ گیا۔ ہاجرہ بیوہ تھی اور اس کے دو ہی بچے تھے۔

پیالہ پھر پانی سے بھر کر ایوب کو تھما دیا گیا تو اس نے کچھ پڑھا اور پانی پر دم کیا۔

''لو ہاجرہ!'' ایوب نے پیالہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اس پانی کے چھینٹے صفیہ کے چہرے پر مارو' اسے انشاء اللہ ابھی ہوش آ جائے گا۔ جب یہ ہوش میں آ جائے تو پیالے کا بچا ہوا پانی اسے پلا دینا۔ پانی پی کر یہ سو جائے گی' سوا سے سونے دینا۔ بیدار ہونے کے بعد یہ اعتدال پر آ جائے گی۔''

''بھائی ایوب! اللہ ہی تمہیں اس نیکی کا اجر دے گا۔'' ہاجرہ دعائیں دینے لگی۔

جمیلہ اور ایوب واپسی کے لئے مڑے تو میں نے عارج کو بھی چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے شوخ آواز میں کہا۔ ''اے عارج! اب تو بھائی ایوب کے جسم میں گھس جا! کیسی مزے کی بات ہے کہ وہ جو دوسرے آدم زادوں کے جسموں میں گھسے ہوئے جنات کو بھگا دیتا ہے' خود اسی کے جسم کو ایک جن زاد نے اپنا مسکن بنا رکھا ہے!''

اس پر عارج بولا۔ ''پہلی بات تو یہ سن لے اے دینار کہ تو میرے انسانی قالب کو ہرگز بھائی ایوب نہیں کہے گی' وجہ تجھے خود معلوم ہے۔ آخر تو بھی جمیلہ کے جسم میں اترے گی۔ تو جانتی ہے کہ جمیلہ اور ایوب کے درمیان کیا رشتہ ہے!''

''مگر تیرے اور میرے درمیان تو کوئی رشتہ نہیں۔''

''ہاں کر دے انکار!..... محبت کے رشتے کو بھی جھٹلا دے اے دینار!''

''اس رشتے کو میں نے کب جھٹلایا ہے' میں تو میاں اور بیوی کے رشتے کی بات کر رہی تھی۔''

''وہ تو خیر جمیلہ کے قالب میں اتر کر تو میری بیوی ہی کہلائے گی! تو مان یا نہ مان!'' عارج مجھے ستانے پر آمادہ تھا۔

''تیری تان اسی رشتے پر آ کر کیوں ٹوٹتی ہے!''

''اے دینار! تجھے میری بیوی کہنا مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔'' عارج نے اس بھولپن سے یہ الفاظ ادا کیے کہ مجھے بھی اس پر پیار آنے لگا' مگر میں نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ میں ایسا کرتی تو وہ اور ''پھیلنے'' لگتا۔

''اے عارج! تیری پہلی بات تو میں نے سن لی۔ اب تو دوسری بات بتا جس کا تعلق ایوب کے جسم میں تیرے رہنے سے ہے۔''

''ایوب کی بے خبری اور اطمینان کا سبب یہ ہے کہ میں نے کبھی اسے کوئی تکلیف نہیں دی۔'' عارج کہنے لگا۔ ''میں بڑی آہستگی سے ایوب کے جسم میں داخل ہوتا اور اسی طرح نکل آتا ہوں۔ تو بھی یقیناً جمیلہ کے ساتھ یہی رویہ رکھتی ہوگی۔''

''میری اور جمیلہ کی بات چھوڑ اور اپنے انسانی قالب کے بارے میں سنجیدگی کے ساتھ سوچ! کہیں اسے کسی طرح یہ شبہ نہ ہو جائے کہ تو اس کے جسم میں گھسا رہتا ہے! .....اب ایوب کے متعلق یہ بات معلوم ہوگئی ہے تو ہمیں چوکنا و محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔''

''تجھے موقع ملا اور تو نے مجھے کسی نہ کسی بہانے سے ڈرانا شروع کیا اے دینار!''

''تو نہ ڈر! کسی دن ایوب تجھے ایسا دوڑائے گا یہاں سے کہ تو بابل کے کھنڈرات میں جا کر ہی دم لے گا۔''

''اور تو میرے پیچھے دوڑی آئے گی' مجھے خبر ہے' میرے بغیر تیرا جی ہی نہیں لگے گا۔''

باتیں کرتے ہوئے ہم جمیلہ اور ایوب کے ساتھ ان کی قیام گاہ میں لوٹ آئے تھے جہاں عارضی طور پر ہماری سکونت بھی تھی۔ وہ دونوں ناشتہ کر کے اٹھنے ہی والے تھے کہ

دروازے پر دستک ہوئی۔ اب تک ہم ان کے انسانی قالبوں میں نہیں اترے تھے۔

جمیلہ چٹائی سے اٹھی اور بولی۔ ''میں دیکھتی ہوں جا کر، اب کون آ گیا!''

میں، جمیلہ سے پہلے ہی دروازے تک پہنچ گئی۔ دستک دینے والا خلیفہ ہادی کا خادم خاص تھا، میں یہ دیکھ کر چونک اٹھی۔ اس کے ذہن پر توجہ دیتے ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ جمیلہ کو خلیفہ نے طلب کیا ہے۔ اس طلبی کی وجہ سے خادم خاص لاعلم تھا۔ میں تیزی سے پلٹی اور عارج کو صورتحال سے آگاہ کر کے اسے ایوب کے جسم میں اتر جانے کا مشورہ دیا۔ پھر میں دروازے کی طرف لپکی۔ خلیفہ کا خادم خاص جمیلہ کو خلیفہ کی طرف سے فوری طلبی کے بارے میں بتا رہا تھا۔ اسی لمحے میں نے جمیلہ کے جسم میں پناہ لے لی۔

''میں ابھی امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوں گی۔'' خادم خاص کو میں نے مخاطب کیا۔

اثبات میں گردن ہلا کر خادم خاص تو چلا گیا مگر مجھے فکر مند کر گیا۔ یہ بے وقت طلبی مجھے کسی نئی مصیبت کا پیش خیمہ معلوم ہو رہی تھی۔ مختصراً میں نے عارج کو کچھ ضروری مشورے دیئے اور خلیفہ ہادی سے ملنے چل دی۔ عارج اب ایوب کے جسم میں تھا۔ پہلے میں نے اس پہلو پر غور ہی نہیں کیا تھا کہ عارج کا انسانی قالب ایوب کبھی خطرہ بھی بن سکتا ہے۔ وہ باقاعدہ قسم کا کوئی عامل نہیں تھا، نہ یہ اس کا پیشہ تھا۔ وہ کسی سے اس خدمت کا معاوضہ قبول نہیں کرتا تھا۔ اس کے متعلق کم ہی لوگوں کو یہ بات معلوم تھی کہ کسی آدم زاد یا آدم زادی پر اگر کوئی جن آ جائے تو وہ اسے بھاگنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ یہ علم ایوب کو اس کے مرحوم والد سے حاصل ہوا تھا۔ یہ ساری باتیں ایوب کے ماضی سے متعلق تھیں جو مجھے اس کا ذہن پڑھ کر معلوم ہوئیں۔ فی الحال ایوب کی طرف سے کوئی فوری خطرہ نہیں تھا اس لیے میرا ذہن خلیفہ ہادی کی طرف منتقل ہو گیا۔ خلیفہ نے خلوت میں مجھ سے ملاقات کی اور پست آواز میں بولا۔ ''اے جمیلہ! ہم تجھے انعام و اکرام سے نوازنا چاہتے ہیں، مگر اس کے لئے تجھے ہماری خدمت انجام دینی ہوگی۔ اس قصر کے بوڑھے نگران اعلیٰ موسیٰ بن کعب کو تو جانتی ہے؟''

موسیٰ بن کعب کا نام سن کر میں کھٹکی۔ یہ وہی گھاگ تھا جسے اپنے حق میں کرنے کے لئے عامل کوذا اور خلافت کے دعویدار عیسیٰ نے ایک خوب صورت کنیز فائقہ بھیجی تھی۔ اس کنیز کا قصہ میں پہلے بیان کر چکی ہوں، یہاں صرف یاد دہانی مقصود ہے۔ اس موسیٰ بن کعب سے میں نے وہ مکان خریدا تھا جہاں جنوبی بغداد کے ایک علاقہ حربیہ میں مطب کھولا تھا۔ یہ برسوں پہلے

اس وقت کی بات تھی جب خلیفہ منصور حکمرانی کر رہا تھا۔ موسیٰ کے نام نے جیسے ماضی کے دریچے کھول دیئے، مگر میں نے فوراً ہی خود پر قابو پالیا۔

''جی ہاں اے امیر المومنین! میں محترم موسیٰ بن کعب کو جانتی ہوں'' میں نے خلیفہ کے سوال کا جواب دیا۔

''تو سن! موسیٰ کو محکمہ نظارت (نگہبانی) کا نگراں ہونے کی بنا پر ہماری طرف سے یہ اختیار حاصل ہے کہ کسی بھی خادم یا خادمہ کا تبادلہ کسی کے پاس بھی کر دے۔ سو وہ تمہارا تبادلہ ہماری مادر محترم کے پاس کرنے والا ہے اور ایسا ہمارے ہی ایما پر ہو رہا ہے۔'' ہادی کا انداز سمجھانے والا تھا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید بولا ''مگر اس تبادلے سے تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ حسب سابق ہمارے دیگر خدام کی طرح تمہیں پانچ درہم ماہانہ تنخواہ دیگر مراعات کے علاوہ ملتی رہے گی۔ تم چاہو تو ہم سے اس خصوصی نوازش کی وجہ معلوم کر سکتی ہو۔''

خلیفہ ہادی جب خود ہی سب کچھ بتا رہا تھا تو میں نے اس کے ذہن پر توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ میں نے ہادی کی خواہش پر ''خصوصی نوازش'' کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگا۔ ''تمہیں مادر محترم کی نقل و حرکت پر نظر رکھنی ہے۔ روز تمہیں خبر دینی ہے کہ ان سے کون کون ملا، لیکن اس کے لئے تم ہمارے پاس نہیں آؤ گی نہ ہم تمہیں طلب کریں گے۔ روزانہ رات کو تم پوری روداد اپنے شوہر ایوب سے بیان کیا کرو گی۔ ایوب ہمیں یہ خبریں پہنچائے گا۔ تمہارے بعد ہم ایوب کو طلب کر کے اسے بھی اپنا حکم سنا دیتے ہیں۔ یہ ذہن میں رکھ لینا جمیلہ تم نے کسی پر اس خدمت کا اظہار کیا تو نہ صرف انعام و اکرام بلکہ اپنی جان سے بھی جاؤ گی!''

وہ مصلحت اندیش و زمانہ ساز ''تو'' سے مجھے ''تم'' کہنے لگا۔ یوں گویا اس نے مجھے عزت دی تھی، لیکن راز افشا ہونے کی صورت میں موت کی دھمکی بھی ساتھ تھی۔

مجھے اس عاقبت نااندیش آدم زاد خلیفہ ہادی پر ہنسی آنے لگی جس نے نبیذ پی پی کر اپنی صحت تباہ کر لی تھی۔ وہ جوانی میں بھی بوڑھا معلوم ہونے لگا تھا۔ اعلیٰ درجے کی پوشاک پہن کر جب وہ چلتا تو یوں محسوس ہوتا جیسے کسی بانس پر ریشمی لباس ٹانگ دیا گیا ہو۔ اس پر بھی اپنی طرف دبے پاؤں بڑھنے والی موت سے بے خبر وہ دوسروں کو موت کی دھمکیاں دیتا تھا۔ اس لاعلم آدم زاد کو علم ہی نہیں تھا کہ وہ کسی معمولی خادمہ سے نہیں ایک جن زادی سے ہم کلام ہے جو چاہے تو اسی وقت اسے الٹا لٹکا سکتی ہے۔

اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے میں نے اپنی ''عزت افزائی'' کا شکریہ ادا کیا۔

''آج موسیٰ کا دفتر کھلتے ہی تم اس سے مل لینا۔ اپنے تبادلے کا پروانہ تمہیں اس سے مل جائے گا جسے تم مادر محترم کی خدمت میں پیش کر سکو گی۔'' ہادی بتانے لگا ''ہم تمہیں ایک اطمینان اور دلا دیں کہ تمہارا تبادلہ مصلحتاً اور وقتی طور پر کیا جا رہا ہے۔ ہم تمہیں پھر اپنی خدمت میں بلا لیں گے۔ اچھا اب تو جاؤ اور اپنے شوہر ایوب کو ہمارے پاس بھیج دو!''

میں احتراماً خلیفہ ہادی کے سامنے تھوڑی سی جھکی اور پھر اس کی نشست گاہ سے نکل آئی۔

واقعی ہادی ایک بے وقوف آدم زاد تھا۔ ورنہ مجھے اپنی ماں کی سراغ رسانی پر متعین نہ کرتا۔ وہ یہ بھول ہی گیا تھا کہ میرے ہی ہاتھوں اس نے اپنی ماں کو زہر آلود پلاؤ بھیجا تھا۔ ایسی مشتبہ خادمہ کو کوئی کیسے قبول کر لیتا' خاص طور پر ملکہ خیرزان جیسی ذہین آدم زادی! اس نے اپنی فطری ذہانت ہی کو بروئے کار لا کر زہر آلود پلاؤ کے واقعے کو عام نہیں ہونے دیا تھا۔ خود ملکہ کی عزت نفس پر اس واقعے کے ظاہر ہونے سے ضرب پڑتی کہ اس کا بڑا بیٹا اسے زہر دلوا کر مار ڈالنا چاہتا ہے۔

اپنے بیٹے ہادی کی طرح ملکہ خیرزان بھی منتقم مزاج تھی' مگر وہ اپنے رویے سے یہ ظاہر نہ ہونے دیتی۔

خلیفہ ہادی کے پاس سے واپس آ کر عارج کو میں نے ساری بات بتا دی تو وہ بھی فکر مند ہو گیا اور بولا۔ ''آخر یہ ہادی چاہتا کیا ہے؟''

''چاہے گا کیا' ان لوگوں پر سختی کرے گا جو اس کی ماں سے ملتے ہیں۔ ان کے لئے وہ مجھے وہاں بھجوا رہا ہے تاکہ کوئی شک و شبہ نہ رہے۔'' میں نے کہا۔ ''تو جا عارج' خلیفہ تیرا منتظر ہو گا۔ میں جا کر دیکھتی ہوں' شاید موسیٰ کا دفتر کھل گیا ہو۔''

پھر عارج تو خلیفہ ہادی سے ملنے چلا گیا اور میں چادر میں اپنے انسانی قالب کو اچھی طرح لپیٹ کر محکمہ نظارت کے دفتر پہنچ گئی جو قصر خلافت ہی کی حدود میں تھا۔ عرصہ دراز کے بعد میں نے موسیٰ بن کعب کو دیکھا۔ اس کی تو صورت ہی بدل گئی تھی۔ گلے کی کھال مجھے لٹکی ہوئی دکھائی دی' اس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑے تھے۔ اقتدار اور مال و دولت کسی آدم زاد کو نہ تو بوڑھا ہونے سے روک سکتے ہیں نہ مرنے سے! میرے تبادلے کا پروانہ پہلے سے موسیٰ کے پاس لکھا رکھا تھا۔ میں نے وہ پروانہ وصول کیا اور چلی آئی۔ اب مجھے ملکہ خیرزان سے ملنا تھا۔ قصر خلافت کے اقامتی حصے میں داخل ہو کر جلد ہی میں ملکہ خیرزان کے روبرو پہنچ

گئی۔

''تم وہی ہو جو ہمارے لئے اپنے خلیفہ کی طرف سے بھیجا ہوا پلاؤ لے کر آئی تھیں؟'' ملکہ کی آواز میں چبھن نمایاں تھی۔ ''کیسے آئی ہو؟''

میں نے تبادلے کا پروانہ ملکہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ملکہ نے پروانے پر ایک نظر ڈالی اور اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ ملکہ نے غصے سے تبادلے کا پروانہ میری طرف اچھال دیا اور سخت لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوئی۔ ''اپنے خلیفہ سے جا کر کہہ دو کہ ہم تمہیں اپنی خدمت میں قبول نہیں کر رہے۔ ہم کسی حکم کے پابند نہیں...... جاؤ!'' ملکہ خیرزان غضب ناک نظر آنے لگی۔ کبھی پہلے میں نے ملکہ کو اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ یقیناً معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی تھی۔

اب صورت حال روز بہ روز کشیدہ ہوتی جا رہی تھی۔ ملکہ خیرزان کے سامنے میں کسی مجرم کی طرح کھڑی تھی۔ مجھ سے کچھ ہی فاصلے پر میرے تبادلے کا پروانہ فرش پر پڑا تھا۔ میں نے جھک کر اسے اٹھایا' ادب سے ملکہ کے روبرو جھکی اور الٹے قدموں اس کی نشست گاہ سے باہر نکل آئی۔ بغداد کے قصر خلافت میں کیا کشمکش جاری ہے' عوام اس سے بے خبر تھے۔ اگر انہیں اس بارے میں کچھ سن گن لگ بھی جاتی تو وہ کچھ نہ کر پاتے۔ عوام کو تو ہر زمانے میں حکمرانوں نے اسی طرح بے بس و مجبور بنا کے رکھا ہے۔

ملکہ خیرزان نے مجھے اپنی خدمت میں قبول نہیں کیا تھا۔ یوں گویا اپنی دانست میں اس نے اپنے بڑے بیٹے خلیفہ وقت ہادی کی کسی ممکنہ سازش سے خود کو بچا لیا تھا۔ بلاشبہ وہ ایک ذہین آدم زادی تھی۔ اس نے اپنی مختصر سی زندگی میں اچھے اور برے دونوں دور دیکھے تھے۔ کبھی جس قصر میں اس کا سکہ چلتا تھا اور اسکا شوہر خلیفہ مہدی زندہ تھا' آج اسی جگہ وہ بے بس تھی۔ اسے زہر دے کر مار ڈالنے کی کوشش کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اس کے لئے ہادی نے مجھے آلہ کار بنایا مگر میں نے اس کے سازشی منصوبے کو ناکام بنا دیا۔ ملکہ کا مجھے قبول کرنے سے انکار جہاں اس کے لئے سود مند ہو سکتا تھا وہیں میں بھی ایک امتحان میں پڑنے سے بچ گئی تھی۔

موجودہ حالات میں یہ ضروری تھا کہ میں فوری طور پر خلیفہ ہادی سے مل کر اسے اس کی ماں کے فیصلے سے آگاہ کر دیتی۔ اسی سبب میں نے قصر کے مرکزی حصے کی راہ لی۔ ہادی کے خادم خاص سے میں نے کہلوایا کہ اس سے ملنے کی اجازت چاہتی ہوں۔

جب خلیفہ نے مجھے اپنی خلوت میں بلوایا تو اس کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے۔

وہ سخت لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوا۔ "کیوں آئی ہے تو ہمارے پاس جب کہ ہم نے تجھے طلب نہیں کیا تھا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے میرے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

وہاں خلیفہ اور میرے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ میں نے حیرت انگیز پراسرار قوتوں کی مالک ایک جن زادی ہونے کے باوجود اب تک بڑے صبر وتحمل سے کام لیا تھا ورنہ اس شخص خورے آدم زاد کا گلا دبا دینا کون سا مشکل کام تھا! وہ چند لمحے بعد ہی کسی مردہ چوہے کی طرح اپنی مسند پر پڑا ہوتا۔ وہ اپنے باپ مہدی کا قاتل تھا یا نہیں لیکن اس کی گواہ تو میں خود تھی کہ اس نے اپنی ماں کو زہر دینا چاہا تھا۔ اس کی فرد عمل کو سیاہ کرنے کے لئے اتنا بھی کافی تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ اس وقت مجھے خلیفہ ہادی کے سخت لہجے اور ناروا سلوک پر غصہ آ گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے دماغ پر میں نے قبضہ کر لیا اور اسے حکم دیا۔ "اے آدم زاد! میرے ساتھ گستاخی سے پیش آنے کی سزا میں اپنے منہ پر خود ہی طمانچے لگا!"

ہادی نے فوری طور پر میرے حکم کی تعمیل میں اپنے منہ پر طمانچے مارنے شروع کر دیئے۔ جب اس کے دونوں زردی مائل رخسار سرخ ہو گئے تو میں نے اسے روک دیا۔ فی الحال اس حکمراں آدم زاد کے لئے اتنی ہی سزا کافی تھی۔ یہ لمحات میں نے اس کے ذہن سے محو کر دیئے۔

"تجھے اس معاملے میں جو کرنا ہے خود ہی کر!" میں اس کے دماغ میں بولی۔ "جمیلہ اور ایوب کو اس جھگڑے سے دور رکھ! تیرے حق میں یہی بہتر ہے۔" میں خود ہادی ہی کی آواز میں اسے تاکید کر رہی تھی۔ میرا مقصد یہ تھا کہ وہ اسے اپنے ضمیر کی آواز خیال کرے۔

اس کے بعد میں نے ہادی کو کچھ مزید ہدایات دیں اور پھر اسے اپنے اثر سے آزاد کر دیا۔

"اے جمیلہ! تیرے تبادلے کا حکم آج ہی واپس لے لیا جائے گا۔ بھول جا وہ سب کچھ جو ہم نے تجھ سے اپنی مادر محترم کی نگرانی کے بارے میں کہا تھا۔ پھر بھی ہمیں بتا کہ تو نے جب اپنے تبادلے کا پروانہ ان کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے کیا فرمایا؟" ہادی نے پوچھا۔

ملکہ خیزران نے جو کچھ کہا تھا لفظ بہ لفظ میں نے بیان کر دیا۔

"جب ہمیں اطلاع دی گئی کہ تو باریابی کی اجازت چاہتی ہے تو ہم تبھی سمجھ گئے

تھے کہ مادر محترم نے تجھے اپنی خدمت میں قبول نہیں کیا ہوگا۔" ہادی بولا۔ "اپنے شوہر ایوب سے بھی تاکید کر دے کہ وہ کسی سے بھی اس معاملے کا ذکر نہ کرے۔ ہم ابھی خود مادر محترم سے مل کر تصدیق کئے لیتے ہیں کہ ہمیں ملنے والی اطلاعات درست ہیں یا نہیں! ...... اور یہ کہ امراء و اراکین سلطنت میں سے کون کون ان سے ملنے آتا ہے۔ اسی کے بعد ہم آج دربار عام میں جائیں گے۔ تو اب خود کو اس خدمت سے آزاد سمجھ!"

"شکریہ اے امیر المومنین! ...کنیز رخصت کی اجازت چاہتی ہے۔" میں نے مودب لہجہ اختیار کیا کیوں کہ اب وہ میرے اثر میں نہیں تھا۔ ہادی نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے رخصت کی اجازت دی اور اپنی مسند سے اٹھ کھڑا ہوا۔

میں وہاں سے نکل کر تیز قدمی کے ساتھ اپنی قیام گاہ تک پہنچی۔ ایوب کے انسانی پیکر میں عارج وہاں نہیں تھا۔ خلیفہ ہادی خود اپنی ماں سے ملنے کا ارادہ ظاہر کر چکا تھا۔ میں اسی لئے اس موقع پر وہاں بہ ذات خود موجود رہنا چاہتی تھی تاکہ ہادی بے قابو ہو کر غصے میں کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھے۔ وہ ایسا کرتا تو میں اسے روک دیتی۔ میری اس تمام تر تگ و دو کا مقصد محض یہ تھا کہ مسلمانوں کی اتنی بڑی مملکت کی طاقت دو حصوں میں تقسیم نہ ہو۔ اس طرح مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان ہوتا۔ میرے نزدیک ابھی گویا گھر کی بات گھر ہی میں تھی۔ یہ بات ابھی بغداد کی حدود سے باہر نہیں نکلی تھی کہ خلیفہ ہادی اور اس کے چھوٹے بھائی ہارون الرشید میں سخت اختلافات ہیں۔ مزید یہ کہ ہادی اسی سبب اپنی ماں ملکہ خیزران کا بھی دشمن بن چکا ہے کیونکہ وہ ہارون کی حمایتی ہے۔

جمیلہ کے جسم سے نکل کر میں نے اس پر نیند مسلط کر دی اور ایک مرتبہ پھر ملکہ خیزران کے پاس پہنچ گئی۔ اس بار وہ مجھے دیکھنے سے قاصر تھی۔ اسے میں نے نشست گاہ کی طرف قدم بڑھاتے دیکھا۔ ابھی ایک خادمہ اسے خلیفہ ہادی کے آنے کی اطلاع دے کر گئی تھی۔ ملکہ چاہتی تو ہادی کو اپنی عالی شان اقامت گاہ کے اندرونی حصے میں بھی بلوا سکتی تھی۔ ہادی بہر حال اس کا بیٹا تھا' مگر اس نے دانستہ ایسا نہیں کیا۔ اس کا یہ سلوک ہارون کے ساتھ نہیں تھا۔ ملکہ اس طرح ہادی کو شاید یہ احساس دلانا چاہتی تھی کہ اسے اپنا نہیں غیر سمجھتی ہے۔ ہادی کو بھی ملکہ سے اس رویے کی یقیناً امید نہیں ہوگی کہ اسے بھی غیروں کی طرح ملاقات کی خاطر نشست گاہ میں بٹھا دیا جائے گا۔ اس کے چہرے پر اسی لئے ناگواری کے آثار تھے۔

پھر جب ملکہ خیزران اپنی نشست گاہ میں آئی تو بیٹے کی حیثیت سے اٹھ کر ہادی نے اسے تعظیم نہیں دی۔

ملکہ خیزران اپنی مسند پر بیٹھتے ہوئے قدرے بوجھل آواز میں کہنے لگی۔ "اے ہادی! کاش تم ہمارے بیٹے نہ ہوتے اور اے کاش تمہیں بری صحبت نہ ملی ہوتی' کاش تمہیں والدین کا ادب کرنا آتا۔" ملکہ کی آواز سے دکھ جھلک رہا تھا۔

"اور اے کاش! آپ نے بھی ہمیں اپنا بیٹا سمجھا ہوتا اور یوں غیروں کی طرح یہاں نشست گاہ میں نہ بٹھایا ہوتا۔" ہادی نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا' پھر کہنے لگا۔ "یوں بھی ہم اس وقت بہ حیثیت خلیفہ وقت آپ سے ملنے آئے ہیں۔"

"کہو اے خلیفہ تمہیں ہم سے کیا کہنا ہے؟" ملکہ خیزران کی آواز میں بڑی تمکنت اور وقار تھا۔

"ہمیں آپ سے چند باتوں کی وضاحت چاہئے!" خلیفہ ہادی اپنی ماں کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ "جواب دیجئے کہ سلطنت و حکومت آپ کا حصہ ہے یا ہمارا؟ اس مملکت کے حکمراں ہم ہیں یا آپ؟"

"تم ہم سے ہماری حیثیت و مرتبے کو بھول کے بات کر رہے ہو!" ملکہ نے سخت لہجے میں کہا۔ "اگر تم خلیفہ ہو تو ہم بھی خلیفہ مرحوم کی ملکہ ہیں۔ تمہیں ہم سے جواب طلبی کا اختیار نہیں۔ پھر تمہیں یہ شک کیوں ہے کہ تم حکمراں نہیں ہو؟"

"اس لئے کہ ہمیں معتبر اطلاعات ملی ہیں کہ آپ سلطنت کے معاملات میں بے جا مداخلت کر رہی ہیں۔" ہادی بولا۔

"لیکن کس طرح؟ ہمارے پاس تو کسی کو کوئی حکم دینے کا اختیار ہی نہیں۔"

"ہم اسی پر تو آپ سے احتجاج کرنے آئے ہیں کہ بے اختیار ہونے کے باوجود اپنا حکم چلا رہی ہیں۔ سچ بتائیں امرائے دولت' اراکین سلطنت اور سرداران فوج آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوتے؟" ہادی نے منہ بنا کر پوچھا۔

"ہاں وہ مشاورت کی غرض سے ہمارے پاس آتے ہیں۔" ملکہ خیزران نے اقرار کیا۔ "یہ ان کی لائقی ہے کہ وہ ہمارے مشوروں کو حکم جان کے ان پر عمل کرتے ہیں۔ ہم ان کے لئے احکام صادر نہیں کرتے حالانکہ اس کے اہل ہیں!"

"تو کیا آپ ہمیں نااہل سمجھتی ہیں؟" ہادی غصے میں آ گیا۔

"اگر تم اہل ہوتے تو عمالِ حکومت ہم سے مشورے کرنے نہ آتے۔" ملکہ خیزران نے بلا جھجک کہہ دیا۔

"ہمارے بارے میں آپ کا خیال قطعی غلط ہے!" ہادی کی آواز تیز اور بلند ہو گئی۔

"خلیفہ! اپنی آواز پست رکھو اور یہ نہ بھولو کہ ایک ملکہ سے ہم کلام ہو!"

"آپ کبھی ملکہ تھیں مگر اب نہیں ہیں!" ہادی بہ دستور سخت لہجہ اختیار کئے رہا۔ "آپ کا کام اس عمر میں اللہ کو یاد کرنا ہے' نہ کہ امور مملکت میں رخنہ اندازی!...... حکمراں وقت ہم ہیں کوئی اور نہیں۔ اسے ہم ثابت کر دیں گے!...... ہم بہ خوبی واقف ہیں کہ آپ رفتہ رفتہ امراء و اراکین سلطنت اور سرداران فوج کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف محاذ بنا رہی ہیں۔ اب اگر اب ان میں سے کوئی بھی آپ سے ملا تو ہم اس کی گردن اڑوا دیں گے!...... ایسے کسی بھی شخص کا مال و اسباب ضبط کر لیا جائے گا۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہمارے خلیفہ ہونے کے باوجود سرداران لشکر اور عمال سلطنت صبح و شام آپ کے پاس آتے ہیں۔ کیا آپ کو کوئی اور کام نہیں؟...... عمر کا تقاضا ہے کہ آپ قرآن کریم کی تلاوت کریں اور اپنی آخرت سنواریں۔ خبردار! اگر کوئی عامل یا حکومتی عہدیدار آپ سے ملنے آئے تو اسے اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دیجئے گا ورنہ......" ہادی اپنی ماں کی مزید بے عزتی کرنے کے درپے تھا کہ اسے میں نے اپنے اثر میں لے کر وہاں سے اٹھنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے اپنا جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا تھا۔

"اپنی بات پوری کرو خلیفہ!" ملکہ خیزران کا چہرہ بھی غیرت و غصے کے مارے سرخ ہو گیا۔ "بتاؤ خلیفہ ورنہ تم کیا کر لو گے؟"

"یہ آنے والا وقت آپ کو بتائے گا۔" ہادی یہ کہہ کر نشست گاہ کے دروازے سے باہر نکل گیا۔

جو کچھ بھی ہوا' خاصی حد تک میری مرضی کے مطابق ہی ہوا تھا۔ ہادی نے میری ہدایات ہی پر عمل کیا تھا۔ میں البتہ ملکہ خیزران کی عزت نفس کو مجروح کرنے کے حق میں نہیں تھی۔ ہادی کو میں نے بے قابو ہونے سے کئی بار روک لیا تھا ورنہ بیہودہ گوئی تو جیسے اس کی سرشت میں شامل تھی۔ اگر ملکہ خیزران پیچھے ہٹ جاتی تو محاذ آرائی کی نوبت نہ آتی۔ یہ تو

بہر حال ممکن نہیں تھا کہ ہادی خلافت سے دست بردار ہو جاتا۔ ایسی صورت میں ملکہ ہی کو امور سلطنت میں مداخلت سے روکنا ضروری تھا۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ملکہ خیزران کے دماغ میں بھی یہ بات بٹھا دی کہ دونوں بھائیوں ہادی اور ہارون کے درمیان معرکہ آرائی کسی بھی سطح پر مملکت کے لئے سود مند ثابت نہیں ہوگی۔ وہ ہادی کو خلافت کے عہدے سے ہٹانے کی کوشش نہ کرے۔

"تم آخر کون ہو جو ہمارے دماغ میں سرگوشیاں کر رہی ہو؟" ملکہ خیزران بڑبڑانے لگی۔

"کیا تم خود اپنی آواز نہیں پہچانتیں!" میں اسی کی آواز میں بولی کہ یہ میرا آزمودہ "نسخہ" تھا۔ "میں تمہارے ضمیر کی آواز ہوں۔"

وہ کوئی اور نہیں' ذہین و بردبار ملکہ خیزران تھی۔ اس نے میری سرگوشی سن کر انکار میں سر ہلایا۔ "یہ ناممکن ہے کہ بولے بغیر کوئی اپنی ہی آواز سن لے۔" ملکہ نے زیر لب کہا۔ "تم ہرگز ہمارے ضمیر کی آواز نہیں ہو سکتیں کیوں کہ ہمارا ضمیر ابھی مردہ نہیں ہوا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم یقیناً تمہاری بات مان لیتے۔ ہم سمجھ گئے ہیں کہ تم کوئی پراسرار وجود ہو۔ شاید ہمارے بیٹے ہادی نے کسی عمل کرنے والے کو اپنے اقتدار کے بل پر خرید لیا ہے اور وہ اسی عامل کے ذریعے......"

میں نے ملکہ کی بات کاٹ دی اور کہا۔ "مجھے تم نے غلط سمجھا کہ میں کسی عامل کی آلہ کار ہوں اور تمہارے ضمیر کی آواز نہیں۔"

"تم اگر حقیقتاً ہمارے ضمیر کی آواز ہوتیں تو ہادی ہی کو خلیفہ تسلیم کرنے کے لئے نہ کہتیں۔"

ملکہ خیزران کی دلیل بڑی مضبوط تھی۔ اس کے معاملے میں میرا آزمودہ "نسخہ" کارگر ثابت نہیں ہوا تھا۔ اس آدم زادی نے مجھ جن زادی کو لاجواب کر دیا تھا۔ اس پر بھی میں مایوس نہیں ہوئی۔ اپنی مزید پراسرار قوتوں کے ذریعے ملکہ کے دماغ کو قابو میں کر کے میں نے اپنا مقصد بہر حال حاصل کر لیا۔

میری پراسرار قوتوں کے زیر اثر ملکہ خیزران خوابیدہ اور دھیمی آواز میں بولنے لگی۔

"ہاں... دونوں بھائی لڑے تو اس سے مملکت کی قوت واقعی دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گی۔

مجھے فوج کے سرداروں' امراء و اراکین سلطنت کو ہادی کے خلاف نہیں اکسانا چاہئے...... اس سے طاقت ٹوٹ جائے گی اور ہم دو حصوں میں بٹ جائیں گے...... ہم اپنا فیصلہ اپنے اللہ پر چھوڑتے ہیں کہ وہی سب سے بڑا انصاف کرنے والا ہے...... اللہ ہمیں صبر دے کہ ہم حالات سے مصالحت کر سکیں۔"

ہم جنات کے پاس اپنے کام نکالنے کے کئی راستے ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ آدم زادوں کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے مگر ہم انہیں بڑی آسانی سے قابو میں کر لیتے ہیں۔ اس کا سبب آدم زادوں کی وہ کمزوریاں ہوتی ہیں جن پر وہ قابو نہیں پاتے۔ اقتدار کی ہوس بھی میرے نزدیک ایک کمزوری ہے۔ خلیفہ ہادی بھی اس کمزوری میں مبتلا تھا۔ وہ نہ صرف خود اقتدار پر قابض رہنے کا خواہش مند تھا بلکہ اپنی آئندہ نسلوں کے لئے بھی راہ ہموار کر دینا چاہتا تھا کہ اقتدار انہی کے پاس رہے۔ اگر وہ اس کمزوری میں مبتلا نہ ہوتا تو یقیناً بہت سے ناخوشگوار واقعات پیش نہ آتے۔ اس کے علاوہ اپنے چھوٹے بھائی ہارون کا حق مارنے کی خاطر وہ سرگرم نہ ہوتا' اپنے نوعمر بیٹے جعفر کو اپنا ولی عہد بنانے کی کوشش نہ کرتا اور اپنی ماں کی عزت نفس کو مجروح نہ کرتا۔

ہادی نے تو حد ہی کر دی۔ ملکہ خیزران کی قیام گاہ سے نکل کر جب میں دربار عام میں پہنچی تو ہادی کو اپنی ماں کی غیبت کرتے سنا۔ اس بے عقل آدم زاد نے ایسا کرتے ہوئے یہ بھی نہ سوچا کہ اپنی ماں کی برائی کر کے وہ اپنے ہی خاندان کو بے عزت کر رہا ہے۔ ہادی جس طرح غصے میں بھرا ہوا ملکہ خیزران کی نشست گاہ سے نکلا تھا' اسے پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے دربار عام کا رخ کیا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ ہادی ایسی ہی کوئی حماقت نہ کر بیٹھے۔ اس کے غلط اثرات بھی مرتب ہو سکتے تھے۔ حالانکہ ہارون اپنے بھائی کے دربار میں نہیں جاتا تھا مگر اسے دربار کی پوری روداد معلوم ہو جاتی تھی۔ ہارون کی معلومات کا ذریعہ وہ امرائے دربار تھے جنہوں نے ہمیشہ حق بات کی تھی۔ مصلحت وقت کے پیش نظر اور ہارون کی تاکید کے سبب انہوں نے ہادی کی حماقتوں اور غیر منصفانہ اقدامات پر خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ مجھے اندیشہ یہ تھا کہ ہارون کو جب اپنی ماں کے متعلق برسر دربار کی جانے والی گفتگو کا علم ہوا تو وہ انتہائی غصے میں بھی آ سکتا ہے۔ اس بدنصیب آدم زاد ہادی کے سوا بھلا کون اپنی ماں کی تذلیل برداشت کرتا۔ سو ہارون کی جانب سے میرا یہ خدشہ غلط نہ تھا۔ میرا یہ اندازہ بھی درست نکلا تھا

کہ ہادی دربار عام میں بھی اپنے دل کے پھپھولے پھوڑ سکتا ہے۔

خلیفہ ہادی کو میں نے دربار عام میں امرائے سلطنت اور افسران فوج سے یہ دریافت کرتے سنا۔ "بولو تم میں سے کون اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کی ماں، مردوں سے باتیں کرے اور پھر وہی باتیں مردوں میں بیان کی جائیں؟"

"اے امیر المومنین! ہم میں سے کوئی اس ناپسندیدہ عمل کو گوارہ نہیں کرے گا۔" کئی آوازیں ایک ساتھ ابھریں۔

وزیر ابراہیم حرانی بھی دربار میں موجود تھا۔ وہ تو خود ہی ہادی کو ہارون اور خیزران کے بارے میں بھڑکاتا رہتا تھا۔ ہادی کی باتوں سے یقیناً اس نے اندازہ کر لیا کہ اشارہ کس طرف ہے اور اسی لئے بول اٹھا۔ "کوئی غیرت مند مرد اپنی ماں کا ذکر دوسرے مردوں کی زبان سے قطعی برداشت نہیں کرے گا۔ ماں اور بیٹے کا رشتہ بڑا محترم ہے، مگر اسی وقت تک کہ ہر دو جانب سے اس کا احترام کیا جائے۔"

"تم نے حق بات کی ابراہیم! اصل بات یہی ہے۔" ہادی کہنے لگا۔ "تالی دونوں ہی ہاتھوں سے بجتی ہے۔ یک طرفہ کچھ نہیں ہوتا۔ اگر ایک بیٹے پر ماں کے حقوق کی ادائیگی فرض ہے تو ماں پر بھی بیٹے کے حقوق ادا کرنا لازم ہے۔" ہادی نے گویا اپنی ماں کے خلاف بہ طور تمہید یہ دلیل پیش کی، پھر اپنے اصل مقصد پر آ گیا، بولا۔ "شاید تم میں سے کچھ کو یا بہت سوں کو یہ غلط فہمی ہو کہ ہم قصر خلافت اور اس سے باہر بغداد شہر میں بلکہ نجف و کربلا و کوفہ تیز مملکت کے دیگر شہروں کے حالات کا علم نہیں رکھتے۔ سو ایسا نہیں۔ بغاوتیں عموماً اقتدار کے ایوانوں ہی میں جنم لیتی ہیں۔ ہم نے بھی قصر خلافت میں ایک بغاوت کی آہٹ محسوس کر لی ہے۔ تفصیل سے قطع نظر ہم تم سب کو نصیحت کرتے اور حکم دیتے ہیں کہ کسی کا آلہ کار نہ بنو! اپنی گردنوں کو تلواروں کی تیز دھار سے بچاؤ۔" ان الفاظ میں ہادی نے اپنے امرا کے ساتھ ساتھ افسران فوج کو بھی قتل کرانے کی دھمکی دی تھی۔ ہادی نے کچھ دیر توقف کیا۔ دربار میں سناٹا چھایا رہا۔ پھر یہ سناٹا ہادی ہی کی آواز سے ختم ہوا۔ اب وہ کہہ رہا تھا۔ "ہمارے علم میں ہے کہ تم لوگ ہماری مادر محترم کی خدمت میں ان سے امور مملکت پر مشورے کے لئے جاتے ہو۔ ہم چاہیں تو ہر ایک کا نام بیان کر سکتے ہیں۔ ہماری نظر میں یہ کوئی مناسب فعل نہیں۔ اس کے پس پردہ جو عوامل ہیں، وہ بھی ہماری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ لازماً تم نے سمجھ لیا ہو گا کہ ہم کیا

چاہتے ہیں! یقین کر لو کہ قصر خلافت میں کوئی بھی آنے جانے والا ہماری نظروں سے چھپا نہیں رہ سکتا!" خلیفہ ہادی یہ کہنے کے بعد اپنی ماں سے متعلق مزید بیہودہ گوئی کرنا چاہتا تھا، مگر میں نے اسے ایسا نہیں کرنے دیا۔

اس روز کے بعد سے نہ تو ملکہ خیزران نے مملکت کے با اثر افراد سے کسی قسم کا رابطہ کیا، نہ کسی نے خود اس سے ملنے کی ہمت کا ثبوت دیا۔ جان کسے پیاری نہیں ہوتی! یوں گویا ایک بڑا خطرہ ٹل گیا۔ آدم زادوں کو خبر بھی نہ ہوئی کہ کس طرح ایک جن زادی نے اپنی پر اسرار قوتوں کو بروئے کار لا کر ان کے خون ناحق کو بہنے سے روک دیا! ورنہ تو جانے کتنے بچے تصادم کی صورت میں یتیم ہو جاتے، کتنی آدم زادیوں کے سہاگ اجڑتے اور کتنی بہنوں کے بھائیوں کو تہ تیغ کر دیا جاتا! جنگ بڑی ہولناک ہوتی ہے۔ وہ اپنے جلو میں ایسی تباہی و بربادی لاتی ہے کہ برسوں کھیتوں میں نئے بیج نہیں اگتے۔ زمین کی نمو پذیری کے ناز اٹھانے والے ہی نہیں رہتے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ملکہ خیزران اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتی تو بڑا خون بہتا۔ مجھے اس ممکنہ تصادم کو ٹال کر بڑی خوشی تھی جو عارج سے بھی چھپی نہ رہ سکی۔ ایک رات وہ مجھ سے کہنے لگا۔ "اے دینار! تو ان دنوں بڑی پر بہار و پر مسرت نظر آتی ہے!"

"یہ پر مسرت نظر آنا تو میری سمجھ میں آ گیا اے عارج مگر پر بہار سے کیا مطلب ہے تیرا؟" میں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

"ارے واہ! تجھے پر بہار کا مطلب معلوم نہیں!" وہ دھیرے سے ہنسا۔ "پر کا مطلب بھرا ہوا یا بھری ہوئی اور بہار اس موسم کو کہتے ہیں جس میں پھول کھلتے ہیں اور فضا خوشبو سے مہکنے لگتی ہے۔"

"آج کل تو بہت اونچا اڑنے لگا ہے اے عارج!" میں نے چہکتی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو مجھے کہاں اڑنے دیتی ہے!" عارج نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ "یوں بھی مجھے تیرے بغیر تنہا اڑنا کب اچھا لگتا ہے! تیری خوشبو ساتھ نہ ہو تو میرے نزدیک اڑان ہی غلط ہے۔ ویسے تو ضرور اکیلی اڑتی پھر رہی ہے۔ تجھے شاید یہ گمان ہے کہ مجھے کچھ خبر نہیں۔"

"کیا خبر ہے تجھے بول جو میرے علم میں نہیں؟" میں لیٹے لیٹے اپنے بستر پہ اٹھ کر

بیٹھ گئی۔

"لڑنے پر کیوں اتر رہی ہو جبکہ ابھی تجھ سے میرا نکاح بھی نہیں ہوا! بیویاں ہی لڑتے ہوئے اچھی لگتی ہیں۔"

"تو میں تجھے بری لگتی ہوں؟" میں نے آنکھیں نکال کر اپنی مصنوعی خفگی کا اظہار کیا۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔ خیر... چھوڑ اس بحث کو! میں تجھے دراصل یہ بتانا چاہتا تھا کہ میری معلومات کے مطابق تو نے ملکہ خیزران کو ہادی کے مقابلے میں پسپا ہونے پر تو مجبور کر دیا لیکن بات بنی نہیں۔" عارج سنجیدہ ہو گیا۔ "اس بنا پر ہادی کا حوصلہ اور بڑھ گیا ہے۔ اس نے ایک بار پھر ہارون پر اپنے نابالغ بیٹے کے ہاتھ پر بیعت کیلئے دباؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہادی اور اس کے فسادی وزیر ابراہیم حرانی کی باتیں میں نے سنی ہیں۔ بار بار یہ فتنہ اٹھتا ہی رہے گا اے دینار! اس مسئلے کا کوئی مستقل حل ہونا چاہئے۔ میں نے اس پر بہت غور کیا، میری سمجھ میں اس کی ایک ہی تدبیر آتی ہے کہ ہارون وقتی طور ہی پر سہی بغداد سے کہیں چلا جائے۔ نہ وہ یہاں ہو گا نہ ہادی کے سازشی امراء اسے ہارون پر دباؤ ڈالنے کو کہیں گے۔ اتنی بڑی سلطنت ہے، ہارون کہیں بھی جا سکتا ہے۔"

"اے عارج! کبھی کبھی تو بڑی عقل کی باتیں کر لیتا ہے تو!" میں ہنس دی، پھر عارج کی تجویز کو سراہا۔ "تیرا کہنا بالکل درست ہے مگر یہ نہ بھول کہ ہادی خلیفہ وقت ہے۔ ہارون کو ہادی سے اجازت لینی پڑے گی اور اسے بتانا ہو گا کہ وہ کہاں اور کیوں جا رہا ہے!"

"سیر و شکار کا بہانہ بغداد سے نکلنے کیلئے کیسا رہے گا؟" عارج نے مشورہ دیا۔

"بہانہ تو ٹھیک ہے، اگر ہادی اسے قبول کر لے۔" میں بولی۔

"قبول کیسے نہیں کرے گا!...... تو جب مجھ سے ہر بات منوا لیتی ہے تو ہادی کی کیا مجال ہے کہ......"

"کیا ضروری ہے کہ تو ہر معاملے میں اپنی مثال دے! کبھی سیدھی طرح بھی بات کیا کر!..." میں یہ کہہ کر اصل موضوع پر آ گئی۔ "ہارون کو بھی بغداد سے کہیں اور جانے کیلئے آمادہ کرنا ہو گا۔ بہتر یہ ہے کہ اسے مشورہ دینے والا یحییٰ بن خالد ہو۔ ہارون اس پر بہت بھروسہ کرتا ہے۔ میں براہ راست ہارون کے دماغ میں بھی یہ بات ڈال سکتی ہوں۔ میں ایسا

ہی کروں گی!...... پھر جب یحییٰ بھی اس پر صاد کرے گا تو ہارون کو اپنے لیے یہی راہ مناسب معلوم ہو گی۔ ٹھیک ہے نا؟" میں نے عارج سے تصدیق چاہی۔

"تو نے کبھی کوئی بات غلط کی ہے جو اب کرے گی!" عارج میری طرف دیکھ کر شرارتی انداز میں مسکرایا۔

میں سمجھ گئی کہ عارج کی سنجیدگی پھر رخصت ہو چکی ہے۔ اگر جواباً میں کچھ بولی تو وہ مجھے سونے نہیں دے گا۔ اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ مجھے ساتھ لے کر سیر سپاٹے کیلئے صحراؤں کی طرف نکل جاتا۔ میں انکار کرتی تو اس کا منہ بن جاتا۔ اسی "خطرے" کے پیش نظر میں نے بستر پر دوبارہ لیٹ کر عارج کو مخاطب کیا۔ "نیند آ رہی ہے مجھے، تو بھی سو جا!"

توقع کے خلاف اس وقت عارج نے مجھے مزید ستائے بغیر سو جانے دیا۔ یہ الگ بات کہ کبھی کبھار میرا بھی جی چاہتا تھا کہ عارج مجھے ستائے۔ اس حقیقت سے عارج خود بھی واقف تھا۔ اسی لیے تکلف نہیں کرتا تھا۔ اسے صحرانوردی کا شوق تھا اور اس شوق کی اصل وجہ میں تھی۔ عارج کو میرے ساتھ تنہائی میں کچھ وقت گزارنے کا موقع مل جاتا تھا۔

دو روز ہی خیریت سے گزرے تھے کہ عارج نے مجھے اطلاع دی، خلیفہ ہادی اپنے چھوٹے بھائی ہارون سے ملنے گیا ہے۔ گویا کھیل شروع ہو گیا تھا۔ اس مرتبہ ہارون کو ہادی نے خلوت میں طلب کرنے کے بجائے بوجوہ اس کے پاس جانا بہتر سمجھا تھا۔ یہ عشا کے بعد کی بات ہے جب میں قصر کی طعام گاہ سے باہر نکل رہی تھی۔ ہارون سے خلوت میں ہادی کی پہلی ملاقات کے وقت بھی میں موجود تھی۔ سو اس بار بھی میں نے یہی کیا۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ میں اپنے انسانی قالب کو اپنی قیام گاہ تک پہنچا سکتی۔ میں نے اسی سبب دوسرا راستہ اختیار کیا۔ میں جمیلہ کے جسم سے باہر آ گئی۔ پھر اسے اپنے اثر میں لے کر تاکید کی کہ وہ یہاں سے سیدھی اپنی قیام گاہ جائے اور سو جائے۔

جمیلہ کسی سحر زدہ کی طرح آگے بڑھ گئی اور میں نے قصر خلافت کے دائیں حصے کا رخ کیا۔

مجھے بہرحال دیر نہیں ہوئی۔ ہم جنات پلک جھپکتے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ میں وہاں پہنچی تو ہارون اپنی نشست گاہ کے دروازے پر خلیفہ ہادی کا استقبال کر رہا تھا۔ اس کے چہرے سے الجھن کا اظہار ہو رہا تھا۔

”اے امیر المومنین! تشریف لائیے۔ ہمیں حضور کی تشریف آوری کی خبر سور سے مل گئی تھی۔“ ہارون مؤدب انداز میں بولا۔

”ہاں ہم ہی نے اپنے محافظ دستے کے نگران سے تمہیں اپنی آمد کی خبر کرائی تھی۔“ ہادی آگے بڑھتے ہوئے کہنے لگا۔ پھر اس نے نشست گاہ میں موجود مسند پر بیٹھے ہوئے ہارون کو مخاطب کیا۔ ”اے برادر خورد! آؤ ہمارے قریب بیٹھ جاؤ۔ اس وقت ہم امیر المومنین نہیں‘ تمہارے بڑے بھائی کی حیثیت سے یہاں آئے ہیں‘ ورنہ بصورت دیگر تمہیں طلب کرتے۔“ ہادی کے لہجے میں نرمی تھی۔

”عزت افزائی کا شکریہ اے برادر بزرگ و محترم!“ ہارون یہ کہہ کر ہادی کے پاس بیٹھ گیا۔

”تم سے آج ہم دوٹوک بات کرنے آئے ہیں۔“ ہادی فوراً ہی مطلب کی بات پر آ گیا۔ ”ہمیں بتاؤ اے ہارون! کیا ہم بڑا بھائی ہونے کے ناطے تمہیں کوئی حکم دے سکتے ہیں؟“ ہادی کی آواز سے منافقت جھلکنے لگی اور اس نے پہلو بدلا۔

”یقیناً۔“ ہارون نے جواب دیا۔ ”شرط صرف یہ ہے کہ وہ حکم جائز ہو۔“

”حسب سابق تم نے پھر الجھی ہوئی باتیں شروع کر دیں۔“ ہادی کی آواز میں تلخی آ گئی اور وہ منافقت برقرار نہ رکھ سکا۔ وہ ناگواری سے بولا۔ ”تم نے جائز و ناجائز کی کیا بحث چھیڑ دی۔“ ہادی پر اس کے مزاج کا تکبر غالب آ گیا۔ ”ہم جسے جائز کہہ دیں‘ وہی جائز ہے۔“

”اے برادر محترم! یہ آپ کا خیال ہو سکتا ہے مگر حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔“ ہارون نے جھجکے بغیر صاف گوئی سے کہا۔ ”کیا جائز ہے اور کیا ناجائز‘ اس کی حدود متعین ہیں۔ ہم ان حدود سے تجاوز نہیں کر سکتے۔“

”ہم تم سے بحث کرنے نہیں آئے۔ ہمیں سیدھے اور صاف الفاظ میں جواب دو کہ تم اپنے بھتیجے جعفر کے حق میں ولی عہدی سے دست بردار ہونے پر آمادہ ہو کہ نہیں؟ ہمارے خاندان میں یہ کوئی پہلی مثال نہیں ہو گی۔ عیسیٰ بن موسیٰ کو بھی ہمارے والد مرحوم کے حق میں آخرکار ولی عہدی سے دست بردار ہونا پڑا تھا۔ اگر تم اس واقعے سے واقف نہیں تو مادر محترم سے تصدیق کر سکتے ہو۔“ ہادی کہنے لگا۔

اس پر ہارون بولا۔ ”اپنے خاندان کی تاریخ ہمارے علم میں ہے۔ اس کیلئے تصدیق کی ضرورت نہیں۔“

”تو پھر کیا یہ مثال تمہیں قائل کرنے کیلئے کافی نہیں ہے؟ تم بھی اپنے بھتیجے کے ہاتھ پر بیعت کر لو!“

”ایسا کرنا ہمارے اختیار میں نہیں اے برادر محترم!“ ہارون نے جواب دیا۔

”لیکن کیوں؟ تم ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟“ ہادی کی آواز تیز ہو گئی۔

”ہم خود ولی عہد نہیں بنے‘ نہ اس کا دعویٰ کیا۔“ ہارون پُروقار انداز میں بولا۔ ”ہمیں والد مرحوم نے ولی عہد بنایا تھا اور انہی کو یہ اختیار حاصل تھا کہ ہمیں اس سے دست بردار ہونے کا حکم دے سکتے۔ ہم خود کو اسی لیے اس معاملے میں بے اختیار سمجھتے ہیں۔“

میری توجہ ہارون اور ہادی دونوں ہی کے ذہنوں پر تھی۔ ہارون کی دلیل سن کر ہادی طیش میں آ گیا۔ اس سے پہلے کہ بات بگڑ جاتی اور ہادی کوئی غلط قدم اٹھاتا‘ میں نے اسے بے قابو نہ ہونے دیا۔ لمحوں میں اس کے چہرے کا تاثر بدل گیا۔ اس نے سخت لہجہ اختیار کرنے کے بجائے شکست خوردہ سی آواز میں کہا۔ ”اے برادر خورد! ہمیں تم سے یہ امید نہ تھی کہ اپنے دروازے سے خالی ہاتھ لوٹاؤ گے۔“ یہ کہتے ہی وہ مسند سے اٹھ گیا۔ ہارون بھی اس کے احترام میں اٹھا مگر اسے روکا نہیں۔ ہادی تیزی کے ساتھ نشست گاہ کے دروازے سے نکل گیا۔

ایک طوفان اٹھا اور دب گیا۔ اب ہارون کا بغداد میں رہنا میرے نزدیک ٹھیک نہیں تھا۔ وہ جتنی جلد یہاں سے چلا جاتا بہتر ہوتا۔ اس سے قبل ہادی نے جب ہارون کو خلوت میں بلوا کر بات کی تھی‘ اسی رات اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ دوبارہ بھی ہارون پر حملہ ہو سکتا تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ تقدیر ہمیشہ یاوری کرتی۔ خلیفہ مہدی بھی تو دیکھتے ہی دیکھتے اس دنیا سے کوچ کر گیا تھا۔ کسے خبر تھی کہ اسے زہر دلوا کر مار ڈالا جائے گا۔ خود خلیفہ مہدی کو بھی اس روز گمان نہ ہو گا کہ وہ اگلے دن کا سورج نہیں دیکھ سکے گا۔ آدم زادوں خصوصاً حکمرانوں کو اپنے بارے میں بڑی غلط فہمیاں ہوتی ہیں کہ وہ ناقابل شکست ہیں مگر جب برا وقت آتا ہے تو ریت کے گھروندوں کی طرح ڈھے جاتے ہیں۔ ہادی بھی اپنی تقدیر سے بے خبر تکبر کے ساتھ زمین پر اکڑ کر چلتا تھا۔ وہ کبھی نہ سوچتا ہو گا کہ اسے ایک دن اسی زمین کا رزق بن جانا ہے۔ اس کے برعکس ہارون کا رویہ مختلف تھا۔ وہ خلق خدا کا خیال رکھتا اور غرور نہ کرتا۔ سبھی کے ساتھ

وہ نرمی سے پیش آتا۔

میرے خیال میں ہارون کو بغداد چھوڑ دینا چاہئے تھا۔ یہاں وہ خطرے میں تھا۔ ماضی میں کوفہ، بصرہ اور واسط بغاوتوں کے مرکز رہ چکے تھے۔ انہی کو قابو میں رکھنے کیلئے خلیفہ منصور نے بغداد کو دارالحکومت بنایا تھا اور یہاں زبردست فوجی چھاؤنی قائم کر دی تھی۔ کوفیوں کے علاوہ کربلا کے باشندے بھی قابل اعتماد نہیں تھے۔ میری مرضی یہ تھی کہ ہارون ان شہروں کا رخ نہ کرے۔

آخر مجھے ایک شب موقع مل ہی گیا جب ہارون تنہا تھا۔ ہارون کے آس پاس کسی کی موجودگی سے دشواریاں پیدا ہوتیں۔

''اے ہارون!'' میں نے اسے اسی کی آواز میں مخاطب کیا۔ ''تمہیں تمہارا بڑا بھائی بغداد میں چین سے نہیں رہنے دے گا۔ سو تمہارے لیے یہ مناسب ہے سیروشکار کے بہانے ایام گزاری کی خاطر یہاں سے نکل جاؤ!'' میں اس کے متغیر چہرے کو بغور دیکھ رہی تھی۔

''لیکن کیا ہم اپنی مادر محترم کو بڑے بھائی کے رحم وکرم پر چھوڑ جائیں؟'' ہارون بڑبڑایا۔ وہ اپنی دانست میں خودکلامی کر رہا تھا۔

''ہادی تمہاری مادر محترم کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ تم جانتے ہو کہ پہلے بھی وہ اپنی اس کوشش میں ناکام ہو چکا ہے۔ ہادی کو اصل خطرہ تمہاری ماں سے نہیں، تم سے ہے۔ وہ تو تمہاری محبت کا قرض ادا کر رہی ہے اور ہادی کی نفرت کا نشانہ ہے۔ اس کے باوجود ہادی میں اب ملکہ کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کا حوصلہ نہیں۔'' میں سرگوشیاں کرتی رہی۔ میرا مقصد ذہنی طور پر اسے مطمئن کرنا تھا۔

''مگر...... مگر ہم...... ہم بغداد چھوڑ کر کہاں جائیں؟'' ہارون نے زیرلب کہا۔ اس کی چوڑی پیشانی پر شکنیں، فکر کا ثبوت تھیں۔

''موصل تمہارے لیے بہترین پناہ گاہ ثابت ہو سکتا ہے۔'' میں نے مشورہ دیا۔

''بغداد سے قریب کوئی اور شہر کیوں نہیں؟'' ہارون نے کہا۔ ''کوفہ یہاں سے دور نہیں۔ ہم بوقت ضرورت جب چاہیں گے تو وہاں سے بغداد آ سکیں گے۔'' مجھے معلوم تھا کہ ہارون کے ذہن میں یہ سوال ضرور آئے گا۔ میں درمیان میں نہیں بولی تاکہ وہ اپنی بات پوری کر لے۔ پھر اس نے نجف، کربلا وغیرہ کے نام لیے اور میں سنتی رہی۔ اس کی ''خودکلامی'' سے

میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ وہ بغداد سے زیادہ دور جانا نہیں چاہتا۔

میری کوشش یہی ہوتی تھی کہ آدم زادوں کو ترغیب دے کر کام چل جائے۔ میں انہیں مجبور نہ کروں لیکن بعض اوقات ترغیب لاحاصل ثابت ہوتی تھی۔ ایسی صورت میں مجھے ان سے اپنی بات منوانے کی غرض سے انہی کے مفاد کی خاطر جبر بھی کرنا پڑتا۔ یہ بھی ایک ایسا ہی موقع تھا۔ سو ہارون کو قائل ہونا ہی پڑا کہ بغداد سے قربت نقصان دہ اور دوری سودمند ہے، سے موصل ہی کو ترجیح دینی چاہئے۔

''جلد نہیں، جب تم مناسب خیال کرو ہادی سے اس کی اجازت لے لینا۔'' میں نے یہ کہتے ہوئے اس کے دماغ کو اپنی گرفت سے آزاد کر دیا۔

ہارون سے تو میں نے اپنی بات منوالی کہ بغداد میں اس کیلئے خطرہ ہے لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ میرے گرد بھی خطرات منڈلانے والے ہیں۔

یہ ذکر دوسرے ہی دن صبح کا ہے کہ وزیر ابراہیم حرانی کے ساتھ میں نے قصر خلافت میں داخل ہوتے ایک ایسی ہستی کو دیکھا کہ میرے پورے وجود میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ میرے انسانی پیکر کے پیروں میں جیسے کسی نے زنجیریں ڈال دیں۔ میں جیسے پتھر کی ہو گئی، اس کے اور میرے درمیان خاصا فاصلہ تھا اور وہ میری طرف متوجہ بھی نہ تھا، پھر بھی اس استخوانی چہرے کو دیکھ کر میرے ہوش اڑے ہوئے تھے۔ سب سے پہلے عفریت وہموش کو میں نے بوڑھے سلیمان کے انسانی قالب ہی میں دیکھا تھا۔ معلوم نہیں اس بدذات عفریت کو یہی انسانی قالب کیوں پسند تھا! میں اپنی جگہ کھڑی اسے ابراہیم حرانی کے ہمراہ دیوان خاص کی طرف بڑھتے دیکھتی رہی۔

اس خبیث بوڑھے کو قصر خلافت میں دیکھ کر میرے دماغ میں خطرے کی لاتعداد گھنٹیاں بجنے لگیں۔ جب وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا تو میرے حواس کچھ ٹھکانے آئے۔ مجھے فوری طور پر عارج کا خیال آیا۔ میں نے اسے تلاش کیا تو پتا چلا کہ وہ خلیفہ ہادی کی خدمت میں ہے۔ میرے ہاتھ پیر پھول گئے۔ مجھ پر یہ سوچ کر گھبراہٹ طاری ہو گئی کہ بوڑھے عفریت کو انسانی قالب میں دیکھ کر جب میرا یہ حال ہوا ہے تو اچانک اس پر نظر پڑتے ہی عارج پر کیا گزرے گی؟ یہ سامنے کی بات تھی کہ وزیر ابراہیم حرانی جب دیوان خاص کی طرف گیا تھا تو خلیفہ ہادی بھی وہیں تھا یا وہاں پہنچنے والا تھا۔ خلیفہ اگر عارج کو اپنی خدمت ہی

میں رکھتا تو بوڑھے عفریت اور عارج کا آمنا سامنا ناگزیر تھا۔

یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ میں اپنی جان کے خوف سے عارج کو شدید خطرے میں چھوڑ کر فرار ہو جاتی۔ یہ ساری باتیں بعد میں معلوم کرنے کی تھیں کہ بوڑھا عفریت قصر خلافت تک کس طرح پہنچ گیا۔ فی الحال تو میرے سامنے عارج اور اپنی جان بچانے کا مسئلہ تھا۔

قصر خلافت میں عارج کو ڈھونڈتی ہوئی میں مرکزی حصے تک آ گئی تھی جہاں خلیفہ ہادی کی سکونت تھی۔

میں وہیں گھبرائی گھبرائی سی ادھر سے ادھر آ جا رہی تھی کہ عارج مجھے سامنے سے آتا دکھائی دے گیا۔ میں اس کی طرف لپکی۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر میں اسے تقریباً گھسیٹتی ہوئی ایک ستون کی آڑ میں لے آئی۔

''کیا ہوا تجھے؟ تو اتنی دہشت زدہ کیوں لگ رہی ہے؟'' عارج دھیمی آواز میں مجھ سے مخاطب ہوا۔

''یہ باتوں کا وقت نہیں اے عارج! یہاں سے فوراً بھاگ چل۔'' میں تیزی سے بولی۔

''لیکن کچھ بتا تو سہی! کہاں بھاگنا ہے یہاں سے؟'' عارج کو ابھی تک صورتحال کی سنگینی کا یقیناً احساس نہیں تھا ورنہ اس کی آواز پرسکون نہ ہوتی۔ مجھے پریشان دیکھ کر اس کے چہرے کا تاثر کسی قدر بدلا ضرور تھا۔

''ہمارے لیے اس وقت سب سے مناسب' وہ محفوظ جگہ بابل کے کھنڈرات ہیں۔ ہمیں وہیں چلنا ہے۔'' میں نے عارج کے سوال کا جواب دیا۔

''بابل کے کھنڈرات؟...... یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟'' عارج نے حیرت کا اظہار کیا۔

میں دانستہ عارج کو ابھی بوڑھے عفریت کے بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی کہ وہ خوفزدہ نہ ہو جائے۔

''تجھ سے میں جو کہہ رہی ہوں وہ کر!......اس انسانی قالب سے فوراً باہر آ جاؤ!'' یہ کہتے ہی میں نے بھی جمیلہ کے جسم کو چھوڑ دیا۔

عارج کو بھی کچھ جانے بوجھے بغیر میری تقلید کرنی پڑی۔ ادھر وہ ایوب کے قالب سے نکلا' ادھر میں نے قصر خلافت کے بیرونی صدر دروازے کا رخ کیا۔ میں فوراً خطرے کی

حدود سے باہر نکل جانا چاہتی تھی۔ تیزی سے ہمارے نکلنے کے سبب ایوب اور جمیلہ کے جسموں کو جھٹکے ضرور لگے' مگر وہ سنبھل گئے۔

جب میں' بابل کے کھنڈرات تک پہنچی تو عارج مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''اے دینار! اب تو بغداد سے فرار کی وجہ بتا دے!''

''وجہ سنے گا تو تیرے ہوش گم ہو جائیں گے۔'' میں نے یہ کہہ کر اسے بوڑھے عفریت کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔

''نن...... نہیں۔'' عارج واقعی گھبرا گیا۔ ''دیکھا اے...... دی...... دینار! اس نے ہمیں ڈھونڈ ہی لیا! اب...... اب کیا ہو گا!...... کک...... کیا ہمیں اس کی نظروں سے اوجھل ہونے کیلئے پھر...... پھر کسی اور...... اور زمانے میں جانا پڑے گا؟''

''حواس باختہ نہ ہو اے عارج!'' میں نے اسے دلاسا دیا۔ ''اس وقت تو عالم سو ما سو رہا ہو گا۔ جب وہ دوپہر کو ظہر سے پہلے اٹھے گا تو ہم اسے تمام تر صورتحال سے آگاہ کر کے مشورہ لیں گے۔ وہی ہمیں یہ بتانے کا اہل ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے!''

''اے دینار! تیرا کہنا تو یہ تھا کہ ہم قصر خلافت میں پوری...... طرح سے محفوظ ہیں...... پھر...... پھر وہ خبیث عفریت کس طرح وہاں پہنچ گیا؟'' عارج بولا۔

اب ہم دونوں کھنڈرات کے اس حصے میں پہنچ گئے تھے جہاں میرا مختصر خاندان آباد تھا۔ میں نے عارج کی بات کا کوئی جواب اس لیے بھی نہیں دیا کہ ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کی اوٹ سے اپنے بڑے بھائی یوسف کو نکلتے دیکھ لیا تھا۔ اپنے اہل خاندان پر میں یہ ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی کہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوں۔ خاص طور پر یوسف تو میرے بغداد میں رہنے کے سخت خلاف تھا۔ اسے پتا لگتا کہ آدم زادوں کے درمیان مجھے خطرہ درپیش ہے تو وہ اصرار کرتا' میں کھنڈرات میں لوٹ آؤں۔ عفریت کتنے ہی طاقتور کیوں نہ ہوں خود سے کم قوت و طاقت رکھنے والے جنات کی بستیوں میں نہیں گھستے۔ کم طاقت مخلوق متحد و یک جا ہو تو زیادہ قوت والا اس سے ڈرتا ہے۔ اس اعتبار سے بابل کے یہ کھنڈرات میرے لیے انتہائی محفوظ جگہ تھے۔ میرا بڑا بھائی مجھ سے بڑی محبت کے ساتھ پیش آیا۔

''تو بہت یاد آتی ہے اے دینار!'' بھائی یوسف کے لہجے سے خلوص و محبت کا اظہار ہو رہا تھا۔

''ہاں اے میرے بھائی یوسف! تجھے بھی میں آدم زادوں میں رہ کر بھولی نہیں۔''
میں نے بھی محبت کا جواب محبت سے دیا۔

اپنے اگر کچھ عرصے کیلئے ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں تو دوبارہ ملنے پر ان کے جذبات محبت میں شدت آ جاتی ہے۔ ہر چند کہ یوسف' عارج کو پسند نہیں کرتا تھا مگر اس روز وہ عارج کے ساتھ بھی گرم جوشی سے ملا۔ دراصل یوسف کو یہ اعتراض تھا کہ میں نکاح کیے بغیر عارج کے ساتھ کیوں رہ رہی ہوں۔ اگر میرے اندر کوئی کھوٹ ہوتا' راہ راست سے بھٹک گئی ہوتی تو بھائی یوسف کا کہنا درست تھا' لیکن ایسا نہیں تھا۔ میں عشق و ہوس کے فرق کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ میرے باپ اور سردار قبیلہ اخضم کو بھی مجھ پر پورا اعتماد تھا کہ میں بہک نہیں سکتی۔ اس نے اسی لیے ایک نیک مقصد کے حصول کی خاطر مجھے عارج کے ساتھ آدم زادوں کے درمیان رہنے کی اجازت دی تھی۔

اتنی مدت کے بعد مجھے دیکھ کر میری ماں طرطبہ مجھ سے لپٹ گئی اور میرے باپ اخضم نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا۔ ''اے دینار' اے میری بچی! تو خوش تو ہے؟ تجھے آدم زادوں میں رہ کر کوئی پریشانی تو نہیں؟ اور تو کہیں خلق خدا کی خدمت سے غافل تو نہیں ہو گئی؟''

''اے میرے باپ! میں تیری دعاؤں کی پناہ میں ہوں۔ مجھے کوئی دشواری نہیں اور میں حتی الامکان خلق خدا کی خدمت کر رہی ہوں۔'' میں نے جواب میں کہا' پھر مجھے خیال آیا کہ میرا باپ آمد کی وجہ نہ پوچھنے لگے۔ سو خود ہی میں نے بات بنا دی۔ ''تجھے' ماں اور بھائی کو دیکھے بہت دن ہو گئے تھے اس لیے آج عارج کو ساتھ لے کر آ گئی۔''

''آ جایا کر!'' میرا باپ اخضم بولا اور پھر عارج سے اس کی خیر خیریت معلوم کرنے لگا۔

عارج کے ساتھ دوپہر تک میں کھنڈرات کے اسی حصے میں رہی۔ پھر عارج نے مجھے چلنے کا اشارہ کیا۔ اپنے اہل خاندان سے رخصت ہو کر جب میں عالم سوما سے ملنے جا رہی تھی تو معاً مجھے ایک ایسی بات یاد آ گئی جس کی طرف پہلے حواس باختگی کے سبب میرا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔

''اب مجھے یقین ہوتا جا رہا ہے اے عارج کہ تو واقعی غبی ہے۔'' میں بولی اور ایک جگہ رک گئی۔ عارج کو بھی ٹھہرنا پڑا۔

''اچانک تجھ پر یہ حقیقت کیسے منکشف ہو گئی! اور تو نے یہ بات کیوں بھلا دی کہ یہ سب تیری صحبت کا اثر ہے ورنہ تو میں بہت ذہین تھا۔''

''یعنی تجھے اعتراف ہے کہ تو اب ذہین نہیں رہا؟'' میں نے اس پر چوٹ کی۔

''اور سب باتیں تو چھوڑ' یہ بتا اے دینار کہ تو دوبارہ کیسے چہکنے لگی؟ اس میں کیا بھید ہے؟'' عارج نے پوچھا۔

''بھید یہ ہے اے میرے غبی محبوب کہ اگر ہم بدحواس ہو کر فوری طور پر قصر خلافت سے نہ بھاگتے اور وہیں رہتے تو بھی بوڑھا عفریت ہمارا کچھ نہ بگاڑ پاتا۔ ہم دونوں کے گرد ایک نادیدہ حفاظتی حصار قائم ہے جسے کوئی بھی طاقتور سے طاقتور جن زاد عبور نہیں کر سکتا۔ عالم سوما کی ہدایت کے مطابق ہم ہر اکیس دن کے بعد اب تک وہ عمل کرتے آئے ہیں جس کی بنا پر یہ حفاظتی حصار قائم ہے۔ پھر بتا کہ اس کے باوجود تیری ہوا کیوں سنت ہو گئی تھی اور تو نے مجھے یہ بات کیوں یاد نہیں دلائی؟''

''واہ' یہ بھی خوب رہی! خود ہی تو کچھ بتائے بغیر مجھے وہاں سے ساتھ لے کر بھاگ لی اور اب مجھی کو مورد الزام ٹھہرا رہی ہو۔ وہاں مجھے تو بتاتی کہ تجھے خبیث عفریت' بوڑھے سلیمان کے انسانی قالب میں نظر آیا ہے تو میں یاد دہانی کراتا کہ میرے اور تیرے گرد حفاظتی......''

''رہنے دے بس!'' میں نے عارج کی بات کاٹ دی۔ ''زیادہ باتیں نہ بنا! میں تجھے خوب جانتی ہوں۔ تو اول درجے کا ڈرپوک ہے۔ جب میں نے تجھے عفریت وہموش کے بارے میں بتایا تھا تو کیوں ہکلانے لگا تھا! میں تجھے اس سے پہلے مغل بادشاہ ہمایوں کے زمانے میں بھی لے جا کر دیکھ چکی ہوں۔ صدیوں آگے جانے کے باوجود تجھ پر عفریت وہموش کا خوف غالب رہتا تھا اور تو اپنے انسانی قالب سے باہر آتے ہوئے بھی ڈرتا تھا۔ بھول گیا کیا؟''

''لیکن اے دینار! میں لاکھ بہادر نہ سہی مگر تیری خاطر اپنی جان تو داؤ پر لگا سکتا ہوں! کہہ دے کہ یہ بھی جھوٹ ہے!''

''نہیں کہتی' بول اب؟'' دراصل حفاظتی حصار کا دھیان آتے ہی میرے اعصاب

سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔ میں اسی لیے دانستہ عارج کو چھیڑ رہی تھی۔ میرے نزدیک اب عالم سوما سے ملنا بھی ضروری نہیں رہا تھا' لیکن یہاں آنے کے بعد اسے نظر انداز کر کے چلا جانا اچھا نہیں تھا۔ پھر یہ کہ وہ بہرحال ایک عالم تھا۔ اس کی صحبت میں بیٹھ کر ہمیں کچھ حاصل ہی ہوتا۔

عارج کو ساتھ لیے میں' عالم سوما کے پاس پہنچی تو حسب توقع وہ بڑی شفقت سے پیش آیا۔

''تم دونوں ٹھیک تو ہو میرے بچو!'' عالم سوما کہنے لگا۔

''ہاں اے سوما!'' میں بول اٹھی' پھر مجھے شرارت سوجھی اور عارج کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''آج یہ عفریت دہموش کو بوڑھے سلیمان کے انسانی قالب میں دیکھ کر ڈر گیا تھا۔ وہ وزیر ابراہیم حرانی کے ہمراہ قصر خلافت کے دیوان خاص کی طرف جا رہا تھا کہ عارج کی نظر اس پر پڑ گئی۔ پھر تو خوف کے مارے اس کے ہوش اڑ گئے۔ میں نے اسے لاکھ سمجھایا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں' ہمارے گرد نادیدہ حفاظتی حصار قائم ہے مگر اس نے میری ایک نہ سنی۔ یہ مجھے بھی اپنے ساتھ قصر خلافت سے بھگا لایا۔ اس کا کہنا یہ تھا کہ ہم بابل کے کھنڈرات ہی میں محفوظ رہ سکتے ہیں۔''

میں نے شرارتاً سارا الزام عارج کے سر تھوپ دیا۔ اس پر عالم سوما' عارج کو سمجھانے لگا۔ ''اے میرے بچے! اپنے دل میں زیادہ سے زیادہ خوف خدا پیدا کر! پھر تو کسی سے نہیں ڈرے گا۔ قدم قدم پر دینار تیرے ساتھ موجود تو ہے۔ اس کی باتوں پر دھیان دیا کر!''

''مجھے معلوم ہے اے سوما کہ دینار بڑی ہی بہادر اور عقل مند ہے۔'' عارج تپ کر بولا۔ ''ایک عفریت تو کیا' سو عفریت مل کر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''خیر اب ایسا بھی نہیں اے عارج! سو عفریت بہت ہوتے ہیں' دو چار کی بات اور ہے۔ ان سے نمٹا جا سکتا ہے۔'' عارج کو میں نے مزید سلگایا۔ ''تیری طرح نہیں کہ ایک عفریت پر نظر پڑتے ہی سٹی گم ہو جائے۔''

اس سے قبل کہ عارج کچھ کہتا' عالم سوما بول اٹھا۔ وہ مجھ سے مخاطب تھا۔ ''اس میں کوئی شک نہیں اے دینار کہ نادیدہ حفاظتی حصار جب تک تیرے اور عارج کے گرد قائم ہے

اس عفریت سے تم دونوں بچے رہو گے' لیکن عارج کا فیصلہ درست تھا۔ قصر خلافت میں اس عفریت کی آمد کئی طرح کے خطرات کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔ جب تک تمام حالات کا علم نہ ہو جائے کہ وہ عفریت کس طرح' کیوں اور کس مقصد سے قصر خلافت تک پہنچا ہے' تم دونوں کا وہاں جانا قطعی مناسب نہیں۔''

عالم سوما کی بات میں وزن تھا۔ اس سے ملنا سودمند ثابت ہوا تھا۔

''اس خبیث عفریت کی وہاں آمد کا ایک سبب...... بلکہ بڑا سبب ہماری تلاش بھی تو ہو سکتی ہے!'' عارج نے عالم سوما سے کہا۔

''اس امکان کو بھی رد نہیں کیا جا سکتا۔'' عالم سوما نے عارج کے خیال سے اتفاق کرتے ہوئے مزید کہا۔ ''لیکن اس کیلئے انسانی قالب اختیار کرنا' خلیفہ کے وزیر ابراہیم حرانی سے ملنا اور پھر خلیفہ سے ملاقات کی خاطر دیوان خاص کی طرف جانا کچھ اور ہی ظاہر کرتا ہے۔ سن اے دینار! تیری وجہ سے میں قصر خلافت میں پیش آنے والے واقعات سے غافل نہیں رہا۔ مجھے پتا ہے کہ ان دنوں وہاں کیا چپقلش چل رہی ہے۔ ان حالات میں اس خبیث عفریت کا خلیفہ سے ملاقات کرنا بھی معنی خیز لگتا ہے۔ کیا خبر اس طرح ہارون کی جان کو مزید خطرات لاحق ہو جائیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ممکن ہے کہ میرے خدشات غلط ہوں' اصل بات کچھ اور ہو۔''

پھر یہ طے ہوا کہ مجھے اور عارج کو فی الحال بغداد نہیں جانا اور بابل کے کھنڈرات ہی میں رہنا ہے۔ اس خبیث عفریت کے بارے میں مطلوبہ معلومات کس طرح حاصل کی جا سکتی ہیں' عالم سوما مجھے سمجھانے لگا۔

☆......☆......☆

ان تمام باتوں سے کسی قدر مجھے بھی آ گہی تھی جو عالم سوما نے سمجھائیں۔ قصر خلافت میں عفریت دہموش کی آمد کے مختلف اسباب ممکن تھے۔ وہ عفریت اس وقت اپنے عقائد سے مجھے آگاہ کر چکا تھا جب میں اس کی قید میں تھی۔ ایسی صورت میں عالم سوما کے خدشات درست بھی ہو سکتے تھے۔ یہودی ہونے کے ناطے اس خبیث عفریت سے ایک مسلم مملکت کی خیرخواہی ناممکن تھی۔ خلیفہ ہادی سے مل کر وہ اسے ایسے مشورے دے سکتا تھا جو مملکت کیلئے نقصان دہ ثابت ہوتے۔ میں نے اپنے ان خیالات کا اظہار عالم سوما سے کیا تو وہ بولا'' اے دینار! اگر واقعی ایسا ہی ہوا کہ جیسا تو کہتی ہے تو پھر ہمیں اس کا توڑ کرنا پڑے گا۔ پھر تیرا قصر خلافت میں رہنا ضروری ہو جائے گا' لیکن جب تک حقائق کا علم نہ ہو جائے کوئی اقدام مناسب نہ ہوگا۔ تو میری بات سمجھ رہی ہے نا!'' عالم سوما نے جواب طلب انداز میں میری طرف دیکھا۔

'' ہاں اے میرے باپ کے دوست' اے عالم سوما! میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے تیری ہی ہدایت پر عمل کروں گی۔'' میں بولی۔

'' اس عفریت کے بارے میں ضروری معلومات حاصل ہونے تک تم دونوں کھنڈرات کے اسی حصے میں قیام کرو گے تاکہ ضرورت پڑنے پر مجھ سے مشورے کر سکو اور میں بھی تمہیں کسی ممکنہ خطرے سے بچا سکوں۔'' عالم سوما نے عارج اور میری طرف اشارہ کیا۔

میں نے رضامندی ظاہر کر دی تو بھلا عارج کو اس پر کیا اعتراض ہوتا! وہ تو اس عارضی حفاظتی بندوبست پر بہت مطمئن نظر آ رہا تھا۔

عالم سوما کے ایما پر عارج کو ساتھ لے کر میں اسی رات بغداد روانہ ہو گئی۔ اس مرتبہ ہماری منزل قصر خلافت نہیں تھی۔ رصافہ کے علاوہ قرافہ بھی بغداد کا ایک بڑا محلّہ تھا۔ اس علاقے میں بھی ارکان حکومت کی قیام گاہیں تھیں۔ وزیر ابراہیم حرانی کا محل نما عالی شان مکان

اسی محلے میں تھا۔ خلیفہ ہادی کا وزیر بننے کے بعد اس کے طور طریقے ہی بدل گئے تھے۔ پہلے وہ محلّہ کرخ کی متوسط آبادی میں رہتا تھا' لیکن اب وہاں قیام گویا اس کی شان کے خلاف تھا۔ ایک امیر پر دباؤ ڈال کر ابراہیم نے سستے داموں اس کا یہ مکان خرید لیا تھا۔

ہم نصف شب کے قریب وزیر ابراہیم حرانی کے مکان میں داخل ہو گئے۔ ہمیں بھلا کون روکتا! کسی آدم زاد کیلئے تو سخت حفاظتی پہرے کے باعث اس مکان میں گھسنا ممکن نہیں تھا' لیکن ہمارا معاملہ مختلف ہے۔ ہم جن زاد تھے۔

مجھے وزیر ابراہیم حرانی کی بابت سب کچھ معلوم تھا اسی لیے اسے شیطان صفت سمجھتی تھی۔ وہی خلیفہ ہادی کو غلط مشورے دیتا اور بھڑکاتا تھا۔ جن آدم زدوں کو دیکھ کر خود بخود نفرت ہونے لگے' ابراہیم حرانی انہی میں سے ایک تھا۔

میں اس کی خواب گاہ میں پہنچی تو اسے بستر پر اوندھا پڑے دیکھا۔ اس کی یہ حالت نشے کے سبب ہو سکتی تھی۔ روز ہی رات گئے تک وہ خلیفہ ہادی کے ساتھ نبیذ پیتا تھا۔ خواب گاہ میں شمع دان کی لو مدھم ہونے کے باوجود سب کچھ واضح تھا۔ پہلے میں نے اسے ہوش میں لانے کا بندوبست کیا۔ اس کیلئے مجھے ابراہیم کے دماغ سے نشے کا اثر ختم کرنا پڑا۔ اپنی پراسرار قوتوں کو بروئے کار لا کے میں ایسا نہ کرتی تو اس سے کچھ معلوم نہ ہو پاتا۔

ہوش میں آتے ہی ابراہیم نے کروٹ بدلی اور بستر پر سیدھا ہو کر لیٹ گیا۔

'' بتا اے ابراہیم کہ تو بوڑھے اور استخوانی چہرے والے سلیمان کو کیسے جانتا ہے؟'' میں نے اس کے دماغ میں سرگوشی کی۔

میرے سوال پر وہ چونک اٹھا اور آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ شاید اسے یہ گمان تھا کہ سوال کرنے والی یعنی میں اسے نظر آ جاؤں گی۔ وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ ظاہر ہے اسے اپنے سوا خواب گاہ میں کوئی نظر نہیں آیا ہوگا۔

'' تو نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا اے ابراہیم؟'' میں نے اسے پھر مخاطب کیا۔

'' مگر تو ہے کون؟ اور...... سامنے کیوں نہیں آتی؟'' ابراہیم کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی۔

'' میں کون ہوں' تجھے ابھی پتا چل جائے گا!'' یہ کہتے ہی میں نے اسے ٹانگ پکڑ کر بستر سے گھسیٹ لیا۔

ابراہیم کے منہ سے چیخ نکلنے ہی والی تھی کہ عارج نے اس کا منہ دبا لیا۔

"اسے مکان کی چھت پر لے چلتے ہیں۔" میں نے عارج سے کہا۔ میری آواز صرف وہی سن سکتا تھا کوئی آدم زاد نہیں۔

"کیوں' یہاں کیا قباحت ہے؟" عارج نے دریافت کیا۔ "یہاں بھی تو ہم اس سے پوچھ گچھ کر سکتے ہیں۔"

"مار پیٹ کی آوازیں سن کر اس کا کوئی محافظ بھی ادھر آ سکتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ میرے لیے یہ کوئی مشکل نہیں تھا کہ اس آدم زاد ابراہیم حرانی کو کسی بھی طرح کی جسمانی اذیت دیئے بغیر مطلوبہ معلومات حاصل کر لیتی۔ ایسا نہ کرنے کی وجہ اس سے نفرت ہی تھی۔ ایسے آدم زاد قابل نفرت ہی ہوتے ہیں جو زمین پر فساد پھیلائیں۔ عارج بھی میرا مقصد سمجھ گیا تھا۔ اس وجہ سے مزید کچھ نہ بولا۔ ابراہیم کو میں اسی کے مکان کی چھت پر خواب گاہ سے اٹھا کر لے آئی۔ اب اس کا چہرہ خوف و دہشت کی تصویر بنا ہوا تھا۔ اس نے غالباً یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ کوئی نادیدہ پراسرار وجود اسے اپنا ہدف بنائے ہوئے ہے۔ اس کے جسم میں نام کو بھی حرکت نہیں تھی۔

"تو مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ میں کون ہوں تو یہ دیکھ!" میں ایک بھیانک انسانی قالب میں ظاہر ہو گئی۔

مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کی گھگی بندھ گئی۔ مجھے یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں انتہائی خوف کے عالم میں وہ ہوش نہ کھو بیٹھے۔ اسی خیال سے میں نے فوری طور پر اس کے ذہن کو گرفت میں لے لیا۔ مجھ سے چند لمحوں کی تاخیر بھی ہو جاتی تو وہ شاید حواس میں نہ رہتا۔

"تجھ سے جو پوچھا جائے بتا!" میں نے اس کے کولہے پر لات ماری۔ وہ ابھی تک چھت پر بے سدھ پڑا تھا۔

"پو...... پوچھو...... بتا...... بتاؤں گا میں!" ابراہیم حرانی کانپتی آواز میں کہنے لگا۔

کولہے پر پڑنے والی ضرب کے سبب وہ کراہ بھی رہا تھا۔ ضرب شدید ہی تھی۔ اگر عارج فوراً اس کا منہ بند نہ کر دیتا تو وہ چیخ پڑتا۔ اس کی طرف سے عارج چوکنا تھا۔

"اے دینار! اتنا کافی ہے۔" عارج نے مجھے مخاطب کیا۔ "اس سے مطلب کی بات کر اور واپس چل!"

میں نے عارج کا مشورہ مان لیا۔ اس آدم زاد کی تھوڑی بہت پٹائی کر کے میری تسلی

ہو گئی تھی۔

پھر میرے استفسار پر ابراہیم حرانی بتانے لگا۔ "استخوانی چہرے والے اس بوڑھے سلیمان کو میرے بچپن کا ایک دوست بلال اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ بلال نے بتایا تھا کہ وہ بوڑھا حیرت انگیز پراسرار قوتوں کا مالک ہے۔ اس نے مجھے اپنے کچھ کمالات بھی دکھائے' پھر دعویٰ کیا کہ وہ ہارون الرشید کو ولی عہدی سے دستبردار کرا سکتا ہے۔ بوڑھے نے اس کیلئے یہ شرط رکھی کہ میں اسے خلیفہ محترم سے ملوا دوں۔ میں اس کے کمالات سے بہت متاثر ہو گیا تھا' سوچا کہ اس کا دعویٰ درست ثابت ہو گیا تو یہ بہت بڑا کام ہو گا۔ اسی وجہ سے میں صبح جب خلیفہ محترم کے طلب کرنے پر دیوان خاص میں گیا تو بوڑھے سلیمان کو بھی ساتھ لے گیا۔ مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے حسب قاعدہ خلیفہ محترم کو آگاہ نہیں کیا کہ میرے ساتھ بوڑھا سلیمان بھی ہو گا۔ اس کیلئے مجھے پہلے سے اجازت لینی چاہئے تھی۔ نتیجہ یہ کہ مجھے خلیفہ محترم کی خفگی مول لینی پڑی۔ انہوں نے میرے ساتھ دیوان خاص میں ایک اجنبی کو دیکھا تو اس سے ملے بغیر اٹھ کر چلے گئے۔ شام کو میں جب ان سے خلوت میں ملا اور پوری بات بتائی نیز قبل از وقت اجازت نہ لینے پر معذرت چاہی تو وہ پگھل گئے۔ حقیقت حال جاننے کے بعد خلیفہ محترم نے بوڑھے سلیمان سے ملاقات کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ یہ ملاقات کل رات بعد نماز عشا خلوت میں ہو گی۔ میرے اور بوڑھے سلیمان کے سوا خلیفہ محترم کے پاس کوئی اور نہیں ہو گا۔ بوڑھے سلیمان نے اس خدمت کے عوض خود کو شہر کوفہ کا عامل بنانے کی خواہش ظاہر کی ہے۔"

"تیرا کیا خیال ہے' خلیفہ ہادی اسے عامل کوفہ بنا دے گا؟" میں نے سوال کیا۔

"اگر بوڑھے سلیمان نے اپنا دعویٰ سچ کر دکھایا اور ہارون الرشید نے ولی عہدی سے دست برداری کا اعلان کر دیا تو سلیمان کو عامل کوفہ بنا دینا خلیفہ محترم منظور کر لیں گے۔ ویسے بھی عامل کوفہ اسحٰق بن صباح کو اس منصب پر برسوں گزر چکے ہیں۔" ابراہیم حرانی نے جواب دیا۔

"سن اے ابراہیم! تو نے آج رات جو کچھ دیکھا' سنا اور محسوس کیا' وہ سب ایک خواب تھا۔ کل صبح جب تو سو کر اٹھے گا تو تجھے کچھ بھی یاد نہیں ہو گا!" میں نے تاکید کی اور پھر اس کے جسم کو اٹھا کے نیچے خواب گاہ میں لے آئی۔ اس سے پہلے میں نے انسانی قالب چھوڑ دیا تھا۔

ابراہیم حرانی کے دماغ کو میں نے سونے کی ترغیب دی۔ جب وہ گہری نیند سو گیا تو

میں نے عارج کو واپسی کا اشارہ کیا۔

ہم بغداد شہر کی حدود سے نکل آئے تو میں عارج سے مخاطب ہوئی۔ ''لگتا ہے کہ بوڑھا خبیث عفریت ایک تیر سے دو شکار کر رہا ہے۔''

''باقی باتیں تو خیر اپنی جگہ ہیں' لیکن مطلوبہ معلومات کا ایک اطمینان بخش پہلو بھی ہے اے دینار!'' عارج معنی خیز لہجے میں بولا۔ اس سے پہلے کہ میں وضاحت طلب کرتی عارج نے بتایا۔ ''بوڑھا عفریت کم سے کم ہماری تلاش میں بغداد نہیں آیا۔''

''یہ تجھ سے کس نے کہہ دیا؟...... کیا خبر اس کی بغداد آمد کا ایک مقصد ہماری تلاش بھی ہو!'' میں نے کہا۔

''قرائن سے تو ایسا ظاہر نہیں ہوتا۔'' عارج نے میرے خیال سے اختلاف کیا۔ ''ابراہیم حرانی سے حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق بوڑھے عفریت کے صرف دو مقصد سامنے آئے ہیں۔ اس کا پہلا مقصد مسلم مملکت کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس خدشے کا اظہار خود تو بھی کر چکی ہے۔ ہارون کا ولی عہدی سے دست بردار ہو جانا مملکت کے مستقبل کو اندھیروں میں ڈبو دے گا۔ دوسرا مقصد عامل کو ذبن کرا کے اپنے لیے سامان عیش فراہم کرنا ہو سکتا ہے۔ یہ منصب حاصل کر کے وہ بڑی تعداد میں آدم زادیوں کو اپنے حرم کی زینت بنا سکے گا۔ تو بھی تو ایک تیر سے دو شکار کرنے ہی کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھی!...... یا تیری بات کا مطلب اور تھا؟'' عارج نے اپنی بات پوری کرتے ہوئے معلوم کیا۔

''مطلب تو خیر میرا بھی یہی تھا اے عارج!'' میں نے اقرار کیا' پھر اسے سمجھانے لگی۔ ''بظاہر اس خبیث عفریت کی سرگرمیاں کچھ بھی ہوں مگر ہمیں اس کی طرف سے بہت محتاط رہنا ہوگا۔ وہ ہمیں اس طرح دھوکہ بھی دے سکتا ہے کہ کسی اور غرض سے بغداد آیا ہے۔''

''یہ کہہ کر کہیں تو مجھے ڈرا تو نہیں رہی اے دینار؟'' عارج کہنے لگا۔ اس کی آواز میں شوخی تھی۔

''جو پہلے سے خوفزدہ ہو' اسے ڈرانے سے کیا حاصل' میں کیا تجھے جانتی نہیں!'' میں دھیرے سے ہنس دی۔

''چل تو بہادر سہی۔ میرے اطمینان کیلئے یہ بھی کافی ہے کہ اگر میں نہیں تو میری ہونے والی بیوی کسی سے نہیں ڈرتی۔''

''لے دے کے تیری تان بس مجھے بیوی بنانے پر ٹوٹتی ہے!'' میں نے مصنوعی خفگی

کا اظہار کیا۔

''تو بن جا نہ میری بیوی! کب تک مستقبل کے سنہرے خواب دکھاتی رہے گی!'' عارج کی عاشق مزاجی رنگ لانے لگی۔

''زندگی اگر خوابوں سے خالی ہو جائے عارج! تو پھر جینے میں کوئی مزا ہی نہ رہے۔''

''تو مجھے خواب دکھا کر تو مزے لوٹ رہی ہے!...... یہ بھی خوب رہی!'' عارج نے اس طرح میرے مزے لوٹنے کا ذکر کیا کہ مجھے ہنسی آ گئی۔

''ہم ستم زدوں پر ہنسنا ہی حسن والوں کا شیوہ ہے۔ تو بھی ہنس لے اے دینار!''

''نہ تو کوئی ستم زدہ ہے' نہ میرا شمار اہل حسن میں ہوتا ہے۔'' میں بولی۔ ''ان بے سروپا باتوں کو چھوڑ اور فضا میں فضول ادھر ادھر ٹامک ٹوئیاں مارنے کے بجائے بابل کے کھنڈرات کی طرف چل! عالم سوما تہجد کی نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا تو نفلوں کے دوران میں اس سے بات کرنا اچھا نہیں لگے گا۔ یوں بھی وہ ہماری واپسی کا منتظر ہو گا۔''

عارج نے میری بات مان لی۔ پھر ہمیں بابل کے کھنڈرات تک پہنچنے میں دیر نہ لگی۔

عالم سوما کو میں نے پوری روداد سنا دی تو اس نے کہا۔ ''وہی ہوا کہ مجھے جس کا خدشہ تھا۔ اب یہ بندوبست ضروری ہو گیا ہے کہ وہ عفریت اپنی شیطانی قوتوں کو بروئے کار لا کے ہارون کو ولی عہدی سے دست بردار ہونے پر مجبور نہ کر سکے۔ خود مجھے بھی اس سلسلے میں کچھ کرنا پڑے گا کہ ہارون کو بوڑھا عفریت اپنے اثر میں نہ لے پائے۔ اس کے علاوہ اے دینار! تجھے اور عارج کو بھی قصر خلافت میں رہنا ہو گا۔ ابراہیم حرانی سے حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں وقت اور حالات کا اب یہی تقاضا ہے۔ اس میں تمہارے لیے خطرہ تو ہے مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔ تم دونوں مطمئن رہنا' میں تمہاری طرف سے غافل نہیں رہوں گا۔''

یہ کہہ کر عالم سوما کچھ دیر مجھے مختلف ہدایات دیتا رہا۔ ان ہدایات کا تعلق قصر خلافت میں تحفظ کے علاوہ آئندہ کے لائحہ عمل سے بھی تھا۔

وہ رات ہم نے کھنڈرات ہی میں گزاری اور صبح کے آثار نمودار ہوتے ہی بغداد روانہ ہو گئے۔

قصر خلافت اس وقت سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب ہم اس کے مخصوص حصے میں

پہنچے۔ یہ حصہ قصر کے ملازمین کی سکونت کیلئے ہی تھا۔ یہاں ان کیلئے چھوٹی چھوٹی دو دالانوں پر مشتمل قیام گاہیں بنی ہوئی تھیں۔ یہ حصہ بھی چونکہ قصر کی حدود میں تھا' اس بنا پر طرز تعمیر خوبصورت ہی تھا۔ اس حصے میں خدام' خادماؤں' کنیزوں اور غلاموں سبھی کی قیام گاہیں تھیں۔

ایوب اور جمیلہ کے انسانی قالب ہمارے لیے آشنا تھے۔ ان قالبوں میں ہمیں گھٹن محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اسی سبب اس مرتبہ بھی ہم نے انہی کا انتخاب کیا۔ وہ دونوں ابھی سو کر نہیں اٹھے تھے کہ ہم ان کے جسموں میں اتر گئے۔

چند ہی لمحے بعد ایوب کے جسم میں قرار پا کر عارج اٹھ کے بیٹھ گیا اور مجھ سے بولا "اے دینار! کیا یہ ممکن نہیں کہ آج رات اس لعنتی عفریت اور خلیفہ ہادی کی ملاقات سے پہلے ہارون اس قصر میں نہ رہے۔ وہ آج ہی خلیفہ ہادی سے سیر و شکار کی اجازت حاصل کر لے۔"

"موجودہ حالات میں ایسا ممکن نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "خلیفہ ہادی کم از کم اس وقت ہارون کو کہیں بھی جانے کی اجازت نہیں دے گا۔ یہ سوچ کہ بوڑھے عفریت نے جو دعویٰ کیا ہے' اسے آزمانے کا موقع ہادی کیسے کھو دے گا اور اس کیلئے ہارون کا بغداد میں ہونا ضروری ہے۔"

"قیاسات پر نہ جا' کوشش کر اے دینار!" عارج بولا۔ "یہی تو ہوگا کہ ہادی انکار کر دے گا مگر ہارون کو اس سے بات تو کرنی چاہیے۔ تو اگر کہے تو میں' ہارون کو اس پر آمادہ کروں۔ ہادی کو تو اپنے اثر میں لے کر اس سے اجازت دلوا سکتی ہے۔"

عارج کی بات سے امید بندھی۔ میں نے سوچا' شاید بات بن ہی جائے۔ اسی سبب راضی ہو گئی۔ میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے' کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ تو ہارون کو سنبھال' میں ہادی کو دیکھتی ہوں۔"

میری اور عارج کی کوششوں سے اسی دن دربار عام کے انعقاد سے پہلے دونوں بھائیوں' ہادی اور ہارون کی ملاقات طے ہو گئی۔ یہ ملاقات خلوت میں ہونی تھی۔ ہارون کو تو عارج نے راضی کر لیا تھا مگر ہادی ملاقات پر آمادہ نہ تھا۔ سو اس غرض سے مجھے حرکت میں آنا پڑا۔ ایوب اور جمیلہ کے ذہنوں پر نیند مسلط کر کے ہم ان کی قیام گاہ سے نکل آئے تھے۔

ہارون و ہادی کی ملاقات کے وقت ضروری نہیں تھا کہ عارج بھی وہاں موجود ہوتا۔ اس کا اشتیاق دیکھ کر میں نے اسے بھی ساتھ لے لیا۔ خلوت میں ملاقات کی درخواست ہارون کی طرف سے کی گئی تھی۔ ہادی نے اسی سبب اسے اپنی نشست گاہ میں خاصی دیر انتظار کرایا۔

اس سے ہادی کا مقصد محض اپنی برتری جتانا تھا۔ انتظار کی یہ ساعتیں ہارون کو ناگوار ہوئیں۔ اس کا پتہ ہارون کے ماتھے پر پڑی ہوئی شکنوں سے بخوبی ہوتا تھا۔ اگر عارج اسے اپنے اثر میں نہ لیے ہوتا تو شاید وہ غصے میں وہاں سے اٹھ کر چلا جاتا۔

میں نے صورتحال کو کشیدہ ہوتے دیکھا تو ہادی کے پاس پہنچ گئی۔ پھر اسے نشست گاہ تک لانے میں مجھے دیر نہیں لگی۔ انسانی پیکروں سے باہر نکل آنے کے بعد مجھے اور عارج کو کہیں بھی آنے جانے میں آسانی ہو گئی تھی۔

اپنی ناگواری پر قابو پاتے ہوئے ہارون نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ہادی کو تعظیم دی۔ ہادی نے سر کے خفیف سے اشارے کے ذریعے ہارون کی تعظیم کا جواب دیا اور اینٹھا ہوا سا اپنی مسند پر بیٹھ گیا۔ اخلاقاً اس نے اپنے چھوٹے بھائی سے خیر خیریت بھی نہ پوچھی اور کہا۔ "بولو تمہیں ہم سے کیا کہنا ہے؟"

"اے امیر المومنین! ہم عرصہ دراز سے بغداد میں ہیں۔" ہارون نے بات شروع کی۔ "ہمارا جی چاہتا ہے کہ بغداد سے باہر کہیں سیر و شکار کو نکل جائیں۔ ہمیں حضور سے اسی کی اجازت طلب کرنی تھی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ امیر المومنین مایوس نہیں کریں گے۔"

میری توجہ ہادی کے ذہن پر تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ہارون اگر بغداد سے چلا گیا تو ولی عہدی کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔

"نہیں۔" میں' ہادی کے دماغ میں بولی۔ "ہارون کو کہیں سے بھی بغداد طلب کیا جا سکتا ہے۔"

"ہاں کیوں نہیں!" ہادی میرے زیر اثر بڑبڑایا۔ پھر وہ بلند آواز میں ہارون سے مخاطب ہوا۔ "ہم تمہیں بغداد سے جانے کی اجازت تو دیتے ہیں' مگر ہمارے طلب کرنے پر بلا تاخیر یہاں آنا پڑے گا۔ یہ طلبی کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔"

"ہمیں منظور ہے۔ امیر المومنین کے حکم کی تعمیل ہر صورت میں کی جائے گی۔" ہارون نے یقین دہانی کرائی۔

"غالباً تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ تم ہمیں اپنی نقل و حرکت سے آگاہ رکھو گے۔" ہادی بولا' پھر پوچھا۔ "مزید اور کچھ؟"

"شکریہ اے امیر المومنین! ہمیں کچھ اور عرض نہیں کرنا۔ ہم اجازت چاہتے ہیں۔" ہارون نے کہا۔

ہادی نے زبان سے کچھ کہے بغیر دایاں ہاتھ بلند کر دیا۔ یہ سلوک عموماً ملازمین کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ ہاتھ کے اشارے سے جانے کی اجازت دی جائے۔ یہ دیکھ کر ہارون کے چہرے پر ناگواری کا تاثر ابھرا مگر وہ کچھ بولا نہیں اور اٹھ کر چلا گیا۔ میں نے عارج کو بھی اس کے پیچھے لپکتے دیکھا۔ عارج مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ اگر خلیفہ ہادی نے اجازت دے دی تو وہ یہ کوشش کرے گا کہ ہارون اسی روز بغداد سے نکل جائے یوں گویا ہارون اس خبیث عفریت کی پہنچ سے دور ہو جاتا جس نے ولی عہدی سے ہارون کی دست برداری کا دعویٰ کیا تھا۔

خلیفہ ہادی نشست گاہ میں تنہا رہ گیا تو میں نے لمحہ بھر بھی ضائع کیے بغیر عالم سوما کی ہدایات پر عمل شروع کر دیا۔

''اے ہادی! کیا تجھے خبر ہے کہ تیرا وزیر ابراہیم حرانی آج رات خلوت میں تجھ سے جسے ملوانے لا رہا ہے' وہ کون ہے؟'' میں نے ہادی کے دماغ میں سرگوشی کی۔ اسے میں اپنے اثر میں لے چکی تھی۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے میں نے ہادی سے مزید کہنا شروع کیا۔ ''تو یقیناً نہیں جانتا ہوگا کہ وہ بوڑھا کون ہے! میں تجھے اس کے بارے میں بتاتی ہوں کہ وہ کس قدر خطرناک ہے! اور تیری حکومت کیلئے کتنا بڑا خطرہ ثابت ہو سکتا ہے! تیرے لیے صرف اتنا جان لینا بھی کافی ہونا چاہئے کہ یہ بوڑھا' شہر کوفہ میں خلافت کے دعویداری عیسیٰ بن موسیٰ کا دست راست رہ چکا ہے۔ اس بوڑھے کا پورا نام سلیمان بن داؤد ہے۔ استخوانی چہرے والے اس بوڑھے کو اہل کوفہ آج بھی بھولے نہ ہوں گے۔ تجھے چاہئے کہ عامل کوفہ اسحٰق بن صباح کے پاس فوری طور پر کوئی تیز رفتار قاصد بھیج۔ اسے لکھ کہ دو تین ایسے افراد کو فوراً بغداد بھیج دے جو عیسیٰ کے اس دست راست کو پہچان سکیں۔''

جب میں یہ سرگوشیاں کر رہی تھی تو ہادی کے ذہن میں سوال پیدا ہوا۔ ''میں اس بوڑھے سے ملاقات نہ کرنے کا کیا سبب بتاؤں گا؟''

''تو خلیفہ ہے اور خلیفہ ہی بن کے رہ!'' میں نے اسے تاکید کی۔ ''وزیر ہو یا کوئی اور کسی کو اپنے اوپر اتنا حاوی نہ ہونے دے کہ وہ تجھ سے جواب طلبی کرنے لگے۔ ابراہیم حرانی تیرے بچپن کا دوست سہی مگر اسے یہ اختیار نہیں کہ تیری مرضی کے خلاف تجھ سے کسی کو ملوا سکے۔ اپنے وزیر کو طلب کر کے کہہ دے' تو آج رات اس بوڑھے سے نہیں ملے گا۔ جب تیری طرف سے باریابی کی اجازت مل جائے تو وہ بوڑھے کو بغرض ملاقات ساتھ لے آئے۔'' میں نے ہادی کے دماغ میں یہ بات بٹھا دی کہ بوڑھا سلیمان اس کے خاندان کا دشمن ہے۔

ادھر میں نے ہادی کے ذہن کو اپنی گرفت سے آزاد کیا' ادھر اس نے اپنے خادم خاص کے ذریعے میر منشی کو طلب کر لیا۔

اب میرے وہاں رکے رہنے کی مزید ضرورت نہیں تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ ہادی کو اپنے اثر میں لے کر میں نے جو احکام دیئے ہیں' ان پر وہ فوری عمل کرے گا۔ بوڑھے عیار عفریت کے کھیل کو میں نے ناکام بنانے کی ابتدا کر دی تھی۔ کوئی عیار اور انتہائی چالاک آدم زاد ہو کہ جن زاد' کبھی نہ کبھی اس سے حماقت سرزد ہو ہی جاتی ہے۔ ایسی ہی حماقت اس عفریت سے ہوئی تھی۔ اسے بوڑھے سلیمان کے انسانی قالب میں ظاہر نہیں ہونا چاہئے تھا۔ اس عرصے میں مجھ فائقہ کا خیال بھی آیا۔ وہ موسیٰ بن کعب کے حرم میں تھی۔ وہ بھی بوڑھے سلیمان کو پہچان سکتی تھی' مگر اس بدنصیب آدم زادی کو میں نے اس معاملے سے دور ہی رکھا۔ معلوم نہیں اس طرح فائقہ کیلئے کیا نئی الجھن پیدا ہو جاتی۔

اسی دن شام سے کچھ پہلے ہارون الرشید اپنی بیوی زبیدہ بیگم' کنیزوں' غلاموں اور محافظ دستے کو ساتھ لے کر بغداد سے نکل گیا۔ میری اور عارج کی یہ بڑی کامیابی تھی۔ ہماری کوششیں بار آور ثابت ہوئی تھیں۔ دوسری جانب ہادی نے میری ہدایت کے مطابق اپنے وزیر ابراہیم حرانی کو تاکید کر دی تھی کہ جب وہ باریابی کی اجازت دے تو بوڑھے سلیمان کو اس سے ملوایا جائے۔

ابراہیم نے تعلقات دیرینہ کی بنا پر وجہ پوچھی تو ہادی برہم ہو گیا' بولا۔ ''اے ابراہیم تجھے کس نے یہ اختیار دیا کہ ہم سے جواب طلبی کرے!''

''غلطی ہو گئی اے امیر المومنین!......غلام کا مقصد ہرگز یہ نہ تھا کہ......''

ہادی نے اس کی بات کاٹ دی اور کہا۔ ''ہمیں تم سے مزید کلام نہیں کرنا! ......تم جا سکتے ہو......''

اپنا سا منہ لے کر ابراہیم قصر خلافت سے واپس آ گیا۔ خلیفہ کی تیوریوں پر بل پڑنے کا مطلب اس سے زیادہ بھلا اور کون سمجھتا۔ وہ اس مملکت کا وزیر تھا۔ خلیفہ کے مزاج کی اس تبدیلی کا سبب وہ بہرحال نہیں سمجھا ہوگا۔ ایک ابراہیم حرانی ہی کیا' خلیفہ ہادی کی چاپلوسی کرنے والے امراء اور حاضر باش سبھی اس پر حیران تھے کہ ہادی نے ہارون کو بغداد سے نکل جانے کی اجازت کیسے دے دی۔

دوسرے روز صبح کوفہ بھیجے جانے والا قاصد بغداد واپس آ گیا۔ اس کے ہمراہ تین

ایسے افراد تھے جو بوڑھے سلیمان کو پہچان سکتے تھے۔ عامل کوفہ نے جواب میں لکھا تھا کہ استخوانی چہرے والے بوڑھے سلیمان کو عیسیٰ بن موسیٰ کے دست راست کی حیثیت سے اہل کوفہ کی اکثریت خوب پہچانتی ہے۔ اس غرض سے تین افراد کو بھیجا جا رہا ہے۔ میں اس پورے معاملے پر نظر رکھے ہوئے تھی کہ دیکھوں' اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

ابراہیم حرانی کی اطلاع کے مطابق بوڑھا سلیمان محلہ کرخ کی ایک سرائے میں ٹھہرا ہوا تھا۔

''ان تینوں افراد کو اپنے ساتھ کرخ کی اس سرائے میں لے جاؤ جہاں وہ بوڑھا ٹھہرا ہوا ہے جس سے تم مجھے ملوانا چاہتے ہو۔'' ہادی نے ابراہیم کو طلب کر کے حکم دیا۔ ابراہیم حیران حیران سا کوفہ سے آنے والوں اور ہادی کو دیکھتا رہا۔ اس پر ہادی ڈپٹ کر بولا۔ ''جاؤ!''

وزیر ابراہیم سٹپٹا گیا اور فوراً ہی ان تینوں افراد کو اپنے ساتھ لے کر دیوان خاص سے نکل گیا۔

کوفہ سے آنے والوں کو ہادی نے پہلے ہی ہدایت کر دی تھی کہ بوڑھے سلیمان کی شناخت کے بعد انہیں قصر خلافت لوٹنا ہے۔

میرا جی تو بہت چاہا کہ میں بھی ان آدم زادوں کے پیچھے پیچھے یہ ماجرا دیکھنے جاؤں مگر خود پر قابو پا لیا۔ اس عفریت سے میں جس قدر دور رہتی اچھا تھا۔ دور دور رہ کر بھی تو سب کچھ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ میں نے بطور احتیاط یہی کیا۔

کرخ سے اہل کوفہ کی واپسی ہوئی تو خلیفہ ہادی کو فوراً مطلع کر دیا گیا۔ ہادی نے دیوان خاص میں ان سے ملاقات کی۔ وزیر ابراہیم ان کے ساتھ نہیں تھا۔ ہادی کے استفسار پر ان میں سے ایک بولا۔ ''اے امیرالمومنین! ہم وزیر محترم کے ساتھ کرخ کی اس سرائے میں پہنچے تو پتا چلا' گزشتہ رات ہی بوڑھا سلیمان سرائے چھوڑ کر جا چکا ہے۔ سرائے کے مالک اور ملازمین سے ہم نے حلیے کی تصدیق کر لی۔ وہاں ہفتہ بھر سے قیام کرنے والا' عیسیٰ ہی کا دست راست بوڑھا سلیمان ہی تھا۔ جو بھی ایک بار اس کا چہرہ دیکھ لے' اسے بھول نہیں سکتا۔''

ان تینوں کوفہ والوں کو رخصت کر کے ہادی نے اپنے وزیر ابراہیم حرانی کو طلب کیا۔

کچھ دیر میں جب وزیر ابراہیم حاضر ہو گیا تو ہادی نے اس سے پوچھا۔ ''اس پراسرار بوڑھے سے تمہاری آخری ملاقات کب ہوئی تھی؟''

''اے امیرالمومنین! آپ کا یہ غلام کل بعد نماز مغرب اس سے ملا تھا۔'' ابراہیم حرانی نے جواب دیا۔

''تم اس سے ملنے کیوں گئے تھے؟'' خلیفہ ہادی کا لہجہ سخت تھا۔ یوں جیسے وہ جواب طلب کر رہا ہو۔

''اسے آگاہ کرنا مقصود تھا اے امیرالمومنین کہ آپ نے اس سے ملاقات منسوخ کر دی.....''

ہادی بول اٹھا۔ ''کیا تمہارے دماغ سے یہ بات محو ہو گئی تھی اے ابراہیم کہ تم کوئی معمولی آدمی نہیں' ہمارے وزیر ہو۔ پھر تم خود کیوں دوڑے دوڑے کرخ کی اس سرائے تک گئے؟ تم نے اس بوڑھے کو طلب کیوں نہ کیا؟''

''اے امیرالمومنین! دراصل یہ غلام' اس بوڑھے کے کمالات دیکھ کر بہت زیادہ متاثر ہو گیا تھا۔'' ابراہیم حرانی کی آواز میں عاجزی تھی۔

''تم بے وقوف ہوا اے ابراہیم! اسی لیے اس عیار بوڑھے کی باتوں میں آ گئے۔''

''بجا ارشاد فرمایا اے امیرالمومنین! اس غلام کو اپنی بے وقوفی کا اعتراف ہے۔''

ہادی جو اپنے وزیر سے اس کی حماقت کا اعتراف کرا رہا تھا' خود بھی کم بے وقوف نہیں تھا۔ اس نے بوڑھے سلیمان کے متعلق وہ سب کچھ ابراہیم کو بتا دیا جو میں نے اس کے دماغ میں ڈالا تھا۔ آخر میں اس نے کہا۔ ''ہم یقیناً کسی سازش سے بچ گئے اے ابراہیم!''

''اس میں کیا شبہ ہے اے امیرالمومنین!'' ابراہیم نے فوراً اقرار میں سر ہلایا' پھر مشورہ دیا۔ ''کیوں نہ اس عیار بوڑھے کی گرفتاری پر کوئی انعام مقرر کر دیا جائے۔ شناخت کی غرض سے پوری مملکت میں اس کے حلیے کی تشہیر کر دی جائے گی۔''

''نہیں۔'' خلیفہ ہادی نے انکار کر دیا۔ ''اس طرح ہم اسے شہرت کیوں دیں! خاک ڈالو اس پر!''

ہادی نے تو خبیث عفریت پر خاک ڈالنے کو کہہ دیا تھا مگر میرے یار عارج کیلئے یہ آسان نہیں تھا۔ اس طرح اچانک غائب ہو کر وہ ہماری نظر میں اور بھی زیادہ خطرناک ہو گیا تھا۔ دشمن آنکھوں سے اوجھل ہو تو خطرہ اور بڑھ جاتا ہے کہ نہ جانے کب اچانک وہ سامنے آ جائے۔

عارج نے مشورہ دیا کہ ان حالات میں ہمیں عالم سوما کی رہنمائی ضرور حاصل کرنی

چاہئے۔

ہم اسی شب عالم سوما سے ملے اور اسے تمام حالات بتا کر اپنی تشویش سے آگاہ کیا۔

"میرے بچو! میں تمہاری طرف سے غافل نہ تھا۔ تم نے جو کچھ بتایا' مجھے معلوم تھا۔" عالم سوما کہنے لگا۔ "مجھے تو اس پر خوشی ہے کہ تم دونوں نے بروقت اور مناسب اقدامات کر کے اس عفریت کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ مجھے کسی بھی مرحلے پر مداخلت نہیں کرنی پڑی۔"

"تیری حوصلہ افزائی کا شکریہ اے سوما!" میں بولی۔ "یہ بتا کہ ہم اب بھی قصر خلافت میں رہیں یا نہ رہیں؟"

"کیوں' اب کیا ایسی بات ہو گئی اے دینار!" عالم سوما نے کہا۔ "تو نے تو اس عفریت کو انسانی قالب میں دیکھ لیا' مگر مجھے یقین ہے اس کی نظر تجھ پر نہیں پڑی۔ ایک تو یہ کہ تو جیلہ کے انسانی قالب میں تھی' دوسرے تیرے گرد نادیدہ حفاظتی حصار قائم تھا۔ یہی صورت عارج کے ساتھ رہی۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم دونوں جیسے پہلے وہاں رہ رہے تھے۔ ویسے ہی رہو! خطرے کی کوئی بات نہیں۔ اگر خدانخواستہ کبھی وہاں تمہیں خطرہ محسوس ہو تو سیدھے ان کھنڈرات میں میرے پاس چلے آنا۔"

عالم سوما نے ہمیں مطمئن کر دیا تو ہم بغداد کے قصر خلافت میں واپس آ گئے۔

ہمارے شب و روز اطمینان و سکون سے گزر رہے تھے کہ خلیفہ ہادی کو اس کے حاضر باشوں نے ایک بار پھر ہارون کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ بغداد سے رخصت ہوئے ہارون کو چالیس روز گزر چکے تھے۔ اس کے بارے میں پتہ لگا لیا گیا تھا کہ وہ موصل میں ہے۔

"برادر خورد ہارون کو آخر ایسی کیا مشکل پیش آ گئی کہ بغداد سے اتنی دور رہنا پسند کیا!" خلیفہ ہادی نے بھرے دربار میں ہارون پر طنز کیا۔ پھر اس نے اسی وقت ہارون کی طلبی کا حکم دیا۔ اسی دن یہ حکم تحریری طور پر خلیفہ ہادی کے دستخط و مہر کے ساتھ ہارون کو موصل روانہ کر دیا گیا۔ ان دنوں موصل کا عامل عبدالملک بن صالح تھا۔ ہادی نے اس کے نام بھی حکم بھیجا کہ ہارون کو موصل میں نہ رہنے دیا جائے! ایک عامل کو اپنے ہی خاندان کے ایک اہم فرد کے بارے میں اس نوع کا حکم بھیجنا کوئی مناسب اقدام نہیں تھا۔ ایسی صورتحال میں عامل عموماً

طرح دے جاتے ہیں۔ انہیں یہ خیال ہوتا ہے کہ برسر اقتدار خاندان کے جس فرد کے خلاف وہ قدم اٹھا رہے ہیں' آئندہ وہی تخت و تاج کا مالک بنا تو ان کی جان آفت میں آ جائے گی۔ کچھ کم عقل ہی ایسے ہوتے ہیں جو ان نزاکتوں کو نہیں سمجھتے۔ عبدالملک بھی ایسے ہی آدم زادوں میں سے تھا۔ اس کا نتیجہ اسے آئندہ بھگتنا پڑا۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔ عبدالملک جیسے کم عقلوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔

چند روز کے بعد موصل سے ہارون کا جواب آیا کہ وہ علیل ہے اور علالت کے سبب سفر کرنے سے قاصر ہے۔ اس موقع پر موصل کے عامل عبدالملک نے جو پیغام بھیجا' اسے پڑھ کر خلیفہ ہادی مشتعل ہو گیا۔ عبدالملک نے لکھا تھا کہ جب میں امیرالمومنین کا حکم نامہ آپ کے برادر خورد ہارون الرشید کے پاس لے کر گیا تو انہوں نے کہا' لکھ دو کہ ہم بیمار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ پوری طرح صحت مند و تندرست ہیں۔ غلام کا خیال ہے کہ وہ علالت کے بہانے موصل میں مزید قیام کرنا چاہتے ہیں۔ امیرالمومنین کا حکم ہو تو ہارون الرشید کو بزور طاقت موصل سے نکال دیا جائے۔ پیغام کے الفاظ اشتعال دلانے والے ہی تھے۔

خلیفہ ہادی نے حاکم موصل عبدالملک کو لکھا' ہم خود موصل آ رہے ہیں۔ اس کے بعد ہادی نے فوج کو تیاری کیلئے دو ہفتے کا وقت دیا۔

دو ہفتے پلک جھپکتے گزر گئے۔ جس رات کی صبح مجھے اور عارج کو خلیفہ ہادی کے خدام کی حیثیت سے اس کے ساتھ موصل جانا تھا' عارج کہنے لگا۔ "تجھے یاد ہے اے دینار! ہم ہادی کے باپ مہدی کے حکم پر بھی بحیثیت خدام ساتھ گئے تھے۔"

"ہاں یاد ہے" میں بولی۔ "تو پھر؟...... کہنا کیا چاہتا ہے تو؟...... کچھ پتا تو چلے!"

"خلیفہ مہدی کو ہمیں اپنے ساتھ لے جانا راس نہیں آیا تھا۔" عارج نے کہا۔ "مجھے لگتا ہے کہ ہادی کو بھی یہ سفر بھاری پڑے گا۔"

"مجھے تو یہ سب تیری توہم پرستی لگتی ہے اے عارج!" جو بات میرے دل میں تھی' میں نے صاف صاف کہہ دی۔

"یہ میری توہم پرستی نہیں اے دینار!...... مہدی اور ہادی کے سفر میں کئی باتیں مشترک ہیں۔ مہدی نے ہادی کو طلب کیا تھا جو بغداد نہیں آیا۔ گویا اس نے خلیفہ وقت کی نافرمانی کی۔ کم و بیش یہی صورتحال اب ہے۔ خلیفہ ہادی نے ہارون کو طلب کیا مگر وہ نہیں آیا' یعنی اس نے بھی خلیفہ وقت کا حکم نہیں مانا۔ مہدی نے ہادی کو اس کی نافرمانی پر سزا دینے کیلئے

فوج کشی کا فیصلہ کیا۔ اسی فیصلے کے تحت وہ بغداد سے فوج لے کر نکلا۔ اب ایسا ہی ہادی کر رہا ہے۔'' عارج کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''تیرا یہ کہنا درست ہے کہ واقعات میں مماثلت پائی جاتی ہے' لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ مہدی کی طرح ہادی بھی اپنی منزل تک نہ پہنچے۔ پھر یہ نہ بھول اے عارج کہ بغاوت اور مجبوری یا مصلحت وقت میں فرق ہوتا ہے۔ ہادی کا عمل اس وقت باغیانہ تھا جب کہ ہارون مصلحت وقت کے سبب بغداد نہیں آیا۔ بول کیا میرا خیال غلط ہے؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے عارج کی طرف دیکھا۔

''میں کبھی تجھ سے بحث میں جیتا ہوں جو آج ایسا سوچوں۔'' عارج نے بات کا رخ ہی بدل دیا۔ ''ویسے میں تجھے آج راز کی ایک بات بتا ہی دوں اے دینار!...... تجھ سے ہار جانے ہی میں مجھے اپنی جیت نظر آتی ہے۔''

''تجھے تو بس موقع ملنا چاہیے فضول باتوں کا!...... سو جا! کل صبح ہی صبح لشکر کوچ کرنے والا ہے۔ تو جانتا ہی ہے کہ ہادی کا غصہ ناک پر کھڑا رہتا ہے۔ معافی اور درگزر تو جیسے اس نے سیکھا ہی نہیں۔ ہمیں دیر نہیں ہونی چاہیے۔''

معلوم نہیں اس رات عارج کے دل میں کیا نیکی آ گئی کہ مزید مجھے تنگ کیے بغیر سونے پر آمادہ ہو گیا۔

دوسرے دن لشکر بغداد سے موصل کیلئے روانہ ہوا تو عارج اور میں' ہم دونوں بدستور خلیفہ ہادی کی خدمت میں تھے۔

منزل بہ منزل سفر کرتا ہوا یہ لشکر ایک روز شام کے وقت موصل کی حدود میں داخل ہوا۔ عامل موصل عبدالملک بن صالح' خلیفہ ہادی کا استقبال کرنے شہر سے باہر موجود تھا۔ اسی سے خلیفہ ہادی کو پتا چلا کہ ایک روز قبل ہی ہارون' موصل سے جا چکا ہے۔

''تو نے اسے روکا کیوں نہیں؟'' ہادی کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچنے لگا۔ کھمبا گویا اس کے نزدیک عامل موصل تھا۔

''اے امیر المومنین! آپ کا حکم یہ تھا کہ میں' ہارون الرشید کو موصل میں نہ رہنے دوں۔ رفتہ رفتہ میں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ وہ خود ہی یہ شہر چھوڑ کر چلے گئے۔ اگر حضور کا حکم یہ ہوتا کہ میں انہیں روک لوں تو......''

''مگر ہم نے تجھے یہ بھی تو لکھا تھا کہ خود موصل آ رہے ہیں۔'' ہادی نے عامل

موصل کی بات کاٹ دی۔ ''کیا یہ اس بات کا اشارہ نہیں تھا کہ ہماری آمد تک تجھے ہارون کو موصل ہی میں روکے رکھنا ہے۔ بتا کہ ہارون یہاں سے کہاں گیا ہے؟''

عامل موصل عبدالملک کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ وہ بمشکل بولا۔ ''غلام کو اس کا علم نہیں اے امیر المومنین!''

''تجھ پر خدا کی لعنت ہو اے بے خبر و بد بخت!'' ہادی غصے میں کسی سانپ کی طرح پھنکارا۔

بغداد سے چلتے وقت طبیبوں نے ہادی کو اتنا طویل سفر نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ ان کے خیال میں ہادی کی صحت طویل سفر کی متحمل نہیں تھی۔ موصل سے دو منزل پہلے ہی اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ طبیبوں نے نبیذ پینے پر پابندی لگا دی' مگر ہادی نے ایک نہ سنی۔ غصہ نہ کرنا بھی طبیبوں کی طرف سے عائد کردہ پابندیوں میں سے ایک پابندی تھی۔ ہادی نے غصہ کیا تو اس کا سانس پھولنے لگا۔ اسی کو دیکھ کر امراء اور سرداران فوج نے اسے سمجھایا۔ ہادی کو سمجھانے والوں میں اس کا وزیر ابراہیم حرانی بھی شامل تھا۔ وہ بڑ بڑانے لگا۔

''اے امیر المومنین! آپ فکر نہ کریں۔ ہارون الرشید کو ہم ڈھونڈ نکالیں گے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ انہیں ولی عہدی سے بہ جبر دست بردار ہونے پر مجبور کیا جا سکے۔ انہوں نے ہمارے صبر کا بہت امتحان لے لیا' اب مزید گنجائش نہیں۔''

اپنے اراکین سلطنت کے سمجھانے بجھانے پر ہادی کا غصہ کچھ کم ہوا اور مزید نہ بولا۔

عراق کے ہر بڑے شہر میں خلیفہ وقت کیلئے عالی شان محل بنے ہوئے تھے۔ موصل میں بھی ایسا ہی ایک محل تھا۔ اس محل کی زیب و زینت اور آرائش بے مثال تھی۔ ہادی نے وہیں قیام کیا۔

دوسرے ہی روز ہادی نے مخبروں کو مختلف سمتوں میں دوڑایا۔ انہیں یہ سراغ لگانا تھا کہ ہارون کہاں ہے؟ یا اگر سرگرم سفر ہے تو اس کا قصد کدھر کا ہے۔ اب ہادی پر یہ جنون سوار ہو گیا تھا کہ وہ زبردستی ہارون کو ولی عہدی سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دے گا۔ یہی سوچ کر ہادی نے اپنے ہم نوا امراء اور اراکین سلطنت سے نو عمر بیٹے جعفر کی بیعت لینا بھی شروع کر دی تھی۔

طبیب اپنی سی کوششیں کرتے رہے مگر ہادی کی طبیعت اور بگڑتی گئی۔ لاکھ سمجھانے

پر بھی وہ بد پرہیزی سے باز نہیں آتا تھا۔ اسی اثنا میں اسے ایک مخبر کے ذریعے یہ خبر لگی کہ ہارون بغداد پہنچنے والا ہے۔

''ہارون نے ہمارے ساتھ یہ فریب کیا۔'' ہادی غصے سے چیخ اٹھا۔ ''وہ یہاں موصل آیا اور جب ہم نے اسے بغداد طلب کیا تو اس نے علالت کا بہانہ کر دیا۔ اسے یقین ہو گا کہ ہم اس کے تعاقب میں موصل تک پہنچ جائیں گے۔ سو اس نے ہمیں یوں ہمارے دارالحکومت سے نکلنے پر مجبور کر دیا اور......اور خود وہاں......دارالحکومت بغداد پہنچ گیا۔ ہم......ہم اسے وہاں چین سے نہیں رہنے دیں گے......بغداد ہمارا ہے۔'' ہادی یہ کہتے ہوئے بے ہوش ہو گیا۔

طبیبوں نے ہادی کی حالت دیکھی تو ان کے چہروں سے فکرمندی کا اظہار ہونے لگا۔ ہادی کی تیمارداری کیلئے میں قریب ہی موجود تھی۔ آپس میں طبیب جو گفتگو کر رہے تھے میں بھی سن رہی تھی، مگر اس طرح جیسے میری توجہ ادھر نہ ہو۔

''اگر یہی حال رہا تو میرے منہ میں خاک امیرالمومنین کی زندگی کو خطرات بھی لاحق ہو سکتے ہیں۔'' ایک طبیب کہنے لگا۔ ''انہیں ہر حال میں فکر اور غصے سے بچانا ہے......مگر اس کیلئے کیا تدبیر اختیار کی جائے؟''

''اس کی تو بس ایک ہی صورت ممکن ہے کہ امیرالمومنین جب تک بستر علالت پر ہیں، ان سے کسی کو بھی ملاقات نہ کرنے دی جائے۔'' دوسرے طبیب نے تجویز پیش کی، پھر خود ہی بولا۔ ''لیکن ملاقاتوں پر پابندی لگائے گا کون؟''

اس دوران میں وزیر ابراہیم حرانی بھی ہادی کی طبیعت خراب ہونے کے متعلق سن کر وہاں آ گیا۔ اس نے کہا۔ ''امیرالمومنین کے سوا یہ اختیار کسی کو نہیں کہ وہ کسی کو بھی باریابی کی اجازت نہ دیں۔''

''تو پھر ہم امیرالمومنین ہی سے یہ گزارش کرتے ہیں۔'' خلیفہ ہادی کا طبیب خاص کہنے لگا۔

طبیب خاص کے معاون اس عرصے میں ہادی کو دنیائے غفلت سے باہر لانے کی کوشش کرتے رہے۔ اس کیلئے انہوں نے ہادی کو کئی دوائیں سنگھائیں۔ آخر کار ہادی کو ہوش آ ہی گیا۔

''اے امیرالمومنین! طبیب خاص اور ان کے دیگر معاون طبیب آپ سے ایک

درخواست کرنا چاہتے ہیں۔'' ابراہیم حرانی بولا۔

''یہ ہم سے خود ہم کلام ہو سکتے ہیں، اجازت ہے۔'' ہادی کی آواز میں نقاہت تھی۔

طبیب خاص نے اپنی بات بڑی نرمی اور شائستگی سے کی۔ اس پر بھی ہادی کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔

''تو تم سب طبیبوں کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ ہم کاروبار حکومت سے لاتعلق ہو جائیں۔'' ہادی کا لہجہ سخت تھا۔ ''نہ ہم کچھ معلوم کریں، نہ ہمیں کوئی بات بتائی جائے......گویا ہم قطعی طور پر بے خبر و لاعلم رہیں کہ ہماری حدود سلطنت میں کہاں اور کیا ہو رہا ہے!''

''حکومت و سلطنت آپ کی جان سے زیادہ تو نہیں اے امیرالمومنین!'' تجربے کار و ذہین طبیب خاص نے دل کو لگتی بات کی۔

چند لمحوں کو سکوت چھا گیا۔ ہادی کی تیوریوں پر پڑے ہوئے بل غائب ہونے لگے۔ پھر وہ ٹھنڈا سانس بھر کے بولا۔ ''ہمیں اپنی جان کی سلامتی کے خیال سے طبیبوں کا مشورہ قبول ہے، مگر ہماری علالت کو شہرت نہ دی جائے۔ اس وقت تک کیلئے جب تک ہم صحت یاب نہ ہو جائیں، تمام اختیارات اپنے وزیر ابراہیم حرانی کو دیتے ہیں۔''

میں نے کن انکھیوں سے ابراہیم حرانی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بہار سی آ گئی تھی۔

''غلام پوری کوشش کرے گا کہ امیرالمومنین کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچے۔'' ابراہیم حرانی ادب سے ہادی کے سامنے جھکا۔

جان کسے پیاری نہیں ہوتی! اس روز کے بعد سے خلیفہ ہادی نے خود کو جیسے طبیبوں کے حوالے کر دیا۔ صرف طبیب اور ذاتی خدام ہی ہادی سے مل سکتے تھے۔ ان کے سوا کسی کو بھی ملاقات کی اجازت نہیں تھی۔ طبیبوں کے مشورے پر ہی اسے خوراک دی جاتی۔ نبیذ پینے کی سختی سے ممانعت تھی۔ طبیب خاص کے معاونین ہمہ وقت ہادی کی نگرانی کرتے تھے۔ ہادی کو انہی کی مرضی کے مطابق کھانے اور پینے کو دیا جاتا۔ طبیب کھانے پینے کی ہر شے کا معائنہ کرتے۔ اس کا نتیجہ بہتر نکلا۔ چند ہی روز میں ہادی بستر سے اٹھ کر پہلے عارج کے انسانی قالب ایوب کے سہارے، پھر خود ہی چہل قدمی کرنے لگا۔ اب اس کے رخساروں کی زردی پہلے کی نسبت کم ہو گئی تھی۔

ایک روز شام کو اس نے گھڑسواری کی خواہش ظاہر کی۔ طبیبوں نے اسے بغور دیکھ

کر محل ہی کے سبزہ زار میں گھوڑے پر سوار ہو کر ایک چکر لگانے کی اجازت دے دی۔ ہادی کافی دن کے بعد گھوڑے پر سوار ہوا تو اس نے ایک چکر کے بجائے سبزہ زار کے کئی چکر لگا ڈالے۔ پھر وہ گھوڑے کی پشت سے کود کر اترا۔ غالباً اس طرح وہ اپنی جسمانی طاقت کو آزمانا چاہتا تھا۔

"ہم صحت یاب ہو گئے...... علالت رخصت ہو گئی!" ہادی جوش جذبات میں باآواز بلند کہنے لگا۔ "ہم نے خود کو آزما کر دیکھ لیا اور ہم اس آزمائش پر پورے اترے۔ ہم...... اب ہم بغداد جا سکتے ہیں۔"

طبیب خاص نے اس وقت تو ہادی سے کچھ نہ کہا' مگر بعد میں سمجھایا۔ "اے امیرالمومنین! سفر ابھی آپ کیلئے مناسب نہیں۔"

"جب ہم بغداد سے چلے تھے تو تم نے اس وقت بھی یہی کہا تھا۔" ہادی نے کہا۔ "مگر دیکھ لو کہ ہم بخیر و عافیت موصل پہنچ گئے اور تم دیکھو گے کہ اسی طرح ہمیں بغداد پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ تم نہیں جانتے کہ ہمارا جلد از جلد بغداد پہنچنا کس قدر ضروری ہے! ہم نے اب تک تمہارے مشوروں پر عمل کیا اور پھر اپنی قوت و طاقت کا اندازہ بھی کر لیا یقیناً ہم اس قابل ہیں کہ سفر کر سکیں۔"

یہ سن کر طبیب خاص نے محض ایک ماہ مزید علاج و آرام کیلئے کہا۔

"بہت ہو گیا۔ آرام!...... اب ہم تمہاری کوئی بات نہیں مانیں گے! تم جا سکتے ہو۔"

ہادی نے یہ کہہ کر مجھے میرے انسانی قالب کے نام سے پکارا۔ "اے جمیلہ! وزیر ابراہیم حرانی کو ہماری طرف سے اسی وقت طلبی کا حکم بھجوا دو۔" اس دوران میں طبیب خاص دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں ادب سے ہادی کے سامنے جھکی اور اس کی خواب گاہ سے باہر آ گئی۔ دروازے پر محافظ دستے کا نگران سعد موجود تھا۔ میں نے وزیر کی طلبی سے اسے آگاہ کیا اور خواب گاہ میں لوٹ آئی۔ کچھ ہی دیر میں وزیر ابراہیم حرانی آ گیا۔

"اے ابراہیم! اب وہ وقت آ گیا ہے جس کا ہمیں ایک مدت سے انتظار تھا۔" ہادی کہنے لگا۔ "ہم بہ عجلت بغداد پہنچ کر بہ جبر ہارون کو ولی عہدی سے دست بردار کر دیں گے۔ ہمیں بتاؤ کہ لشکر موصل سے کب تک بغداد کیلئے کوچ کر سکتا ہے؟"

"اے امیرالمومنین! آپ کے اس غلام نے مصلحت وقت کے پیش نظر لشکر کو تیاری

کی حالت ہی میں رکھا ہے۔" ابراہیم نے جواب دیا۔

"بہت خوب اے ابراہیم! تم نے ہمارا جی خوش کر دیا۔" ہادی خوش ہو کر بولا۔ "ہماری طرف سے اعلان کرا دو کہ کل صبح ہی لشکر کوچ کرے گا۔"

"جو حکم امیرالمومنین!" ابراہیم نے کہا اور پھر ہادی کے ہاتھ کا اشارہ پا کر رخصت ہو گیا۔

"اب تو بھی جا اے جمیلہ!" ہادی مجھ سے مخاطب ہوا۔ "ہمیں فی الحال تیری خدمت کی ضرورت نہیں۔"

"بہتر ہے امیرالمومنین!" میں اسے تعظیم دے کر اس کی خواب گاہ سے نکل آئی۔

وہ رات میں نے سکون سے سوتے ہوئے گزاری ورنہ جب سے ہادی بیمار پڑا تھا میری اکثر راتیں جاگتے گزری تھیں۔

ہادی کے حکم پر دوسرے روز صبح لشکر موصل سے بغداد کیلئے روانہ ہو گیا۔ ضدی و خودسر خلیفہ ہادی نے طبیبوں کے مشورے کو درخور اعتنا نہیں سمجھا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راستے ہی میں ہادی کی طبیعت خراب ہو گئی۔ وہ بیماری کے سبب خود گھڑسواری کے قابل نہ رہا تو اس نے ابراہیم حرانی کے گھوڑے پر بیٹھ کر بقیہ سفر کیا۔ لشکر بغداد پہنچا تو ہادی خود گھوڑے سے نہ اتر سکا۔ قصر خلافت کے صدر دروازے پر گھوڑا روک کر وزیر ابراہیم نے ہادی کو سہارا دے کے اتارا۔ سہارے کے بغیر ہادی چلنے سے بھی قاصر تھا۔ بمشکل اسے قصر خلافت کے مرکزی حصے تک پہنچایا گیا۔ چلتے ہوئے اس کے پیر کانپ رہے تھے۔ اپنی نشست گاہ میں پہنچ کر ہادی نے ہارون کو طلب کر لیا۔ اس نے اپنی حالت کا خیال بھی نہ کیا۔ تکیوں کے سہارے وہ اپنی مسند پر نیم دراز تھا۔

"اے ہارون! تم نے شاید ہماری علالت کی خبر سن کر یہ سوچا ہو گا کہ......" اتنا کہہ کر ہادی ہانپنے لگا۔ میں اس وقت خدمت میں تھی۔ اس نے پانی مانگا۔ صراحی سے نقشین کٹورے میں پانی نکال کر میں نے ہادی کو دیا تو چند گھونٹ پی کر وہ پھر ہارون سے مخاطب ہوا۔ "دیکھ لو کہ ہم تمہارا پیچھا کرتے ہوئے بغداد تک پہنچ گئے۔ ہم تمہیں صرف کل صبح تک کی مہلت دیتے ہیں کہ ولی عہدی سے دست بردار ہو جاؤ ورنہ......" ہادی نے دھمکی کے انداز میں اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ ہارون نے کچھ کہنا چاہا تو ہادی نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ "اب ہمیں کچھ نہیں سننا! تم جا سکتے ہو۔"

لشکر زوپہر کے بعد بغداد پہنچا تھا۔ عشا کے وقت تک عارج اور میں ہادی کی خدمت گزاری میں لگے رہے پھر ہماری جگہ دوسرے خادموں نے لے لی۔ ہم اپنی قیام گاہ میں آ گئے۔ طویل سفر کی تھکن تھی سو ہم رات کا کھانا کھاتے ہی بے خبر سو گئے۔

اچانک شور اٹھا اور میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے وہ رات یاد آ گئی جب ہادی نے ہارون پر قاتلانہ حملہ کرایا تھا۔ عارج بھی جاگ گیا اور میرے ساتھ باہر نکل آیا۔ قصر خلافت کے مرکزی حصے سے رونے پیٹنے کی آوازیں آ ئیں تو میں چونک اٹھی۔ اسی وقت میں نے سامنے والی راہداری میں ایک لونڈی کو بھاگتے دیکھا اور اسے پہچان گئی۔ اس کا نام لیلیٰ تھا اور وہ ملکہ خیزران کی لونڈی تھی۔

☆......☆......☆

شمیم نوید کی "دینار" ابھی جاری ہے بقیہ واقعات کیلئے حصہ دوئم ملاحظہ فرمائیں